JAN.
1991

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

یف و ترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ - یوپی

M.ALI.MAU

جامعۃ الرشاد

ایک نظر میں

محترم حضرات!

جامعۃ الرشاد محض ایک عربی درسگاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے۔ یہاں دینی علوم کی معیاری تعلیم کے ساتھ بقدر ضرورت جدید علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے فارغ ہونے والے طلبا ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بے بہرہ نہیں رہتے۔ گویا یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ یہ ادارہ بہت سے ملی کاموں کا بھی مرکز ہے نہ صرف ضلع بلکہ مشرقی اضلاع میں اس وقت جتنے ملی کام ہو رہے ہیں ان کا مرکز یہی ہے۔

تعلیم و تربیت

(۱) صرف و نحو اور عربی ادب و انشا پر شروع سے زور دیا جاتا ہے تاکہ طلبا کو عربی تقریر و تحریر پر پوری قدرت ہو جائے۔

(۲) فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر کی معیاری تعلیم تیسرے درجہ تک جاری رہتی ہے، یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کے لئے عربی درجات کے پہلے ابتدائی تین سالوں میں ہر طالب علم کو سورۂ حجرات سے ختم قرآن تک مع تجوید حفظ کرنا ضروری ہے (۳) جامعۃ الرشاد کا نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم و تربیت اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے تفصیل کے لئے مقاصد و خصوصیات اور نصاب تعلیم اور "جامعۃ الرشاد اکابر کی نظر میں" والے کتابچوں کا مطالعہ کریں۔

(۵) معیاری تعلیم کے ساتھ بچوں میں زیادہ سے زیادہ علم دین کا ذوق، عمل کا جذبہ، اسلامی اخلاق و کردار کی خوبی ایمان و یقین کی کیفیت اور دعوت دین اور اتباع سنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اُن

سالانہ چندہ ہندستان سے ۔/۴۰ خصوصی معاون ۔/۱۰۰ قیمت : فی پرچہ ۔/۴	جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ غیر ممالک سے ۱۵ر امریکی ڈالر 15/-

جلد ۱۸ | جنوری ۱۹۹۱ء بمطابق رجب المرجب ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۱

فہرست مضامین

۱۔	رشحات	مرتب	۲
۲۔	قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ	جناب عبدالجبار محمد حسین شرارہ	۵
۳۔	عقود بالتعاطی (یعنی خاموش لین دین)	جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نائب مفتی جامعہ مدینہ لاہور	۲۳
۴۔	احمد شاہ ابدالی کے نام	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم خط	۳۵
۵۔	باب الاستفسار والجواب	مرتب	۴۴
۶۔	الرشاد کی ڈاک	"	۵۱
۷۔	نئی کتابیں	"	۵۹

مجلس ادارت

منیجر و سیکرٹری اشاعت: مولوی عقیل احمد صاحب ندوی

کتابت: خورشید احمد خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

رشحات

کیمونزم کا جو تصور کارل مارکس نے دیا ہے اس میں بنیادی طور پر نہ تو دین و مذہب کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ اخلاقی قدروں کی کوئی قدر و قیمت ہے مگر ۱۹۱۷ء سے پہلے وہ محض ایک فلسفیانہ نظریہ تھا۔ لیکن جب مئی ۱۹۱۷ء میں روس کے اندر کیمونسٹ انقلاب آیا تو اب اس فلسفیانہ نظریہ نے عملی صورت اختیار کرلی۔ کیمونزم کے پیش نظر جو معاشی انقلاب کا نظریہ تھا اس کی بنیاد قومی ملکیت کے تصور پر تھی اور اس میں سب سے بڑی رکاوٹ انفرادی ملکیت کا تصور تھا۔ اسلام چونکہ قومی ملکیت کے فلسفہ کو غیر فطری سمجھتا ہے اور انفرادی ملکیت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اس لئے کیمونزم کے علمبرداروں نے اسے اپنے راستے کا سب سے بڑا روڑا سمجھا اور روس کے اندر چونکہ سب سے بڑی آبادی مسلمانوں کی تھی اس لئے لینن اور اسٹالن نے سب سے زیادہ نشانہ مسلمانوں کو بنایا انھوں نے پوری کوشش کی کہ پورے سرزمین سے اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے اس لئے جبر و تشدد کی ساری صورتیں اختیار کی گئیں دینی تعلیم کو ممنوع قرار دیا گیا دینی مدرسوں مسجدوں اور گرجا گھروں میں یا تو تالے دیئے گئے یا پھر انہیں لائبریری یا تفریحی پبلک سلیپس قرار دیا گیا۔ لاکھوں مسلمانوں اور عیسائیوں کو اس جرم میں قتل کیا گیا یا انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور لاکھوں آدمی وطن کو خیر آباد کہنے پر مجبور ہوئے ایسا محسوس ہونے لگا کہ روس میں اب خدا کے نام لیوا باقی نہیں رہ جائیں گے اور یہ سرزمین ہمیشہ کے لئے الحاد کی گود میں چلی جائے گی، مگر نصف صدی گذرنے کے بعد دنیا نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ دل ہلا دینے والے جبر و تشدد کے بعد بھی توحید کی وہ فطری روشنی جو دلوں کے اندر پیوست تھی جابر کیمونسٹ حکومت اسے دلوں سے نہ نکال سکی، اس نے مدرسوں اور مسجدوں کے ظاہری چراغ کو تو ضرور گل کرا دیئے مگر توحید کے جو چراغ دلوں میں روشن تھے اُسے وہ

الحاد کی پھونکوں کے ذریعہ نہ بجھا سکی۔ اور دنیا نے یہ منظر بھی دیکھا کہ کمیونزم اپنے مرکز میں بھی اپنی توانائی کھو چکا اور الحاد کی اس سرزمین میں پھر ایمان و اسلام کی روشنی پوری توانائی کے ساتھ ہر طرف پھیلنی شروع ہو گئی ہے، اور بغیر کسی جبر و تشدد کے الحاد کا سایہ سمٹنا شروع ہو گیا ہے۔ شاعر نے بہت صحیح کہا ہے ؂

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس سے پہلے ساری عیسائی دنیا نے صلیبی جنگ کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کا چراغ گل کر دینے کی یہی کوشش کی تھی، اسی طرح تاتاریوں نے اپنے خون آشام حملوں کے ذریعہ یہی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب سے ایسی صورتیں پیدا کر دیں کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نئی زندگی ملی۔

ہم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کو یا مسلمانوں کو کسی خارجی جبر و تشدد سے نہ مستقل کوئی خطرہ ہے اور نہ اس کے ذریعہ انھیں مٹایا جا سکتا ہے پوری اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ ہمارے لئے اصل خطرہ ہمارا داخلی بگاڑ اور ہماری اندرونی کمزوری ہے، ہمارے اندر نہ تو دین کی حقیقی روح باقی رہ گئی ہے اور نہ ہمارے اخلاق و کردار میں دوسروں کے لئے کوئی کشش دکھائی دیتی ہے اور نہ ہمارے اندر کوئی فطری ہم آہنگی باقی رہ گئی ہے اور نہ عملی اتحاد دکھائی دیتا ہے اور نہ ہمارے پاس کوئی دفاعی طاقت ہے ان خرابیوں کا شکار افراد بھی ہیں اور مسلمانوں کی حکومتیں بھی ہیں، یہی سبب ہے کہ جہاں ہم اقتدار میں نہیں ہیں وہیں نہیں پس رہے ہیں بلکہ جہاں ہم حکومت و اقتدار میں ہیں وہاں بھی بے وزن ہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آدھے مادی ذرائع کا ہم کو مالک بنا رکھا ہے مگر ان مادی ذرائع سے ہم جتنا زیادہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اس سے زیادہ فائدہ ہم اپنے دشمنوں کو پہونچا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ ہم سیاسی حیثیت سے آزاد ہیں اور نہ معاشی حیثیت سے ہماری دولت سے ہمارے دشمن اپنی صنعت و حرفت اور ٹیکنالوجی کو فروغ دے رہے ہیں اور ساری دنیا کی منڈیوں پر وہ چھا گئے ہیں اور وہ مستقل فوجی طاقت بن گئے ہیں اور ہم اپنے ملک میں اپنی ضروریات کی بنیادی چیزیں۔

بھی نہیں پیدا کر پا رہے ہیں اور ہم ان کی مصنوعات کو درآمد کر کے دوبارہ اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ ان کے حوالہ کر رہے ہیں اور ہم اپنی حکومت کی حفاظت اور اپنے دفاع میں ان دشمنانِ دین واسلام کے دست نگر بنے ہوئے ہیں۔

یہی اسباب ہیں کہ آج اسرائیل جیسا چھوٹا ملک پورے اسلامی ملکوں کے لئے دردسر بنا ہوا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ امریکہ جس نے اسرائیل کو ٭ اپنی مالی اور فوجی مدد دے کر عربوں کے سروں پر مسلط کر رکھا ہے اور اس کی دہشت پسندانہ سرگرمیوں کی برابر تائید کرتا رہتا ہے، آج وہی عربوں کا سب سے بڑا ہمدرد بنا ہوا ہے۔ یہ ہمدردی نہیں ہے بلکہ ہمدردی کے پردے میں عربوں کی اقتصادی اور سیاسی حیثیت کو صفر بنانے پر لگا ہوا ہے، اسی لئے قرآن پاک نے متنبہ کر دیا تھا۔

٭ اور برابر یہی بھی کر رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ۔۔۔ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو۔ اگر وہ تم پر قابو پائیں تو فوراً دشمنی کا اظہار کرنے لگیں اس طرح کہ ہر نقصان ٭ پہونچانے والی تدبیر کریں اور تم پر دست درازی اور زبان درازی (یعنی ٭

٭ ہو سکے تو ذرا بگاڑ دیں۔

٭ جھوٹے پروپیگنڈے) کرنے لگیں گے اور ان کی خواہش ہوگی کہ تم دین حق کا انکار کردو۔

ہم نے اللہ کی دی ہوئی اس عظیم اخلاقی ومادی نعمت کی ناقدری کی ہے اور اس کا صحیح استعمال نہیں کیا ہے اس لئے تمام وسائل کے باوجود ہم بے دست وپا نظر آرہے ہیں۔

قرآن پاک نے ان آیات میں نعمت کی ناقدری کی طرف بڑے بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (رعد)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی اچھی حالت کو نہیں بدلتے جب تک وہ لوگ خود اپنی صلاحیت کو نہیں بدل دیتے یعنی اسے صحیح استعمال نہیں کرتے

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (انفال)

اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی کسی نعمت کو اس وقت تک نہیں چھین لیتا جب تک وہ لوگ خود اللہ کی دی ہوئی نعمت اور صلاحیت کی ناقدری کر کے اپنے کو اس قابل نہیں بنا لیتے۔

ہم کو اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ خارجی خطرات کا مقابلہ ہم اسی وقت

کرسکتے ہیں جب ہم اپنے داخلی بگاڑ اور اخلاقی کمزوریوں کو دور کریں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مادی ذرائع کو صحیح طور پر اپنی تعمیر و ترقی میں لگا سکیں ساری دنیا کے مسلمان خواہ غیر اسلامی ملکوں کے رہنے والے ہوں یا اسلامی ملکوں کے رہنے والے کیا اس حدیث نبوی کے مصداق نہیں بنے ہوئے ہیں:

وعن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعیٰ الأکلۃ الی قصعتہا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ؟ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المہابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔

(رواہ ابوداؤد بیہقی)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ عنقریب ایسا آئے گا کہ تمام قومیں مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکے آدمی کھانے کی پلیٹوں کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں، کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم لوگ بہت کم ہو جائیں گے آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، تم لوگ اس وقت بہت زیادہ ہوگے مگر تمہاری حیثیت سیلاب کے جھاگ جیسی ہوگی، اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب داب ختم کر دے گا اور تمہارے دل میں دنیا کی وھن (کمزوری) ڈال دے گا کسی نے کہا یا رسول اللہ وھن کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر۔

اوپر ہم نے جن خارجی اور داخلی خطرات اور کمزوریوں کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی ہیں اس کی روشنی میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی غور کرنا چاہئے کہ ایک طرف خارجی خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں ہماری جان و مال عزت و آبرو سب داؤ پر لگی ہوئی ہے مگر اس صورت حال میں بھی ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ایک گاؤں ایک محلہ اور ایک شہر کے لوگ بھی ایک جگہ بیٹھ کر اپنے مسائل پر سر جوڑ کر کوئی متحدہ صورت اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ آج بھی ہم مختلف خانوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہمارے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کی وجہ سے ہم اپنے بھائی کا گلا کاٹ رہے ہیں اس کی عزت و آبرو کو برباد کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ ہمارے اندر کوئی دینی و اخلاقی تبدیلی دکھائی دے رہی ہے اور نہ ہماری بے حسی اور بے فکری میں کوئی کمی آ رہی ہے اور نہ تو شادی بیاہ کی فضول خرچیوں میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ کوئی دوسرے مشاغل میں کوئی کمی دکھائی دے رہی ہے، حدیث نبوی

گیا ہے کہ:۔

وعن النعمن بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المؤمنین فی تراحمہم وتوادھم وتعاطفہم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی رأسہ اشتکی کلہ۔ (رواہ مسلم)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم مسلمانوں کو اس طرح پاؤ گے کہ وہ آپس میں رحم دلی محبت اور ایک دوسرے سے مہربانی کرنے میں ایک جسم کے مانند ہوں گے کہ اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارے جسم پر اس کا اثر پڑتا ہے اور نیند اڑ جاتی ہے اور بخار آجاتا ہے۔ انہی سے روایت ہے کہ سارے مسلمان ایک آدمی کے مثل ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر سر درد کرتا ہے تو پورا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنے طرز عمل پر ذرا غور کریں کیا حیدرآباد، گجرات، بھونڈی، رانچی، مورادآباد، علی گڑھ، آگرہ، گنج ڈنڈواڑہ اور کانپور کے فسادات میں بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور بچوں کے قتل و بربادی کے واقعات سن کر ہماری آنکھوں میں آنسو کا کوئی قطرہ آیا یا نہیں؟ کیا ہمارے دل میں اس بات کی ٹیس اٹھی کہ ہم کو کسی وقت کھانا نہ اچھا لگا ہو، یا ہماری رات کی نیند کبھی اچاٹ ہوگئی ہو؟ ہم کو اگر فکر ہے تو اس کی تو ضرور ہے کہ کہیں ہم اس کی لپیٹ میں نہ آجائیں اور ہماری دکان اور مکان پر اس کی زد میں نہ آجائے مگر ہم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ہم الگ الگ اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت میں لگے رہیں گے تو اللہ کی مدد کبھی شامل حال نہ ہوسکے گی خواہ ہم کتنے ہی متقی و پرہیزگار کیوں نہ ہوں، ہم اللہ کی نصرت کے اسی وقت مستحق قرار پائیں گے جب ہم اپنے ساتھ اپنے دوسرے بھائیوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی اسی طرح فکر کریں جیسی کی اپنی عزت و آبرو اور جان و مال کی کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان اپنی یا اپنے مسلمان بھائی کی جان یا مال اور عزت و آبرو کو بچانے کی کوشش میں مارا جاتا ہے تو اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی خوشخبری دی ہے اور اس کے لئے آپ زخمی ہوجائیں یا جیل چلے جائیں تو اس کو سعادت سمجھئے۔ دوسرے لوگ اگر ہم کو

استعمال دلائیں تو ہم کو حتی الامکان اشتعال میں نہ آنا چاہیئے اور نہ بلاوجہ کسی بے قصور پر ہاتھ اٹھانا چاہیئے آپ اپنا ہاتھ ظالم بن کر کسی پر نہ اٹھائیں مگر جب دوسرے لوگ ظلم پر آمادہ ہی ہو جائیں تو ظالم کو ظلم سے روک دینا اور ان ظالموں سے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا مومن پر فرض ہو جاتا ہے، انشاء اللہ اس پر خدا کی نصرت و مدد آپ کا پورا پورا ساتھ دے گی۔

تمام مسلمانوں سے میری دردمندانہ اپیل ہے کہ آپ ان باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

۱۔ خدائے تعالیٰ کی ذات پر پورا اعتماد رکھیں۔ اس کے علاوہ نہ کسی سے امید رکھیں اور نہ دل میں کسی کا خوف آنے دیں، نفع و نقصان عزت و ذلت سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ نماز کی پوری پابندی کریں۔ تلاوت قرآن پاک کی عادت ڈالیں اور اپنے بچوں کو ان کا عادی بنائیں۔

۳۔ روزانہ صبح کے وقت آپ خود ورزش کریں اور اپنے بچوں کو اس کا عادی بنائیں۔

۴۔ آرام و آسائش کی زندگی اختیار کرنے کے بجائے محنت و مشقت کی زندگی اختیار کریں اور اپنے بچوں کو بھی محنت و مشقت اور سادہ زندگی کا عادی بنائیں۔

۵۔ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ روزانہ بچا کر کسی ڈبے میں ڈالتے جائیں اور جب قابل اعتماد لوگ کسی دینی و ملی کام کے لئے پیسہ مانگیں تو ان کے حوالہ کر دیں۔

۶۔ اپنی آمدنی سے کم خرچ کریں اور اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی بیاہ کے اخراجات کو گھٹائیں اور اس سے کسی غریب لڑکے یا لڑکی کی شادی کا انتظام کر دیں۔

۷۔ آپس میں میل محبت اور اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۸۔ صاحب حیثیت لوگ اپنے غریب بھائیوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں ان کو اپنا بھائی سمجھیں ان کو پہلے سلام کرنے کی کوشش کریں، اپنے تعلقات کو ان سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

۹۔ پڑوس کے غیر مسلموں سے اپنے تعلقات حسن سلوک کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔

بابری مسجد کے سلسلہ میں اب تک ایک غیر یقینی صورتحال باقی ہے ایک طرف بی جے پی، وشو ہندو پریشد اور دوسری ہندو تنظیمیں عدالتی گرفتاری دے رہی ہیں دوسری طرف اتھی کلس گھوم رہا ہے تیسری طرف وہ کسی قانون اور عدالت کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں چوتھی طرف ملک کے مختلف حصہ میں وہ فساد برپا کئے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں تمام سیاسی جماعتیں چپ سادھے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں ایکشن کمیٹی کے ساتھ گفتگو کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ صورت حال اور زیادہ بھیانک اس لئے بنتی جارہی ہے کہ اس وقت نہ تو مرکز میں کوئی مضبوط حکومت ہے اور نہ اترپردیش میں' ان دونوں حکومتوں کو سہارا کانگریس پارٹی دیئے ہوئے ہے جو اس فرقہ وارانہ صورتحال پیدا کرنے کی سب سے زیادہ ذمہ دار ہے۔

ریزرویشن کے نفاذ کے ذریعہ اس صورتحال کے بدلنے میں بہت کچھ مدد مل سکتی تھی مگر اس وقت وہ تحریک بھی فرقہ وارانہ جذبات میں دب سی گئی ہے اور اس تحریک میں کمزوری آنے کا ایک بڑا سبب جنتا دل کی پھوٹ ہے جس کی ذمہ داری چندر شیکھر اور دیوی لال پر آتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بڑی ذات کے ہندوؤں کے ایجنٹ بن کر سامنے آئے ہیں، کانگریس جو براہ راست اس تحریک کی مخالفت نہیں کرسکتی تھی اس لئے وہ چندر شیکھر کو آگے بڑھا کر اپنے مقاصد پورا کررہی ہے کہ بدنامی ان کے سر آئے اور یہ صاف ستھری دکھائی دے افسوس ہے کہ اس ریزرویشن تحریک کے لئے مخلص ہوتے ہوئے ملائم سنگھ بھی چندر شیکھر اور کانگریس کا شکار ہوگئے۔ اور بڑی حد تک انہوں نے اپنی سیاسی اہمیت کھودی، اب اگر بی۔ ایس۔ پی اور دوسری ریزرویشن حامی پارٹیاں اس تحریک کو لیکر سامنے آتی ہیں تو بی۔ جے۔ پی اور اس کی ہم نوا پارٹیوں کی فرقہ وارانہ بلکہ دہشت پسندانہ موجودہ سیاسی سرگرمیوں کو دبایا جاسکتا ہے اگر ایسی صورت پیدا ہوتی ہے تو مسلمانوں کو متحدہ طور پر اس میں بھرپور تعاون کرنا چاہیئے، موجودہ فرقہ وارانہ صورت حال کو بدلنے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔

عبدالجبار محمد حسین شہزادہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات

کا اردو ترجمہ

اقبال احمد انصاری ؛ بدر جمال اعظمی

دسمبر ۱۹۸۱ء کی بات ہے کہ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ایک سیمینار سے کالکا میل کے ذریعہ لوٹ رہا تھا کہ علی گڈھ پہونچتے پہونچتے میری طبیعت خراب ہوگئی چنانچہ گاڑی چھوڑ دینی پڑی اور علی گڑھ اتر کر ۹ بجے رات میں برادرم اقبال احمد انصاری ندوی ہیڈ آف دی اسلامک اسٹڈیز کے مکان پر لاذگی پہونچا بخار میں بت تھا اس حال میں اچانک پہونچنے پر وہ بھی گھبرا گئے انہوں نے اسی وقت ایک ڈاکٹر سے رجوع کیا اور دوا وغیرہ کھلائی تھوڑی دیر بعد کچھ سکون ہوا تو کچھ کھا پی کر ہم لوگ سو گئے، صبح تک قدرے طبیعت سنبھل گئی ناشتہ کے بعد میں اقبال صاحب کی کتابوں کی الماری دیکھنے لگا یکایک مذکورہ بالا کتاب پر نظر پڑی کتاب نکال کر پڑھنے لگا ایسا محسوس ہوا کہ حروف مقطعات کے سلسلہ میں ذہن میں جو خلش بہت دنوں سے تھی وہ شاید اس سے دور ہو جائے، میں نے اقبال صاحب سے کہا کہ اس موضوع پر پہلی کتاب نظر سے گذری ہے اسے میں اپنے ساتھ اعظم گڈھ لے جاؤں گا وہ راضی ہو گئے اور میں نے اسے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔ دوسرے دن علی گڈھ سے الہ آباد جانے کا پروگرام تھا چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر جب الہ آباد پہونچا تو گاڑی سے اترتے ہوئے ہینڈ بیگ ٹرین پر چھوٹ گیا اسٹیشن سے باہر آکر جب رکشے پر سوار ہو کر شہر کی طرف چلنے لگا تو یاد آیا، بدحواسی میں بغیر کسی کو دکھلائے ہوئے دوسرے سامان کو رکشے پر چھوڑ کر پھر ٹرین کی طرف بھاگا مگر جب میں پلیٹ فارم پر پہونچا تو ٹرین چھوٹ چکی تھی اگر رکشے والا دیانت دار نہ ہوتا یہ سب سامان لے کر چمپت ہو جاتا، اور چیز دو کے

توجانے کا عزم نہیں تھا مگر اس کتاب کے چلے جانے کا اتنا قلق ہوا کہ الٰہ آباد اترنے کے بجائے سیدھے
بس اسٹیشن آیا اور اعظم گڈھ کے لئے روانہ ہو گیا، اعظم گڈھ پہونچ کر برادرم اقبال صاحب کو اس حادثے
کی اطلاع دی اور کہا کہ اگر آپ کو مصنف کا اور کتاب کا پتہ معلوم ہو تو لکھیں میں دوبارہ اسے
منگانے کی کوشش کروں گا مگر انھوں نے لکھا کہ گھبرائیے نہیں میں پھر دوبارہ کتاب حاصل کرنے
کی کوشش کروں گا مگر مجھے اطمینان نہیں ہوا میں نے اپنے لڑکے محمد عارف کو مدینہ منورہ لکھا کہ
یہ کتاب حاصل کرو مگر انھیں کہا پر مدینہ کے کسی کتب خانہ میں نہ مل سکی پھر دو سال بعد حج میں جانے
کا اتفاق ہوا تو خود بھی تلاش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی لیکن برادرم اقبال صاحب نے اپنی
کوشش جاری رکھی اور اسے پھر دوبارہ حاصل کر لیا اور مجھے بذریعہ ڈاک بھیج دی۔
مطالعہ کے بعد محسوس ہوا کہ اس موضوع پر یہ پہلی جامع کتاب ہے اور اس کا اردو میں
ترجمہ ہونا چاہئے، انھوں نے بھی تائید کی اور اپنی آمادگی ظاہر کی، بحمد اللہ ان کی علمی کاوش اور محنت
اور جامعۃ الرشاد کے استاد مولانا بدر جمال صاحب کے تعاون سے اور راقم الحروف کی کچھ حک و
اصلاح کے بعد کتاب کا ترجمہ ناظرین الرشاد کے سامنے پیش ہے۔

(مرتب)

مقدمہ

الم (الف، لام، میم) الر (الف، لام، را) قرآن مجید کی بعض سورتوں
کی ابتدا میں وارد ان حروف اور ان جیسے دوسرے مفرد حروف جنہیں حروف مقطعات
کہا جاتا ہے ان کے بارے میں مباحثہ و مناقشہ کا ایک طویل سلسلہ رہا ہے، مفسرین نے ان
کی مختلف تاویلیں اور تفسیریں کی ہیں حتی کہ ان میں بعض رائیں بڑی غیر معقول معلوم ہوتی ہیں،
اور بعض علم و منطق سے ہٹی ہوئی ہیں۔

حروف مقطعات کے اسرار و رموز کی تہ تک پہنچنے اور ان کی کنہ کا پتہ لگانے کے لئے قدیم و جدید
مفسرین یکساں طور پر منہمک رہے ہیں۔ اسی طرح مستشرقین[1] بھی اس کام میں مشغول رہے مگر

---

[1] جن مستشرقین نے حروف مقطعات کے بارے میں تحقیق کی ہے ان میں ایک نولدیکہ ہیں، انھوں نے

یہ مسئلہ قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے لاینحل بنا رہا یہاں تک کہ امام رازیؒ نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ: "علمی اور تاریخی حیثیت سے قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہی سب دقیق اور غامض مسئلہ ہے۔"

میں بھی ایک طویل عرصے سے اس مسئلے سے دلچسپی لیتا رہا ہوں، میری یہ دلچسپی ذہنی خوش عیشی کے طور پر نہ تھی اور نہ ہی اس لئے کہ میں اس سنجیدہ بحث کے ذریعے عظیم وجلیل مفسرین علماء سے مقابلہ کروں، البتہ جب بھی ان حروف مقطعات سے واسطہ پڑتا، ایک اہم سوال میرے ذہن میں اٹھ پڑتا کہ کیا اس عربی مبین قرآن مجید میں ایسے غوامض بھی موجود ہیں؟ اور کس مصلحت سے اس کثرت سے آئے ہیں کہ لوگوں کے غور و تامل کا مرکز بن گئے ہیں۔

تفسیر کی کتابیں حروف مقطعات کی مختلف تاویلات و آراء سے بھری پڑی ہیں، بعض مفسرینؒ کی تو اس سلسلے میں بیس بیس رائیں ہیں۔ جن میں سے اکثر فہم سلیم کے خلاف ہیں، اور جو تحقیقات میری نظر سے گذریں، ان میں سے بیشتر غیر معقول محسوس ہوئیں، اور ان سے کوئی اطمینان بخش حل نہ نکلا۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ ۵) اپنی مشہور کتاب "تاریخ القرآن" کی پہلی طباعت (جوتنجن، ۱۸۶۰ء ص ۲۱۵) میں اس موضوع پر بحث کی ہے اسی طرح شفالی نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں جو کچھ اضافہ کیا ہے وہ بھی حروف مقطعات کے سلسلے میں ایک عمدہ بحث ہے۔ یہ دوسرا اڈیشن لیپزبرگ سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا۔ مشہور مستشرق ھانز بور نے بھی رسالہ Der Islam جلد ۵، ص ۱ اس کے بعد کے صفحات پر "ترتیب السور والرموز الغامضة القرآن" کے عنوان کے تحت اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، پھر اڈوارڈ جونسن نے اس مشکل موضوع پر ۱۹۲۰ء میں لکھ کر ڈاکٹریٹ کے لئے پیش کیا اور جسے جرمنی کے مجلہ "الاسلام" یعنی اصل الرموز القرآنیہ و معناہا" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔

۱؎ تاریخ القرآن از عبداللہ زنجانی ص ۹۲

۲؎ دیکھئے مفاتیح الغیب از امام رازی جلد ۲ ص ۵ اور اس کے بعد کے صفحات اور البرہان فی علوم القرآن از زرکشی جلد ۱ ص ۱۷۳

۳؎ جن حضرات نے قرآن مجید کے علوم و تفسیر پر قلم اٹھایا ہے، ان میں سے بعض حضرات تو حروف

بے شک قرآن کریم عربی زبان کی عظیم کتاب ہے، یہ ایسا صحیح ترین عربی نص ہے جو عربی زبان کے لئے اعلیٰ ترین مراحل ترقی کا ضامن ہے، اس کی ہدایت کی بنیاد پر امت مسلمہ ایک عظیم تہذیبی انقلاب سے آشنا ہوئی، یہ ایک دوسرا بڑا سبب ہوا جس نے قرآن کے اسرار کے انکشاف، اس کے معانی میں غور و تامل اور اس کے بیان کے فن و اسلوب کے مطالعہ پر مجھے آمادہ کیا، لہٰذا میں نے حروف مقطعات کی تحقیق کو اپنا مشغلہ بنایا، ممکن ہے کہ اس مسئلہ میں کسی معقول حل تک میری رسائی ہو جائے۔

تحقیق کا طریقۂ کار پہلے میں قدیم و جدید علماء و مفسرین کے آراء پیش کروں گا، پھر ان کے دلائل کا ذکر کروں گا اور دلائل پر بحث کرتے ہوئے جواب دوں گا اور جو کچھ عقلی و نقلی براہین میرے ذہن میں ہیں انھیں پیش کروں گا، جو مختلف رائیں اور نوٹس میں نے جمع کئے تھے، ان کی روشنی میں میں نے اپنی اس تحقیق کو تین فصلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

پہلی فصل میں پہلے نظریہ کو پیش کیا ہے جس کی رو سے حروف مقطعات ان متشابہات میں سے ہیں کہ جس کی تاویل اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، یہ وہ راز ہے جس کے پیچھے پڑنے سے ہمیں روکا گیا ہے، اس نظریہ کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اس کے ماننے والوں کے دلائل ذکر کئے ہیں، پھر ان کے دلائل پر بحث و تحقیق کرتے ہوئے اسے غلط قرار دیا ہے اور صراحت سے بیان کیا ہے کہ یہ نظریہ گمراہ کن ہے، اس کے ذریعے ہرگز راہِ صواب

بقیہ (حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

مقطعات کی بحث سرسری طور پر گذر گئے ہیں، اور بعض نے خوب پھیل کر کلام کیا ہے اور بعض نے درمیانی راہ اختیار کی ہے لیکن اس اہم مسئلے پر کسی نے الگ سے کوئی ایسی خصوصی تحقیق پیش نہیں جو اس موضوع کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمیٹ سکے۔ البتہ ڈاکٹر صالح نے اپنی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں، اور ڈاکٹر بنت الشاطی نے "الاعجاز البیانی للقرآن" میں اور ڈاکٹر رمضان عبد التواب نے "حول فواتح بعض سور القرآن" میں، اور باقوری نے اپنی کتاب "مع القرآن" میں اپنی تحقیق کا مرکزی موضوع حروف مقطعات کو بنایا ہے، لیکن جہاں تک حق موضوع کا تعلق ہے تو یہ حضرات بھی اسے پورے طور پر ادا نہ کر سکے، اگرچہ انھیں اس اہم اور مبارک موضوع کے بارے میں جو فضل و کمال حاصل ہے اس سے ہمیں انکار نہیں۔

تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

پھر دوسرے نظریہ کے حاملین کی طرف التفات کیا ہے، جن کا کہنا کہ حروف مقطعات اپنے اندر کچھ معنی اور تفسیر رکھتے ہیں، دوسری فصل کو انھیں آرار کے لیے مخصوص کیا ہے، ان کے دلائل سے بحث کی ہے ان تمام آرار کو جمع کر کے باہم حسب مقتضی ضم کر دیا ہے، اور بعض اقوال کو بعض سے قریب تر کر دیا ہے، اور بہت سے اقوال کو گیارہ بنیادی آرار میں سے کسی ایک ایک کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

پھر ایک ایسی رائے کی طرف توجہ کی ہے جو میرے نزدیک مختار ہے، علمار کی ایک کثیر تعداد اس رائے سے سرسری گذر گئی ہے لیکن میں طویل تامل اور بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ یہی فیصلہ کن اور برحق رائے ہے، اس کے لئے میں نے آخری فصل کو مخصوص کر دیا، اور اس رائے کی تقویت کے لئے دلائل جمع کر دیئے ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ انشار اللہ یہ دلائل اطمینان قلب کے لئے کافی ثابت ہوں گے۔

پہلی فصل

پہلا مبحث:

حروف مقطعات کا شمار متشابہات میں ہے

پہلے نظریہ والوں کا یہ خیال ہے کہ حروف مقطعات متشابہات میں ہے، ان کی رائے ہے کہ حروف مقطعات کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ سمرقندی[1] نے ذکر کیا ہے کہ: انھیں روایت پہونچی ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ:-

---

[1] تفسیر سمرقندی مخطوط جلد اول، تفسیر سورۂ بقرہ کا شروع۔ اور طبری کی جامع البیان جلد اول ص ۸۸ بھی دیکھئے۔

"حروف مقطعات وہ پوشیدہ چیزیں ہیں کہ جن کی کچھ تفسیر نہیں"۔ اور قرطبی[۱] نے عامر، شعبی، ثوری اور محدثین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ حروف مقطعات وہ متشابہ چیزیں ہیں کہ خدا کے سوا ان کا علم کسی کو نہیں، اسی قول کو ابوحیان اندلسی[۲] نے اختیار کیا ہے، اور کہا ہے کہ ابن حزم کا بھی یہی موقف ہے اور رازی بھی شعبی[۳] کی رائے لاتے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اس کا سمجھنا علماء کے بس کی بات نہیں، اور شیعی عالم طوسی[۴] نے کہا کہ ہماری خبروں میں روایت ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں، اور سیوطی[۵] نے ذکر کیا ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں، اسے اور قیام قیامت کے وقت کو ایک جیسا سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس کے جاننے کی کوئی سبیل نہیں، اور شوکانی[۶] نے تو اس سے بھی عجیب بات کہی ہے، وہ حروف مقطعات کو "متشابہ المتشابہ" کہتے ہیں، ان کے نزدیک سمجھنے کی کوئی سبیل نہیں، اور صاوی[۷] نے کہا کہ یہی سب سے وزن دار بات ہے، اور محدثین میں سے شیخ شلتوت[۸] کا موقف ہے کہ حروف مقطعات کے علاوہ پورے قرآن میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کا علم اللہ تعالی

---

۱ الجامع لاحکام القرآن جلد اول ص ۱۵۴۔ اور شیخ طوسی کی تبیان جلد اول ص ۸۴ بھی ملاحظہ ہو۔

۲ البحر المحیط جلد ۱ ص ۳۲، اور فوائد القرآن از عز بن عبدالسلام ص ۲۲ بھی ملاحظہ ہو۔

۳ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۳

۴ التبیان فی تفسیر القرآن جلد اول ص ۴۸۔ اور ملاحظہ ہو مجمع البیان از طبرسی جلد اول ص ۳۲

۵ الاتقان فی علوم القرآن جلد ثانی ص ۱۰۶ اور دیکھئے "درمنثور" جلد اول ص ۲۳ — اور "البرہان فی علوم القرآن" از زرکشی جلد اول، ص ۱۷۳،

۶ فتح القدیر جلد اول ص ۲۰

۷ تفسیر جلالین پر صاوی کا حاشیہ ج ۱، ص ۹

۸ تفسیر القرآن الکریم از شیخ محمود شلتوت جلد اول ص ۶۵۔ اور ملاحظہ ہو "القرآن محاولۃ لفہم عصری" از ڈاکٹر مصطفیٰ محمود ص ۲۵۵، مطبوعہ دارالشروق بیروت، سنہ ۱۹۷۰ء۔

نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہو' اور مالک بن نبی نے کہا کہ سمجھ دار اور انصاف پسند علماء کسی بھی حال میں پورے انکسار کے ساتھ اسی بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا مبحث :-

حروفِ مقطعات کو متشابہات کہنے والوں کے دلائل اور اُن پر بحث

یہ رائے رکھنے والے آیت خبر اور عقل سے دلائل لاتے ہیں' وہ آیت جسے وہ لوگ دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں یہ ہے :

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ	وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں
مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ	بعض آیتیں پکی ہیں اصل و بنیاد ہیں کتاب
الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ	کی اور دوسری جن کی مراد میں کچھ تشابہ ہے
فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ	سو جن کے دل پھرے ہوئے ہیں' وہ لگتے
فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ	ہیں ان کی ڈھب والیوں سے تلاش کرنے
الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا	ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں ان کی
یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ	تاویل کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے' اور
الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ	جو مضبوط علم والے ہیں سو کہتے ہیں ہم
اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ	اس پر یقین لائے سب کچھ ہمارے رب کی
مَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ[2]	طرف سے ہے' اور سمجھانے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے

اللہ تعالیٰ کے قول ' وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ' میں وجہ استدلال جیسا کہ رازی[3]

---

۱ " الظاہرۃ القرآنیہ " ص ۳۳۲   ۲ سورہ آل عمران آیت ۷

۳ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۲ ، نیز ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ' جلد ثالث ص ۱۰۵۱ اور

۴ ایضاً ملاحظہ ہو الاتقان جلد ثانی ص ۳ اور مباحث فی علوم القرآن از ڈاکٹر صالح ص ۲۸۲

نے ذکر کیا ہے کہ لفظ "اللہ" پر وقف کرنا چند امور کی وجہ سے واجب ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کا قول (اَلرّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ) اگر اللہ تعالیٰ کے قول (اِلَّا اللہ) پر معطوف ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا قول (یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ) منقطع ہو جاتا، اور یہ ناجائز ہے، کیونکہ تنہا یہ غیر مفید ہے اور اسے ہم حال بھی نہیں بنا سکتے، کیونکہ پھر تو جو کچھ اس سے پہلے آیا ہے، سب کا حال اسے ماننا پڑے گا، پھر لازماً ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی کہہ رہا ہے کہ (اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا) اور یہ کفر ہے۔

یہ استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ :-

ا۔ ہمیں تسلیم نہیں کہ آیت کریمہ (وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ) پر لا محالہ وقف ہی کیا جائے، بلکہ آیت کریمہ کی توجیہ یوں بھی کی جا سکتی ہے، جس طرح کہ شریف مرتضیٰؒ نے کی ہے کہ (اَلرّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ) کا عطف لفظ اللہ پر ہو تو گویا یوں کہا گیا کہ " وَمَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ " اور یہ حروف مقطعات کا علم رکھتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ کا قول (یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ) حال واقع ہوا ہے اور معنی یہ ہو گا کہ یہ لوگ اسے جانتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس پر ایمان لائے، ہر چیز ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔

ب۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ) پر وقف اور اللہ تعالیٰ کے (اَلرّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ) کے ساتھ اس کا وصل دونوں ہی جائز ہوں، اور دونوں کی الگ الگ توجیہ ہو، جیسا کہ راغب اصفہانیؒ نے متشابہ کی قسمیں بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

ج۔ ابو جعفر نحاسؒ نے لکھا ہے کہ " وَالرّاسِخُوْنَ ... اللہ پر عطف ہے،

ؔ غرر الفرائد جلد اول ص ۴۳۹ ـ ۴۴۳ ؔ الاتقان للسیوطی جلد ۲ ص ۵

ؔ اعراب القرآن جلد ۱ ص ۳۱۰

جتنی بھی باتیں اس سلسلے میں کہی گئی ہیں، ان میں سب سے بہتر یہی قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسوخ فی العلم کی وجہ سے ان کی ستائش کی ہے تو بھلا جاہل ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کیسے ان کی تعریف کر سکتا ہے۔

(د) وہ کہتے ہیں کہ اگر راسخین فی العلم متشابہات کے عالم ہوتے تو ایمان کے ساتھ ان کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی، کیونکہ جب انھوں نے اسے دلیل سے جان لیا تو اس پر ایمان اور محکم پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں پس اس پر ایمان لانا کوئی قابل تعریف کارنامہ نہیں۔

ان کا یہ استدلال درج ذیل اسباب کی بنا پر نا قابل قبول ہے

۱۔ شریف مرتضیٰ[۱] کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول (یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ) حال واقع ہوا ہے جس کے معنی ہوں گے کہ وہ متشابہات کو جانتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ (اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا) ہم ایمان لائے ہر اس چیز پر جو ہمارے رب کے پاس ہے، اور یہ تو ان کی زبردست تعریف ہے، کیونکہ جب انھوں نے اسے دل سے جان لیا، اور زبان سے اس کی تصدیق کا اظہار کر دیا تو اپنا فرض ادا کر دینے کی وجہ سے ان کی مدح وصفت کمال کو پہنچ گئی۔

(ب) ابواسحاق شیرازی سے[۲] ڈاکٹر صبحی صالح[۳] نے نقل کیا ہے کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کیا ہو، بلکہ اسے تو علماء بھی جانتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے علماء کی تعریف میں ذکر کیا ہے، اگر علماء اس کے معنی سے ناواقف ہوتے تو عوام ہی کی طرح یہ بھی ہوتے، اب متشابہات پر ایمان کے

---

[۱] ملاحظہ ہو تفسیر رازی جلد ثانی ص ۲

[۲] غرر الفوائد جلد اول ۴۳۹ — ۴۴۲

[۳] مباحث فی علوم القرآن ص ۲۸۲

ساتھ "راسخین فی العلم" کی وجہ تخصیص بالکل واضح ہو گئی کہ ان کا علم تدبر کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے۔

ان کا استدلال رازی کی نقل شدہ عبارت ہے کہ :-

"اگر اس کی تاویل جاننا واجب ہوتا تو اس کی تاویل جاننے کے درپے ہونا مذموم نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مذموم قرار دیا، فرماتا ہے :-

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ	سو جن کے دل پھرے ہوئے ہیں وہ لگتے ہیں
فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ	ان کی ڈھب والیوں سے، تلاش کرتے ہیں
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ	گمراہی اور تلاش کرتے ہیں اس کی کل بیٹھانی

یہ وجہ استدلال امام ابن تیمیہ کے اس قول سے مردود قرار پاتی ہے کہ :-

" بیشک اللہ اور اس کے رسول نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو متشابہات کے پیچھے فتنہ اور غلط تاویل کے مقصد کو لے کر پڑتے ہیں، البتہ ان لوگوں کی مذمت نہیں کی ہے جو آیات محکمات و متشابہات میں اللہ کے حکم کے بموجب غور و تدبر کرتے ہیں اور ان کے معنی و مفہوم تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو اللہ کا حکم ہے ایسے لوگوں کی اس نے تعریف کی ہے۔

اس تمام بحث کے بعد ایک بات ہمیں اور عرض کر دینی ہے کہ آیت کریمہ سے ان کا استدلال کرنا کہ متشابہ کا مفہوم سمجھنا ناممکن ہے اور حروف مقطعات بھی متشابہات میں ہیں، کسی طرح صحیح نہیں، ان کا استدلال ہرگز ماننے کے قابل نہیں، اس لئے کہ :-

۱۔ علماء اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں، بلکہ بعض علماء نے انھیں محکم لکھا ہے۔ طباطبائی نے نقل کیا ہے کہ سعید بن جبیر نے حروف مقطعات کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ :-

---

۱ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۲ ۲ آل عمران آیت ۱

۳ محاسن التاویل از شیخ قاسمی جلد ۴ ص ۵۰۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۴ المیزان جلد ثالث ص ۳۳

" سورتوں کے آغاز میں آنے کی وجہ سے یہ اصل کتاب ہیں۔"

اور سیوطیؒ[1] نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ کے قول (وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ) پر بالفرض وقف مان لیا جائے تو ابن تیمیہؒ[1] نے تاویل کے جس مفہوم کی تائید کی ہے اور جس پہلو کو انھوں نے روشن کیا ہے اس کے پیش نظر اس آیت کریمہ میں کسی بھی محکم اور متشابہ آیت کے معنی جاننے کی نفی نہیں ہے، اور یہی مولف شریف مرتضیٰؒ[2] کا بھی ہے، وجوہ تاویل کی تیسری وجہ جو انھوں نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ (وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ) معطوف نہیں بلکہ مستانفہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ متشابہ کی بعینہ اور بالتفصیل تاویل اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اور رہا خبر کے ذریعہ ان لوگوں کا استدلال تو ان کی دلیلیں امام رازیؒ[3] بایں طور لائے ہیں کہ :-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ :-

إن من العلم كهيئة المكنون،	علم کی بعض خفیہ شکلیں ہیں جسے عارفین
لا يعلمه إلا العلماء بالله،	باللہ ہی جانتے ہیں، جب وہ ان معانی کو
فاذا نطقوا به انكره اهل	بتاتے ہیں تو خدا کو بھولے ہوئے لوگ
الغرة بالله	اس کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ :-

" حروف مقطعات مجہول المعنی ہیں" پس واجب ہے کہ صحابہؓ کی بات کو مانا جائے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اصحابی کالنجوم بأیہم	میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں

---

۱ الاتقان جلد ثانی ص ۳۔ ۱ محاسن التاویل جلد رابع ص ۸۱۔ اور اس کے بعد کے صفحات

۲ غرر الفوائد جلد اول ۴۲۹، اور اس کے بعد صفحات

۳ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۵

اقتدیتم اھتدیتم — جس کی بھی پیروی کروگے، ہدایت پاؤگے۔

ہم اس رائے کے حاملین سے یوں بحث کریں گے :-

۱۔ امام رازی نے جس خبر کا ذکر کیا ہے اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں ضعف[1] ہے اور درحقیقت اس خبر میں ان کے موقف کی دلیل سرے سے ہی نہیں، بلکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ :

" علماء ہی علم کی خفیہ شکلوں کو جانتے ہیں اور جو عالم نہیں ہیں وہ اس کا انکار کرتے ہیں، یہ خبر تو ان حضرات کے موقف کی تائید میں ہے جو کہتے ہیں کہ راسخین فی العلم متشابہات کے مطالب سے واقف ہیں۔

۲۔ ان لوگوں کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ اکابر صحابہؓ کا موقف ہے کہ "حروف مقطعات متشابہات کی قسم سے ہیں، لہذا اصحابی کالنجوم والی حدیث کی رو سے صحابہ کی رائے مان لینی چاہئے"۔ کیونکہ یہ حدیث مطعون فیہ ہے، اور امام ابن قیم نے اسے موضوعات[2] میں شمار کیا ہے، مزید برآں یہ بھی کہ صحابہ سے مختلف تفسیریں منقول[3] ہیں۔ تو کیسے سب کو مان لیا جائے گا، اور بالفرض جو یہ لوگ صحابہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ " حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں"، صحیح مان لیا جائے تو یقیناً صحابہؓ نے امکان تاویل کی نفی کی ہے، امکان تفسیر کی نہیں، جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ[4] نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ متشابہات کا تفصیلی اور حقیقی علم تو اللہ کو ہے مگر اجمالی علم کی اس میں نفی نہیں ہے)

---

[1] اس خبر کو عبد الرحمٰن سلمی نے حضرت ابوہریرہ سے اسناد ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے ملاحظہ ہو "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار" مطبوعہ برحاشیہ احیاء علوم الدین از امام غزالی جلد اول ص۲، [2] اعلام الموقعین جلد ثانی ص ۲۱۳

[3] ملاحظہ ہو۔ جامع البیان طبری جلد اول ص ۸۸ اور اس کے بعد کے صفحات اور اتقان جلد ثانی ص۹ اور اس کے بعد کے صفحات۔ [4] محاسن التاویل جلد رابع ص ۷۵۱ اور اس کے بعد کے صفحات ۔

۳۔ امام رازیؒ بہت سی خبریں بطور استدلال لاتے ہیں، جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ قرآن کا ایک ایک حرف کسی نہ کسی نوعیت سے اپنے اندر معنی رکھتا ہے انھیں اخبار میں سے ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:۔

انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم	اے لوگو! میں تمہارے درمیان وہ چیزیں
بہ لن تضلوا بعدی کتاب	چھوڑ جاتا ہوں کہ اگر تم ان پر کاربند رہوگے تو
اللہ	گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب اللہ.....

امام رازی نے وجہ استدلال یہ کہتے ہوئے واضح کیا ہے کہ:۔

" بھلا مجہول المعنی چیز پر تمسک کیسے ممکن ہے۔"

اس موقف والوں نے اپنے موقف پر عقلی دلائل بھی پیش کئے ہیں، جن کا ذکر امام رازیؒ نے ان سے روایتاً کیا ہے:۔

الف:۔ یہ بالکل بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی چیزیں تلاوت کرنے کا حکم دے جن کے معنی ہمارے لئے مجہول ہوں، اس سے اللہ کا مقصود ہمارا کمال انقیاد وتسلیم دیکھنا ہو جس طرح کہ افعال میں ایسا جائز ہے۔

(ب) اگر ان متشابہات کی تنزیل جائز ہے کہ جن میں مخالف اپنے موقف کے سلسلے میں غور وتدبر کے دوران ایسے محکمات سے واقف ہو جائے کہ جو اسے ضلالت وگمراہی سے نجات دینے والے ہوں تو ان حروف مقطعات کی تنزیل بدرجہ اولیٰ جائز ہونی چاہئے کہ جو ضلال وخطا کے باعث نہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو درج ذیل دلائل سے مردود قرار پاتی ہیں:۔

۱:۔ امام رازی کے اس قول کے ذریعے جو اس موقف کے حاملین کے رد میں

---

۱ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۴، اور اس کے بعد کے صفحات ۲ ترمذی شریف نے زید بن ارقم سے مروی ہے نیز کنز العمال کی ۲، ۸ ویں حدیث ۳ مفاتیح الغیب ص ۵۰۲، نیز ملاحظہ ہو:۔ مناہل العرفان جلد اول ص ۲۱۹، ۴ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۴

انھوں نے پیش کیا کہ: کلام سے مقصود افہام ہوا کرتا ہے اگر کلام مفہوم ہی نہ ہو تو ایسے کلام کے ذریعے خطاب کرنا عبث، عاقل کے لئے کسی طرح زیب نہیں؛ اور انھوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ:

(۱) "اگر متشابہات کا نزول اسی غرض کے تحت ہوتا جس کے یہ لوگ قائل ہیں تو تمام ہذیان اور لغو کا نزول جائز ہوتا، حالانکہ قرآن میں ان چیزوں کا وجود سخت عیب ہے، کیونکہ قرآن ہدی اور بیان ہے پھر جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، نزول قرآن کی غرض اصل افہام ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری غرض مراد لینا قرینہ کے بغیر مناسب نہیں اور یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں"۔

(۲) یہ لوگ بلا دلیل کہتے ہیں کہ قرآن میں ایسی چیزوں کا ورود ہو سکتا ہے کہ جو صرف تعبد کے مقصد سے ہوں اور ان کا کوئی معنی نہ ہو۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جاہلوں کا یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ قرآن میں ایسی چیزیں ہیں جن کے کچھ معنی نہیں، یہ صرف تعبد کے لئے نازل کی گئی ہیں، حالانکہ قرآن پُرزور انداز میں تدبر آیات کی دعوت دیتا ہے، اور کسی محکم و متشابہ آیت کا استثنا نہیں کرتا۔ کتنی نامعقول بات ہوگی کہ قرآن ایک چیز میں تدبر کی دعوت دے اور اس میں کوئی معقول حکمت سرے سے موجود ہی نہ ہو، مزید براں امام رازیؒ نے بارہ آیتیں بطور دلیل پیش کی ہیں کہ قرآن کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے محکم و متشابہ سب کو جانا اور سمجھا جائے، اس میں غور و فکر کیا جائے۔

۱۔ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۳

۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴

۳۔ ایضاً

عقود بالتعاطی

(یعنی خاموش لین دین)

ڈاکٹر عبد الواحد صاحب
نائب مفتی جامعہ مدینہ لاہور

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

اکثر ایسی صورتِ حال پیش آجاتی ہے کہ آپ کسی بازار سے گزر رہے ہیں تو آپ کسی کو یہ آواز لگاتے ہوئے سنتے ہیں کہ "ہر مال دو دو روپیہ" آپ چونک پڑتے ہیں۔ اس کے سامان پر نظر ڈالتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی چیز پسند آجاتی ہے آپ سامان والے کے ہاتھ پر دو روپے رکھتے ہیں اور اپنی پسندیدہ چیز اٹھا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح سفیان ثوری رحمۃ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک انار والے کے پاس گئے اس کو ایک سکّہ دیا اور ایک انار اٹھالیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر آگے چل پڑے۔ (فتح القدیر ص ۲۵۲ ج ۶)

یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور (DEPTMENTAL STORE) میں داخل ہوتے ہیں۔ ضرورت کی اشیاء اکٹھی کرتے ہیں اور لاکر کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے کر دیتے ہیں۔ وہ آپ کو بل بنا کر دیتا ہے اور بل کی ادائیگی کرتے ہیں اور سامان لے کر باہر آجاتے ہیں۔

ان دونوں مواقع میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ آپ خریدنے کا پورا عمل کرتے ہیں لیکن زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالتے اور نہ سامان فروخت کرنے والا کوئی لفظ زبان سے ادا کرتا ہے۔ بلکہ ایک خاموش عمل کے ذریعے سے لین دین ہوتا ہے اور دونوں یعنی بائع اور مشتری اس پر راضی ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایسا تجربہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کا کوئی عزیز یا دوست آپ کو کوئی مثلاً کھانے

کی شئی ہدیہ میں بھیجتا ہے۔ لانے والا کہتا ہے کہ فلاں نے بھیجا ہے اور آپ شکریہ کہہ کر وہ شئی رکھ لیتے ہیں اور بلا تردد اس کو اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ نہ ہدیہ دینے والے کی جانب سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ آپ کو یہ شئی ہدیہ کر دیا ہے اور نہ زبان سے یہ کہتے ہیں کہ آپ اس ہدیہ کو قبول کرتے ہیں۔

اس طرف توجہ ہونے کے بعد جب آپ ان معاملات پر غور کریں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ لوگوں کے یہ معاملات اکثر و بیشتر اسی خاموش لین دین پر مشتمل ہوتے ہیں کہ نہ ایک کی طرف سے زبانی ایجاب ہوتا ہے اور نہ دوسرے کی طرف سے زبانی قبول کیا جاتا ہے اسی کو فقہی یا قانونی اصطلاح میں تعاطی یا معاطاۃ کہا جاتا ہے۔

معاطاۃ (تعاطی) کے لغوی معنی

"قاموس میں ہے" التعاطی التناول" یعنی تعاطی لینے اور پکڑنے کو کہتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے کہ صحاح اور مصباح میں بھی یہی لغوی معنی ذکر کیا گیا ہے۔ تعاطی کا یہ لغوی معنی تقاضہ کرتا ہے کہ ایک جانب سے دینا ہو اور دوسری جانب سے لینا اور پکڑنا ہو۔

بیع بالتعاطی

اصطلاح میں بیع بالتعاطی سے مراد ہے، زبان سے ایجاب و قبول کے کلمات ادا کئے بغیر بائع کا (مشتری کو) مبیع پکڑانا اور مشتری کا (بائع کو) ثمن پکڑانا۔ جب کہ ایک دوسرے قول کے مطابق تعاطی میں ایک جانب سے دینا بھی کافی ہوتا ہے مثلاً مشتری بائع کے ہاتھ میں کچھ رقم رکھے اور اس رقم کے بقدر سامان اٹھا لے۔

بیع بالتعاطی کی تفسیر میں مذکورہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے بیع بالتعاطی کا ذکر مختلف جگہوں پر کیا ہے اور ہر جگہ اس کی علیحدہ صورت بیان کی ہے۔

۱:- ایک جگہ پر اس کی صورت میں جانبین سے ادائیگی کو ذکر کیا (یعنی مشتری نے ثمن پکڑایا اور بائع نے مبیع سپرد کیا) اس مثال سے اکثر فقہاء (احناف) نے خیال کیا کہ جانبین سے ادائیگی شرط ہے۔ طرسوسی نے ایسا ہی قول نقل کیا ہے اور اسی کو بزاز نے اختیار کیا اور حلوانی نے اسی پر فتویٰ دیا۔

۲:- دوسری جگہ امام محمد رحمہ اللہ نے ایک جانب سے ادائیگی کی صورت بیان کی جس

سے بعض نے سمجھا کہ فقط اسی پر اکتفا کیا جا سکتا ہے صاحب فتح القدیر یعنی ابن ہمام نے اسی قول کو اصح کہا اور فیض میں تصریح ہے کہ یہی (اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے)

۳۔ تیسرے مقام میں امام محمد رحمہ اللہ نے جو صورت بیان کی وہ فقط تسلیم بیع کی تھی جس سے بعض نے سمجھا کہ تنہا تسلیم ثمن کافی نہیں۔

بیع بالتعاطی کے بارے میں مذاہب ائمہ

۱:۔ امام احمد امام مالک اور ائمہ احناف رحمہم کے نزدیک صحیح جائز ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے جیسا کہ مغنی (لابن قدامہ) میں ہے اس کے جواز کی تصریح اس مسئلہ سے ملتی ہے کہ ایک شخص نے نانبائی سے پوچھا روٹی کتنے میں بیچتے ہو؟ نانبائی نے جواب دیا " اتنے وزن کی روٹیاں ایک درہم میں"۔ اس شخص نے نانبائی سے کہا " اس کا وزن کردو اور اس کو صدقہ کردو"۔ پس جب نانبائی نے اتنا وزن کردیا تو مشتری پر خرید لازم ہوگئی۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جواز کی وجہ ان کا یہ اصول وقاعدہ ہے کہ لوگ جس کو بیع سمجھتے ہوں وہ بیع واقع ہوجاتی ہے۔ (مغنی قدامہ)

بعض شوافع مثلاً نووی و غزالی رحمہما اللہ نے بھی بیع بالتعاطی کو مطلقاً جائز کہا۔ یہ بات نہایۃ المحتاج جلد ۳ ص ۳۷۵ میں اس طرح مذکور ہے:

اختار المصنف لجمیع انعقاده بها (بالمعاطاة فی کل ما یعده الناس بها بیعا وآخرون فی محقر کرغیف. اما الاستجرار من بیاع فباطل اتفاقا ای حیث لم یقدر الثمن کل مرة علی ان الغزالی سامح فیه ایضا بناء علی جواز المعاطاة۔

اور جلال الدین محلی کی شرح منہاج الطالبین جلد ۲ ص ۱۵۳ میں ہے۔

وقیل ینعقد بها فی المحقر کرطل خبز وحزمة بقل وقیل فی کل ما یعد بیعا بخلاف غیره کالدواب والعقار واختاره المصنف فی الروضة وغیرها۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حقیر چیزوں مثلاً روٹی اور سبزی کے گٹھے میں معاطاۃ کے ذریعے بیع منعقد ہو جاتی ہے جبکہ ایک اور قول کے مطابق ہر وہ عقد جس کو بیع شمار کیا جاتا ہے اس میں معاطاۃ کے ذریعے انعقاد ہو سکتا ہے برخلاف ان کے علاوہ اشیاء مثلاً جانور اور زمین کے مصنف نے روضہ وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

۲۔ بعض احناف مثلاً کرخی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حقیر اشیاء میں تعاطی صحیح ہوگی قیمتی اشیاء میں نہیں۔ بعض شوافع سے بھی یہی منقول ہے جیسا کہ مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا۔ اور اسی کو ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔

شوافع کے دلائل

زبانی ایجاب و قبول کے بغیر بیع صحیح نہیں ہوتی کیونکہ قرآن پاک میں ہے:- الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم اور صحیح حدیث میں ہے انما البیع عن تراض (ابن ماجہ) جبکہ رضامندی ایک باطنی اور مخفی امر ہے کہ جس پر کسی دوسرے کو اطلاع نہیں ہو سکتی۔ لہذا الفاظ کو رضامندی پر دلیل بنایا گیا ہے اور جب رضامندی پر دلالت کرنے والے ایجاب و قبول کے الفاظ ہیں تو ان کے بغیر رضامندی کا علم نہیں ہوگا اور نتیجہ میں بیع بھی صحیح نہ ہوگی۔

دیگر ائمہ کے دلائل

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المغنی میں دیگر ائمہ کے دلائل اس طرح ذکر کئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا لیکن اس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا۔ لہذا کیفیت میں عرف و رواج کا اعتبار کیا جائے گا اور مسلمانوں کا اپنے بازاروں میں اپنے خرید و فروخت کے معاملات میں تعاطی کا طریقہ رائج ہے۔

۲۔ (شریعت کے نزول کے وقت) بیع لوگوں میں معلوم و موجود تھی۔ شریعت نے وہ جیسے تھی اس کو ویسے ہی باقی رکھا اور اس کے ساتھ کچھ احکام لاحق کر دیے۔ پس اپنی رائے اور تحکم سے بیع کو بدلنا جائز نہیں۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کے درمیان بیع کے

کثرت سے واقع ہونے کے باوجود ایجاب وقبول کے الفاظ کا استعمال منقول نہیں حالانکہ اگر وہ ان کا استعمال کرتے ہوتے تو یہ بات کثرت سے منقول ہوتی اور خاص طور سے جبکہ ان الفاظ کا استعمال شرط بھی ہو تو ان کا نقل ہونا واجب تھا اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ نقل کرنے میں اہمال وغفلت کی گئی ہوگی۔

۴:۔ بیع ان امور سے ہے جن میں ابتلائے عام پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں ایجاب وقبول شرط ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بیان عام فرماتے اور اس کا حکم پوشیدہ نہ رکھتے کیونکہ بصورت دیگر بہت سے عقود فاسد ہوتے اور اس کے نتیجہ میں باطل طریقے پر لوگوں کا ایک دوسرے کا مال کھانا لازم آتا۔ لیکن نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی کسی صحابی سے ایسا کوئی بیان منقول ہے۔

۵:۔ ہر زمانے میں لوگ اپنے بازاروں میں معاطاۃ کے ساتھ خرید وفروخت کرتے رہے ہیں لیکن مخالفین کی جانب سے اس پر انکار منقول نہیں۔ لہٰذا یہ اجماع ہوا۔

۶:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حبشہ کی طرف سے اور دوسری جہات سے ہدایا موصول ہوتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہدیے پیش کرنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کرتے تھے اور بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی کھانے کی چیز لائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے دریافت فرماتے تھے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تم کھاؤ اور خود کھانے میں شریک نہ ہوتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ بھی اپنا ہاتھ بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے۔ اسی طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجورلے کر آئے تو کہا یہ صدقہ ہے۔ میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اس کا سب زیادہ حقدار پاتا ہوں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ تم کھاؤ اور خود کھانے میں شریک نہ ہوئے۔ پھر دوسری مرتبہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لے کر آئے اور عرض کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا

کہ آپ نے صدقہ کی کھجوریں نہیں کھائیں۔ یہ میں آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں تو نبی صلی اللہ نے بسم اللہ پڑھی اور کھجور تناول فرمائی۔ اس موقع پر تو قبول کا لفظ استعمال کرنا منقول ہے اور نہ ہی ایجاب کا حکم منقول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا تو پوچھا کہ وہ ہدیہ ہے یا صدقہ لیکن کسی روایت میں نہ تو ایجاب منقول ہے اور نہ قبول اور اسی ہی کو تو معاطاۃ کہتے ہیں۔

شوافع کی دلیل کا جواب

ایجاب قبول کے الفاظ اسی لئے تو ہیں کہ باہمی رضامندی پر دلالت کرنے والے دیگر امور مثلاً مساومت اور معاطاۃ (تعاطی) پائے جائیں تو ایجاب و قبول کے قائم مقام ہوں گے اور چونکہ ایجاب و قبول کے الفاظ کی ادائیگی تعبدی امور میں سے نہیں ہے لہذا باہمی رضامندی پر دلالت کرنے میں یہ دیگر امور بھی کافی ہوں گے۔

(مغنی ابن قدامہ)

تنبیہات

۱۔ دلائل کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ بیع بالتعاطی اسی بنا پر درست ہے کہ باہمی رضامندی جو کہ بیع کی صحت کے لئے شرط ہے پائی جاتی ہے اور اکراہ وغیرہ کی عدم موجودگی میں ایجاب کے الفاظ کی ادائیگی باہمی رضامندی پر دلالت کرنے میں اصل ہے۔ لہذا اگر بیع بالتعاطی کی دیگر شرائط پائی جا رہی ہوں لیکن زبان سے عدم رضامندی کی تصریح کی جا رہی ہو تو بیع صحیح نہ ہوگی اگر چہ یہ زبانی تصریح سے مقصود مشتری کی تطییب قلب ہو۔

مثلاً مشتری کو بازار یا منڈی والوں کا طریقہ معلوم ہے کہ اگر بائع راضی نہ ہو تو وہ ثمن واپس کر دیتا ہے اور سامان واپس مانگتا ہے ورنہ وہ بیع پر راضی ہوتا ہے اور محض مشتری کی تطییب قلب کے لئے پیچھے سے شور کرتا رہتا ہے کہ میں نہیں دیتا لہذا مشتری بائع کو پکڑ رقم پکڑاتا ہے اور چند خربوزے اٹھا لیتا ہے۔ بائع رقم لے لیتا ہے لیکن کہتا ہے کہ میں نہیں دوں گا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوگی۔

۲۔ عقد فاسد کے بعد جب تک اس کو ترک نہ کیا ہو چونکہ ایجاب و قبول سے بیع منعقد نہیں ہوتی لہذا تعاطی سے تو بطریق اولیٰ منعقد نہ ہوگی۔ خلاصہ اور بزازیہ میں صراحت کے

ساتھ ذکر کیا کہ عقد فاسد یا عقد باطل کے بعد تعاطی سے بیع منعقد نہیں ہوتی کیونکہ یہ گذشتہ بیع پر مبنی ہے۔

بیع بالتعاطی کی مختلف مثالیں

۱:۔ بائع اور مشتری دونوں کا ثمن پر اتفاق ہو جائے۔ پھر مشتری مبیع لے لے اور بائع کی رضامندی کے ساتھ ثمن کی ادائیگی کئے بغیر چلا جائے یا مشتری بائع کو تو ثمن کی ادائیگی کر دے لیکن بائع نے مبیع سپرد نہ کیا ہو۔ دونوں صورتوں میں بیع لازم ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر اس کے بعد ان میں سے کوئی ایک بیع کو باقی رکھنے سے منکر ہو تو قانون اس پر جبر کر سکتا ہے۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب ثمن کا پہلے سے علم نہ ہو اور اگر ثمن کا پہلے سے علم ہو مثلاً روٹی یا گوشت کی قیمت تو اس صورت میں ثمن بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲:۔ مبیع موجود و معلوم ہو لیکن مشتری نے ثمن کی ادائیگی کے باوجود مبیع پر قبضہ نہیں کیا۔ اس سے بھی بیع بالتعاطی ہو جاتی ہے۔ قنیہ میں اس کی یہ مثال ذکر کی کہ مشتری نے بائع سے گندم حاصل کرنے کے لئے اس کو پانچ دینار دیئے اور اس سے پوچھا کہ وہ گندم کس قیمت پر بیچتا ہے۔ بائع نے جواب دیا سو (کلو) ایک دینار میں۔ اس پر مشتری خاموش رہا۔ پھر اس نے بائع سے گندم طلب کی تاکہ اس پر قبضہ کرلے۔ بائع نے کہا میں تمہیں گندم کل دوں گا۔ ان کے درمیان زبانی بیع (یعنی ایجاب و قبول) بھی نہ ہوئی۔ مشتری واپس چلا گیا اور جب دوسرے دن آیا تو گندم کے نرخ بدل چکے تھے۔ اب بائع کے ذمے ہوگا کہ وہ گذشتہ نرخ پر گندم مشتری کو دے۔

۳:۔ اگر نانبائی کو کچھ رقم دی اور اس سے ہر روز روٹیوں کی ایک معین مقدار لینے لگا تو اگر اس نے ابتداء میں یہ نہیں کہا کہ میں نے تجھ سے خریدیں تو یہ صورت جائز ہے اگرچہ رقم دینے کے وقت اس کی نیت روٹیاں خریدنے کی ہو کیونکہ تنہا نیت سے بیع کا انعقاد نہیں ہوتا۔ بیع کا انعقاد تو اس وقت تعاطی سے ہوا ہے اور اس وقت (روٹی

کی قیمت معلوم ہونے کی بنا پر) چونکہ مبیع معلوم ہے لہذا بیع کا انعقاد صحیح ہوا۔

۴:۔ پوچھا گندم کا ایک قفیز (ایک پیمانہ) کتنے میں بیچتے ہو؟ بائع نے جواب دیا ایک درہم میں۔ مشتری نے کہا اس کو علیحدہ کرلو۔ بائع نے علیحدہ کردیا تو بیع منعقد ہوگئی۔

۵:۔ ایک شخص کے ذمے قرض ہے۔ قرض خواہ نے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ مقروض نے اس کو گندم کی ایک معلوم مقدار بھجوائی اور کہا کہ یہ شہر کے نرخ پر لے لو۔ اگر نرخ کا دونوں کو علم ہے تو (قرض خواہ کے اس گندم کو لینے سے) بیع ہو جائے گی اور اگر دونوں کو نرخ کا علم نہ ہو تو پھر یہ بیع نہ ہوگی۔

۶:۔ آٹھ درہم میں کچھ سامان خریدا پھر بائع سے کہا اتنا سامان اور لاؤ اور یہاں رکھ دو۔ بائع نے ایسا ہی کیا تو بائع کو مشتری سے (اس دوسرے سامان کا) ثمن طلب کرنے کا اختیار ہے۔ (بحر صفحہ ۲۷۱)

۷:۔ کوئی شئے خریدنے کے ارادہ سے ایک شخص نے دوسرے سے بھاؤ طے کیا۔ وہ شئے لینے کے لئے اس کے پاس برتن موجود نہ تھا۔ لہذا وہ بائع سے جدا ہوکر برتن لے کر آیا اور بائع کو دراہم دیئے تو یہ جائز ہے۔ (عالمگیری صفحہ ۳)

۸:۔ ایک شخص کے ذمے (چاندی کے) ہزار درہم ہیں۔ مقروض نے قرض خواہ کو کہا کہ میں تیرے مال کے بدلے تجھے دینار دیتا ہوں اور اس کے ساتھ دینار (سونے کے) کا بھاؤ طے کیا لیکن بیع کئے بغیر اس سے جدا ہوگیا۔ پھر دینار لے کر آیا اور طے کئے ہوئے بھاؤ کا ارادہ کرتے ہوئے دینار قرض خواہ کو دے دیے اور جدید بیع کئے بغیر چلا گیا تو یہ جائز ہے۔

۹:۔ ایک شخص کے پاس چھوٹے بڑے خربوزوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس سے پوچھا کہ اس ڈھیر میں سے دس خربوزوں کی کیا قیمت ہے؟ جواب دیا ایک ایک درہم۔ مشتری نے اپنی پسند کے دس علیحدہ کرلئے اور ان کو لے کر چلا گیا جبکہ بائع دیکھ رہا تھا یا بائع نے خود دس خربوزے علیحدہ کردیئے اور مشتری نے ان کو قبول کرلیا تو بیع پوری ہوگئی۔ (عالمگیری صفحہ ۳)

۱۰:- ایسے موقع میں جہاں شفعہ نہیں ہے مشتری کا طالب شفعہ کو خریدی ہوئی جائداد سونپنا بیع بالتعاطی کی مثال ہے۔

۱۱:- مؤکل کے وکیل سے انکار کے بعد وکیل بالشراء کا خریدی ہوئی شئی مؤکل کے سپرد کرنا، (اور مؤکل کا اس کو لے لینا)۔

۱۲:- جس کے پاس ایک باندی ودیعت رکھی وہ دوسری واپس کرنے لایا اور قسم کھائی کہ یہ وہی ودیعت رکھی ہوئی باندی ہے تو مودِع کے لئے اگر وہ راضی ہو یہ باندی حلال ہوگی اور یہ بیع بالتعاطی بن جائے گی۔

۱۳:- خیار عیب کی بنا پر شئی واپس کی۔ بائع کو یقین ہے کہ واپس کی جانے والی بعینہ وہی شئی نہیں ہے جو اس نے دی تھی لیکن اس نے وہ شئی لے لی اور اس پر راضی ہوگیا۔

۱۴:- ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر درزی کو کہا یہ میری صدری نہیں ہے۔ درزی نے قسم کھائی کہ یہ وہی ہے تو اس شخص کے لئے یہ صدری لینا جائز ہوگا۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ یہ صدری درزی کی اپنی ملک ہو اور اگر اس کی ملک نہ ہو تو پھر بیع صحیح نہ ہوگی۔

۱۵:- ایک شخص کو کہا کہ یہ انار ایک روپے کے عوض میں کھا لو۔ اس نے کھا لیا تو یہ بیع ہوگی۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ص۲)

۱۶:- بائع نے ایک شخص سے کہا کہ اس شئی کی قیمت بیس روپے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میرا لینے کا ارادہ نہیں ہے اور چلا گیا۔ پھر بعد میں واپس آیا اور وہ شئی اٹھائی اور (بائع کی رضامندی سے) چلا گیا۔ پھر وہ شئی اس شخص کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو اس شخص کے ذمے بیس روپے ہوں گے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ص۲۰)

معاطاۃ کے ذریعے عام بیع کے علاوہ دیگر عقود

درمختار میں ہے:-

وحررنا فی شرح الملتقی صحۃ الاقالۃ والاجارۃ والصرف بالتعاطی۔	شرح الملتقی میں ہم نے تحریر کیا ہے کہ تعاطی (معاطاۃ) کے ساتھ اقالہ، اجارہ اور بیع صرف صحیح ہوتی ہے۔

تعاطی کے ذریعے ہبہ اور ہدیہ کے صحیح ہونے کو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ۔

بیع صرف بالتعاطی کی ایک مثال

مشتری نے خیار شرط کے ساتھ ہزار درہم میں ایک شئ خریدی اور بائع کو سو دینار دیئے (دینار جو سونے کا سکہ ہوتا تھا وہ چاندی کے دس درہم کی قیمت کے برابر ہوتا تھا) پھر بیع فسخ کردی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق بیع صرف جائز ہوگی اور بائع ہزار درہم واپس کرے گا۔ البتہ ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر بیع صرف باطل ہوگی۔

ہبہ بالتعاطی

ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں ایجاب وقبول کے الفاظ استعمال کرنا شرط نہیں ہے بلکہ وہ قرائن جو تملیک پر دلالت کرتے ہوں وہ کافی ہوتے ہیں مثلاً فقیر کو کچھ مال دیا اور فقیر نے وہ مال لے لیا یعنی اس پر قبضہ کرلیا تو اگرچہ ان دونوں میں سے کسی نے کوئی لفظ بھی ادا نہ کیا ہو یہ صدقہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح ہدیہ میں ہوتا ہے۔ اسی کی مثل وہ ہدیہ ہے جو مرد اپنی بیوی کو یا کسی اور کو دے۔

ایک شخص نے دوسرے کو کوئی شئ دیتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ شئ تجھے ہبہ (یا ہدیہ) کی اور موہوب لہ نے اس پر واہب کی موجودگی میں قبضہ کرلیا۔ البتہ زبان سے "میں نے قبول کیا" کے الفاظ ادا نہیں کئے تب بھی ہبہ صحیح ہوگیا کیونکہ ہبہ و ہدیہ کے معاملات میں قبضہ بھی رکن کے قائم مقام ہوکر قبول کی مانند ہے۔ (ص ۵٦۰ ج ۴ ردالمحتار)

شیخ تقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت کے ساتھ اس کے سسرال میں جہیز بھیجنا عورت کو اس جہیز کا مالک بنانا ہے۔ (کشاف القناع)

اجارہ بالتعاطی

۱۔ ایک مکان ایک سال کے لئے کرایہ پر لیا۔ جب سال پورا ہوگیا تو مالک مکان نے کرائے دار سے کہا یا تو مکان آج مجھے خالی کرکے دے دو ورنہ ماہانہ ہزار روپے کرایہ تمہیں لازم ہوجائے گا۔ جتنے عرصے میں کرایہ دار اپنا سامان منتقل کرسکتا ہے اتنے عرصے کے لئے اجرت مثلی واجب ہوگی اور اگر وہاں ایک مہینہ ٹھہرا تو مالک مکان

کا بتایا ہوا کرایہ دینا پڑے گا۔ (ردالمحتار صـ۳ ج ۵)

۲:۔ اپنے مکان پہ زبردستی قبضہ کرنے والے (غاصب) سے کہا کہ میرا مکان خالی کردو ورنہ ماہانہ اتنی اجرت تمہیں دینی ہوگی۔ غاصب نے مکان خالی نہ کیا تو اس پر بتائی ہوئی اُجرت واجب ہوجائے گی کیونکہ غاصب کا سکوت رضامندی ہوتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب غاصب دوسرے کی ملکیت کا اعتراف کرتا ہو۔ البتہ اگر اعتراف کے باوجود غاصب اس اجرت پر اپنی عدم رضامندی ظاہر کردے تو پھر بتائی ہوئی اُجرت واجب نہ ہوگی۔

۳:۔ مالک مکان نے کرایہ دار سے کہا یا تو اتنی اجرت پر رہو ورنہ یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ یا چرواہے نے کہا مجھے اتنی اجرت منظور نہیں بلکہ میں اتنی اجرت لوں گا۔ اور کرایہ دار یا بکریوں کا مالک خاموش رہا تو بتائی ہوئی اجرت لازم ہوگی۔ البتہ اگر اس وقت تو وہ خاموش رہے لیکن جب مالک مکان یا چرواہا اتنی اُجرت کا مطالبہ کرے تو کہے کہ مجھے تو تمہاری بات سنائی نہیں دی تھی تو کیا اس کو سچا سمجھا جائے گا؛ اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر حال پر عمل کریں گے لہٰذا اگر اس میں بہرا پن ہو تو سچا سمجھا جائے گا ورنہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

۴:۔ قیم (وقف) سے مکان سال کے حساب سے کیرائے پر لیا اور اس میں رہائش اختیار کی۔ پھر رہائش کا سلسلہ عقد کے بغیر دوسرے سال بھی جاری رہا اور قیم نے کچھ اجرت وصول کرلی۔ تو یہ دوسرے پورے سال کے لئے اجارہ کا انعقاد ہوگا فقط اتنی مدت کا نہیں جس کی اجرت وکیرایہ لیا ہے۔

۵:۔ ابو یوسف رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کشتی میں داخل ہوتا ہے یا پچھنے لگواتا ہے یا فصد کھلواتا ہے یا حمام میں داخل ہوتا ہے یا مشکیزے سے پانی پیتا ہے پھر اجرت اور پانی کی قیمت ادا کرتا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ از روئے استحسان یہ جائز ہے اور اس سے پیشتر عقد کرنے کی ضرورت نہیں۔

۶:۔ اگر اجرت معلوم ہو تو طویل اجارہ کا انعقاد بھی تعاطی سے ہوسکتا ہے۔ (ردالمحتار صـ ج ۵)

اقالہ بالتعاطی

اقالہ بالتعاطی بھی اگرچہ بیع کی طرح ایک جانب سے ہو تب بھی صحیح ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے اگرچہ سراجیہ میں ہے کہ جانبین سے تسلیم اور قبض ناگزیر ہیں۔

مشتری نے گندم خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا اور بائع کو اس کی قیمت کا ایک حصّہ دے دیا۔ پھر چند دن کے بعد کہا اس کے نرخ بہت زیادہ ہیں تو بائع نے جتنی رقم پر قبضہ کیا تھا وہ لوٹا دی۔ تو جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اقالہ کا انعقاد ایک جانب سے بھی ہو جاتا ہے وہ اس کو اقالہ شمار کرتے ہیں اور یہی قول صحیح ہے جب کہ جن لوگوں کے نزدیک دونوں جانب سے قبضہ شرط ہے وہ اس کو اقالہ نہیں سمجھتے۔ (ص ۱۶۱ ج ۴ ردالمحتار)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

احمد شاہ ابدالی کے نام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم خط

ذیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کا جو خط نقل کیا جا رہا ہے وہ ان کے سیاسی مکتوبات کا ایک حصہ ہے جو دینی رسالہ الفرقان ماہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا ہے۔

اس خط پر ذرا غائر نظر ڈالی جائے تو اس سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔ -

ایک یہ کہ شاہ صاحبؒ کے وقت میں سلطنت مغلیہ زوال کے آخری نقطہ تک پہنچ گئی تھی جس کے لئے وہ حد درجہ فکرمند تھے۔

دوسرے یہ کہ حکومت کے زوال کی وجہ سے مسلمان پورے ملک میں سیاسی حیثیت سے مظلوم اور اقتصادی حیثیت سے بدحال ہو چکے تھے، شاہ صاحبؒ کے اس خط کے لکھنے میں اصل محرک یہی صورت حال تھی، انھوں نے نادر شاہ کے حملہ کو اسی لئے ناپسند کیا کہ اس کی وجہ سے ملک کے اندر مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی حیثیت مزید کمزور ہوئی۔

تیسرے یہ کہ حضرت شاہ صاحب اپنے سینے میں ایک دردمند اور باحمیت دل رکھتے تھے، حدیث نبوی کے مطابق کسی مسلمان کو اگر ایک پھانس بھی لگتی تھی یا شعائر اسلامی کی کوئی بےحرمتی ہوتی تھی تو وہ بے چین ہو جاتے تھے، خط کے ایک ایک جملہ سے ان کی اس دردمندی اور دل سوزی کا احساس ہوتا ہے، وہ ان علماء میں نہ تھے جو اعلانِ حق کے موقع کو مصلحتوں کی دبیز چادر میں چھپا لیتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ حضرت شاہ صاحب اپنے مجتہدانہ علم و فضل اور علوم دینیہ پر مجددانہ نظر رکھنے کے باوجود ملک و وقت کے حالات سے آنکھیں بند کئے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان کی نظر ہندوستان کی تاریخ، اس کے جغرافیہ اور سیاسی مد و جزر پر پوری طرح تھی اور ناسازگار حالات کے پس منظر

کرنے کی جو تدبیر ممکن تھی اس کے لئے وہ عملی طور پر دردمند تھے افسوس ہے کہ شاہ صاحب کے ہم نام لیواؤں میں نہ تو کوئی سیاسی سوجھ بوجھ نظر آتی ہے اور نہ حالات کے بدلنے کے لئے ہمارے اندر کوئی عملی تڑپ دکھائی دیتی ہے اور نہ اس کے لئے کوئی موثر تدبیر اختیار کرنے کی نمایاں کوشش ہم کر رہے ہیں بلکہ ہمارے اندر ایک بڑا دیندار طبقہ ان سنگین حالات کو مسلمانوں کی بداعمالی کا نتیجہ قرار دے کر اس کی فکر و تدبیر سے اپنا پیچھا چھڑائے ہوئے ہے اور کچھ لوگ دعوت اسلامی میں رکاوٹ کی دہائی دے کر اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے قلم کے تیر و نشتر چلا رہے ہیں گویا حالات کی ساری خرابی اور بگاڑ کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ہے یہ موجودہ دور میں سیاسی بحران شیطانوں کا اٹھایا ہوا ایک بہت بڑا فتنہ ہے جو آسان پسندی اور عیش کوشی کا سبق دے کر ان کی روح جہاد کو مردہ کرنا چاہتا ہے۔

انھوں نے صلح حدیبیہ کو پسپائی قرار نہیں دیا ہے بلکہ مکہ میں اسلام لانے والے مسلمانوں کے تحفظ اور فتح مکہ کے لئے ایک جنگی تدبیر قرار دیا ہے ..... جیسا کہ قرآن پاک کی آیت نقل کر کے شاہ صاحب نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(مرتب)

بعد حمد و صلوٰۃ کے ـــــ یہ چند کلمات ہیں جن کے لکھے جانے کا باعث اسلامی حمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کلمات کو گوش مبارک تک پہنچا دے۔

بادشاہان اسلام کا وجود اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست نعمت ہے۔ جاننا چاہیئے کہ ملک ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ قدیم اسلامی بادشاہوں نے بڑی مدت میں بڑی جدوجہد کے بعد کئی دفعہ میں جا کر اس ولایت کو فتح کیا ہے۔ علاوہ دہلی کے جو صاحب اقتدار بادشاہوں کا مستقر رہی ہے۔ ہر ہر علاقہ میں علیحدہ علیحدہ فرمانروا تھے، مثلاً گجرات، احمد آباد کا علاقہ ایک علیحدہ حکمراں سے تعلق رکھتا تھا۔ ٹھٹھہ کا دوسرا بادشاہ تھا، بنگالہ ایک اور حاکم کے زیر حکومت تھا۔ اودھ جدا ایک شخص کے زیر اقتدار تھا جس کو سلطان الشرق یعنی پورب کا بادشاہ کہتے تھے۔ ملک دکن پانچ حسب ذیل سلطنتوں کا مجموعہ تھا۔

(۱) برہان پور (۲) بُرار (۳) اورنگ آباد (۴) حیدرآباد (۵) بیجا پور
ان پانچوں سلطنتوں میں سے ہر سلطنت کا جداگانہ مستقل بادشاہ تھا۔
مالوہ کا بھی حکمراں علیحدہ تھا اور ان تمام مذکورہ علاقہ جات میں سے ہر ایک علاقے کا بادشاہ
مستقل طور پر صاحبِ فوج اور صاحب خزانہ ہوتا تھا۔

ہر ایک بادشاہ نے اپنی اپنی مملکت میں مسجدیں تعمیر کرائیں مدرسے قائم کئے عرب و عجم کے مسلمان اپنے اپنے وطنوں سے منتقل ہو کر ان علاقوں میں آ گئے اور یہاں اسلام کی ترویج و اشاعت کا باعث بنے' اس وقت تک ان لوگوں کی اولاد اسلام کے طور و طریقہ پر قائم ہے ایک اور ملک بھی ہے جو کبھی کسی بادشاہ اسلام کے قبضہ میں نہیں آیا اور وہ اپنے خالص غیر مسلمانہ طریقہ پر باقی رہا، اتنا ضرور ہوا کہ بادشاہ ان راجاؤں سے جو اُن کے حدود میں تھے خراج لیا کرتے تھے۔ یہ ملک جس کا تذکرہ ہو رہا ہے ۔راجپوتانہ کا ملک ہے' اس ملک کا طول حدود ٹھٹھہ سے لے کر حدودِ بنگالہ و بہار تک چالیس منزل ہے اور عرض دہلی و آگرہ سے لے کر گجرات و اُجین کی حد تک بیس منزل ہے' یہی وہ با وسعت ملک ہے جو کبھی ملوکِ اسلامیہ کی نشستگاہ نہیں بنا۔ قصہ مختصر بادشاہانِ مغلیہ نے رفتہ رفتہ اتنا کر لیا کہ اپنی طرف سے ان کو ریاست پر متعین کرتے تھے اور انھوں نے راجپوتوں سے معاہدہ کر لیا اور اس گروہ کو اپنا ماتحت قرار دے کر ان کی مخالفت سے مامون و محفوظ ہو گئے اور جنگ سے دست کشی اختیار کر لی' واقفانِ فنِ تاریخ تفصیلی طور پر ان واقعات کو بیان کریں گے۔

غیر مسلموں میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے کہ ان کا ایک سردار ہے' اس قوم نے عرصہ سے اطرافِ دکن میں سر اٹھایا ہے' اور تمام ملک ہندستان پر اثر انداز ہے۔ شاہانِ مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی، غفلت اور اختلاف فکر کی بنا پر ملک گجرات مرہٹوں کو دے دیا پھر اسی سست اندیشی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی اُن کے سپرد کر دیا اور ان کو وہاں کا صوبہ دار بنا دیا۔ رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر ہو گئی اور اکثر بلادِ اسلام ان کے قبضہ میں آ گئے۔ مرہٹوں نے مسلمانوں اور شہد دوں

دونوں سے باج لینا شروع کر دیا اور اس کا نام چوتھ (یعنی آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا۔

دہلی اور نواحِ دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ دہلی کے رؤسا، بادشاہانِ قدیم اور یہاں کے وزرا اور امرا، امرائے قدیم کی اولاد ہیں، تاہم مرہٹوں نے اُن لوگوں سے یک گونہ مروت کا معاملہ رکھتے ہوئے عہد و پیمان کر لیا اور رواداری کا سلسلہ جاری کرکے طرح طرح کی چاپلوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امن و امان دے کر چھوڑ دیا۔ دکن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس بنا پر نہ ہو سکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں کبھی مرہٹوں کے درمیان میں پھوٹ ڈالا دی، کبھی انگریزوں کو اپنا رفیق بنالیا۔ اور برہانپور، اورنگ آباد، بیجاپور جیسے بڑے بڑے شہروں پر اولاد نظام الملک قابض رہی، البتہ اطراف و نواحی کو مرہٹوں کے لئے چھوڑ دیا ___ المختصر سوائے دہلی و دکن کے خاص طور مرہٹوں کا تسلط ہے، قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے، بشرطیکہ غازیانِ اسلام کمر ہمت باندھ لیں، حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہیں، لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے، اس گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائے گی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے اس کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے، جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو، دلاوری اور سامانِ حرب کی بہتات اُن کے یہاں نہیں ہے۔

الغرض قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنے کو دبائے۔

غیر مسلموں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بود و باش دہلی و آگرہ کے درمیان ہے، یہ دونوں شہر بادشاہوں کے لئے دو حویلیوں کی مانند رہے ہیں، مغل بادشاہ کبھی آگرہ میں رہتے تھے تاکہ ان کا دبدبہ اور رعب راجپوتانہ تک پڑے اور کبھی دہلی میں فروکش ہوتے تھے تاکہ اُن کی شوکت و ہیبت سرہند اور نواحی سرہند تک اثر ڈالے۔

دہلی و آگرہ کے درمیان کے مواضعات میں قوم جاٹ کاشتکاری کرتے تھے۔ زمانۂ شاہجہاں میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، بندوق اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں، بعد کے بادشاہوں نے رفتہ رفتہ ان کے حالات سے غفلت اختیار کرلی اور

اس قوم نے فرصت کو غنیمت جان کر بہت سے قلعے تعمیر کر لیے اور اپنے پاس بندوق رکھ کر بٹ ماری کا طریقہ شروع کر دیا۔ اورنگ زیب اس وقت دکھن میں قلعہ بیجاپور و حیدرآباد کے فتح کرنے میں مشغول تھا، دکن ہی سے ایک فوج جاٹوں کی تادیب کے لئے اس نے روانہ کی اور اپنے پوتے کو فوج کا سردار مقرر کیا، رئیسانِ راجپوتانہ نے اس شہزادے سے مخالفت کرلی۔ لشکر میں اختلاف واقع ہوا۔ جاٹوں کی تھوڑی سی عاجزی پر اکتفا کر کے بادشاہی فوج واپس ہوگئی۔

محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس جماعت کی شورش پھر جوش میں آئی قطب الملک وزیر نے زبردست فوجیں ان کی طرف بھیجیں۔ چورامن جو اس قوم کا سردار تھا بعد جنگ صلح پر راضی ہوگیا، اس کو بادشاہ کے سامنے لائے اور تقصیرات کی معافی دلوائی، یہ کام بھی خلاف مصلحت عمل میں آیا۔

پھر عہد محمد شاہ میں اس قوم کی سرکشی حد سے تجاوز کرگئی اور چورامن کا چچازاد بھائی سورج مل اس جماعت کا سردار ہوگیا اور فساد کا راستہ اختیار کیا، چنانچہ شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ سات سو سال سے اقامت پذیر تھے اس شہر پر قہراً و جبراً قبضہ کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا، اس کے بعد سے سرکشی برابر بڑھتی رہی بادشاہوں اور امیروں کے اختلاف و غفلت کی بنا پر کوئی بھی اس جانب متوجہ نہ ہوا۔ اگر بالفرض ایک امیر اس کی تنبیہہ کا قصد کرتے تو سورج مل کے کارکن دوسرے امراء کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس طرح بادشاہ کے مشورے کو پلٹ دیتے ہیں۔ پسر محمد شاہ کے عہد میں صفدر جنگ ایرانی نے خروج کیا اور سورج مل سے سازش کر کے پرانی دہلی پر حملہ کر دیا اور تمام باشندگان شہر کہنہ کو لوٹ لیا۔

پسر محمد شاہ نے شہر کے دروازے بند کر کے چھپ کر بیٹھ گئے اور مرہٹوں نے توپوں کے ذریعہ جنگ کی محض خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل ڈیڑھ تین ماہ کے بعد ناکامیاب واپس ہوئے اور صلح و موافقت کی داغ بیل ڈالی، چونکہ بادشاہ کے آدمی جنگ سے تھک چکے تھے اس لئے انھوں نے صلح کو غنیمت شمار کیا، اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت ترقی پاگئی۔

دہلی سے دو کوس کے فاصلے سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں اور میوات کے حدود سے فیروز آباد و شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل قابض ہو گیا۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

ایک سال ہوا کہ قلعہ آگرہ جو کہ تمام میوات کی خبر گیری کے لئے ایک جائے بلند تھی، سورج مل اس کو بھی اپنے قبضہ میں لے آیا۔ ارکانِ سلطنت میں سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ وہ اس کام سے روک دیتا۔

ہندوستان کے محصولات سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں ہیں بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو، ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے۔ جیسا کہ اس وقت دیکھا جا رہا ہے، جس علاقہ پر جاٹ قابض ہیں وہ ایک کروڑ روپیہ محصول کی جگہ ہے۔ راجپوتانہ کا علاقہ اپنی وسعت کے باعث ایک کروڑ روپے سے کم آمدنی کا نہیں ہے۔ بشرطیکہ ہر راجہ پر خراج مقرر کیا جائے۔ عہد شاہ محمد میں بنگالہ سے ہر سال ایک کروڑ کی آمدنی تھی اور وہاں کا صوبہ دار ہمیشہ بلا توقف بھیجتا رہتا تھا۔ اس رقم کی ادائیگی کے باوجود صوبہ دار بنگالہ، ہندوستان کے امراء میں انتہائی مالدار امیر تھا، چنانچہ اس وقت بھی کہ بنگالہ میں بے اطمینانی ہے اور وہاں ایک بیوقوف نا واقف کار نوجوان یعنی ناظم قدیم کا پوتا مسلط ہے، پھر بھی وہ نوجوان خزائن بے شمار کا مالک ہے۔ سعادت خاں ایرانی اور اس کے بعد اس کا داماد صفدر جنگ صوبہ اودھ پر قابض تھے۔ دو کروڑ اس صوبہ سے وصول کرتے تھے ایک کروڑ خرچ کرتے تھے اور ایک کروڑ جمع کرتے تھے، اسی مالداری نے صفدر جنگ کے اندر بادشاہ سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا۔ جاٹ کی شوکت کو درہم برہم کرنا بھی تدبیر کے نزدیک آسان کام ہے۔ انھوں نے جو علاقے اپنے قبضے میں کر لئے ہیں وہ ان کے نہیں بلکہ غصب کئے ہوئے ہیں، ان مواضع کے مالک ابھی تک زندہ موجود ہیں، اگر کوئی صاحب شوکت و عدالت بادشاہ مہربانی کا ہاتھ ان مالکوں کے سر پر رکھے تو وہ لوگ سورج مل کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے ہندوستان کے غیر مسلموں کا حال تھا۔ رہا مسلمانوں کا حال وہ یہ ہے کہ نوکرانِ بادشاہ جو کہ ایک لاکھ سے زائد تھے، ان میں پیادہ و سوار بھی تھے، اہلِ نقدی و جاگیر دار بھی تھے بادشاہوں

کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ جاگیردار اپنی جاگیروں پر عمل و دخل نہیں پاتے، کوئی غور نہیں کرتا کہ اس کا باعث بے عملی ہے جب خزانۂ پادشاہ نہیں رہا، نقدی بھی موقوف ہوگئی، آخرکار سب ملازمین تیتر بتر ہوگئے اور کاسۂ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ جب ملازمین بادشاہ کا یہ بُرا حال ہے تو تمام دیگر اشخاص کے حال کو جو کہ وظیفہ خوار یا سوداگر یا اہل صنعت ہیں، انھیں پر قیاس کر لینا چاہئے کہ کس حد تک خراب ہوگیا ہوگا۔ طرح طرح کے ظلم اور بیروزگاری میں یہ لوگ گرفتار ہیں، علاوہ اس تنگی اور مفلسی کے جب جاٹ کی قوم نے اور صفدر جنگ نے مل کر دلی کے پُرانے شہر پر دھاوا بولا۔ یہ غریب سب کے سب بے خانماں، پریشان اور بے مایہ ہوگئے ــــ پھر متواتر آسمان سے قحط نازل ہوا۔ غرضیکہ جماعتِ مسلمین قابلِ رحم ہے، اس وقت جو عمل و دخل سرکار پادشاہی میں باقی ہے وہ ہنود کے ہاتھ میں ہے، کیونکہ متصدی اور کارکن سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہے۔ ہمہ قسم کی دولت و ثروت ان کے گھروں میں جمع ہے، افلاس و مصیبت کا بادل مسلمانوں پر چھا رہا ہے ــــ بات طویل ہوگئی، اور اختصار کے حدود سے باہر نکل گئی ــــ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبے کی نوعیت یہ ہے جو معرض بیان میں آئی۔ اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہنچ گیا ہے جو لکھا گیا۔ اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحبِ اقتدار و شوکت ہو، اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دُور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے۔ ہندوستان کا قصد کرنا۔ اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرنا۔ اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ، اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گذرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ ہوسکے گی، یہ بھی ایک بلائے عظیم ہے، اس بلائے عظیم کے دفع کرنے کی قدرت بفضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے۔

ہم بندگانِ الٰہی، حضرتِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع گردانتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمتِ مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے

مقابلہ کریں، تاکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے، دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور مسلمان دستِ کفار سے خلاصی پا جائیں۔ خدا سے پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ نادر شاہ کی طرح عمل ہو کہ وہ مسلمانوں کو زیر و زبر کر گیا، اور مرہٹہ و جٹ کو سالم و غانم چھوڑ کر چلتا بنا، نادر شاہ کے بعد سے مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکرِ اسلام کا شیرازہ بکھر گیا، اور سلطنتِ دہلی بچوں کا کھیل بن گئی۔ پناہ بخدا اگر قومِ کفار اسی حال پر رہے اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام بھی کہیں باقی نہ رہے گا۔

خدائے تعالیٰ مجاہدین کی صفت میں فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الآیۃ۔ یعنی وہ غیروں پر سخت دل ہیں اور اپنوں پر مہربان ہیں۔

اس جماعت کے وصف میں جو مرتدوں سے مقابلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ الخ

اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جس سے اس کو (یعنی اللہ تعالیٰ کو) محبت ہوگی اور ان کو اس سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) محبت ہوگی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے کافروں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتح اسلام اس جماعت کو نصیب ہوتی ہے، جس کی یہ شان ہو کہ اگر کسی جگہ مسلمان ہوں ان کو وہ اپنے بیٹوں اور سگے بھائیوں کی طرح رکھے اور مخالف کے مقابلہ میں شیرِ نر کی مانند ہو۔

پس واجب ہے کہ ان مجاہدات میں تقویتِ اسلام کی نیت کر لی جائے، جب افواجِ قاہرہ ایسے مقام پر پہونچیں جہاں پر مسلمان اور غیر مسلمان دونوں رہتے ہوں، چاہیے کہ منتظمین خاص طور پر ایسے مقام پر متعین ہوں اور ان کو تاکید کی جائے کہ جو ضعیف مسلمان قریوں میں ساکن ہیں ان کو قصبوں اور شہروں پر مقرر کئے جائیں، جو اس بات کی کڑی نگرانی کریں کہ کسی مسلمان کا مال نہ لوٹا جائے اور نہ کسی مسلمان کی عزت میں فرق نہ آنے پائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اللہ کے نزدیک تمام دُنیا کا زوال قتلِ مسلم کے

مقابلے میں پیچ ہے" حضرت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ جب حدیبیہ تشریف لے گئے، اور کفارِ قریش مکہ کے داخلہ سے مانع آئے آخر الامر کفارِ مکہ سے صلح ہوئی۔ اگرچہ بعض بڑے صحابہ میں سے ایسے تھے جن کی حمیتِ دینی جوش میں آئی اور اس صلح پر راضی نہیں ہوتے تھے لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قول پر التفات نہیں فرمایا، اور صلح کر لی، جب اس سفر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں صلح کی حکمت اور تاخیرِ فتح کی وجہ ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ تا عَذَابًا اَلِيْمًا

(اگر نہ ہوتے (مکہ میں) کئی مرد ایمان والے اور کئی عورتیں ایمان والیاں جن کو تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم ان کو پیس ڈالو گے پس اس کے نتیجہ میں تم کو گناہ ہوتا بغیر دانست کے (تو تصدیقِ خواب بالفعل ہو جاتی اور جلد فتح میسر ہوتی) (خدا نے فتح کو مؤخر کیا) تاکہ داخل کر دے جس کو چاہے اپنی رحمت کے سایہ میں۔ اگر ہر دو فریق ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تو ہم منکروں پر (فی الفور) آفت ڈال دیتے۔)

یعنی چونکہ مسلمانوں کو مضرت پہنچ جانے کا اندیشہ تھا حکمتِ الٰہی نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کو مہلت کے ساتھ انجام دیا جائے تاکہ منکرین کسی نہ کسی طرح قبولِ اسلام کر لیں اور مسلمان مجاہدین کے غلبہ سے فی الحال محفوظ رہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد مکہ فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار اشخاص کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچے اور اہلِ مکہ بہر طور داخلِ اسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

اس واقعۂ صلح حدیبیہ و فتح مکہ میں بادشاہانِ دور اندیش کو حکمت کی عجیب و غریب تعلیم دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم کے اختلاط کے مقام پر حلم کا معاملہ کرنا چاہیئے، پہلے مخالفین اسلام کو مسلمانوں پر متسلط ہوتے ہوئے ہوئے متفرق کریں، بعد ازاں مسلمان خود بخود پختہ حال مد مقابل کے ہاتھ میں دے دیں گے۔

ترجمہ شعر عربی

(قسمت کی کتنی پوشیدہ مہربانیاں ہیں جن کی پوشیدگی سے ایک عقلمند کا فہم بھی عاجز ہے۔)

باب الاستفسار والجواب

مخدوم ومکرم ———————— السلام علیکم

خدا کرے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہو۔

ایک رسالہ مطالعہ کر رہا تھا جسمیں کئی مفتی حضرات نے نوٹ کے تبادلہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک ہی قسم کے پانچ روپے کے نوٹ کا تبادلہ دس بیس کے نوٹ سے ہو سکتا ہے جس طرح فلوس میں فقہا نے اجازت دی ہے۔ بہت سی عبارتیں بھی نقل کی ہیں یہ دل میں خلش پیدا کر رہی ہے۔ براہ کرم آپ اس بارے میں کوئی تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

———————— احمد محمود اورنگ آباد

الجواب

آپ کا خط ملا مجھے بھی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے اس سلسلہ میں چند باتیں عرض ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتی جیب الرحمان صاحب لکھتے ہیں ؎

" جب کرنسی نوٹ کا حکم فلوس کے سکوں کے مانند ہے اور فلوس کا حکم سامان تجارت کی طرح ہے تو اس صورت میں کرنسی نوٹوں کو اگر کمی زیادہ کے ساتھ تبادلہ کیا جائے مثلاً پانچ کا نوٹ لیا جائے یا دس کا نوٹ بیس کے عوض لیا جائے تو یہ ہینڈ ٹو ہینڈ جائز ہے اور ادھار ناجائز ہے۔ (مجلۃ الفقہ الاسلامی ص ۹۴)

اسی طرح کی بات بعض دوسرے مفتی صاحبان نے بھی لکھی ہے اور اس کے لئے فقہ کے کچھ جزئیات بھی پیش کئے ہیں، مگر راقم الحروف کے نزدیک دیانات یعنی عقائد و عبادات میں تغیر زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا مگر معاملاتی اور معاشرتی مسائل میں جہاں نص نہ ہو ان میں عرف و عادت اور تغیر احوال و زمانہ کا نہ صرف یہ کہ اثر پڑتا ہے بلکہ احکام بالکل بدل جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں جو نظام زر رائج ہے اس کی روشنی میں یہ کہنا کہ ایک ملک کے سکوں کا تبادلہ اسی ملک میں تفاضل کے ساتھ جائز ہے ایک مضحکہ خیز بات معلوم ہوتی ہے ان مفتی حضرات کے فتوی میں کتنا تضاد ہے ایک طرف وہ اس میں ثمنیت تسلیم کرنے لگے ہیں اور دوسری طرف اس کو فلوس۔

کی طرح سامان قرار دیتے ہیں ایک صاحب لکھتے ہیں ـــــ

" مثلاً دس کا نوٹ بیس کے نوٹ کے عوض لیا جائے تو یہ بھی ہنڈ ٹوہنڈ جائز ہوگا۔

(مجلۃ الفقہ الاسلامی ص ۹۴)

اس سلسلہ میں برادرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور محترم مفتی ظفیرالدین صاحب کی رائے سے راقم الحروف کو اتفاق ہے۔ یہی رائے علمائے عرب کی بھی ہے جیساکہ شمس پیرزادہ نے ان کی رائیں نقل کی۔ مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں ـــــ

البتہ بعد کو فلوس کا بحیثیت ثمن استعمال ہونے لگا اور رواج کے عموم کو دیکھتے ہوئے علماء نے اس سے منع کردیا و مشائخنا یعنی مشائخ ماوراء النہر من بخارا و سمرقند لم یفتیوا بجواز ذالک ای بیعہما بجنسہما متفاضلاً فی العدالی والغطارفہ (ص۲)

محترم مفتی ظفیرالدین صاحب نے اس پر بڑی لمبی بحث کی ہے ان کی کچھ عبارت نقل کی جاتی ہے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ نوٹ کا نوٹ سے تبادلہ ہو تو کیا اس میں مالیت کے کم و بیش کی اجازت ہوگی یا نہیں، جواب یہ ہے کہ جب یہ ثمن عرفی ہے اور ثمن خلقی کے قائم مقام ہے تو جس طرح ثمن خلقی میں کم و بیش جائز نہیں ہے۔ قاعدہ میں قائم مقام میں بھی کم و بیش" نہیں ہوگا ہمارے یہاں اب تک کچھ مفتیان کرام کم و بیش کو جائز لکھتے ہیں جو خاکسار کے نزدیک قطعاً درست نہیں ہے غالباً یہ حضرات اس ثمن اصطلاحی کو فلوس کے بیع پر قیاس کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ تفاضل کو جائز کہتے ہیں حالانکہ اس مسئلے میں بھی احناف میں امام محمدؒ تفاضل کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔

وقال محمد لا یجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحہما واذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کان بغیر اعیانہما وکبیع الدرہم بالدرہمین

(ھدایہ ج ۳ ص ۹۰)

فلوس کی بیع میں امام محمد فرماتے ہیں کہ تفاضل جائز نہیں کیونکہ اس کی ثمنیت عوام کی اصطلاح سے ثابت ہوچکی ہے تو دو شخصوں کے مان لینے سے وہ باطل نہیں ہوگی اور جب وہ ثمن باقی رہے تو متعین نہیں ہوں گے جیسا کہ غیر معین ہوں اور ایک درہم کا دو درہم کے عوض بیچنا درست نہیں ہے۔

شیخین کا یہ فرمانا کہ متعاقدین اس کی عرفی ثمنیت کو ختم کر سکتے ہیں کچھ زیادہ مضبوط بات نہیں ہے اس لئے کہ عرف وعادت سے جس نے ثمن خلقی کی جگہ لے لی ہے اور تمام پبلک اور حکومت نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اسے صرف دو آدمی کیسے ختم کر سکتے ہیں۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے جبکہ فقہاء یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ الثابت بالعرف کالثابت بالنص پھر کرنسی نوٹ کی حیثیت ایسی ہے کہ اگر کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو وہ قانون ملکی میں مجرم گردانا جائے گا اس کی قانونی حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے بھی فلوس کی بیع میں تفاضل کو قطعاً جائز قرار نہیں دیا ہے وہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔

لان مالکاً قال لا یجوز بیع فلس بفلسین ولا تجوز الفلوس بالذهب ولا بالدنانیر نظرة (المدونة الکبریٰ ص۱۰۳)	امام مالک نے فرمایا کہ ایک فلس کا دو کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ فلوس کا سونا اور دنانیر کے عوض ادھار بیچنا درست ہے۔

سونے چاندی اور ان کے سکوں میں حقیقی ثمنیت پائی جاتی ہے اور دوسرے دھات کے سکوں میں عرفی اصطلاحی ثمنیت ہے اس لئے اجناس مختلف ہوں تو بھی ادھار جائز نہیں۔

امام احمدؒ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ فلوس کے تبادلہ میں تفاضل جائز نہیں ہے۔

یہ اختلاف ائمہ اس زمانہ کا ہے جب خلقی ثمن والے سکے بھی بکثرت رائج تھے اور عرفی و اصطلاحی سکے بھی لہذا جنہوں نے تفاضل کے جواز کا حکم دیا ہے انہوں نے دونوں سکوں میں فرق کو ظاہر کرنا چاہا اور ایک کو دوسرے کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن اب جب کہ نوٹ ہی چل رہے ہیں اور اس چلن کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے۔ خلقی ثمن کے سکوں کا خارج میں کوئی وجود کہیں نظر نہیں آتا مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا جب تبادلہ ہوتا ہے تو وہ بھی نوٹوں کی شکل میں ہی ہوتا ہے ان حالات میں نوٹوں کی شرعی حیثیت سے انکار سمجھ سے بالاتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کرنسی نوٹوں نے خلقی ثمن کی حیثیت حاصل کر لی ہے یا ان کو لگ گیا ہے اس لئے اب اس دور میں اس باب میں اختلاف کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے اگر ہمارے اس زمانہ میں وہ ائمہ کرام ہوتے تو وہ بھی امام محمدؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے تفاضل کو ناجائز قرار دیتے اور اصطلاحی ثمن یعنی نوٹوں میں بھی ان کا یہی فتویٰ ہوتا۔

اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر نوٹوں میں تفاضل کو جائز قرار دیا گیا تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور یہ ساری بندشیں پامال ہو کر رہ جائیں گی جو سود کے لئے باندھی گئی ہیں اور جس کی حرمت قرآن نے بڑی شد ومد سے ظاہر کی ہے اور حدیث نبوی میں جس کے لئے بڑی وعیدیں آئی ہیں۔

امام محمد کے مسلک کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے جو صاحب ہدایہ نے کھوٹے سکوں میں تفاضل پر لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

قال رضی اللہ عنہ ومشائخنا لم یفتوا بجواز ذالک فی العدالی والغطارفۃ لانہا اعز الاموال فی دیارنا فلو ابیع التفاضل فیہ ینفتح باب الربوا۔ (ہدایہ ص ۹۳ ج ۳)

مصنف ہدایہ کا بیان ہے کہ ہمارے مشائخ نے عدالی اور غطارفہ اصطلاحی سکوں میں بھی تفاضل کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے اس لئے کہ ہمارے دیار میں بیش قیمت مال شمار ہوتے ہیں اگر تفاضل کو ان سکوں میں مباح کر دیا گیا تو سود کا دروازہ کھل جائے گا۔

عدالی اور غطارفہ اس زمانہ کے سکے تھے جو وہاں رائج تھے اور جن کو اس زمانے کے سلاطین نے جاری کیا تھا اور وہ سکے دوسری دھاتوں کے بنے ہوئے تھے جس کو اصطلاح میں کھوٹ سے تعبیر کرتے ہیں، چاندی اگر تھی تو برائے نام تھی اور ان کی رائے تھی کہ اگر ان غیر خلقی سکوں میں تفاضل کے جواز کا فتویٰ دیا گیا تو یہ جواز لوگوں کو کھینچ کر بتدریج سونے چاندی کے سکوں میں بھی تفاضل تک لے آئے گا اور وہ آہنی دیوار مسمار ہو جائے گی جو قرآن پاک نے اس کی حرمت پر قائم کی ہے ارشاد ربانی ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا (البقرہ) اللہ تعالیٰ نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام اس لئے سداً للباب تفاضل کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دینا لازم ہے۔

فالناس حینئذ یعتادون التفاضل فی الاموال النفیسۃ فیتدرجون الی ذالک فی النقود الخاصۃ فمنع ذالک حسما لمادۃ الفساد (فتح القدیر ص ۳۵ ج ۶)

پس اس وقت لوگ نفیس اموال میں تفاضل کے عادی ہو جائیں گے اور بتدریج خاص نقود میں بھی تفاضل تک پہنچ جائیں گے اس لئے مادۂ فساد کو ختم کرنے کے لئے اسے روکا گیا۔

یہ بھی غور کیا جائے کہ نوٹ ہوں یا ٹکٹ کے سکے ان سے بیع وشراء میں کام لینے کے سوا دوسرا کیا مقصد ہو سکتا ہے ان غیر خلقی سکوں اور نوٹوں کو کوئی تانبا، کھوٹ یا نکیل کا قدر سمجھ کر نہیں

کا ہرگز ارادہ نہ کرے گا بلکہ مقصد اس کی اصطلاحی ثمنیت ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی ضروریات زندگی کا سامان خرید سکیں۔

لہٰذا کرنسی نوٹوں میں تبادلہ اس کی مالیت میں مساوات کے اعتبار سے ہوگا ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ دس کا نوٹ دیکر دس دس کے دو نوٹ لے لے یا اس کے نوٹ کے بدلے بیس یا پچاس کے نوٹ لے لے بلکہ دس دیکر صرف پانچ کے دو نوٹ لے سکتا ہے۔ جو مالیت میں دس کے ہی برابر ہیں یا دس دے کر ایک ایک کے دس نوٹ لے سکتا ہے کیونکہ مالیت میں دونوں برابر قرار دیئے گئے ہیں۔

اگر مالیت میں مساوات کی قید نہ لگائی گئی ہو تو سود خوار بڑی آسانی سے مدیون سے کہیں گے کہ یہ سو کا نوٹ لے جاؤ اور اس کی ادائیگی کے دن تم سو سو کے دو نوٹ دے دینا یا ۵۰،۵۰ کے چار نوٹ دے جانا جس کے مفتی صاحبان نے جائز ہونے کا فتویٰ دے رکھا ہے، یہ واضح رہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی جیسے اکابر کرنسی نوٹوں کے مساوات کا بھی فتویٰ دیا ہے اور انھوں نے یہ فتویٰ وثیقہ اور سند ان کرہی دیا ہے امداد الفتاویٰ میں اس کی صراحت موجود ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں" یعنی صاحب کی عبارت ختم (مجلہ الفقہ الاسلامی ص ۱۰۲)

راقم الحروف کے نزدیک جن فقہا نے فلوس وغیرہ میں تفاضل کو جائز قرار دیا ہے وہ غالباً اس زمانہ کی بات ہے جب ایک ملک کے سکے دوسرے ملک کے سکے سے کم وبیش وزن کے باوجود مساوی حیثیت سے رواج پذیر تھے۔

ماوردی نے لکھا ہے کہ ؎

عربوں کے سونے کا مثقال (جو ۲۲ قیراط سے ایک دانہ کم تھا) معیاری سکہ سمجھا جاتا تھا مگر جو مثقال عموماً استعمال میں رہتا تھا وہ ۲۰ قیراط سے ایک دانہ کم ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہم کا سکہ ڈھالنا چاہا تو ایک درہم کا اوسط وزن ۱۴ قیراط سفارش فرمائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے درہم میں ایک قیراط کا اضافہ کردیا۔

مصر وشام اور عراق میں عموماً سکے مختلف وزن کے ڈھلے جاتے مگر بازار میں

سب مساوی قیمت میں چلتے تھے۔

ماوردی نے لکھا ہے کہ عہد فارس میں تین وزن کے سکے ڈھلے جاتے تھے ایک ۲۰ قیراط کا دوسرا ۱۲ قیراط کا اور تیسرا دس قیراط کا ہوتا تھا مگر اہل فارس کے سیاسی اضمحلال کے ساتھ ان کے سکے بھی کھوٹے ہو گئے البتہ ایک مدت تک یہ کھرے سکوں کے ساتھ بازار میں چلتے تھے۔ (بلاذری فتوح البلدان ص ۴۶۰)

ہم لوگوں کے لڑکپن میں سرکاری ڈھلے ہوئے پیسے کے ساتھ گورکھپوری ڈھولیا پیسہ جس کا وزن سرکاری پیسے سے دوگنا ہوتا تھا برابر قیمت پر چلتے تھے۔

غرض یہ کہ اسی صورت میں غالباً کچھ فقہا نے تفاضل کو جائز کہدیا ہوگا ورنہ کوئی عقلمند آدمی گلٹ کا ایک روپیہ دیکر دو روپیہ یا پانچ کے نوٹ کے بدلے دس یا بیس کے لینے یا دینے کا تصور نہیں کر سکتا ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

پھر اس سلسلہ میں ایک بات اور ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ حدیث و قرآن پاک کے منصوص الفاظ اور فقہائے کرام کی قائم کردہ اصطلاحات میں بھی فرق کرنے کی ضرورت ہے اشیائے ستہ والی حدیث نقل کرنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

هذا الحديث هو الاصل في باب الربا فانه ذكر الاشياء الستة وترك ما سواه على القياس فقاس المجتهدون واستنبطوا العلة فعند الحنيفه القدر و الجنس وكذا القول الاشهر عن احمدؒ وعند الشافعیؒ الطعم والثمنية وعند مالكؒ الطعم والادخار (لمعات)

یہ حدیث ربا کے سلسلہ میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے اس میں چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اور باقی چیزوں کو قیاس پر چھوڑ دیا گیا ہے تو مجتہدین نے اس سے علت کا استنباط کیا ہے تاکہ دوسری چیزوں کے بارے میں قیاس سے فیصلہ کیا جائے ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں علت جنس و قدر ہے یہی مشہور قول امام احمد کا ہے اور امام شافعیؒ اس میں طعم اور ثمنیت کو علت قرار دیتے ہیں اور امام مالک طعم اور ادخار کو

ظاہر ہے کہ فقہائے کرام نے اپنے قیاس سے علت دریافت کی ہے لیکن حدیث میں
اشیائے ستہ کا ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ فاذا اختلف الاصناف فبیعوا کیف شئتم مقصد
یہ ہے کہ جب صنف یا دوسرے لفظ میں جنس بدل جائے تو پھر جس طرح چاہو بیچو اور خریدو اس
کا صاف مطلب یہ ہوا کہ لفظ صنف یا جنس تو منصوص ہے اس لئے ہم جنس کے اندر تفاضل جائز
نہیں ہے، اب جو حضرات قدر و جنس دونوں کی بنیاد پر تفاضل کو جائز کہتے ہیں وہ کیسے صحیح ہو سکتا
ہے گویا اس صورت میں ہم منصوص کے ساتھ غیر منصوص کو ملا کر فیصلہ کر رہے ہیں پھر قدر کی قدر بھی اب
بہت بدل گئی ہے اب وہ کیلی اور وزنی کے اندر محدود نہیں ہے بلکہ اب اس کو لغوی معنی پر محمول
کرنا چاہئے یعنی اندازہ کے معنی میں وہ جس طرح بھی ہو جائے۔

پھر اشیائے ستہ والی حدیث کے سلسلہ میں جو روایتیں آئی ہیں ان میں ایک روایت میں یہ
الفاظ بھی آئے ہیں فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء اس سے
واضح ہوتا ہے کہ ہم جنس میں کسی طرح کی زیادتی سود ہے،

غرض یہ کہ ثمن خلقی اور ثمن عرفی کی اصطلاح کی بنا پر فلوس یا نوٹ وغیرہ میں تفاضل جائز کہنا
کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا ان اصطلاحات میں عملی اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

فقہائے کرام نے بہت سے مسائل میں اپنے زمانہ کے لحاظ سے رائے دی ہے اس لئے
حالات کے بدل جانے کے بعد ان جزئیات ہی کو پکڑے رہنا تفقہ نہیں ہے بلکہ تفقہ یہ ہے کہ جزئیات
پر نظر رکھنے کے ساتھ اصول و کلیات شریعت کے مقاصد اور عرف و رواج کو بھی پیش نظر رکھا جائے
محترم ظفر الدین صاحب اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور شمس پیرزادہ کے مضامین اس کی
اچھی مثال ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

الرشاد کی ڈاک

از فیصل آباد، پاکستان

۲۰ نومبر ۱۹۹۰ مکرم و محترم جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ناظم اعلیٰ جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ

السلام علیکم! میں شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان میں پی۔ایچ۔ڈی کی طالبہ علم ہوں۔ مجھے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے آپ کی خدمتِ اقدس میں تحریراً حاضر ہونے کے لئے جناب حافظ غلام حسین صاحب ریسرچ آفیسر دیال سنگھ لائبریری لاہور پاکستان نے ہدایت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا حوالہ آپ کے خط میں ضرور دوں۔

جناب! میرے مقالہ کا عنوان "قاضی محب اللہ بہاری بحیثیت ماہر اصول فقہ" ہے آپ صوبہ 'بہار' میں کڑا، محب علی پور کے رہنے والے تھے تقریباً تمام تذکرہ نگار آپ کے والدین، بہن بھائی شاگردوں ماسوا شہزادہ رفیع القدر، اساتذہ ماسوا مولانا قطب الدین شمس آبادی کے کچھ تفصیلات پہنچانے میں خاموش ہیں، نہ ہی حافظ امان اللہ بنارسی صاحب محکم الاصول کے علاوہ ان کے کسی دوست یا ساتھی کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی ان مقامات کا جہاں آپ درس دیتے تھے یہاں چونکہ ایک طویل عرصے سے ان کی کتب مسلم الثبوت اور سلم العلوم پڑھائی جاتی رہی ہیں لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ آپ کے یہاں کسی رسالہ یا جریدہ میں کوئی مضمون ان کے بارے میں شائع ہوا ہو تو مجھے مجلہ کو اپنے ضوابط کے مطابق ارسال فرماکر شاکر بنائیں نیز اگر کسی خاندان کا آپ کو علم ہو جو مذکورہ بالا علاقہ میں رہتا ہو اور ان کے بارے میں مزید کچھ معلومات دے سکے تو ضرور اور جلد اطلاع دیں اور یہ کہ قاضی صاحب اپنے وقت (اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۱۰۷۰ھ سے بہار شاہ اول ۱۱۱۹ھ تک) میں لکھنؤ، دکن (حیدرآباد) کابل کے قاضی اور ۱۱۱۹ھ میں صدرالصدور یا قاضی القضاۃ رہے ہیں ان عہدوں اور مقامات کی مناسبت سے مواد کی فراہمی میں آپ مدد اور تعاون فرمائیں تاکہ ان نکات کی تشنگی پوری ہوسکے اور میرا مقالہ مکمل ہوجائے امید ہے جواب سے جلد نوازیں گے ـــــ شکریہ والسلام

آپ کی بہن　　　پروفیسر ساجدہ محمد حسین بٹ
دختر پروفیسر محمد حسین بٹ ریٹائرڈ پرنسپل
اسٹریٹ ۲ ہاؤس نمبر ۱۰۳ سرفرید گنج (گرونانک پورہ) فیصل آباد پاکستان

مفکر اسلام فدائے ملت حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ　　　خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

عرصہ دو تین سال قبل حضرت والا تعارف غائبانہ مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی کے ذریعہ ہوا تھا اس کے بعد انھیں کے ذریعہ ماہنامہ الرشاد اور آں جناب کی متعدد کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ الرشاد میں رشحات کے مطالعہ سے حضرت کی سیاسی بصیرت کے ساتھ بروقت ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا جو حق آپ ادا کر رہے ہیں قابل داد و تحسین ہے۔

مجھے حال ہی میں مفتی صاحب کے ذریعہ جامعۃ الرشاد کے وسیع خدمات بالخصوص نصاب اور نرسری اسکولوں اور جناب کی عصری تقاضوں کو ملحوظ نظریات کی تفصیل معلوم کرکے یک گونہ مسرت ہوئی کہ اسی نظریہ کے تحت نرسنگ ہوم کی جملہ مصروفیات جن میں پانچ مستقل ڈاکٹر در جنوں کمپونڈر چھوٹے بڑے مریض سے سنگین آپریشن تک مسائل میں ہمہ تن مشغولیت کے باوجود ناچیز کے دل میں ہمیشہ یہ احساس رہا کہ کیا سبب ہے کہ گذشتہ صدیوں میں ایک عالم یا ایک مرد مومن کسی علاقے یا ملک میں چلا جاتا تھا تو اسلامی انقلاب کے لئے وہ کافی ہو جاتا تھا اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک دین و دنیا کی تقسیم نہ تھی بلکہ وہ ہر زندگی کے معاملہ کو قانون خداوندی کا پابند سمجھتے تھے آج بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے جہاں دین و دنیا کا امتزاج ہو۔ جب مومن کا ہر فعل عبادت ہے اور فلسفۂ عبادات اس لئے ہے کہ مومن کے ہر فعل میں شان عبدیت کا اظہار ہو۔ نماز ایک تنظیم اور زکوٰۃ ملت کے مسائل کے حل کا ایک عمدہ تجویز قرار دی جا سکتی ہے تو کیا ایسے افراد اور ایسی جماعت کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے اور پھر ایسے اداروں کی بھی ضرورت ہے جن میں ایسے انداز میں ذہن سازی ہو کہ ان کی زندگی اسلام کی چلتی پھرتی تصویر بن جائے اس کے ہر عمل سے چلنے پھرنے گفتار و رفتار سے اسلام کی نمائندگی ہو اس کے ایمان کی پختگی کردار کی پاکیزگی، اصول پسندی۔

اور منظم زندگی اسلام کا ترجمان ہو اور ان کے تصورات عقائد ان کے اعمال کے ہم آہنگ ہوں۔

میں مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہند میں چند شخصیتیں ملت کو بطور نعمت کے دے رکھی ہیں جن میں سے ایک نمایاں شخصیت آپ کی بھی ہے۔ اور اللہ کا فضل سمجھتا ہوں اپنے ان بزرگوں کے فکر سے کسی حد تک ناچیز کو بھی ہم آہنگ بنایا ہے اسی بنا پر اپنے صاحبزادگان ڈاکٹر خورشید عزیز وغیرہ ایک اسکول بھی چلا رہے ہیں جن میں ہماری کوشش ہے کہ دینیات کے ساتھ عصری تعلیم بھی دی جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی رہنمائی ہمیشہ ہم کو حاصل رہے گی اور دعائیں بھی۔ آپ کی کتاب اسلامی تعلیم کے دو حصے مفتی صاحب نے دیئے ہیں امید ہے کہ نصاب میں داخل کردیئے جائیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ ارشاد کے صفحات میں اس خط کو شامل اشاعت فرما کر میرے خیالات کی اشاعت میں تعاون فرمائیں گے۔ جواب کا منتظر خادم

(جناب) ڈاکٹر ایم۔ اے۔ رحمٰن (صاحب)

مکرم و محترم المقام حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی! دیر سے ملنے والی اطلاع سے یہ معلوم کر کے بیحد قلق ہوا کہ آنجناب کو بھی قانون کی زد میں ہند میں لیا گیا اور چودہ روز تک آنجناب نے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، اللہ پاک آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے اور آئندہ آپ کی اور سارے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، موجودہ حالات میں بہت ہی بیدار مغزی کے ساتھ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ان حالات میں ملی قیادت کے فقدان کا احساس عوام میں تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔ اجتماعی رہنمائی کی صورت کے امکانات دور تک دکھائی نہیں دیتے یہ بھی ایک عجیب و عظیم سانحہ ہے قلمی رہنمائی کے حدود سے اہل قلم واقف ہیں عملی رہنمائی کے میدان عمل میں اترتا ہوا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ فالی اللہ المشتکی وبہ یستعان۔ فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی (صاحب)

جامعۃ العلوم گرینی، اکیتا سرائے، ضلع مدہوبنی

بخدمت گرامی قدر، صاحب المعالی حضرت مولانا ندوی صاحب حفظہ اللہ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــ خدا کرے مزاج عالی بخیر ہو، ایک طویل وقفہ کے بعد

جناب والا سے غائبانہ ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

ہم اور ہمارے مخلص رفیق مولانا حامد الانصاری انجم اور دیگر چند رفقاء نے جنونانہ طور پر دینی

ملی جذبہ کے تحت ایک ادارہ مرکز الدعوۃ السلفیہ سوہانس بازار کے نام سے تہی دستی اور بے

سرو سامانی کے ساتھ متوکلا علی اللہ بنا ڈالدی ہے۔ ادارہ کی ترجمانی کے طور پر ایک خبرنامہ

کا آغاز بھی کر دیا ہے، جس کا دوسرا شمارہ جناب کی خدمت میں ڈاک سے جا رہا ہے، ہم اور ہمارے

رفقاء میدان صحافت کے نوآموز راہی ہیں، آپ جیسے میدان صحافت کے تجربہ کار بزرگ اور

اور صاحب قلم سے مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ قیمتی مشوروں، تاثرات اور گرانقدر مضامین کی دعا ہے۔

ہم حضرت والا کو اپنے ادارہ کا "مشیر خاص" بنا کر اپنے دعوتی اور دیگر پروگراموں کو روبہ عمل

لانا چاہتے ہیں، امید کہ ہماری تمناؤں کی تکمیل ہو جائے گی، اور "مشیر خاص" کی رکنیت قبول فرماتے ہوئے

اپنے قیمتی مضامین اور مشوروں سے برابر نوازتے رہیں گے۔

بڑی توقعات کے ساتھ عریضہ ہذا ارسال خدمت ہے۔ دعا ہے کہ رب کائنات دوعالم

جناب والا کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے آمین یا رب العالمین

والسلام مع الاکرام عقیدت مند

سید مشتاق احمد عابدی (صاحب)

سوہانس بازار، ضلع سدھارتھ نگر، ۲۰/۱۲/۹۰ء

جناب انتر کاکی

نان پارہ (بہرائچ) مکرمی ـــــــ سلام مسنون

بابری مسجد، پرسنل لا کی محافظت، ملی تشخص اور اسلامی خطوط پر تعلیم کے ساتھ اسلامی معاشرہ

کی تشکیل جیسے کام ظاہر ہے اللہ کی رضا کو مدنظر رکھکر کئے جانے چاہئیں، لازم آتا ہے کہ صراط مستقیم

پر قائم ہونے کے لئے اسلامی ذہن رکھنے والے نفوس جو ملت کو رہبری ورہنمائی دے سکتے ہیں، ساری

ملت اسلامیہ ہندیہ کو ایک مشترک خاندان جان کر اس خاندان کے افراد کے اجتماعی جذبات کا

خیال رکھیں۔

دوسری طرف مسلم لیڈر اپنے تئیں کوئی بھی فیصلے نہ کریں مثال کے طور پر بابری مسجد ایکشن کمیٹی و پرسنل لا بورڈ کے ذمہ دار پوری ملتِ اسلامیہ ہندیہ کا خیال کئے بغیر کوئی بھی صلح، سمجھوتہ اور فیصلہ کریں جس سے کئی دہائیوں تک نسلوں کو کفِ افسوس ملنا پڑے۔

مسلم عوام فسادات میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ بات مسلم لیڈروں پر واضح ہے عیاں ہے۔ لیڈران صرف لیڈران رہ گئے ہیں۔ وہ اپنے بیانوں سے ملت کی ذہن سازی سے مکمل صرف نظر کر رہے ہیں۔

مسلم عوام کو خوف و ہراس سے نکلنے کی شاید ہی کوئی فکر کی جا رہی ہے۔ اپنی جان، عزت آبرو نیز مال و متاع لٹانے والے کیا یہ اثاثے لٹاتے ہی رہیں؟ آخر صبر و شکر کی تلقین کے ساتھ یہ کام کیوں نہیں کیا جاتا کہ مساجد کے منبروں سے راست تعلیم دی جائے اور پھر مسجد سے باہر مسلم و غیر مسلم کی اصلاح و قبول کے لئے اسلامی اخلاق اور دعوت و تبلیغ کا سہارا لیا جائے۔ والسلام

ابو عاطل محسن صاحب

_______ لکچرار (انگریزی)

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔ جب سے قومی آواز میں آپ کی گرفتاری کی خبر سنی ہے آپ کو مبارک باد کے لئے خط لکھنا چاہتا تھا کہ آپ واقعی قول و فعل پر پورے اترے ہیں اور ملت کی رہنمائی کا حق ادا کیا۔ آپ کا "محبان رسول" اور "محبان رخصت" کے مقابلہ میں آپ کا حق پرستانہ رویہ ہم جیسے لوگوں کے لئے قابل تقلید بھی ہے اور مثالی بھی ہے اور ملت کے لئے ہمت افزائی بھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت سے رکھے۔ اور پھر پورا اجر عطا فرمائے۔

والد صاحب بھی سلام عرض کرتے ہیں اور دعاگو ہیں۔ جملہ احباب اور اعزہ کو سلام عرض ہے۔ والسلام دعاؤں کا طالب

(جناب، ڈاکٹر ایم افضل فاروقی (صاحب)

دھرہ دون

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب مدظلہ العالی مدیر ماہنامہ الرشاد اعظم گڈھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، امید کہ حضرت والا بخیر ہوں گے۔

عرض ہے کہ یہ بندہ اپنے ایک استاذ مولانا افضال الحق صاحب قاسمی کی دارالعلوم رحمانی حیدرآباد میں تشریف آوری پر بغرض ملاقات دارالعلوم رحمانی حاضر ہوا تھا اس موقع پر ایک معمر بزرگ سے ملاقات ہوئی جو اعظم گڈھ کے ایک مدرسہ کی جانب سے اس کے ماہنامہ خریداری کے سلسلہ میں ملاقاتیں کررہے تھے۔ مولانا حسن قاسمی صاحب مدظلہ نے مجھ سے ان کا تعارف کروایا۔ جب پرچہ کے مدیر کے استفسار پر موصوف نے آپ کا گرامی نام لیا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا وہی مجیب اللہ ندوی ہیں جو فقہ کے سلسلہ میں سارے ہندوستان میں شہرت رکھتے ہیں تو انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سن کر میں نے فی الفور اس کی خریداری قبول کرلی۔ اور شاید ایک سال کا عموی چندہ جمع کروادیا۔ اس وقت سے اب تک مسلسل یہ پرمغز ماہنامہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہے کئی مرتبہ خیال آیا کہ اس کا سالانہ چندہ ہرماہ جمع کروانا چاہئے لیکن کبھی اس کی نوبت نہیں آئی۔ شدید ندامت کے ساتھ عرض ہے کہ میرے ذمہ جو بقایا ہو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ میں اس قرض سے سبکدوش ہوجاؤں۔

حضرت والا کا غائبانہ تعارف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے توسط سے ہوا تھا کہ فقہ کے موضوع پر سب سے مسلم اردو کتاب کونسی ہے۔ ممدوح نے حضرت والا کی مایہ ناز تصنیف "اسلامی فقہ" کا نام لیا تھا۔ اسی وقت سے ذہن ودماغ پر یہ طاری تھا کہ ایک ایسا عالم جس کو میں حیدرآباد کا فقیہ کہتے ہوئے کوئی جھجک یا خوف محسوس نہیں کرتا اس نے فقہ کے موضوع پر حضرت والا کا نام ایک مستحکم فقیہ کی حیثیت سے لیا تھا۔ طبیعت میں شدید تقاضہ تھا کہ حضرت والا سے کوئی ملاقات کا موقع حاصل ہو۔ لیکن ہنوز اس کی راہ نہ بن سکی البتہ بالواسطہ ملاقات الرشاد کے شذرات کے توسط سے ہوجاتی ہے۔ بندہ فقہی مسائل کے استفتے کے سلسلہ میں یہ جاننے کا خواہاں ہے کہ کیا حضرت والا فقہی مسائل کے جواب بھی عنایت فرماتے ہیں؟ اور یہ استفتاء کس پتے پر روانہ کریں؟ مدرسہ ہی کے پتہ پر یا کوئی اور پتہ ہو؟ صرف حضرت والا ہی کے جواب درکار ہیں۔

امید کہ اس عریضہ کا جواب عنایت فرمائیں گے، نیز بقایا سے مطلع فرمائیں گے۔ بقایا فی اللہ

سے بھیجا جائے یا ڈرافٹ میں بھیجا جا سکتا ہے۔ ڈرافٹ کے لئے اکونٹ نمبر سے مطلع فرمائیں تو انسب ہے۔ آج کل حیدرآباد شدید فسادات کی لپیٹ میں ہے حضرت والا سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ فقط (جناب سید مصطفیٰ صاحب) ایم اے عثمانیہ

مغل پورہ —— حیدرآباد ۱۲/۱۲/۹۰

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

سوال :۔ آپ نے اسلامی فقہ جلد اول مطبوعہ تاج کمپنی دہلی جولائی ۱۹۹۰ء میں وضو کے فرائض ص ۱۷۱ پر شمار کرنے کے بعد فرائض کے حکم ص ۱۶۴ کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے "اگر ان چاروں اعضا میں سے کوئی عضو بال کے برابر بھی سوکھا رہ جائے گا تو وضو درست نہ ہوگا۔"

آپ نے لفظ "چاروں" تحریر کیا ہے جس میں سر کا مسح بھی شامل ہے تو کیا مسح کا مطلب یہ ہے کہ سر کے سارے بال بھگوئے جائیں! اس لئے کہ آپ کے الفاظ "کوئی عضو بال کے برابر بھی سوکھا رہ جائے گا تو ..." چاروں کے ضمن میں ہے۔

جواب :۔ واقعی اس عبارت کے لکھنے میں غلطی ہوگئی ہے عبارت یہ ہونی چاہئے۔ جن تین اعضا کا دھونا فرض ہے ان کا کوئی حصہ بال کے برابر بھی خشک رہ جائے گا تو وضو نہیں ہوگا۔

سوال :۔ اس طرح آپ نے ص ۱۷۰ پر تحریر کیا ہے "گردن کا مسح ضروری نہیں ہے" اس کا مطلب ہے کر بھی سکتا ہے اور نہیں بھی کر سکتا ہے! اس کو واضح ہونا چاہئے۔

جواب :۔ فقہ حنفی کی عام کتابوں میں گردن کے مسح کو مستحب لکھا گیا ہے مگر راقم کے علم میں کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے اس لئے ذرا محتاط عبارت لکھی ہے۔

سوال :۔ آپ نے ص ۱۵۴ پر تحریر کیا ہے کہ اگر انگوٹھی وغیرہ پر اللہ کا نام یا کلمہ وغیرہ لکھا ہو تو اس کو پاخانہ پیشاب کو جانے سے پہلے اتار لینا چاہئے۔ میں اس عبارت کی روشنی میں سوال کرتا ہوں کہ جیسے کہ گلے کے ہار وغیرہ پر کلمہ طیبہ لکھا ہوتا ہے۔ اللہ یا رسول وغیرہ لکھا جاتا ہے

کیا پاخانہ پیشاب کو جانے سے پہلے اتار لینا چاہئے ۔ کیا ایام حیض وغیرہ میں بھی اتار لینا چاہئے۔ مستند حوالوں کی روشنی میں جواب دیں۔

جواب مرحمت فرمائیں عنایت ہوگی۔ امید کہ جواب سے محروم نہیں کریں گے ۔

فقط والسلام (جناب) اقبال احمد صاحب)

سوندنگر ۔ سکندر آباد (۲۰۳۲۰۱

جواب :۔ پیشاب پاخانہ کی جگہ کو حدیث میں خراب جگہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں جو دعا آئی ہے اس کے الفاظ سے ہی اندازہ ہوتا ہے ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ اس لئے احتیاط یہی ہے اگر کوئی نہ کرے تو امید ہے کہ گناہ نہ ہوگا ، اس لئے کہ بعض فقہا نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا اگر انگوٹھی کے نگینے حصہ کی طرف اس کا رخ ہو ۔ اور حیض کی صورت تو یہ طبعی اور اندرونی چیز ہے اس صورت میں ذکر و تسبیح کی اجازت حدیث سے معلوم ہوتی ہے اسی میں یہ حکم اس صورت میں نہیں ہے ۔

مگر جنبی [illegible] لکھا ہے

رسالہ ”بحث و نظر“ پھلواری شریف

پٹنہ :

”بحث و نظر“ ایک سہ ماہی دینی علمی اور تحقیقی رسالہ ہے جو چند سالوں سے محترم مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کی ادارت میں نکل رہا ہے ۔ یہ رسالہ اسم با مسمّٰی ہے یعنی اس کے مضامین میں علمی و تحقیقی بحثیں بھی ہوتی ہیں اور ان میں نظر کی گیرائی و گہرائی بھی ہوتی ہے ۔ اس کا خاص موضوع فقہ اسلامی کے مسائل ہیں بحمد اللہ رسالہ کو محنتی نوجوان علماء کی ایک ٹیم بھی مل گئی ہے جو فقہی مسائل پر وسعت نظری کے ساتھ سلجھے ہوئے انداز میں اپنی علمی کاوشیں پیش کرتے رہتے ہیں ، عام اہل علم اور خاص طور پر مدارس کے اساتذہ اور منتہی طلبہ کے لئے انشاء اللہ اس کا مطالعہ مفید ہوگا اور اس سے شاید بحث و نظر کا وہ خلا بھی کسی قدر پر ہوگا جو ہمارے مدارس میں عام طور پر دکھائی دے رہا ہے ۔

نئی کتابیں

حدیث نبوی کے اردو تراجم

از: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب، صفحات ۳۰۰
کتابت و طباعت متوسط، پتہ:- اعظمی بک ڈپو، گھوسی ضلع مئو۔ قیمت ۳۵ روپے

ڈاکٹر محمد عاصم صاحب نے اس موضوع پر پٹنہ یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا تھا۔ بہار اردو اکیڈمی کے تعاون سے انہوں نے اسے اب کتابی شکل میں شائع کیا ہے، یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں حدیث نبوی کی تعریف اور اس کے اصول، اس کی شرعی حیثیت اور منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے باب میں حدیث نبوی کے اردو تراجم اور ان کے ممتاز مترجمین کا ذکر ہے۔

تیسرے باب میں اردو تراجم کی اہمیت اور زبان و ادب کی ترقی میں ان کی اہمیت وغیرہ کا ذکر ہے۔ مقالہ زبان و بیان اور محنت و تحقیق ہر لحاظ سے جامع اور قابل ستائش ہے۔

چھپنے سے پہلے برادرم عاصم صاحب نے اپنے حسن ظن کی بنا پر اس مقالہ کو راقم الحروف کو بھی دیا تھا کہ اس پر ایک سرسری نظر ڈال لوں، میں نے اس کے بڑے حصہ پر نظر ڈالی بحمداللہ مقالہ ہر طرح سے مکمل تھا چند جزوی مشورے دیئے گئے جسے انہوں نے قبول کرلیا۔

سنہ ۸۳ء میں جامعہ ملیہ میں اسلامی علوم و فنون پر ایک سیمینار ہوا تھا جس میں راقم الحروف نے "اردو کے ذریعہ حدیث نبوی کی خدمات" کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا تھا جو الرشاد مارچ ۸۴ء میں چھپ گیا تھا غالباً مقالہ نگار کی نظر سے یہ مقالہ نہیں گذرا تھا، ورنہ یہ جملہ کچھ بدل کر لکھتے۔ حدیث کے موضوع پر کوئی کتاب یا مقالہ میرے علم میں اب تک شائع نہ ہوسکا" اگر یہ مقالہ ان کی نظر سے گذر جاتا تو شاید کچھ مزید نئی باتیں بھی کتاب کا جزء بن جاتیں۔

اسی طرح مولانا کرامت علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ پر راقم الحروف نے جو طویل مقالہ لکھا تھا اس میں بھی اس کی تفصیل کی ہے کہ اردو کی ترقی کی علاوہ کتابیں ضامن ہیں جو علما مستقرآن ہو۔

حدیث اور فقہ وغیرہ کے سلسلہ میں اردو زبان میں لکھی ہیں۔

ابتدا میں حدیث نبوی کا جب لفظ بولا جاتا تھا تو اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور سورۂ حسنہ کے ساتھ آپ کے شمائل اور سیرت پاک کا ذکر بھی شامل ہوتا تھا مگر بعد میں جب فن حدیث کی تدوین شروع ہوئی تو عام محدثین نے آپ کے افعال و اقوال کی علٰحدہ تدوین کی اور شمائل نبوی اور سیرت نبوی کو ایک فن بناکر اس کی تدوین علٰحدہ کی، آج بھی حدیث کی کتابوں میں کتاب المغازی اور کتاب السیر والجہاد کے ابواب میں زیادہ تر سیرت نبوی ہی کا ذکر ہوتا ہے اس لئے اگر کتاب میں جس طرح شمائل نبوی کی کتابوں کا ذکر آگیا ہے اس طرح اگر سیرت نبوی پر لکھی گئی اہم تحقیقی کتابوں کا ذکر آجاتا تو زیادہ مناسب تھا، بہرحال یہ کتاب اہل علم کے لئے ایک اچھا علمی و تحقیقی تحفہ ہے۔

سمپردائکتا اور کلین منتر کی ضرورت
(ہندی)

الیاس اعظمی صاحب سیاسی موضوعات پر برابر اردو کتابیں اور مضامین لکھتے رہتے ہیں یہ کتاب انہوں نے ہندی میں لکھ کر اپنی ہندی دانی کا ثبوت بھی دیا ہے،

اس میں انھوں نے ذات پات کے تصور والی حکومت پر تنقید کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہی حکومت بہتر حکومت ہو سکتی ہے جو ذات پات یا دوسرے تنگ نظری پیدا کرنے والے تصورات سے ہٹ کر مساویانہ بنیاد پر قائم کی جائے اس میں انھوں نے اس مسئلہ کا ہر گوشہ سے تجزیہ کیا ہے۔

ہندوستان میں اس وقت جو ماحول بن گیا ہے اس میں کوئی سنجیدہ بات کے سننے والے بہت کم رہ گئے ہیں ممکن ہے کہ یہ کتاب کچھ لوگوں کے سوچنے کے انداز میں تبدیلی لائے۔

محترم مرتب الرشاد ظلہ کی وہ کتابیں جو دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) **اہل دل کی باتیں** یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۵ر

(۲) **اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم** اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۱۶ر

(۳) **قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت** اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵ر

۴۔ **خطبہ نکاح** جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۱۲ر ہے،

(۵) **مسئلہ کفاءت** شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقوی میں ہونی چاہئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵ر ہے۔

(۶) **جہیز کی شرعی حیثیت** اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر ۳۰ نامور علماء کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے قیمت صرف ۵ر ہے۔ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں | اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو نہایت مختصر اور چھوٹے انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ستو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیے۔ قیمت صرف عنا/

۸۔ عبادت و خدمت | اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہوچکا ہے قیمت آٹھ پیسے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں | اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری | عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہوچکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اس میں اجتہاد کی حیثیت | یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدابخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافے کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وقت ایک دولت ہے، یہ آخری کتابچہ شائع ہو گیا ہے۔ قیمت ۵۰ پیسہ

شکیل احمد مہتمم مکتبۂ ادارۃ التالیف الترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الرشاد ظلہٗ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم | کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد اللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور زندگی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ۔/۵۵ دوم ۔/۵۵

۲۔ اسلامی قانون اجرت | اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا اڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ تبع تابعین | اس کتاب میں انیس (۱۹) اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت : ۔/۳۵

۴ — اہلِ کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان حضرات صحابہ و صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں۔ قیمت [illegible]

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵ — اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت: چالیس روپے

۶ — فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت: [illegible]

۷ — اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: [illegible]

۸ — فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل

اس میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت: [illegible]

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد شاد نگر اعظم گڑھ

FEB
1991

ماہنامہ

جامعۃ

الرشاد

مرتبہ

حبیب اللہ ندوی

دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ یوپی

M.ALI.MAU

سالانہ چندہ
ہندستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت:
فی پرچہ ۴/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۵ امریکی ڈالر
15/-

جلد ۱۸ فروری سنہ ۱۹۹۱ء بمطابق شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۱ھ شمارہ

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو میں ترجمہ	جناب عبدالجبار محمد حسین شرارہ	۱۰
۳۔ قرآن کریم کا فلسفہ انسانیت	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی علیگ	۲۱
۴۔ علی گڑھ کا حالیہ فساد	ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب علی گڑھ	۳۰
۵۔ کویت کے کچھ اسلامی فلاحی ادارے اور تنظیمیں	مجلہ محدث سے ماخوذ	
۶۔ الرشاد کی ڈاک	مرتب	

مجلس ادارت

- مجیب اللہ ندوی (مرتب)
- ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، علیگ

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، مقیم ابوظبی
بدر جمال اعظمی

منیجر توسیع اشاعت: مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی
کتابت: خورشید احمد خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

۲ راگست ۱۹۹۰ء کویت پر عراق کے حملہ کے بعد چھ مہینے سے امریکہ سعودی عربیہ اور عراق کے درمیان جو سرد جنگ چل رہی تھی وہ ۱۶ رجنوری ۱۹۹۱ء کو یو۔ این۔ او کی قرارداد کے مطابق امریکہ اور اتحادی فوجوں کے عراق پر حملہ کے بعد گرم جنگ میں تبدیل ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سے پہلے جو دو بڑی جنگیں ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء اور ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کے درمیان ہوئیں، ان دونوں میں میدان جنگ یورپ اور دوسری میں یورپ کے ساتھ مشرق بعید کا کچھ حصہ بنا اس لئے دوسری جنگ کے اختتام کے بعد ہی سے روس، امریکہ اور دوسری مغربی طاقتیں اس کوشش میں تھیں کہ اگلی عالمی جنگ کا میدان ایشیا اور مشرق وسطیٰ بنے ویت نام کی جنگ کوریا کی آویزش، ہندوستان پاکستان کی جنگ، افغانستان پر روس کی یورش اور پھر ایران و عراق کی جنگ یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں، لیکن اس کے اثرات محدود رہے اور وہ عالمگیر جنگ کی صورت اختیار نہ کرسکیں مگر اب عراق کے کویت پر حملہ کو بہانہ بنا کر تمام مغربی ملکوں کی مشترکہ فوجوں کے حملہ کے بعد اب یہ جنگ عالمگیر جنگ میں تبدیل ہوتی جارہی ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ یو این۔ او جو عالمی انصاف کا ادارہ کہا جارہا ہے اس کی تائید سے ایسا ہو رہا ہے۔

اس وقت وہی صورت حال پیدا ہوگئی ہے جو ۱۹۴۱ء کے بعد سے جرمنی اور اتحادی طاقتوں کے درمیان ہوگئی تھی کہ ایک طرف تنہا جرمنی اور جاپان رہ گئے تھے اور دوسری طرف تمام بڑی طاقتیں اس پر یلغار کئے ہوئے تھیں۔

امریکہ اور مغربی طاقتوں کی اس جنگی منصوبہ بندی کے کئی محرکات ہیں ایک طرف دوسری جنگ عظیم کے بعد ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک اور خاص طور پر مسلم ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہوگئے وہ سب مل کر ان کو ایک بڑی طاقت نظر آنے لگے دوسری طرف عرب ملکوں میں پٹرول کی دریافت سے ان کی اقتصادی حیثیت اتنی اچھی ہوگئی

کہ مغربی ممالک بھی کسی حد تک ان کے دست نگر بن گئے تیسری طرف اس میں ایک نظریاتی اور مذہبی عصبیت بھی کارفرما ہے جس کے کچھ گہرے تاریخی عوامل بھی ہیں اور کچھ حال کی صورت حال بھی حال کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

چند برس پہلے تک موجودہ دنیا میں کیمونزم کا نظریہ اپنی ظاہری مادی کشش کا سبب بنا ہوا تھا جس کا ایک بڑا سبب روسی حکومت کی پشت پناہی تھا مگر اسٹالن کے مرنے کے بعد سے آہستہ آہستہ اس کی کشش کم ہونے لگی، مشرقی یورپ کی کئی ریاستیں آزاد ہو گئیں یہاں تک کہ خروشچیف کے وقت سے خود روس میں پڑی ہوئی کیمونزم کی آہنی دیوار کمزور ہونا شروع ہو گئی اور اس وقت گورباچوف کی جمہوری پالیسی نے اس کو اب عملاً بالکل بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں خود روس کے اندر کئی ریاستوں نے آزادی کا علم بلند کر دیا ہے اور دیوار برلن جس نے جرمنی کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا اب وہ زمین بوس ہو کر قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ حقیقت میں کنکریٹ کی یہ بنی ہوئی دیوارِ برلن نہیں ٹوٹی ہے بلکہ کیمونزم کے سب سے بڑے مرکز روس کی سیاسی اور نظریاتی حیثیت واہمیت پاش پاش ہو گئی ہے اس وقت دنیا میں دو بڑی طاقتیں نہیں بلکہ ایک بڑی طاقت امریکہ کی باقی ہے جس کے پاس کوئی نظریہ حیات نہیں ہے وہ صرف اپنی اقتصادی اور فوجی برتری کے ذریعہ بہت سے ملکوں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔

دنیا میں اس وقت کوئی نظریہ حیات اگر زندہ طور پر موجود ہے تو وہ صرف اسلام کا نظریۂ حیات ہے جو ڈیڑھ ہزار برس گذر جانے کے بعد بھی اپنی داخلی توانائی باقی رکھے ہوئے ہے۔ اس کے ماننے والوں میں سیاسی واخلاقی طور پر ضرور مد وجزر اور نشیب وفراز آتا رہا ہے مگر اسلام کی فکری توانائی اپنی جگہ پر ہمیشہ باقی رہی اور اس وقت بھی بحمد للہ مسلمانوں کی بہت سی اخلاقی خرابیوں اور سیاسی کمزوریوں کے باوجود اسلام کی روشنی نہ صرف ایشیا وافریقہ میں بلکہ یورپ اور امریکہ اور روس وغیرہ میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔

اس وقت دنیا کی غیر مسلم حکومتوں کی ساری سیاسی ریشہ دوانیاں اسی کے گرد گھوم رہی ہیں وہ مسلمان ملکوں کی اقتصادی اور دفاعی طاقت سے اتنا خائف نہیں ہیں جتنا کہ اسلام کے پھیلاؤ

سے خائف ہیں یا وہ یہ محسوس کر رہی ہیں کہ اسلام کے نظریہ کے پھیلاؤ کے ساتھ اگر ان کی دفاعی طاقت بھی مستحکم ہوگئی تو یہ دنیا کی ناقابل تسخیر بڑی طاقت بن جائے گی۔ اس لئے وہ چاہتی ہیں کہ اس کا موقع آنے سے پہلے مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی طاقت کو چور چور کر دیا جائے تاکہ اس کے نتیجہ میں اسلام کا پھیلاؤ رک جائے اور اس کی روشنی مدھم پڑ جائے مگر انہوں نے گذشتہ تاریخ سے یہ سبق نہیں لیا کہ اسلام کی فطری طاقت اور توانائی مسلمانوں کی طاقت پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ اس خدائے بزرگ و برتر کا دین ہے جس کا ید قدرت پوری کائنات پر محیط ہے اور وہ اسی کی قدرت سے پایۂ ثبات سے قائم ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ اسی کے سہارے وہ قائم رہے گا وہ مسلمانوں کو ان کی خارجی و داخلی کمزوریوں کی وجہ سے زیر و زبر تو کر سکتے ہیں مگر وہ اسلام کی معجزانہ طاقت کو کبھی بھی چیلنج نہ کر سکیں گے۔

مغربی طاقتوں کی کتنی ڈھٹائی کی بات ہے کہ انہوں نے فلسطین کے مسلم علاقہ کے قلب میں ۱۹۴۸ء میں مسلمان ملکوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ظالمانہ طور پر ایک یہودی حکومت کی داغ بیل ڈال دی اور پھر اس کے نتیجہ میں یہودی حکومت نے وہاں کے لاکھوں باشندوں کو نکال باہر کیا پھر اس نے شام، اردن، مصر اور لبنان کی سرزمین میں غاصبانہ قبضہ کر کے وہاں سے مسلمانوں کو نکال کر یہودیوں کی آبادیاں بسانے کی کوشش کی مگر مغربی طاقتوں کے اندر اس ظلم و زیادتی کے خلاف یہی نہیں کہ کوئی سچی ہمدردی پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ اس کے تمام جرائم کی پشت پناہی کرتی رہیں یہاں تک کہ یو این۔ او میں اس کے خلاف مذمت کا ریزولیشن تک پاس نہ ہونے دیا آج وہی حکومتیں عراق کے کویت پر قبضے کے خلاف جو اتنی سرگرم نظر آرہی ہیں اس کی وجہ آخر کیا ہے؟ کیا اب ان کے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھر آیا ہے؟ یا اس کو آڑ بنا کر ان عزائم کی تکمیل کرنا چاہتی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟ آج چند پائلٹوں کو بچانے کے لئے ان سب کو جنیوا کنونشن کی دہائی دی جا رہی ہے۔ مگر چالیس برس سے فلسطینیوں کی خونریزی ہو رہی ہے مگر ان کو کبھی جنیوا کنونشن یاد نہیں آیا، اس وقت عراق کی تمام آبادی پر جو بموں کی بارش ہو رہی ہے جس میں عورتیں، بوڑھے اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تک ہلاک ہو رہے ہیں ان کے بارے میں نہ تو یو۔ این۔ او کا منشور یاد آ رہا ہے اور نہ جنیوا کنونشن ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ خود یو این او کا ادارہ صرف بڑی طاقتوں کا آلۂ کار بن کر رہ گیا ہے، ورنہ اتنی عجلت سے فوجی کارروائی کی اجازت نہ دی جاتی۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم عراق کے کویت پر حملے کو حق بجانب قرار دے رہے ہیں۲ ہمارے کہنے کی غرض یہ ہے کہ ہم کو ان عوامل پر بھی غور کرنا چاہئے جو اتنی تیزی سے مغربی طاقتوں کے جنگ میں کودنے کا سبب بنے ہیں، سلمان رشدی کے سلسلہ میں بھی ان مغربی طاقتوں نے جو رویہ اختیار کیا ہے اسے بھی ہمیں ذہن میں رکھنا چاہئے کہ وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اسکی حمایت پر ان کو آمادہ کیا۔

عراق کے کویت پر حملے کے سلسلے میں کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ صدام کی غلطی کی وجہ سے یہ جنگ شروع ہوئی اور بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر سعودی حکومت امریکہ اور مغربی حکومتوں کی اتنی بڑی فوج نہ بلاتی تو جنگ کا پھیلاؤ اتنا نہ بڑھتا اور آپسی بات چیت سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا، بہرحال جو صورت بھی ہو نقصان صرف مسلمانوں کا ہو رہا ہے ان کی سیاسی و فوجی قوت برباد ہو رہی ہے اور اس سے سب سے زیادہ فائدہ اسرائیل کو پہونچ رہا ہے۔

عراق کویت پر حملہ کو جائز قرار دینے کے لئے تین باتیں کہتا ہے ایک یہ کہ عربوں میں کویت ہی ایسا ملک ہے جسمیں تیل کی پوری سپلائی اور نکاسی امریکہ کے ہاتھ میں ہے، دوسرے امریکہ کویت میں اپنا مستقل ہوائی اڈہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا جس کی اجازت شاہ جابر نے دے دی تھی اس کی وجہ سے عرب ملکوں کے لئے اسرائیل کے بعد ایک دوسرا خطرہ پیدا ہو جاتا تیسرے یہ کہ جب صدام نے ۲ اگست ۱۹۹۰ء سے پہلے اپنے سکریٹری کے ذریعہ تیل کے سلسلہ میں جو فائل بھیجی تھی اسے شاہ جابر نے حقارت سے اٹھا کر پھینک دیا۔

سعودی عربیہ مغربی ملکوں کی اتنی بڑی فوج کو بلانے کے سلسلہ میں کہتا ہے کہ عراق کویت کے بعد سعودی عرب پر بھی حملہ کرنے والا تھا اس لئے مجبور ہو کر اسے امریکہ سے مدد لینی پڑی مگر اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک مسلمان حکومت نے کسی غیر مسلم فوج کو اتنی بڑی تعداد میں کسی دوسرے مسلمان ملک پر حملہ کے لئے بلایا ہو اور جزیرۃ العرب جس کے بارے میں کہا ہے کہ اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب سعودی عربیہ کی

۲ اس سے پہلے ہم عراق کے کویت پر حملہ کی سخت مذمت کر چکے ہیں۔

طرف سے پوری دنیا میں جو دینی و ملی خدمات انجام پا رہی ہیں وہ آپ اپنی مثال ہیں مگر اس کی اہمیت اور اس کے ساتھ پوری ہمدردی کے باوجود امریکی فوج بلانے کی توجیہہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے امریکہ اور مغربی طاقتیں سعودی عربیہ کو ایک موہوم خوف میں مبتلا کر کے اس کے ذریعہ اپنے عزائم کی تکمیل کر رہی ہیں۔ اور اسرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہی ہیں، پھر جنگ ختم ہو جانے کی صورت میں بھی اپنی فوجوں کو واپس بلانے میں یہ طاقتیں نہ جانے کتنے حیلے تراشیں گی۔

عرب ملکوں کے بارے میں راقم الحروف نے ڈیڑھ سال پہلے جولائی اگست ۸۹ء کے الرشاد میں جو اداریہ لکھا تھا اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے،

"جن عرب ملکوں میں کچھ بے شعور قسم کی اخلاقی اور دینی فضا دکھائی دیتی ہے وہ محض ظاہری ہے ورنہ وہاں کے عوام و خواص کی اندرونی زندگی بالکل مغرب زدہ ہو چکی ہے گویا زبان قال سے تو وہ توحید کے علمبردار نظر آتے ہیں مگر ان کی تعلیم، ان کی معیشت ان کی معاشرت اور سوچنے کا انداز سب مغربیت میں ڈوبا ہوا ہے اور اسلامی حمیت قسم کی کوئی چیز وہاں کے عوام و خواص میں دکھائی نہیں دیتی اسلام اور مسلمانوں کے پاسبانی کی سب سے زیادہ ذمہ داری اس وقت سعودی عرب کی حکومت پر ہے اور اس سلسلہ میں وہ اپنی ذمہ داری ادا بھی کر رہی ہے اور بہت بڑی مقدار میں اس پر اپنی دولت بھی صرف کر رہی ہے لیکن یہی حقیقت ہے کہ وہ المملکۃ العربیہ السعودیہ کی حیثیت سے کر رہی ہے۔ المملکۃ العربیہ الاسلامیہ کی حیثیت سے نہیں حرمین شریفین کی خدمت میں ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھا ہے مگر قرآن پاک نے خدمت حرمین کی حیثیت کو بھی واضح کر دیا ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَ	کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے
عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ	اور مسجد حرام کی تعمیر کرنے کو اس شخص
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور یوم

وَجَاهَدَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (توبہ)

آخرت پر ایمان لایا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اللہ کے نزدیک دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

کیا اس وقت اپنی دفاعی طاقت کے مضبوط کرنے اور وجاھد فی سبیل اللہ کا کوئی منظر عرب ملکوں میں دکھائی دیتا ہے ؟ بلکہ جو لوگ اس وقت جہاد فی سبیل اللہ میں لگے ہوئے ہیں ان کی اتنی حمایت عربوں کی طرف سے نہیں ہو رہی ہے جو اس کا تقاضا ہے بلکہ اس سے زیادہ مدد براہ راست یا بالواسطہ وہ مغربی ملکوں کی کر رہے ہیں آج سارے عرب ممالک اگر اپنے یہاں اسلام دشمن مغربی ملکوں کے سامانوں کی درآمد بند کر دیں اور سستے داموں میں اپنا تیل نہ فروخت کریں اور اپنا سرمایہ وہاں کے بینکوں سے نکال لیں تو ان کی معیشت ڈانواں ڈول ہو جائے۔ اور فلسطینیوں کے اور دوسرے مسائل آسانی سے حل ہو جائیں مگر مستقبل قریب میں اس کا کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا اس لئے کہ ان کی حکومتیں ان ہی کے سہارے قائم ہیں تعجب ہے کہ یہ توحید کے علمبردار خدا کے سہارے جینے کے بجائے ان مادی طاقتوں کے سہارے جی رہے ہیں۔

عالم اسلام میں کوئی بڑا سے بڑا حادثہ پیش آجائے مگر وہاں کے عوام و خواص میں کوئی پُر شور تاثر دکھائی نہیں دیتا بس حکومت یا حکومت کے کچھ ادارے اس پر اظہار افسوس کر دینا یا کچھ مالی مدد کر دینا کافی سمجھتے ہیں اسی وجہ سے عالم اسلام کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو پا رہا ہے۔

۱۹۸۷ء میں حرم میں ایرانیوں کے مظاہرہ کے سلسلہ میں جو ناگوار واقعہ پیش آیا تھا اس پر حکومت نے اپنی ذمہ داری ادا کی مگر عوام میں اس پر کسی ملی حمیت اور سیاسی شعور کا اظہار دکھائی نہیں دیا عوام کی یہ سیاسی بے شعوری اور ملی بے حسی کسی حکومت کے لئے نیک فال نہیں کہی جا سکتی، اس لئے کہ کسی حکومت کی اصل طاقت عوام کا ملی

احساس اور سیاسی شعور ہوتا ہے جیسا کہ ایران کی جنگ میں دنیا دیکھ چکی ہے مسلمانوں کے آزاد ملکوں کو جانے دیجیے اگر اس طرح کا واقعہ ہندوستان میں پیش آجاتا تو یہاں کے دبے اور پسے ہوئے مسلمان بھی اس سے خود نپٹ لینے کی کوشش کرتے۔ بشرطیکہ حکومت خود فریق نہ بن جاتی۔"

جنگ عظیم کے ختم ہو جانے کے بعد مغربی ممالک اور امریکہ براہ راست جنگ (ویت نام کی بمباری کو چھوڑ کر) میں نہیں کودے خاص طور پر زمینی جنگ میں بلکہ اپنی فوجی مدد سے دوسروں کو لڑاتے رہے مگر عراق کی جنگ میں اب براہ راست وہ جنگ میں کودے ہیں اور وہ جنگ ایک چھوٹے سے ملک عراق کے خلاف کر رہے ہیں اس جنگ کا نتیجہ جو بھی وہ ہو مگر ساڑھے تین ہفتے کی اس جنگ میں چھوٹے سے عراق نے فوجی برتری کے ان کے غرور کو بڑی حد تک پاش پاش ضرور کر دیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شر میں مسلمانوں کے لئے کوئی خیر کا پہلو پیدا کر دے آمین

اس جنگ کی وجہ سے پوری دنیا میں سعودی عربیہ اور کویت کے ذریعہ ہونے والے تمام اسلامی کاموں پر اس کا اثر پڑ رہا ہے اور خاص طور پر افغانستان مجاہدین کی سرگرمیوں پر اس کا سب سے زیادہ اثر پڑ رہا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ سوہان روح پہلو یہی ہے۔

عراق کے خلاف امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک موجودہ جنگ میں جتنی تباہ کن اور انسانیت سوز بمباری کر رہے ہیں اس نے پچھلی جنگ میں جرمنی کی لندن پر زبردست بمباری اور امریکہ کی ہیروشیما اور ناگاساکی پر بمباری اور ایٹم بم گرانے کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے امریکہ اور جرمنی کی زبردست بمباری کی وجہ سے برطانیہ اور جاپان کی ایک بڑی آبادی عمارتیں اور کارخانے ضرور تباہ ہو گئے لیکن اسی تباہ شدہ عمارتوں اور کارخانوں کے ملبے سے ایک نئی قوم ابھری جس نے اپنی صنعت و حرفت میں امریکہ اور جرمنی وغیرہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے یہی نہیں کہ اس سے کوئی سبق نہیں لیا بلکہ امریکہ کے طرز عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کویت کو عراق سے ہٹانے سے زیادہ عراق کو تباہ کر کے مشرق وسطی میں اپنی گرفت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے لیکن انشاء اللہ وہاں سے اب جو نئی نسل ابھرے گی وہ اس کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دے گی،

اس وقت ایران امن و صلح کی جو بھی کوشش کر رہا ہے وہ اسی صورت حال کے پیش نظر کر رہا ہے جس کو آہستہ آہستہ دوسرے ممالک اور روس وغیرہ کی بھی حمایت حاصل ہوئی ہے جس سے کوشش

ہو اس کے ٹوٹنے کو گھبراہٹ ہو رہی ہے اور وہ اس کے لئے تحقیر آمیز زبان استعمال کر رہا ہے یہی طرز عمل یو۔ این۔ او کے جنرل سکریٹری کو تسلار کا بھی محسوس ہوتا ہے جو انسانیت کے بقاء و تحفظ کے سب سے بڑے دعویدار بین الاقوامی ادارے کے سربراہ ہیں۔ خدا کرے ایران کی یہ کوشش کامیاب ہو اور عربوں کو اس سے نئی اسلامی زندگی اور مضبوط دفاعی طاقت کا حوصلہ ملے اس لئے کہ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے — ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

پہلی جنگ عظیم کے بعد جنیوا میں بین الاقوامی ادارہ "لیگ آف نیشن" وجود میں آیا جو دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا، دوسری جنگ عظیم کے بعد یو این۔ او کا قیام عمل میں آیا، مگر اب تک یہ دیکھا جا رہا ہے کہ یہ ادارہ بڑی طاقتوں کے عزائم کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اور پانچ بڑی طاقتوں کو ویٹو کا جو پاور دے دیا گیا ہے اس نے اس ادارہ کو بے اثر بنا دیا ہے اسی ویٹو کی وجہ سے یہ ادارہ عدل و انصاف کے بجائے کمزور قوموں کیلئے جبر و تشدد اور ظلم کا بیش خیمہ بن گیا ہے اس کی سب سے نمایاں مثال اسرائیل کا وجود ہے اور بڑی طاقتوں کے سہارے اس کا کئی عرب ملکوں کی سرزمین پر قبضہ ہے اس کے خلاف آج تک اس نے ہلکا اقدام بھی نہ ہو سکا جو عراق کے خلاف اس وقت جاری ہے یو۔ این۔ او کے بڑی طاقتوں کے آلۂ کار بننے کی نصف درجن مثالیں اور بھی موجود ہیں۔ اس لئے ایشیا، افریقہ اور مسلمان ملکوں کو اس جنگ کے بعد یا تو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ویٹو کا اختیار ختم کر دیا جائے یا پھر ان کو کسی نئے بین الاقوامی ادارہ کی بنیاد ڈال دینی چاہئیے۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب "اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات" میں اس سلسلہ کی بنیادی باتوں کی طرف کسی قدر واضح اشارے کئے ہیں۔

بقیہ : ——— قرآن کریم کا فلسفۂ انسانیت

فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ (النور — ۹)

عفت مآب خواتین پر بہتان لگانے والوں کو قرآن سخت وعید سناتے ہوئے کہتا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	جو لوگ پاکدامن بے خبر مومن عورتوں پر
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا	تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت
فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ	میں لعنت کی گئی اور ان کے لئے بڑا
عَذَابٌ عَظِیْمٌ (النور ۲۳)	عذاب ہے۔

قرآن کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس میں کسی حکمراں نے اپنے مخالفین کو زیر کرنے کیلئے ان کی بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کی بے حرمتی کی ہو۔

عبد الجبار محمد حسین شرارہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات

کا اردو ترجمہ

(۲)

محمد اقبال انصاری، بدر جمال اعظمی

الفصل الثانی

اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک حروف مقطعات کے سلسلے میں پہلا موقف غیر معقول ہے، اور دوسرا موقف ہم نے اختیار کیا جس کی رو سے حروف مقطعہ معقول معانی کے حامل ہیں کسی مخصوص و محدود غرض کے لئے یہ نہیں آئے ہیں، بلکہ ان سے کچھ معانی مراد لئے گئے ہیں اور ان سے کچھ حقائق مقصود ہیں، حروف مقطعات کی تفسیر کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال، اور الگ الگ رائیں ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

پہلی بحث : پہلی رائے :۔

تمام حروف مقطعات حروف ہیں، ہر حرف کسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے :۔

مفسرین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ حروف مقطعات رموز ہیں، جن کا ہر حرف کسی مخصوص معنی پر دلالت کرتا ہے، جیسے امام طبری[1] نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول[2] الٓمٓ ذٰلک الکتاب ...... کی تفسیر کے سلسلے میں انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ الٓمٓ کے معنی[3] "انا اللہ اعلم"

---

[1] جامع البیان جلد اول ص ۸۸ [2] سورۂ بقرہ آیت ۱

[3] اسے شیخ طنطاوی جوہری نے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے

ہیں (میں خدائے باخبر ہوں) پھر امام طبری نے کہا کہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن مسعود سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

امام رازیؒ نے بھی اس بات کو حضرت ابن عباسؓ سے چھٹے قول میں نقل کیا ہے۔ اور الم کی ان کی ایک دوسری تفسیر کا ذکر کیا ہے اور امام طبریؒ اس کی تفسیر کو لائے ہیں، اور الم کے سلسلے میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ "الف" اللہ پر دلالت کرتی ہے اور "لام" جبرئیل پر، اور "میم" محمد پر اور امام شوکانیؒ نے الم کی تفسیر کے سلسلے میں ربیع بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ: "الف" ذات باری تعالی کے نام "اللہ" کا شروع ہے اور "لام" اس کے نام "لطیف" کا شروع ہے اور "میم" اس کے نام "مجید" کا شروع ہے، پھر شوکانی نے ذکر کیا کہ اسی طرح کی تفسیر تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے، جس میں عکرمہ، شعبی سدی، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہ تابعین رحمہم اللہ شامل ہیں۔

الم، المر، المص اور کھیعص کی تفسیر کے سلسلے میں امام سیوطیؒ حضرت ابن عباس سے بہت ساری مختلف روایات و تاویلات مختلف طریقوں سے لاتے ہیں، پھر یہ کہہ کر بات کو ختم کرتے ہیں کہ تمام اقوال ایک ہی بات کی طرف لوٹتے ہیں کہ حروف مقطعات کا ہر حرف اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم سے ماخوذ ہے۔

بقیہ: — حاشیہ صفحہ کا ملاحظہ ہو۔

کہ حروف مقطعات ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے والے ہیں، اور راجح ہے کہ یہ حروف اسماء کے لئے رمز کے طور پر آئے ہیں، جیسا کہ پچھلی امتوں کے یہاں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے، ملاحظہ ہو الجواہر، ج ۱ ص ۵۶ اور اس کے بعد کے صفحات، اور زرقانی نے یہی بات مناہل العرفان جلد اول ص ۲۲۵ اور اس کے بعد کے صفحات پر ذکر کیا ہے۔

۴ مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۵ — ۶

۵ مجمع البیان جلد اول ص ۲۳

اور طباطبائی[1] ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں حروف مقطعات کی تفسیر ہے، انھوں نے کہا کہ: معانی میں جویریہ سے مروی ہے انھوں نے سفیان ثوری سے روایت کیا، انھوں نے کہا کہ میں نے ابوجعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے پوچھا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے قول الم، المص، الر، کھیعص، طہ، طس، طسم، یس، حمعسق. ق. ن کے کیا معنی ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ جو الم سورۂ بقرہ میں ہے اس کے معنی ہیں" انا اللہ الملک" سورۂ آل عمران میں ہے اس کے معنی ہیں" انا اللہ المقتدر الصادق" ہیں۔ اور" الر" کے معنی" اللہ الرؤوف" ہیں" اور" المر" کے معنی" انا اللہ المحیی الممیت الرزاق" ہیں' اور کھیعص" کے معنی" انا اللہ الکافی الهادی الولی العالم الصادق الوعد" ہیں' اور" طہ" آنحضور صلی اللہ علیہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جس کے معنی" یا طالب الحق الهادی الیہ" ہیں' اور" طس" کے معنی" انا اللہ الطالب السمیع" ہیں' اور" طسم" کے معنی" انا اللہ الطالب السمیع المعید" ہیں، اور یس" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی" یأیها السامع للوحی" ہیں' اور" حم" کے معنی" یأیها السامع للوحی" ہیں، اور" حم" کے معنی" الحمید المجید" ہیں' اور" حمعسق" کے معنی الحلیم المثبت العالم السمیع القادر القوی" ہیں' اور" ق"[2] " ایک پہاڑ ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اسی کے رنگ سے آسمان نیلا دکھائی دیتا ہے، اور اسی سے اللہ تعالیٰ زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں وہ اپنی مخلوقات وموجودات کے ساتھ کسی طرف لڑھک نہ جائے۔ یہ روایت صحیح اور محمود تفاسیر کا ایک نمونہ ہے۔ اور تفسیر کا تقریباً یہی

---

[1] المیزان ج ۱۸ ص ۱۳، نیز ملاحظہ ہو" تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" از مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری" صفحات ۱۴، ۱۲۵، ۲۱۳، ۲۴۸، ۲۹۳۔ اور ملاحظہ ہو، تفسیر علی بن ابراہیم القمی ص ۲۹۵۔

[2] نیز ملاحظہ ہو کتاب" الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث" از ڈاکٹر محمد حسین ذہبی ص ۱۹۳، انھوں نے ذکر کیا ہے کہ تفسیر مقاتل بن سلیمان میں ہے کہ" ق" سبز زمرد کا ایک پہاڑ ہے جو سارے جہان کو محیط ہے' اور تمام پہاڑی سلسلے اسی سے نکلے ہیں۔

رنگ میں ابن عربیؒ کے یہاں بھی ملتا ہے وہ "حمعسق" کی تفسیر میں فرماتے ہیں[۱] فالحق محمود ظاهراً وباطناً والعلم سلامة قلبه عن النقص والآفة "یعنی حق ظاہر و باطن ہر طرح محمود ہے اور علم[۲] نقص و آفت سے محفوظ ہے۔

اس رائے کے حاملین کے دلائل اور ان پر مباحثہ :۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حروف مقطعات رموز ہیں، درج ذیل دلائل کی بنا پر ہر حرف کسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے :۔

جن سے ان کا لقب

(۱) عربی زبان اور اہل لغت کا استعمال

کلام عرب کے مُدوّنین نے لکھا ہے کہ عرب ایک حرف ذکر کرکے اس سے پورا کلمہ مراد لیتے ہیں، اس موقع پر انھوں نے کچھ نصوص کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً سمرقندیؒ[۲] اور طبریؒ[۳] یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

لاتحسبن أنا نسينا الإيجاف   قلت لها : قفي، فقالت : قاف

(اے ہمدم! تو ہرگز یہ گمان نہ کر کہ ہم (اس شوخ کی) دلربائیاں بھول چکے ہیں، جب میں نے اس سے کہا کہ؛ رک جا، تو اس نے جواب دیا؛ میں رک گئی۔

شاعر نے قاف سے مراد "وَقَفْتُ" لیا ہے۔

طبریؒ[۴] اور قرطبیؒ[۵] نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے معنی کے استشہاد میں زہیر بن ابی سلمٰی کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن عربی جلد ثانی ص ۱۰۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

۲۔ تفسیر سمرقندی جلد اول تفسیر سورۂ بقرہ ۳۔ جامع البیان جلد اول ص ۹۱

۴۔ مجمع البیان جلد اول ص ۳۴، نیز "تبیان" ملاحظہ کریں۔

۵۔ "الجامع الاحکام القرآن" جلد اول ص ۱۵۵، نیز ملاحظہ ہو "اتقان" ج ۲ ص ۹ اور "متشابہ القرآن" از ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۱۲۹۔

بالخير خيرات وإن شرّاً فا   ولا أريدُ الشّرّ إلّا أن تا

(یعنی : اگر تم بھلائی کروگے تو بھلائی پاؤگے، اور اگر برائی کروگے تو برائی ہی تمہیں ملے گی، اگرچہ میں تمہارے ساتھ برائی نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر تم ہی اس پر آمادہ ہو تو پھر میں بھی مجبور ہوں۔)

اور اس کی تشریح یوں کی ہے کہ : شاعر کی مراد " وَإن شرّاً فا " سے " وَإن شرّاً فَشَرٌّ " ہے، اور " إلّا أن تا " سے " إلا أن تشاء " ہے۔

جو دلائل یہاں کئے گئے ہیں وہ درج ذیل اسباب کی وجہ سے غیر مقبول ہیں :۔

۱۔ انھیں طبری[1] نے ذکر کیا ہے کہ " کلام عرب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کلمہ میں سے کچھ حرف اسی وقت گراتے تھے جب کوئی قرینہ پایا جاتا اور حروف مقطعات کے محذوف کو بتانے والی کوئی چیز نہیں، اور اگر حذف کو فرض کرلیا جائے تو التباس سے نجات نہیں، کیونکہ حروف مقطعات کے مفہوم کے سلسلے میں علماء کا بڑا اختلاف ہے، اور ان کے آراء میں بڑا ٹکراؤ ہے۔

۲ — ابن کثیر[2] نے ذکر کیا ہے کہ جس طرح حرف کسی ایک اسم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے اسم کو بھی بتائے، بغیر اس کے کہ ان دونوں اسموں میں سے ایک دوسرے سے اولیٰ ہو۔

حالانکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں اجماع نہیں ہے کہ اسی پر فیصلہ کردیا جائے، اور ایک حرف بول کر کلمہ کے بقیہ حروف بھی مراد لینے کے سلسلے میں جو اشعار بطور شواہد ان لوگوں نے پیش کئے ہیں تو وہاں سیاق حذف پر دلالت کررہا ہے جب کہ حروف مقطعات میں ایسی بات نہیں ہے۔

---

[1] جامع البیان جلد اول ص ۹۱، اور اس کے بعد کے صفحات، اور دیکھئے فتح البیان جلد اول ص ۴۵ [2] تفسیر القرآن العظیم جلد اول ص ۶۶

۳۔ امام رازیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اسم ان معانی کے لئے کلام عرب میں وضع نہیں کیا گیا جن معانی کا ان لوگوں نے ذکر کیا، اس لئے ان معانی کا استعمال قرآن میں کرنا جائز نہیں، کیونکہ قرآن تو عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے، نیز الم کے معانی آپس میں متعارض ہیں، اور لفظ کو بعض معانی پر محمول کرنا، بعض معانی سے اولیٰ نہیں ہے، اور اگر یہ دروازہ کھولا گیا تو تاویلات باطنیہ اور تمام ہذیانات کے دروازے خود بخود کھل جائیں گے۔[1]

طباطبائی[2] نے ذکر کیا ہے :۔

رمز کا استعمال ان امور کی وضاحت کے لئے ہوتا ہے کہ متکلم اپنے مخاطب کے سوا کسی کو اس پر مطلع نہیں ہونے دینا چاہتا تو اس کے لئے ایسے اشارے سے کام لیتا ہے جو اس کے اور اس کے مخاطب کے درمیان مخصوص ہوتے ہیں اور ان دونوں کے سوا کوئی اور اس سے واقف نہیں ہوتا۔ اور اسمائے حسنیٰ ۔ جن کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے کہ حروف مقطعات ان پر دلالت کرتے ہیں، کلام الٰہی میں صراحۃً اور اشارۃً بہت آئے ہیں، اور ان کی بہت تفصیل بیان ہوئی ہے، اب کوئی فائدہ نہیں کہ اسمائے حسنیٰ کو رمزی حروف کے ذریعے بتایا جائے۔

ڈاکٹر عبد التواب[3] نے ذکر کیا ہے :۔

اہل عرب کلمات کو حروف میں مختصر کرنے سے ناآشنا تھے، اور مفسرین نے جن اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ اگر اشعار کی صحت تسلیم کرلی جائے ۔ تو یہ صرف ضرورت شعری ہے، اور شعر میں ضرورۃً وہ چیزیں روا ہیں جو عام کلام میں روا نہیں۔

(۱) ان بحوث و دلائل کی قوت و گیرائی مانع ہے کہ مذکورہ رائے کو اختیار کیا جائے۔

(۲) اپنی حجت میں یہ لوگ منقولات کو لائے ہیں، یعنی صحابہ و تابعین سے روایات کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، ان مرویات کا حال یہ ہے کہ وہ باہم

---

[1] مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۱۰ [2] المیزان جلد ۱۸ ص ۱۴ اور بعد کے صفحات

[3] حول فواتح بعض سور القرآن ص ۱۶۸

مخالف واقع ہیں، بلکہ ایک ہی صحابی سے متضاد روایتیں مروی ہیں، جیساکہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ امام شوکانیؒ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف مقطعات کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں فرمائی، اور اس سلسلے میں صحابہ کی مرویات مختلف و متضاد ہیں، جو کچھ حضرات صحابہؓ کہتے ہیں، اس میں سے اگر کچھ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہوتا تو یہ حضرات اس پر متفق ہوتے، اختلاف نہ کرتے، اور اگر اس سلسلے کی کوئی بات ان کے پاس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوتی تو اس کا ذکر ضرور کرتے خصوصاً جبکہ ایسے کلام میں ان کے اختلاف واضطراب واقع ہوں کہ اس میں کلام عرب سے بھی کوئی رہنمائی نہ ملتی ہو۔

جو کچھ شوکانی نے فرمایا وہ درست اور صحیح ہے، اس رائے کے ماننے والے جتنی روایات لاتے ہیں ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہے جس میں کسی صحابی نے اپنے قول کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسناد کیا ہو اگر اس کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو وہ ہرگز اسناد سے باز نہ رہتے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ جو کچھ ان حضرات نے ذکر کیا ہے اس کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

ابھی جس رائے کا ذکر ہم نے کیا، اسی سے ملتی جلتی صوفیا رکی بھی رائے ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اسے بھی ذکر کر دیا جائے۔ سو ان کے دو قول مجھے ملے:

(۱) یہ حروف اللہ اور اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رموز ہیں، اسے قاشانیؒ نے ذکر کیا ہے:۔

"بیشک حروف مقطعات اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں دوسروں کو ان کا افہام مقصود نہیں۔"

اس رائے کے لئے ان کی دلیل ہے کہ "حروف مفردہ کے ذریعے محبوب سے بات کرنا محبین کی سنت رہی ہے۔ اور شیخ اسماعیل بروسویؒ کا قول ہے۔

ل فتح القدیر جلد اول ص ۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز ملاحظہ ہو فتح البیان جلد اول ص۵۶ اور "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" از امام شوکانی ص ۳۱۸

ل تفسیر اصفی، شروع تفسیر سورہ بقرہ ۳ روح البیان جلد اول ص ۲۸

"ممکن ہے کہ الٓمٓر اور تمام حروف مقطعات حرفی معمے کی قسم سے تعلق رکھتے ہوں جنہیں محب و محبوب کے سوا کوئی دوسرا نہ جان سکے، موصوف نے اس ضمن میں ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھیعص کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا جب جبریئل نے حرفاً حرفاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حرف پر کہتے جاتے تھے کہ سمجھ گیا، اور جبریئلؑ کہتے تھے کہ میں نہیں سمجھا۔

غور و بحث اس بات سے معلوم ہوا کہ حروف مقطعات رموز ہیں، ہر حرف کسی رمز کی طرف اشارہ کرتا ہے، مگر جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں[1]، یہ نظر کسی مضبوط سند پر مبنی نہیں ہے اور نہ کوئی روایت اس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔

اور جو کچھ شیخ برسوی نے ذکر کیا ہے، وہ کسی بھی صحابی یا تابعی سے منقول نہیں ہے اس سلسلے میں انھوں نے جس روایت کا سہارا لیا ہے وہ خود اپنی موضوعیت کی غماز ہے اسی لئے تو ہم نے اسے لائق اعتنا نہیں سمجھا، پھر اگر یہ حروف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رازہائے سربستہ ہیں، جس کی بھنک نہ تو جبریئلؑ کو ہوئی اور نہ کسی اور بندے کو تو قرآن میں ذکر کرنے کا فائدہ ؟ — اور ایک دو جگہ نہیں پوری انتیس جگہوں پر ا ہے کوئی اس کی معقول وجہ ؟ مجھے بتائیں کہ کیا اس طرح لوگ تشکک و اضطراب اور پراگندہ خیالی کے شکار نہ ہوں گے، اور وہم گمان کی بھول بھلیوں میں نہ بھٹکیں گے ؟ ظاہر ہے کہ یہ بات قرآن کریم کے ہدی ، بیان اور حجت ہونے کے منافی ہے۔

(۲) ان حضرات کی یہ رائے کہ "حروف مقطعات کا ہر حرف ایک خاص معنی کا حامل ہے"۔ اصطلاحات تصوف سے ماخوذ ہے۔

امام رازیؒ نے اپنی کتاب "القول العشرین" میں الٓمٓ کی تفسیر کے تحت متصوفین کی اس رائے کا بھی ذکر کیا ہے کہ :

---

[1] پہلی بحث پھر ملاحظہ فرمائیں [2] مفاتیح الغیب جلد ثانی ص ۲

" الف سے اشارہ اس چیز کی طرف ہے کہ سب سے پہلے جس پر قائم ہونا نہایت ضروری ہے اور وہ ہے کہ شریعت کی پابندی، اور لام سے اشارہ مجاہدات کے نتیجے میں حاصل شدہ استغنار (یعنی طریقت کی پابندی) کی طرف ہے، اور میم سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بندہ عشق الٰہی کے مقام پر فائز ہو جائے بالکل اس دائرے کی طرح کہ جس کی ابتدا اور انتہا میں کوئی فرق نہیں ہوتا، جو اس کی انتہا ہوتی ہے وہی ابتدا ہوتی ہے اور جو ابتدا ہوتی ہے وہی انتہار، یہ چیز صرف فنا رفی اللہ کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے ...."

اسی سے ملتی جلتی بات امام رازی نے اپنے اکیسویں قول میں بھی کہی ہے[۱] اور اسی کے قائل ابن عربی بھی ہیں۔

ان تمام باتوں کی تردید ان دلائل سے بھی ہو جاتی ہے جو ہم ہر اس قول کی تردید میں لائے ہیں جو حروف مقطعات کو رموز بتاتے ہیں[۲] اور ڈاکٹر صالح کے اس قول سے بھی تردید ہوتی ہے کہ " متصوفین کے شطحیات ہیں جو ان کے مخصوص ذوق و وجدان پر مبنی ان کے اپنے خیالات کے غماز ہیں، اور تصوف ہی کے اسرار و اصطلاحات سے ان میں رمزیت پیدا کی گئی ہے، جس کا معتبر اسلامی تفسیر سے کوئی واسطہ نہیں۔

بعض مستشرقین نے اس رائے کو بنیاد بنا کر " حروف مقطعات رموز ہیں یعنی ہر حرف میں ایک خاص معنی پنہاں ہے"۔ یہ کہنا شروع کیا کہ " حروف مقطعات بعض صحابہؓ کے ناموں کے رموز ہیں، اور یہ بعد میں بڑھائے گئے ہیں، اصل قرآن سے ان کا کوئی تعلق نہیں"[۳]۔ یہاں قارئین کرام کی توجہ اس طرف مبذول کرا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلے میں مستشرقین[۴] کا مقصد و مسلک مسلمان مفسرین سے

---

[۱] فتوحات مکیہ جلد ۱ ص ۳۶۶، نیز تفسیر ابن عربی جلد ۱ ص ۵ ملاحظہ ہو۔

[۲] مباحث فی علوم القرآن ص ۲۳۹، نیز دراسات فی القرآن ص ۱۲۳ اور اس کے بعد کے صفحات۔

[۳] نظرات استشراقیہ فی الاسلام از ڈاکٹر محمد غلاب۔

[۴] مباحث فی علوم القرآن ص ۲۳۹ اور ما بعد کے صفحات۔

بالکل مختلف رہا ہے مستشرقین پہلے سے یہ تصور کئے بیٹھے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے نبی و رسول نہیں ہیں، اور آپ کا پیش کردہ قرآن مجید خدا کی طرف سے وحی منزل نہیں ہے، لہٰذا وہ ہر اس رائے کی طرف لپکتے ہیں، جو ان کے اس تصور کی کسی حیثیت سے مؤید بن سکے۔

ڈاکٹر صالح[1] نے مشہور جرمن مستشرق نولدکی کی رائے نقل کی ہے کہ:۔

"حروف مقطعات کے پہلے یا آخری حروف ان صحابہ کرامؓ کے ناموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جن کے پاس قرآنی سورتوں کے یہ نسخے موجود تھے، مثلاً "سین" سے سعد بن ابی وقاصؓ مراد ہیں، اور "میم" سے مغیرۃ بن شعبہؓ، اور "نون" سے عثمان بن عفان، اور "ہا" سے ابو ہریرۃؓ، اور اسی طرح تمام حروف مقطعات کسی نہ کسی صحابی کے نام پر دلالت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رمضان عبدالتواب[1] نے اسی مستشرق کی رائے نقل کی ہے کہ:۔

"الر" سے مراد زبیر ہے، اور "المر" سے مراد مغیرۃؓ اور "طہ" سے مراد طلحہؓ، اور "حم" اور "نون" سے مراد عبدالرحمٰن ہے۔

مذکورہ رائے درج ذیل حقائق کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوسکتی:

(۱) اس رائے کی بنیاد یہ تصور ہے کہ حروف مقطعات بعد کے اضافات ہیں، حالانکہ تمام مسلمان اور علماء محققین کا اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے نازل کیا گیا، اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی، جو بھی اس کے خلاف دعویٰ کرے اس کا دعویٰ کسی مستند اساس یا مضبوط سند کی بنیاد پر ہرگز نہ ہوگا، جمع قرآن کے سلسلے میں اس طرح کی جن بعض روایتوں کو بعض حضرات نے بطور سند پیش کیا وہ سب غیر معتبر ہیں۔

استاذ خوئی[2] نے ذکر کیا ہے کہ:۔

---

[1] مباحث فی علوم القرآن ۔۔۔ صفحات ۔۔۔ ۲۳۹، حول فواتح بعض السور

[2] البیان فی تفسیر القرآن صفحہ ۲۰۰

"تواتر بین المسلمین کی بنیاد پر قرآن کو جمع کیا گیا ہے یعنی جامع قرآن نے اسی کو ایک مصحف میں یکجا جمع کر دیا جو تواتر کے ساتھ مختلف سینوں میں محفوظ تھا۔"

روایتوں کا ایک انبار[1] ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے حروف مقطعات کی تلاوت فرمائی ہے اور لوگوں نے اسے سنا۔

خود بلاشیر لوث اور اس کے بعد بویر[2] مستبعد و ناممکن سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام اپنی طرف سے قرآن مجید میں کچھ بڑھا دیں،

چنانچہ وہ لکھتے ہیں :--

۱۔ "ناممکن ہے کہ مومنین (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم)، جو تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے، خدا کی طرف سے نازل کردہ قرآن مجید میں اپنی طرف سے کچھ چیزیں بڑھا دیں، ایسا تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی رمق تک موجود نہ ہو۔"

۲۔ اس رائے کے حاملین نے بقیہ رموز کو واضح کرنے کی کوشش نہیں کی، جہاں جہاں وضاحت کرنے میں وہ ناکام رہے کہہ دیا کہ سب کی وضاحت ضروری نہیں[3]۔

۳۔ ڈاکٹر عبدالتواب[4] نے ذکر کیا ہے کہ :- "اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے نسخوں پر حروف مقطعات اپنے ناموں کے رمز کے طور پر لکھتے تو نسخے کے اوپر بسم اللہ اور نص سے پہلے لکھتے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ انھیں بسم اللہ کے بعد نص قرآن میں شامل کر کے لکھا گیا۔"

ان باتوں سے واضح ہو گیا کہ حروف مقطعات بعد کے اضافے نہیں ہیں اور نہ ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کے رموز ہیں، انھیں بعد کے اضافے اور صحابہ کے ناموں کے رموز کہنا سراسر بے بنیاد بات ہے جس کا علم و دانش اور منقول و معقول سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(جاری)

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۷۰

[2] مباحث فی علوم القرآن از ڈاکٹر صالح ص ۲۴۰

[3] حول فواتح بعض السور [4] ایضاً

قرآن کریم کا فلسفۂ انسانیت

محمد رضی الاسلام ندوی

(۲)

سلسلہ کے لئے دیکھئے — الرشاد دسمبر سنہ ۹۰ء

عزیزی ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کے مضمون کی پہلی قسط ناظرین الرشاد ملاحظہ کر چکے ہیں اصلاً یہ سارے نکات اسلام کے بین الاقوامی تصورات کا جز ہیں چنانچہ راقم الحروف نے اپنی کتاب" اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات" میں ان کی طرف اشارے کئے ہیں اس مضمون سے ان کی مزید توضیح ہوگئی ہے۔

——— (مرتب)

قرآنی فلسفۂ انسانیت کے نکات

قرآنی فلسفۂ انسانیت کی یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر اس کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ وہ امتیازی خصوصیات ہیں، جو اسے دنیا کے تمام فلسفوں اور نظریہ ہائے زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن کے پیش کردہ فلسفۂ انسانیت کو ہم درج ذیل نکات میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ احساس عبودیت

قرآن انسان کو بار بار یاد دلاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مختار کل ہستی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ ترین ذات کے سامنے جواب دہ ہے۔ وہ مطلق العنان حاکم نہیں بلکہ اللہ کا بندہ ہے جس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں خدا کی عبادت کرے اور اس کے بنائے ہوئے حکموں کے مطابق زندگی گذارے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا — میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا

لِيَعْبُدُوْن — کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔
(الذاریات — ۵۶)

جب بھی انسان نے دنیا میں اپنی اس حیثیت کو فراموش کیا ہے فتنہ و فساد برپا ہونے کا باعث ہوا ہے۔ اس لئے کہ احساسِ عبودیت ختم ہوتے ہی وہ اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھنے لگتا ہے اور اپنی ذاتی خواہشات اور اغراض پوری کرنے کے لئے دوسرے انسانوں کو زیر کرنے ان پر ظلم و ستم ڈھانے اور ان کا قتل عام کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔

۲۔ حریت

قرآن کے نزدیک تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ اس کی غلامی سے نکل کر دوسروں کی غلامی میں جانا یا اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا جائز نہیں۔ اسے وہ ظلم عظیم قرار دیتا ہے (لقمان — ۱۳) اس کے نزدیک تمام انسان آزاد ہیں۔ اس لئے انھیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا صحیح نہیں۔ خواہ یہ غلامی جسمانی ہو یا سیاسی۔ اس کا واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو آزادی عطا کر رکھی ہے۔ اسے کوئی عام حکمران تو درکنار خدا کا رسول بھی سلب نہیں کر سکتا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران ۔ ۷۹)

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضہ ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔

فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ وہ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا اور ہر قسم کے ستم روا رکھتا تھا۔ بنی اسرائیل کو اس غلامی سے نجات دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے اس کے دربار میں پہنچ کر اعلان فرمایا:

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی

فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ اسرائيل (الاعراف — ۱۰۵) [1]

طرف صریح دلیل ماموریت لیکر آیا ہوں لہذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

اور جب فرعون نے انھیں ان کی پرورش کا احسان یاد دلایا تو انھوں نے پھر بنی اسرائیل کی حریت سلب کر لینے پر اس کی مذمت کی۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ اسرائيل (الشعراء — ۲۲)

رہا تیرا احسان جو تونے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تونے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔

۳۔ تکمیل ذات اور تعمیر انسانیت

قرآن اعلیٰ قدروں پر انسانیت کی تعمیر و تشکیل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ انسان کو معاشرتی زندگی سے راہِ فرار اختیار کرکے غاروں، بیابانوں اور جنگلوں میں جاکر انسانیت کے مدارج طے کرنے سے منع کرتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانیت کی معراج یہ ہے کہ خدا کے بندوں کے درمیان رہتے ہوئے ان کی خدمت کرکے خدا کا عرفان حاصل کیا جائے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین پر تنقید کرتا ہے کہ انھوں نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے "رہبانیت" اختیار کی لیکن اس کا حق ادا نہ کرسکے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید — ۲۷)

اور رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کرلی۔ ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔

اس کے ساتھ وہ کہتا ہے کہ انسانیت فلاح و کامرانی سے اسی وقت ہم کنار ہو سکتی ہے جب اس کا تزکیہ کیا جائے اور اس میں تقویٰ اور خشیت الٰہی کے اوصاف پیدا کئے جائیں :

---

[1] مزید دیکھئے طٰہٰ — ۴۷، الشعراء — ۱۷ وغیرہ

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰاهَا

(الشمس ۷-۱۰)

اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

۴۔ روح اور مادہ کی جامعیت

قرآن انسان کو صرف مادی وجود تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسے روح اور مادہ کا جامع قرار دیتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝

(الحجر: ۲۸-۲۹)

(یاد کرو اس موقع کو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔ جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

اللہ تعالیٰ کا انسان کو پست ترین شئی سڑی ہوئی مٹی۔ سے پیدا کرنا۔ پھر اس میں بلند ترین شئی۔ اپنی روح۔ پھونکنا دلیل ہے اس بات کی کہ انسان پستی اور رفعت کے درمیان ایک صاحب الارادہ مخلوق ہے۔ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے الفاظ " ملکوتیت و بہیمیت کا جامع "[۱] ہے۔ اس میں حیوانی خواہشات بھی رکھی گئی ہیں اور ملکوتی جذبات بھی ودیعت کئے گئے ہیں۔ وہ حیوانی خواہشات سے اعراض کر کے صرف ملکوتیت کو اپنے اوپر طاری کر سکتا ہے۔ اور ملکوتی اوصاف ترک کر کے نِرا جانور بھی بن سکتا ہے۔ لیکن اعتدال کا تقاضا ہے کہ وہ ملکوتی صفات سے بھی تہی دامن نہ ہو اور حیوانی جذبات سے بھی عاری نہ ہو بلکہ دونوں کو ملحوظ

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے حجۃ اللہ البالغۃ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی حصہ اول

رکھتے ہوئے اور ان میں اعتدال قائم رکھتے ہوئے زندگی گذارے۔

۵۔ صفاتِ حمیدہ کی ترغیب اور صفاتِ ذمیمہ کی شناعت

قرآن نے حسنِ اخلاق کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسانیت کی فلاح و کامیابی کے لئے اس نے ایمان کے بعد سب سے زیادہ زور حسنِ اخلاق پر دیا ہے۔ قرآن انسانوں کو فضائل اخلاق اختیار کرنے اور رذائلِ اخلاق سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کی یہ تعلیمات فطرتِ انسانی کو اپیل کرنے والی اور انسانیت کا زیور ہیں۔ فضائلِ اخلاق میں اس نے درج ذیل اوصاف بیان کئے ہیں (اختصار کے پیش نظر آیات کا محض حوالہ دیا جارہا ہے)

سچائی (توبہ ــ ۱۱۹)

صبر واستقامت (الاحقاف ۔ ۳۵، آل عمران ــ ۲۰۰، الکہف ــ ۲۸، الاعراف ۔ ۱۲۸، یونس ۱۰۹ وغیرہ

اعتدال اور میانہ روی (بنی اسرائیل ۲۹، ۱۱۰، الفرقان ــ ۶۷، لقمان ۔ ۱۹

احسان اور ایثار (القصص ــ ۷۷، الحشر ــ ۹)

حیا (الاحزاب ۔ ۵۳، الاعراف ــ ۲۲)

عفت و پاک بازی (المومنون ــ ۵، الانعام ۔ ۱۵۱)

امانت داری (النساء ــ ۵۸)

ایفائے عہد (البقرہ ــ ۱۷۷، بنی اسرائیل ــ ۳۴)

اظہارِ حق (الحجر ــ ۹۴، المائدہ ۵۴)

شجاعت و جوانمردی (آل عمران ــ ۱۷۳، الاحزاب ــ ۲۲)

توکل علی اللہ (ابراہیم ــ ۱۲، الطلاق ــ ۳)

سخاوت و فیاضی (البقرہ ــ ۲۷۴)

عفو و درگذر (النور ــ ۲۲، الاعراف ــ ۱۹۹، الشوریٰ ــ ۴۳)

غصہ انگیزی (آل عمران ۱۳۴)

نرمی و بردباری (آل عمران ــ ۱۵۹، ہود ــ ۷۵)

— برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا (حم السجدہ — ۳۵)
— وقار، تواضع اور سنجیدگی (الفرقان — ۶۳، ۶۷، لقمان — ۱۸)

رذائل اخلاق میں قرآن نے درج ذیل خصائل کا ذکر کیا ہے اور ان سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

— جھوٹ (الحج — ۳، النور — ۷، المنافقون — ۱)
— وعدہ خلافی (التوبہ — ۷۷)
— خیانت (الانفال — ۲۷)
— غرور و تکبر (لقمان — ۱۸، بنی اسرائیل — ۳۰)
— خود ستائی (آل عمران — ۱۸۸)
— دو رُخا پن (البقرہ — ۱۴)
— حسد (البقرہ ۱۰۹، النساء — ۵۴، الفلق — ۵)
— بخل (آل عمران ۱۸۰، الفجر — ۱۷، ۲۰، الھمزہ — ۲)
— فضول خرچی (بنی اسرائیل — ۱۶)
— دوسروں کی تحقیر (لقمان — ۱۸)
— دوسروں کی دل آزاری، بدگمانی، عیب جوئی اور غیبت (الحجرات: ۱۱ — ۱۲)

۷۔ مساوات

قرآن انسانیت کو رنگ و نسل کے تمام امتیازات سے آزاد اور جغرافیہ کی تمام حدود سے ماوراء قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک عجمی اور عربی یا کالے گورے کے درمیان کوئی فرق نہیں، دنیا کے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل کے ہوں یا کسی خطۂ زمین میں رہتے ہوں۔ ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد کہتا ہے اور ایک اصل کی طرف لوٹاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ان سب کے درمیان کامل مساوات ہو۔ قرآن کے نزدیک اگر انسانوں کے درجات میں فرق ہو سکتا ہے تو صرف ان کی ذاتی صلاحیت تقویٰ اور خیر و شر کی قبولیت و عدم قبولیت کی بنیاد پر۔ اسی لئے وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ

(الحجرات — ۱۳)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

قرآن نسلی امتیاز اور قومیت پرستی کی جڑوں پر تیشہ چلاتا ہے۔ چنانچہ وہ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ انصاف اور راستی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں خواہ معاملہ دشمن ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کردار کی جن پستیوں کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے انسانوں کو متعدد گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ان میں سے ایک گروہ کو اپنے ظلم و ستم کا شکار بنا رکھا تھا:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ

(القصص — ۴)

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا ہے۔

- - - - - - -

۰. قتلِ نفس کی حرمت

قرآن انسانی جان کو محترم قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ناحق قتلِ نفس اللہ تعالیٰ کی جانب سے حرام ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل۔ ۳۳)[1]	قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

قرآن کے نزدیک قتلِ نفس کی شناعت کتنی بڑھی ہوئی ہے اس کا اندازہ محض اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل اور ایک انسان کی جان بچانے کو پوری انسانیت کا بچانا قرار دیا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا، وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ ۔ ۳۲)	جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

اس آیت سے تحفظِ جان کی جتنی اہمیت آشکارا ہوتی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہبی اخلاقی اور قانونی لٹریچر میں ملنی مشکل ہے۔

قرآن نے فقر و فاقہ، افلاس اور بھوک کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے سے بھی سختی سے منع کیا ہے۔ خواہ قتل کی کوئی بھی صورت ہو:

وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (الانعام ۔ ۱۵۱)[2]	اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

قرآن نے صرف دوسروں کو قتل کرنے سے ہی نہیں روکا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی ہلاکت

---

[1] مزید دیکھئے: الانعام۔ ۱۵۲، البقرہ: ۱۷۸-۱۷۹، الفرقان ۔ ۶۸ وغیرہ

[2] مزید دیکھئے: بنی اسرائیل ۔ ۳۱، الانعام ۔ ۱۴۰ وغیرہ

میں ڈالنے اور خودکشی کرنے سے بھی سختی سے منع کیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء۔۲۹) اپنے آپ کو قتل نہ کرو

۸۔ احترامِ آدمیت

قرآن کے نزدیک سوسائٹی کے تمام افراد باعزت ہیں اس لئے وہ انسان کا بحیثیت انسان احترام کرنے، اس کی عزت و آبرو کا تحفظ کرنے اور اس کی غیبت، طعنہ زنی اور عیب جوئی وغیرہ سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ مرد دوسرے
قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ	مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ
يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ	وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری
مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا	عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ
مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا	ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے
تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ..... يَا اَيُّهَا	پر طعن نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے کو برے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا	القاب سے پکارو .... اے لوگو جو ایمان
مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو
اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ	کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، تجسس
بَّعْضُكُمْ بَعْضًا	نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت
(الحجرات: ۱۱-۱۲)	نہ کرے۔

قرآن نے یوں تو معاشرہ کے تمام افراد کی عزت و ناموس کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ لیکن خاص طور پر وہ عورتوں کی ناموس کا پاس رکھنے پر غیر معمولی زور دیتا ہے۔ سورہ نور کی آیات ۱۱ - ۱۹ میں مذکور واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو افتراء پردازی اور بہتان تراشی سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ	جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں
تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ	کے گروہ میں فحش پھیلے وہ دنیا و آخرت
اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام، جمال پور — علی گڑھ

علی گڈھ کا حالیہ فساد

کچھ تاثرات و مشاہدات

علوم و فنون کے عظیم مرکز کی حیثیت سے مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ علی گڈھ فرقہ وارانہ فسادات کے لئے بھی معروف ہوگیا ہے۔ یوں تو ہر فساد اپنے پیچھے تباہ کن نتائج نئے تجربات اور تکلیف دہ مشاہدات کا سلسلہ چھوڑ جاتا ہے، لیکن حالیہ فساد کئی اعتبار سے منفرد نوعیت کا تھا، اور اس دوران ایسے حادثات و واقعات رونما ہوئے جن کی نظیر ماضی کے فسادات میں ملنی مشکل ہے۔ ان میں سب سے اہم یہ کہ اس بار شہر کے علاوہ اس کے نواحی علاقے، سول لائن ایریا جیون گڈھ، جمال پور، دوہرا، ہمدرد نگر، آس پاس کے کچھ قصبات اور گاؤں بھی فساد سے یا کم از کم فساد کے ماحول سے متاثر ہوئے۔ اس طرح اس سے قبل فسادات کے موقع پر شہر اور سول لائن کے مابین ریلوے لائن کا حجاب رہتا تھا وہ اس دفعہ ختم ہوگیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس فساد کے دوران علی گڈھ اسٹیشن کے قریب ریلوے لائن نے اپنے اوپر گذرنے والی گومتی ایکسپریس پر بربریت و بہیمیت اور خون ریزی و سفاکی کا وہ ننگا ناچ دیکھا جو یہاں کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

امن و قانون کے محافظین

علی گڈھ کے حالیہ فساد کے دوران متاثرہ علاقوں، بالخصوص شہر میں زبردست جانی و مالی نقصان کے علاوہ جس چیز نے راقم کے احساس کو سب سے زیادہ جھنجھوڑا ہے وہ سول لائن اور جمال پور کے علاقہ میں بری طرح پھیلا ہوا خوف و ہراس کا ماحول تھا۔ اہم بات یہ کہ یہ ماحول بالخصوص جمال پور کے ایریا میں بلوائیوں اور فسادیوں کے حملہ کے اندیشہ سے زیادہ پی۔اے۔سی کی تعیناتی اور اس کی ممکنہ تباہ کاری کے خوف کی پیداوار تھا۔ درحقیقت یوپی کے مختلف شہروں اور خود

علی گڑھ میں فسادات کے موقع پر پی۔اے۔سی کی کارکردگی کی گھناؤنی تصویر اور مسلمانوں کے ساتھ اس کی ظلم و زیادتی اور یکطرفہ کارروائی ہے جو خوف و دہشت کی نفسیات کو جنم دیتی ہے۔ پی۔اے۔سی کے بارے میں مسلمانوں میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ہندو بلوائیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتی ہے اور کرفیو لگنے کے بعد گھروں میں تلاشی کے نام پر انھیں جانی و مالی نقصان پہونچانے کے علاوہ بعض اوقات عزت و آبرو پر بھی دھاوا بول دیتی ہے یہ پی۔اے۔سی کا وہ گھناؤنا کردار ہے جسے محسوس کر کے دل دہل جاتے ہیں اور دہشت پھیلنے لگتی ہے، یہاں تک کہ اس کے اثرات سے مسلم آبادی کا کوئی طبقہ محفوظ نہیں رہ پاتا۔ جیسا کہ بہت قریب سے دیکھنے میں آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قانون کے ان "محافظین" کا رویہ قانون شکنی کے بارے میں اتنا مساویانہ ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کی کوئی تفریق روا نہیں رکھتے، مسلمانوں کے ساتھ پی۔اے۔سی کا جانبدارانہ رویہ اتنا واضح ہو چکا ہے کہ اگر ان کے ہاتھوں پر ظلم و زیادتی کے شکار مسلمان ان کے ہٹائے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں تو دوسری جانب اکثریتی فرقہ کے شورش پسند عناصر اس مطالبہ کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں اور پی۔اے۔سی کی بدستور تعیناتی کی مانگ کرتے ہیں جیسا کہ علی گڑھ میں بار بار پیش آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان پولیس فورس کے بالکل ہٹانے کی مانگ نہیں کرتے بلکہ پی۔اے۔سی کی جگہ مرکزی فورسز کی تعیناتی پر زور دیتے ہیں اس کے باوجود ہندو فرقہ پرستوں کی جانب سے پی۔اے۔سی کی موجودگی پر اصرار کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ سی آر پی ایف یا بی ایس ایف کی موجودگی میں انھیں فرقہ واریت کا ننگا ناچ کا ناچنے کا موقع نہیں مل پاتا ہے اس لئے کہ فسادیوں سے نپٹنے کے لئے مرکزی فورسز کا غیر جانبدارانہ رویہ سبھی کو معلوم ہے۔

یہاں اس حقیقت کا انکشاف بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پی۔اے۔سی کی ظلم و زیادتی کے کے خلاف مسلمانوں یا اکثریتی فرقہ کے سنجیدہ و انصاف پسند حضرات کا جو ردعمل سامنے آتا ہے وہ زیادہ تر مشہور شہروں و قصبوں کی حد تک ہی محدود رہتا ہے۔ موجودہ حالات میں جبکہ فسادات کا ایک نیا رجحان بڑی تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور وہ یہ کہ شہر سے شروع ہو کر اس کے نواحی علاقوں اور قریبی دیہات میں پھیل جاتا ہے، ایسے مقامات پر بلوائیوں اور دنگائیوں کے ساتھ پی۔اے۔سی کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا زیادہ موقع ملتا ہے، اس لئے ضرورت اس

بات کی ہے کہ اس محافظتی دستہ کی ظلم و زیادتی کو اچھی طرح منظر عام پر لا کر فسادات کے موقع پر ہر جگہ سے ہٹانے کا پرزور مطالبہ کیا جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ سماجی یا سیاسی یا کسی اور وجہ سے کسی شہر یا شہر کے کسی علاقہ سے پی۔اے۔سی ہٹا کر مرکزی فورسز کی تعیناتی کر دی جاتی ہے باقی فساد زدہ علاقوں بالخصوص قصبہ و دیہات کے لوگوں کو اسی "بدنام زمانہ" پولیس فورس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ ایک ہی علاقہ کی مسلم آبادی کے ایک حصہ میں تحفظ و اعتماد کی فضا بحال کرنے کے لئے سی آر پی ایف کی تعیناتی کی جاتی ہے جب کہ اسی سے متصل آبادی کے دوسرے حصہ میں (جس کی آواز حکومت و انتظامیہ کے حلقہ میں زیادہ اثر نہیں رکھتی) پی۔اے۔سی کا ہی عمل دخل جاری رہتا ہے۔ پولیس فورس کی تعیناتی میں یہ دو رخی پالیسی مناسب نہیں ہے خواہ کسی حد تک اس کا ذمہ دار مسلمانوں کا ہی کوئی طبقہ کیوں نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جان و مال عزت و آبرو ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ حکومت کو چاہیئے کہ اگر اسے مسلمانوں سے عدم تحفظ کے احساس کو ختم کرنا ہے اور پولیس فورس میں ان کے اعتماد کو بحال کرنا ہے تو وہ ہندو مسلم فساد کے موقع پر پی۔اے۔سی کو کہیں بھی تعینات نہ کرے خواہ وہ شہری علاقہ میں بھڑک اٹھے یا نواحی قصبہ جات اور دیہات میں۔ اس پولیس فورس سے مسلمانوں کا اعتماد اس حد تک اٹھ چکا ہے کہ اس کی آمد کی خبر سنتے ہی ان میں عدم تحفظ کی لہر دوڑ جاتی ہے گرچہ بظاہر اکثریتی فرقہ کی متصل آبادی سے حملہ کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس پولیس فورس کی تعیناتی فساد کے ماحول کو سرد کرنے کے بجائے اور گرم کر دیتی ہے اور فرقہ وارانہ کشیدگی کو ختم کرنے کے بجائے اسے اور بڑھا دیتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ پی۔اے۔سی کی ظلم و زیادتی اور شر پسند عناصر کے ساتھ ان کے اشتراک عمل سے نفرت و عداوت و انتقام کے جذبات کا بھڑکنا لازمی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی عمل ہے کہ عدم تحفظ کے احساس سے دبا ہوا انسان اپنی حفاظت کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرتا ہے اور یہ احساس جب شدت اختیار کر لیتا ہے تو بعض اوقات وہ اپنے اقدام میں صحیح و غلط کی تمیز بھی باقی نہیں رکھ پاتا۔ ان حالات میں اہل حکومت کو خود سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ فسادات کی روک تھام

میں سنجیدگی رکھتی ہے تو اسے پی۔ اے۔ سی جیسی پولیس فورس سے مدد لینی چاہیے کہ نہیں جو اس مقصد کے حصول کے بجائے اس کے مخالف سمت میں اپنی کارکردگی پیش کرتی ہے۔ اِن حالات میں پولیس فورس کے ذریعہ فسادات کی روک تھام کے لئے دو ہی صورتیں کارگر ثابت ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ حکومت اس کے لئے مخصوص فورس قائم کرے جس میں مسلم اقلیت کو مناسب نمائندگی حاصل ہو یا فوری طور پر اسے عملی شکل دینا مشکل ہو تو بظاہر اس میں کوئی مانع نہیں نظر آتا کہ حکومت فساد برپا ہونے پر شروع ہی سے متاثرہ علاقوں میں مرکزی فورسز کی تعیناتی کا اہتمام کرے۔ بعد میں جب حالات بد سے بدتر ہو جاتے ہیں تو آخر میں انھیں فورسز کی کمپنیاں حالات کو کنٹرول میں لانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں تو کیا ممکن نہیں کہ اکثریتی فرقہ کے بلوائیوں اور پی۔ اے۔ سی کی تباہ کاریوں سے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے حکومت پہلے ہی سے موثر اقدام کرے اور مرکزی فورسز کی تعیناتی کا بروقت اہتمام کرے جن کی موجودگی میں مسلمانوں کو عدم تحفظ کا خطرناک احساس نہیں ہوتا بلکہ خوف و ہراس کا ماحول پہلے سے چھایا ہوتا ہے تو ان فورسز کی تعیناتی کے بعد ختم ہونے لگتا ہے، یہ بات غور طلب ہے اور خود حکومت کی توجہ کی طالب ہے کہ مرکزی فورس (سی آر پی ایف یا بی ایس ایف) پر اقلیت کا اعتماد قائم ہے جبکہ صوبائی فورس (پی۔ اے۔ سی) سے اقلیتی فرقہ کا اعتماد اٹھ چکا ہے جبکہ دونوں ہی فورسز زیادہ تر بلکہ تقریبًا پورے طور پر اکثریتی فرقے کے لوگوں پر ہی مشتمل ہیں۔

یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ تقریبًا ہر فرقہ وارانہ فساد کے دوران پی۔ اے۔ سی کی غلط کارکردگی اور مسلمانوں کے خلاف اسکی یکطرفہ کاروائی سامنے آنے کے بعد حکومت فسادات سے نپٹنے کے لئے مخصوص فورس کی ضرورت کا اعادہ کرتی ہے اور اس کے قیام کے لئے جوش و خروش دکھاتی ہے، لیکن جیسے جیسے فسادات کی آگ مدھم ہوتی جاتی ہے اسپیشل فورس کے لئے حکومت کا جوش و خروش بھی سرد پڑتا جاتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کی فورس کے قیام کے لئے حکومت کی جانب سے بار بار ارادہ کا اظہار رسمی اعلان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ عجیب المیہ ہے کہ مسلمانوں کے تئیں پی۔ اے۔ سی کے رویہ کے خلاف مسلسل شکایات کے باوجود حکومت ان کے سدباب کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھاتی، اور آزمائے ہوئے کو آزمانے کی تکلیف دہ کہانی دہراتی رہتی ہے۔

ذرائع ابلاغ

ذرائع ابلاغ (ٹی وی۔ ریڈیو۔ پریس) کا عوام سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ کسی مسئلہ کو صحیح یا غلط ڈھنگ سے پیش کرکے وہ تعمیری رول ادا کرسکتے ہیں اور تخریبی بھی۔ جمہوری نظام حکومت میں وہ نہ صرف جمہوری قدروں کے نگراں و محافظ بلکہ معاشرہ میں اچھی روایات کے فروغ کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔ پرامن حالات سے زیادہ بگڑے ہوئے حالات میں ان کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ لیکن کم از کم علی گڑھ کے حالیہ فساد کے سیاق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کارکردگی بہت زیادہ صحتمند اور اطمینان بخش نہیں رہی ہے۔ ایک طرف ٹی وی و ریڈیو تھے جو فسادات اور ان کے نتائج کے بارے میں صحیح صورتحال کی وضاحت کے بجائے حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے لوٹ مار کا سلسلہ جاری ہو، فساد میں مہلوکین اور زخمیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے اس کے باوجود حالات کو پرسکون بتایا جاتا یا زیادہ سے زیادہ "کشیدہ لیکن قابو میں" ظاہر کیا جاتا، فساد میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں ٹی وی یا ریڈیو کے بیان سے متعلق عام تاثر کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ کم سے کم اس کو تین سے ضرب کر لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ دوسرے ملکوں کی خبریں سننے میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔ دوسری طرف مقامی و غیر مقامی کچھ ہندی اخبارات تھے جو اشتعال انگیز رپورٹوں، بے بنیاد خبروں اور مبالغہ آمیز واقعات کے ذریعہ اقلیتی فرقہ کے خلاف نفرت وعداوت کے جذبات ابھارتے رہے جس کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور بڑھتی رہی اور جانی و مالی تباہی جاری رہی، افسوس کہ فساد کے دوران یہاں انگریزی اخبارات کا سرکولیشن ۸-۹ روز تک موقوف رہا اس لئے حالیہ فساد کے سیاق میں ان کی خبررسانی یا رپورٹنگ کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان کے بارے میں مجموعی تاثر یہی ہے کہ ان کی رپورٹ بالعموم محتاط رہتی ہے اور ان کے یہاں مسلمانوں کے تئیں نفرت وعداوت پھیلانے کا وہ رویہ نہیں پایا جاتا جو یوپی کے کچھ اخبارات کا خاصہ بن چکا ہے۔

یہ ہندی اخبارات اس لحاظ سے مفید کہے جا سکتے ہیں کہ ان کے ذریعہ مقامی تازہ خبریں، واقعات کی جزئی تفصیلات اور دیہات کے اندرونی حصوں تک میں رونما ہونے والے حادثات کی اطلاعات مل جاتی ہیں، لیکن ان کی غلط بیانی، حد سے زیادہ مبالغہ آرائی

اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی فسادات کے موقع پر اس درجہ بڑھ جاتی ہیں کہ وہ فرقہ وارانہ کشیدگی کی چنگاری کو انگارہ بنا دیتی ہیں۔ موجودہ فساد کے دوران بعض ہندی اخبارات میں چھپی جس خبر نے فرقہ وارانہ تشدد کو بڑھاوا دینے اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات برانگیختہ کرنے میں سب سے اہم رول ادا کیا وہ مسلم یونیورسٹی کے جواہر لال نہرو میڈیکل کالج سے متعلق تھی اور وہ یہ کہ بلوائیوں نے میڈیکل کالج پر حملہ کیا اور

زیر علاج ہندو مریضوں پر حملہ کر دیا اور پچاس سے زیادہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد تھی جس کی یونیورسٹی نے تردید کی اور خود ضلع انتظامیہ نے بھی اپنے ذرائع سے اس کی تردید شائع کرائی۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف اشتعال پیدا کرنے میں اس خبر نے آگ پر تیل کا کام دیا، جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس خبر کی ہولناکی و تباہ کاری کا اعتراف یہاں دورہ کرنے والی سیاسی و اخباری ٹیموں نے بھی کیا ہے۔ مزید یہ کہ ہندی اخبارات نے اس خبر کو کسی نہ کسی صورت میں اپنے یہاں کئی روز تک جاری رکھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس خبر کو لے کر مسلم یونیورسٹی کو بدنام کرنے، یہاں کے متعلقین اور مسلمانوں کو ملعون و مطعون کرنے کی بھر پور کوشش کی گئی اور اعلیٰ پیمانہ پر اس واقعہ کی تحقیق کرانے کا مطالبہ ابھی تک جاری ہے۔ دوسری جانب اسی علی گڑھ میں اسٹیشن کے قریب گومتی اکسپریس پر مسلم مسافرین کو جن چن کر سفاکی و خونریزی کا نشانہ بنانے اور انسانیت کا جنازہ نکالنے کا جو سچا واقعہ پیش آیا۔ اس کے علاوہ اسی دوران اسی شہر میں مسلمانوں کے ساتھ وحشیانہ و بہیمانہ سلوک کے واقعات پیش آتے رہے جن میں بچوں، عورتوں و بوڑھوں کو بھی نہیں بخشا گیا، لیکن ان پر انہی اخبارات میں نہ تو کسی خاص غم و غصہ کا اظہار، نہ تو اس پر خبروں کا طویل سلسلہ، نہ تو مجرمین کو قرار واقعی سزا دینے کے مطالبات اور نہ جوڈیشل انکوائری کے لئے احتجاجی بیانات کی اشاعت جس ملک میں، انسانی جان کی حرمت و تقدس میں امتیاز و تفریق کا رویہ اختیار کیا جائے، اسے اکیسویں صدی میں داخل ہونے والا ملک کہیں گے یا کچھ اور۔ جس دیش میں معصوم بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کو بھی زندگی کی بھینٹ چڑھا دیا جائے اسے شانتی و اہنسا کا دیش کہیں گے یا کچھ اور۔

حیرت یہ ہے کہ ان ہندی اخباروں اور مقامی پریس کی اشتعال انگیزی اور فرقہ وارانہ کشیدگی کی حالت میں ان کے منفی رول کی جانب حکومت کو بار بار توجہ دلائی جاتی ہے اور حکومت کو خود اپنے ذرائع سے اس کی اطلاع ملتی رہتی تھی۔ مزید براں ۳۰ اکتوبر و ۲ نومبر کو ایودھیا میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اس قبیل کے اخبارات کی غلط رپورٹنگ کا خمیازہ صوبائی حکومت کو بھی بھگتنا پڑا۔ لیکن ان سب کے باوجود حکومت ان اخبارات کے خلاف کوئی سخت قدم نہیں اٹھاتی کہ یہ پریس کی آزادی کے ناجائز استعمال سے باز آجائیں اور بے بنیاد خبروں اور متعصبانہ رپورٹوں کے ذریعہ امن و امان کو غارت کرنے کے رویہ کو ترک کردیں۔ اس سے زیادہ حیرتناک بات یہ ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران مرکزی و صوبائی حکومت اور ضلع انتظامیہ بار بار عوام سے یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ افواہوں پر دھیان نہ دیں اور مزید براں اس عزم کا اعادہ کرتی رہتی ہے کہ افواہیں پھیلانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ لیکن ان اخباروں کے خلاف کارروائی میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہے جو غلط بے بنیاد خبروں کی صورت میں سب سے زیادہ خطرناک و نقصان دہ افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تار تار کرتے رہتے ہیں۔ کسی شخص یا چند اشخاص کے ذریعہ پھیلائی جانے والی افواہیں کسی محلہ، علاقہ، شہر یا گاؤں تک محدود رہتی ہیں اور اخبار کے ذریعہ پھیلائی جانے والی افواہیں ہزاروں و لاکھوں لوگوں تک پہنچتی ہیں تو سوچیے یہ کتنے لوگوں کے ذہنوں کو مسموم اور دلوں کو برانگیختہ کرتی ہونگی۔ اس لئے حکومت کو ان اخباری افواہوں پر قدغن لگانے کی جانب خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ہندی اخبارات کو چھوڑ دیجئے فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر مسلم اقلیت کے تئیں نیشنل میڈیا بالخصوص ٹی وی اور ریڈیو کا رول پوری طرح منصفانہ نظر نہیں آتا۔ وہی ریڈیو و ٹی وی جو فسادات کی خبریں دینے میں ضرورت سے زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں مسلمانوں کے علاقہ میں یا ان کی جانب سے رونما ہونے والے معمولی واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں بعض اوقات ان کی یہ احتیاط باقی نہیں رہتی۔ اس کی ایک تازہ مثال یہ ہے کہ علی گڑھ میں اسی حالیہ فساد کے دوران ایک دن آل انڈیا ریڈیو نے صبح سے شام تک کئی بلیٹن میں یہ خبر نشر کی کہ مسلم یونیورسٹی کے قریب ایک پولیس چوکی پر حملہ کیا گیا اور پی۔ اے۔ سی کے دو جوانوں کو چھرا گھونپ دیا گیا۔

اول تو اس خبر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ دوسرے اسے انداز و سیاق میں نشر کیا گیا کہ اس سے مسلم یونیورسٹی کا اس واقعہ میں ملوث ہونا صاف ظاہر ہوتا تھا، گرچہ اس خبر میں بتایا نہیں گیا تھا کہ حملہ آور کون تھے لیکن اسے سن کر ان کے بارے میں کسی نتیجہ تک پہنچنا مشکل نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ فسادات کے دوران مسلمانوں پر جو ظلم و زیادتی ہے اور ان کو جس جانی و مالی تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر اس کے خلاف سیاست و حکومت سے تعلق رکھنے والے مسلم لیڈران یا ملت کے رہنما احتجاج کرتے ہیں یا مسلمانوں کی شکایتوں کے ازالہ کے لئے حکومتی سطح پر کوئی کوشش کرتے ہیں تو ٹی وی و ریڈیو اپنی خبری نشریات کے لئے قابل توجہ نہیں سمجھتے، ابھی فساد کی اسی حالیہ لہر کے دوران دہلی میں مسلم رہنماؤں نے انفرادی یا اجتماعی طور پر جو کچھ آواز بلند کی یا وزیر اعظم کی رہائش گاہ پر دھرنا دیا اس کی کوئی خبر ریڈیو پر نہیں آئی، سابق وزیر داخلہ مفتی محمد سعید اور ان کے ساتھ بعض دوسرے سیاسی رہنماؤں کو فساد زدہ علاقہ کا دورہ کرنے کے لئے علی گڑھ شہر میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ ٹی وی و ریڈیو پر بھی اس خبر کا بلیک آؤٹ رہا۔ جب کہ اسی دوران دوسرے سیاسی لیڈروں کی علی گڑھ آمد اور ان کے تاثرات کی رپورٹیں نشر کی جاتی رہیں۔ اسی طرح سابق مرکزی وزیر عارف محمد خاں ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور اس کے بھیانک نتائج کے خلاف کئی روز تک احتجاجی بھوک ہڑتال جاری رکھی لیکن آل انڈیا ریڈیو اس کے شروع ہونے کے تیسرے روز اپنی خبری نشریات میں اسے جگہ پائی۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ دوسرے ملکوں کی ریڈیو سے مذکورہ واقعات کی خبریں بروقت نشر ہوئیں۔ دوسری طرف اسی ٹی وی و ریڈیو کی فراخدلی کا یہ عالم ہے کہ شری ایل کے اڈوانی جی کا شاید ہی کوئی ایسا پبلک بیان ہو (چاہے وہ مسلمانوں کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو) جو ان کے نیوز بلیٹن کا حصہ نہ بنتا ہو۔ اکتوبر میں ان کی رتھ یاترا کے دوران اس کی منزل بہ منزل سرگرمیوں کی تفصیلات، ان کی پبلک میٹنگ اور تقریروں کی رپورٹیں ریڈیو ٹی وی نے کمنٹری کے انداز میں نشر کیں اور آج کل جس پابندی سے ایودھیا میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کئے جانے کے لئے ستیہ گرہ اور کار سیوکوں کی گرفتاری کی خبریں روزانہ دو دو تین تین بار نشر ہوتی ہیں اسے سن کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سیکولر ہندوستان کا

ٹی وی یا ریڈیو بول رہا ہے ۔ حکومت بار بار یہ بانگ دہل یہ اعلان کرتی رہتی ہے کہ میڈیا بالخصوص ٹی وی و ریڈیو آزاد و خود مختار ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی نشریات میں حکومت کے موقف یا نقطۂ نظر کی ترجمانی ہی غالب رہتی ہے ۔ اسی بابری مسجد کے سلسلہ میں ادھر دو سال کے عرصہ میں کئی بار بعض علماء اور مسلم رہنما کے بیانات کو توڑ مروڑ کر اس انداز سے نشر کیا گیا کہ ان سے حکومت کے موقف یا کسی اقوام کی تائید ظاہر ہو اور ستم بالائے ستم یہ کہ جب مسلم رہنماؤں سے غلط طور سے منسوب کسی بیان کی تردید جاری کی جاتی ہے تو اس کی نشر و اشاعت میں دلچسپی نہیں لی جاتی ۔ اس لئے کہ اس سے ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ حکومت کا وقار بھی مجروح ہوتا نظر آتا ہے ۔ یہاں یہ ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا کہ ٹی وی و ریڈیو ایسے بیانات کی تردید میں ذرا بھی تاخیر و غفلت سے کام نہیں لیتی جن سے کسی وزیر ممبر پارلیمنٹ یا کسی لیڈر کا سیاسی محاذ خطرہ میں نظر آتا ہو یا ان کی پبلک امیج ڈاؤن ہوتی ہو لیکن ایسی خبروں کی بر وقت تردید نشر کرنے میں توجہ نہیں دی جاتی جو عوام کے کسی طبقہ کے لئے نقصان دہ یا ان کی حیرانی و پریشانی کا باعث ہوں ۔ مثال کے طور پر علی گڑھ کے حالیہ فساد کے دوران ہی ایک روز آل انڈیا ریڈیو نے رات سے صبح تک کئی ایک نیوز بلیٹن میں یہ خبر نشر کی کہ مسلم یونیورسٹی غیر متعینہ مدت تک کے لئے بند کر دی گئی ہے اور طلبہ کو ہوسٹل خالی کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے ۔ اس خبر سے یونیورسٹی کو جو نقصان پہونچا اس سے قطع نظر اسے سن کر طلبہ و طالبات کے والدین اور اعزا و اقربا کس قدر تشویش و حیرانی میں مبتلا ہوئے ہوں گے بیان سے باہر ہے اس لئے اس وقت یوپی کے کئی شہروں و قصبوں کے علاوہ آندھرا پردیش و گجرات کے کچھ علاقے بھی فرقہ وارانہ کشیدگی سے بری طرح متاثر تھے اور مزید یہ کہ اس سے چند ہی روز قبل علی گڑھ میں گومتی پر المناک و دردناک حادثہ پیش آیا ۔ اس خبر کے نشر ہونے کے بعد ہی یونیورسٹی انتظامیہ نے اس کی تردید دہلی میں نشر و اشاعت کے متعلقہ محکمہ کو بھیج دی تھی ۔ لیکن اس خبر سے ہونے والے نقصان کے تئیں ریڈیو کی حساسیت کو دیکھئے کہ اس کے دو روز بعد پہلی خبر کے غلط ہونے کا حوالہ دیئے بغیر ایک نئی خبر کی صورت میں یہ اعلان نشر کیا کہ مسلم یونیورسٹی میں ٹیچنگ سسپنڈ کر دی گئی ہے لیکن طلبہ کو یہ اجازت ہے کہ وہ ہوسٹل میں مقیم رہیں ۔ مزید طرفہ تماشا یہ کہ یہ دوسری خبر صرف ۔

ایک بار اور وہ بھی انگریزی بلیٹن میں دی گئی۔

مذکورہ بالا معروف ذرائع ابلاغ کے علاوہ نشر و اشاعت کے کچھ اور بھی ذرائع ہیں جو انفرادی یا اجتماعی طور پر استعمال میں آتے ہیں۔ ان میں لاؤڈ اسپیکر، ٹیپ ریکارڈ، آڈیو ویژل اور ویڈیو کیسیٹ ذکر کئے جا سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ادھر کچھ عرصہ سے ہندوؤں کی بعض فرقہ پرست پارٹیاں اور انتہا پسند تنظیمیں بالخصوص بی جے پی، وشو ہندو پریشد، آر ایس ایس اور بجرنگ دل نشر و اشاعت کے ان سائنٹفک طریقوں کو مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات بھڑکانے کے لئے استعمال میں پوری طرح مصروف ہیں۔ ان کی جانب سے عہد وسطیٰ کی تاریخ، بابری مسجد کی تعمیر اور ایودھیا کے واقعات سے متعلق گمراہ کن و اشتعال انگیز ویڈیو کیسیٹ کی تیاری اور ان میں دکھانے و سنانے کا سلسلہ بہت زور و شور سے جاری ہے ان کا استعمال نہ صرف گھروں و کمروں تک محدود رہتا ہے بلکہ کھلے عام گلی کوچوں، سڑکوں، بازاروں اور پبلک مقامات پر بھی انھیں سپلے کیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد تخریبی ہوتا ہے، اس لئے انھیں سن کر اور دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف عداوت و نفرت و انتقام کے جذبات کا برانگیختہ ہونا بدیہی ہے، اور خود مسلمانوں میں غم و غصہ کے احساسات کا ابھرنا کوئی تعجب خیز نہیں، اگر ادھر دو تین مہینہ کے اندر ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھڑکنے والے ہندو مسلم فسادات کے اسباب و عوامل کی غیر جانبدارانہ طور پر چھان بین کی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے اور نفرت و عداوت کی فضا پروان چڑھانے میں ان زہر آلود کیسٹ کا کتنا اہم رول رہا ہے۔ لیکن ان کے خطرناک اثرات کے ظاہر ہونے اور ان کی جانب توجہ دلانے کے باوجود حکومت نہ تو ان پر پابندی عائد کرتی ہے اور نہ اس کی جانب سے ان کے استعمال کرنے والوں کے خلاف کوئی سخت کاروائی سامنے آتی ہے، خود علی گڑھ شہر کے بارے میں یہ خبر ہے کہ حالیہ فساد سے پہلے ان زہر آلود کیسٹ کے ذریعہ اشتعال انگیزی کی جانب ضلع انتظامیہ کی توجہ مبذول کرائی گئی تھی، لیکن ضلع حکام نے اس کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔ ہوتا یہ ہے کہ جب یہ کیسٹ فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا ہے تو مقامی انتظامیہ کہیں کہیں جاگتی ہے اور ان کی روک تھام کے لئے اقدام کرتی ہے جو طلب

بات یہ ہے کہ پیش بندی اور احتیاط کے طور پر حکومت اس طرح کا امتناعی قدم پہلے کیوں نہیں اٹھاتی اور جب تک نتائج سامنے آنے کے بعد ہی کیوں اس کی مشنری حرکت میں آتی ہے کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ حکومت اس نوع کی پابندیاں عائد کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ فسادات شروع ہونے کے بعد مقامی انتظامیہ بعض شہروں میں ایسا کہ اس بار علی گڑھ میں بھی ہوا) عبادت گاہوں لاؤڈ اسپیکر و مائک کے استعمال پر پابندی لگا دیتی ہے جس کی زد میں مسجد میں پنج وقتہ نماز کے وقت مائک سے اذانیں بھی آجاتی ہیں۔ پتہ نہیں حکومت کی کون سی خفیہ ایجنسی جسے فسادات کے شروع ہونے کے بعد مساجد سے بلند ہونے والی اذانوں یا دوسری عبادت گاہوں سے اٹھنے والی صداؤں میں نقص امن کا خطرہ نظر آتا ہے اور وہ کیسٹ جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی تار تار کر کے فسادات کے لئے گراؤنڈ تیار کرتے ہیں ان میں امن و شانتی کا پیغام سنائی دیتا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ کے حالیہ فساد کا ایک نہایت افسوسناک اور تلخ پہلو یہ ہے کہ اس دوران یونیورسٹی کیمپس میں ماحول کو خراب کرنے، یونیورسٹی کے آس پاس کے علاقہ میں رونما ہونے والے تشدد کے کچھ واقعات کا طلبہ کو ذمہ دار قرار دینے اور اس عظیم درسگاہ کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش وسیع پیمانہ پر کی گئی، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ معصوم اور بالکل بے گناہ ہیں لیکن یونیورسٹی کے آس پاس کے بازار یا آبادی میں جو بھی ہنگامہ ہوا یا تشدد کے واقعات پیش آئیں ان سب کو یونیورسٹی کے طلبہ کے کھاتہ میں ڈال دینا نہ تو منصفانہ ہے اور نہ حقیقت پسندانہ بلکہ یونیورسٹی کو بدنام کرنے اور اسے نقصان پہونچانے کے ناپاک منصوبہ کا ایک حصہ ہے جسمیں فرقہ پرست تنظیموں اور ان کے ہم نواؤں کے علاوہ مقامی ہندی اخبارات بھی شریک رہتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ خطرناک پروپیگنڈہ یہ ہے کہ شہر میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا رشتہ یونیورسٹی سے جوڑا جاتا ہے اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یونیورسٹی شہر میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے پنپنے و بڑھنے کا ذریعہ بنتی ہے اور یہ کہ یہ ادارہ مسلم فرقہ واریت کا گڑھ ہے۔ یونیورسٹی مخالف عناصر کی جانب سے اس طرح کی گھناؤنی مہم کوئی تعجب خیز بات نہیں لیکن حیرت۔

اس وقت ہوتی ہے جب ضلع انتظامیہ غالباً شہر میں امن وامان کی بحالی میں اپنی ناکامی کو چھپانے کے لئے یونیورسٹی کو فساد کے بڑھنے کا ذریعہ بتانے لگتی ہے اور اسے بند کرانے کی انتھک کوشش شروع کر دیتی ہے، جیسا کہ اسی فساد کے دوران سابق ضلع مجسٹریٹ کے زمانہ میں پیش آیا۔ جب مختلف سطح سے کوشش کے باوجود اسمیں کامیابی نہ ہوئی تو یونیورسٹی انتظامیہ کی مرضی کے بغیر یکطرفہ طور پر ٹی وی وریڈیو کے ذریعہ یہ خبر نشر کرادی گئی کہ یونیورسٹی غیر متعینہ مدت کے لئے بند ہوگئی ہے جس کے نقصانات کی وضاحت اوپر کی جاچکی ہے۔

عام حالات میں یونیورسٹی بدنام کرنے کے جو بھی اسباب ہوں ان سے قطع نظر خاص فسادات کے موقع پر اس شائی یونیورسٹی کو بدنام کرنے کی جو مہم چلائی جاتی ہے وہ غالباً اس جرم وقصور کی وجہ سے کہ یونیورسٹی برادری شہر میں فساد سے متاثرہ افراد (جن میں اکثریت اقلیتی فرقہ کی ہوتی ہے) کی راحت رسانی کرتی ہے اور بلوائیوں و دنگائیوں کے حملہ کے نتیجہ میں زخموں سے چور چور اور دم توڑتے ہوئے لوگوں کو طبی امداد فراہم کرتی ہے۔ ظاہر ہے اس کے لئے میڈیکل کالج کی ایمبولنس کام آتی ہے اور زخمیوں کے علاج ومعالجہ اور دیکھ بھال میں کالج کے ڈاکٹر، معاون اسٹاف اور دیگر عملہ کے لوگ اپنی بے مثال خدمات پیش کرتے ہیں، ایسے موقع پر یونیورسٹی کے اساتذہ، طلبہ اور غیر تدریسی عملہ کے لوگ بھی فسادزدہ افراد کی راحت رسانی اور ظلم وستم کے مارے ہوئے لوگوں کی امداد واعانت میں دریغ نہیں کرتے۔ افسوس صد افسوس کہ انسانی قدروں کی پاسداری اور اخلاقی تقاضوں کی تکمیل کو بھی فرقہ پرستی کا نام دیا جاتا ہے اور اسے فساد کے فروغ کا ذریعہ کہا جاتا ہے۔ حد تو ہے کہ اس بار فساد کے دوران یونیورسٹی میڈیکل کالج کی ایمبولنس کے بارے میں یہ الزام بھی لگایا گیا اور اخباروں کے ذریعہ اس کا خوب چرچا کیا گیا کہ یہ طبی امداد کے بہانے شہر میں ہتھیار سپلائی کرتی ہے اسی پر بس نہیں بلکہ انسانیت کے منہ پر طمانچہ مارنے والا یہ واقعہ بھی اسی شہر میں پیش آیا کہ ایک روز پی۔ اے۔ سی کے انسان نما درندوں نے میڈیکل ایمبولنس کے ڈرائیور کو بری طرح مارا پیٹا اور اس کے ساتھ طبی امداد لے جانے والے طالب علم کو جسمانی وذہنی طور پر شرمسار کیا۔ حقیقت یہ کہ کسی ایک شخص پر نہیں بلکہ دکھتی ہوئی انسانیت پر پولیس کی بربریت کی ایک واضح مثال ہے۔

فرقہ پرست عناصر کی جانب سے مسلم یونیورسٹی کے خلاف زبانی و اخباری یلغار اس کے پرسکون ماحول کو درہم برہم کرنے کی سازشیں اور آس پاس تعینات پی۔ اے سی کی اشتعال انگیز حرکات کے باوجود یونیورسٹی کیمپس میں جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رہی وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔ اس دوران یہاں مختلف پارٹیوں، تنظیموں اور پریس کی ٹیموں کے تاثرات کے علاوہ اس کے سب بڑے شاہد یونیورسٹی متعلقین میں اکثریتی فرقہ کے لوگ بالخصوص وہ حضرات ہیں جو اس دوران کیمپس میں موجود رہے۔ یہاں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یونیورسٹی میں اس خوشگوار فضا کو برقرار رکھنے، خوف و ہراس کی بھیانک فضا میں یونیورسٹی میں اکثریتی و اقلیتی دونوں فرقہ کے لوگوں میں تحفظ و اعتماد کا احساس قائم رکھنے اور کرفیو کے طویل وقفہ میں یونیورسٹی برادری کو ہر ممکن امداد بہم پہونچانے میں محترم وائس چانسلر پروفیسر محمد نسیم فاروقی صاحب نے جو انتھک کوشش کی اور بے لوث خدمات انجام دیں ان کی جس قدر تحسین کی جائے کم ہے اور اس اہم اور نیک کام میں یونیورسٹی انتظامیہ کے علاوہ طلبہ و اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ نے انھیں جو تعاون دیا وہ بھی قابل قدر اور لائق انشال ہے۔

یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حالیہ فساد کے دوران یونیورسٹی کیمپس کے ماحول کو خراب کرنے اور اسے نقصان پہونچانے کی بھرپور کوشش کی گئی اور آس پاس کے علاقہ میں رونما ہونے والے اکا دکا واقعات کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا۔ قریب کے علاقہ میں پی۔ اے سی کی تعیناتی نے فضا کو اور زیادہ کشیدہ بنا دیا اور ماحول کو خوف و ہراس سے پُر کر دیا۔ ان سب واقعات کا اختتام اس مہم پر ہوا کہ یونیورسٹی کو بند کرا دیا جائے اور طلبہ سے ہوسٹل خالی کرا لیا جائے۔ اس سنگین صورت حال سے نپٹنے اور یونیورسٹی کو نقصان سے بچانے کے لئے وائس چانسلر صاحب نے بے مثال جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، مرکزی و صوبائی حکومتوں سے مسلسل رابطہ قائم رکھا اور انھیں یہاں کی صورت حال سے باخبر کرتے رہے تاکہ یونیورسٹی مخالف عناصر کی سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ان سب کے علاوہ یونیورسٹی کے آس پاس مرکزی فورسز کی تعیناتی اور ان کی مسلسل دو گس گشت کی وجہ سے یونیورسٹی برادری اور عوام میں تحفظ و اعتماد کی جو فضا بحال ہوئی اس میں بھی کافی حد تک شیخ الجامعہ کی کوششوں کی کارفرمائی رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

اقلیتی فرقہ کے لوگوں کی جانب سے وائس چانسلر صاحب کے ان مستحسن اقدامات کی تعریف وتحسین سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اکثریتی فرقہ کے جو لوگ اس فساد کے دوران کیمپس میں موجود رہے اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہے وہ آگے آئیں اور یونیورسٹی کی شاندار روایات اور ان کی برقراری کے لئے موجودہ وائس چانسلر صاحب کی خدمات کو منظر عام پر لائیں تاکہ ان حضرات کی آنکھیں کھل جائیں جو فرقہ پرستی و تعصب کی عینک لگا کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو فرقہ پرستی کا گڑھ قرار دینے، وائس چانسلر کو پاکستانی ایجنٹ اور میڈیکل کالج کی ایمبولنس کو پاکستانی ہتھیاروں کا سپلائزر کہنے میں ذرا بھی شرم نہیں محسوس کرتے۔

علی گڑھ کے حالیہ فساد کے سیاق میں اوپر بیان کئے گئے تاثرات ومشاہدات کے ساتھ ساتھ آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ مسئلہ صرف علی گڑھ کے مسلمانوں اور مسلم یونیورسٹی کا نہیں ہے بلکہ فرقہ وارانہ فسادات کے طویل سلسلہ اور کے بھیانک نتائج نے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو اپنے جان ومال وعزت کے تحفظ کے لئے متفکر وحساس بنا دیا ہے خاص طور سے ان حالات میں جبکہ بار بار کے فسادات نے ہمیں اس نتیجہ تک پہونچا دیا ہے کہ مرکز یا صوبہ میں کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات کی لعنت اور جانی ومالی تباہی سے چھٹکارا نہیں، ادھر تقریباً دو سال کے عرصہ میں مرکز اور مختلف صوبوں میں وقفہ وقفہ سے مختلف پارٹیوں کی حکومت رہی کسی کی حکومت میں انھیں میرٹھ وبھاگلپور کے دل دہلانے والے واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور کسی کے زیر اقتدار گونڈہ، بجنور وجے پور کے تباہ کن فسادات کا سوغات ملا اور کسی کے انتظام کے تحت انھیں حیدر، احمدآباد، گنج ڈنڈوارا، علی گڑھ، جہانگیرپور، خورجہ کانپور وآگرہ میں جانی ومالی تباہی کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے، ان تجربات کی روشنی میں کسی بھی پارٹی کے نمائندہ، رہنما یا حکمراں کو مسلمانوں کا مسیحا اور ان کے دکھ درد کا درماں سمجھنا دانشمندی نہ ہوگا۔

موجودہ صورتحال میں ان کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ونصرت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور انفرادی واجتماعی طور پر دفاعی قوت کو مضبوط کریں۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ حکومت کو اقلیتوں کے تحفظ کے تئیں اس کے فرائض کی بار بار یاددہانی کراتے رہیں اور ہمادران وطن کے سامنے بھی اس

(بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

کویت کے کچھ اسلامی اور فلاحی ادارے اور تنظیمیں

عربی سے ترجمہ :- عبداللہ مدنی

جس طرح سعودی عربیہ میں رابطہ عالم اسلامی اور کئی دوسرے ادارے پوری دنیا میں تعلیمی اور فلاحی کاموں میں مالی اور عملی تعاون کرتے رہے ہیں، اسی طرح کویت میں بھی تقریباً دس بارہ ادارے اور تنظیمیں ایسی ہیں جو تعلیمی اور فلاحی کاموں میں پوری دلچسپی لیتی رہی ہیں۔ ان میں چار جمعیتیں اور تنظیمیں بہت ممتاز رہی ہیں، ہم عصر مجلہ محدث نے ان کی تفصیل دی ہے، جس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

بیت الزکاۃ

۱۷ ہزار یتیموں کی کفالت، اور ۵۰۰ زیر تکمیل پروجیکٹ۔

ان اداروں میں سب سے اہم ادارہ ہے، جو مختلف ملکوں کے ۱۷ ہزار سے زیادہ یتیموں کی کفالت کرتا ہے، ان کے کھانے پینے، پہننے، رہنے اور علاج ومعالجہ اور تعلیم کی ساری ذمہ داری اس ادارہ کے ذمہ ہے۔ نیز عالم اسلام میں ۵۰۰ سے زیادہ دوسرے اہم تعلیم، تبلیغ، غرباء ومساکین اور یتیموں کی دیکھ بھال، اور صحت وطب کے اداروں کے کلی یا جزئی پروگراموں میں بھی، یہ ادارہ اپنا تعاون پیش کرتا ہے۔ عراقی حملہ آوروں کے ظالمانہ ہاتھ اگر اس ادارہ تک پہونچ گئے تو یہ سارے پروگرام ٹھپ ہو جائیں گے۔

تعلیم وتربیت کے میدان میں اس ادارے سے ہزاروں طلبہ وظیفہ پاتے ہیں (جو دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں، اور جن میں کویتی اور غیر کویتی سب شامل ہیں) اس وقت ان سارے بچوں کی تعلیم خطرے میں ہے۔ صرف گذشتہ تین ماہ میں اس ادارہ نے مقبوضہ فلسطین کے اسرائیل کے اندر اور باہر رہنے والے طلبہ پر ڈھائی لاکھ ڈالر صرف کئے ہیں، یہ رقم اس رقم کے علاوہ ہے جو لجنۃ کفالۃ الیتیم (ادارۂ کفالت ایتام) ۵ لاکھ ڈالر سالانہ خرچ کرتی ہے۔

جریدہ المسلمون نے ایک رپورٹ میں شائع کیا ہے کہ بیت الزکاۃ نے مقبوضہ فلسطین میں تین ماہ کے اندر چار لاکھ ڈالر فقراء اور مساکین اور مظلومین کی دادرسی کے شعبہ میں صرف کئے

ہیں۔ نیز بیت لحم میں اسپتالوں اور مرغی فارموں کے لئے تین لاکھ ڈالر صرف کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ادارے نے بیمار اور اپاہج فلسطینیوں کے فنڈ میں گذشتہ تین ماہ میں ۶ لاکھ ۰۰ ہزار ڈالر کی خطیر رقم بھیجی ہے۔

الہیئۃ الخیریۃ الاسلامیہ العالمیۃ (ادارہ عالمی اسلامی فلاح وبہبود)

اسلامی امور ومعالات اور عام انسانی مسائل سے متعلق یہ بہت بڑا عالمی ادارہ تھا جس کے لئے عالم اسلام کے بہترین دماغ کام کر رہے تھے اس ادارے نے عالمی اسلامی دعوت وتبلیغ والے پروگراموں میں بڑھ چڑھکر حصہ لیا ہے، فلسطین، لبنان اور اردن کے مسلمانوں کو تعاون دیا ہے افریقہ کے قحط زدہ علاقوں کو سیراب کیا ہے، پاکستان، ہندوستان، کشمیر اور افغانستان کو بھی نوازا ہے۔ وسط ایشیاء اور سوویت یونین کے مسلمانوں کو تہذیبی، ثقافتی تعاون پیش کیا ہے ان ممالک کے مسلمان اس وقت اس تعاون کا انتہائی بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔

جمہوریہ چین میں ادارے کے مختلف منصوبے زیر تکمیل تھے جو اس انتظار میں ہیں کہ کس طرح بقیہ تعاون ملے اور یہ منصوبے پایۂ تکمیل کو پہونچ جائیں۔ اس ادارے کے افریقہ میں متعدد منصوبے تھے جیسے زیر تکمیل منصوبے یوگنڈا میں عقیل سنٹر (مرکز العقیل) اور یوگنڈا کی مساجد (مسجد کاویجی کمپالا میں) مسجد بومبو وغیرہ التوار وتوقف کا شکار ہیں۔ ادارے نے زامبیا میں تین ملین ڈالر سے زیادہ خرچ کرکے مدارس، شفاخانے اور تربیتی ادارے بنوائے ہیں۔

سوڈان میں خرطوم، مدینۃ النیل، اور شمالیہ میں ۳۳ مدرسوں کی تعمیر ہوئی، جن میں سوا دو ملین ڈالر کی خطیر رقم صرف ہوئی، شمالی سوڈان میں دس اسپتال کی تعمیر پر دو لاکھ چالیس ہزار ڈالر خرچ کئے گئے، اور دوسرے ضرورت مند علاقوں میں بڑے پیمانے پر غذا کی تقسیم کا انتظام کیا گیا، اس وقت یہ سارے پروگرام بھی معرض خطر میں ہیں۔

جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی

جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی اس کا شمار کویت کے نہایت ہی اہم فلاحی اسلامی اداروں میں ہوتا ہے جس کی خدمات کا دائرہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس ادارہ کی اہم خدمات میں سے اس کا افغانستان کے مجاہدین کی

خدمت ہے، اس کی ایک ذیلی شاخ لجنۃ الدعوۃ الاسلامیہ پشاور میں ہے جس کے چار مستقل اسپتال ہیں ۔

الفوزان ہاسپٹل ۔ القصیمی ہاسپٹل ۔ اعظم ہاسپٹل ۔ الغزالی ہاسپٹل

اس کے علاوہ ۱۲ طبی ادارے ہیں جن میں ۱۸۰ بیڈ کا انتظام ہے

فوزان ہاسپٹل پشاور کا بہت اہم اسپتال ہے جو خصوصی طور پر افغان مجاہدین اور مہاجرین کی دیکھ بھال کرتا ہے جس میں مختلف آپریشن روم اور دوسری طبی سہولیات موجود ہیں اور جس میں بڑے بڑے آپریشن کئے جاتے ہیں، صحیح معنوں میں یہ ایک فوجی اسپتال ہے، اس اسپتال میں بہت سارے زخمی مہاجرین کا علاج ہوتا ہے، جو شفایاب کے فوراً بعد دوبارہ راہ خدا میں جہاد کے لئے پھر اپنے فوجی ٹھکانوں پر چلے جاتے ہیں ۔

جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی | یہ ادارہ ۱۹۸۱ء میں قائم ہوا تھا۔ اس جمعیۃ کے صدر شیخ خالد سلطان بن عیسیٰ ہیں انھوں نے جمعیۃ کے کاموں کی جو رپورٹ دی ہے اس کا اجمالی خاکہ یہ ہے۔

اس کے تقریباً آٹھ شعبے ہیں جو مختلف طبقات اور علمی کاموں کیلئے مخصوص ہیں ۔

(۱) ۵۰۰ سے زائد مساجد کی تعمیر (۲) ۱۰۷ سے زائد اسلامی مراکز کا قیام (۳) مختلف درجات کے ۱۰۰ سے زیادہ مدارس کی تعمیر (۴) تمام ضروریات سے آراستہ ہاسپٹل کی تعمیر (۵) ۲۹ سے زیادہ ہیلتھ سنٹر کا قیام (۶) افریقہ وایشیاء میں ۴۵۰ سے زائد کنوؤں کی کھدائی (۷) فقہ وتفسیر وعقیدہ کی کتابوں پر مشتمل ۳۰۰ سے زائد لائبریریوں کی تقسیم (۸) تقریباً ۴ ہزار جوڑے ملبوسات کی تقسیم (۹) مختلف ممالک میں ۲۵۰ دعاۃ ومبلغین کی تعیین (۱۰) مختلف زبانوں میں ۸ لاکھ سے زیادہ کتابوں کی توزیع (۱۱) متعدد غریب اسلامی ملکوں میں ۱۲۰۰ قربانی کے جانوروں کی تقسیم ۔

جمعیت کی بعض ذیلی کمیٹیاں اور فروعی ادارے حسب ذیل ہیں ۔

۱ ــ اللجنۃ الرئیسیۃ للزکوۃ والصدقات (صدقات وزکوٰۃ کی مرکزی کمیٹی)

اصحاب ثروت حضرات سے زکوۃ وصدقات کے اموال اکٹھا کرنا اور ضرورتمندوں میں تقسیم کرنا اس کمیٹی کی ذمہ داری تھی ۔

۲ ــ لجنۃ مساندۃ الافغان (افغان اعانت کی کمیٹی)

(بقیہ صفحہ ۶۲ پر)

الرشاد کی ڈاک

۲۳؍۱؍۹۱ء محترمی و مکرمی مولانا مجیب اللہ ندوی

مدیر ماہنامہ "الرشاد" جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے ..... ملتِ اسلامیہ کو درپیش مختلف مسائل پر آپ کا بے باکانہ اظہار خیال اور ان کے حل کے لئے آپ کی جانب سے قلمی جہاد کے ساتھ عملی کوششیں بڑی قابل قدر اور ملت کے جملہ افراد بالخصوص علماء کے لئے لائق امتثال ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ اس راہ کی آزمائشوں حتیٰ کہ قید وبند کی صعوبتوں کا سامنا کرنے میں آپ جس ثبات واستقلال کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ بھی قابل اتباع ہے۔

فرقہ وارانہ فسادات اور ان کے تباہ کن نتائج خواہ وہ ملک کے کسی بھی حصہ میں رونما ہوں احساسات وجذبات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں اور جب اس طرح کے واقعات بہت قریب میں پیش آئیں تو لازمی طور پر دل ودماغ کے تاروں کو بکھیر دیتے ہیں۔ اس خط کے ساتھ مرسلہ تحریر اسی قسم کے ماحول کی پیداوار ہے اور یہ اس وقت مکمل ہوئی تھی جب دسمبر ۹۰ء کے دوسرے ہفتہ میں علی گڑھ اور بعض دوسرے شہر وقصبات فرقہ وارانہ کشیدگی اور تشدد کے واقعات سے بری طرح دوچار تھے اگرچہ اسے بہت تاخیر سے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں اور اس میں لکھی ہوئی بہت سی باتیں پرانی ہو چکی ہیں تاہم تاثرات ونتائج کے اعتبار سے ان کی معنویت تو غالباً ابھی برقرار ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس تحریر کو "الرشاد" کے صفحات میں جگہ دے دیں گے۔

یہاں کی نسبت سے ایک تازہ افسوسناک خبر یہ ہے کہ پرسوں ۸؍جنوری کو دوپہر میں سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی اور ممتاز عالم وفقیہ مولانا محمد تقی امینی صاحب رحلت فرما گئے، خدائے تعالیٰ انھیں غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر کی قوت عطا فرمائے۔

دعاؤں کے لئے خصوصی درخواست کیساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ والسلام

والسلام ڈاکٹر ظفرالاسلام (صاحب)
شعبۂ علوم الاسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مکرمی سلام مسنون ۱۸-۱-۹۰

ہندستانی مسلمانوں کو صحیح سمت میں لے کر چلنے والے مسلم لیڈر کون کون سے ہیں! شاید ذوق کے ساتھ جواب دینا بہت مشکل ہے۔ ہیں ہی نہیں!

لیڈری کا دعویٰ کرنے والے سیاسی اشخاص بھی ہیں اور مذہبی اصحاب بھی۔ دونوں گروہوں میں جس چیز کا فقدان ہے وہ ہے سماجی خدمت اور سماجی کام گاری کا اشد نفوذ۔

غور و فکر سے کام لینے پر ہم بآسانی یہ بات صاف اور عیاں طور پر دوسرے گروہوں کے لیڈروں اور راہبروں میں بدرجۂ اتم پاتے ہیں۔ ان کا سیاسی مذہبی اثر اپنے گروہ پر چاہے کم ہو سماجی تعلق اور ربط و وابستگی اپنے گروہ سے بہت ہوا کرتے ہیں، وہ کون سی وجوہ ہیں کہ مسلم لیڈرشپ سماجی خدمات اپنے گروہ ہی میں کرنے میں عار محسوس کرتی ہے! جواب سیدھا سا ہے کہ یہاں معاملہ" میں تو خواص سے ہوں" والا ہے، پیغمبروں نے عوام کے پاس جا کر خدمات کی تھیں، پیغام ربانی دیا تھا، ہمارے چارہ گر اور اپنے منہ میاں مٹھو بنے خواص صاحبان چاہتے ہیں کہ عوام ہمارے پاس آئیں اور ہماری بڑائی کو تسلیم کریں۔ کوئی صدیقؓ، کوئی عمرؓ و عثمانؓ اور علیؓ کے نقشِ قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔

نبی اُمی کے اُسوۂ حسنہ کی دہائی دینے والے اپنے گھر، علاقے، حلقے، خانقاہ، آفس وغیرہ میں رہ کر کام کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ رہنمائی کرے۔ والسلام (جناب) ابوعاصم محسن (صاحب)
لکچرار (انگریزی)، بہرائچ

۱۵ر جنوری ۱۹۹۱ء مکرمی و محترمی جناب ماموں جان

السلام علیکم۔ الرشاد سے 'پس دیوارِ زنداں' کا تفصیلی حال معلوم ہوا جس چیز نے آپ میں 'تعجب' کا احساس پیدا کیا۔ اسی نے مجھ میں "فخر"۔ آپ نے عجب کو دبایا۔ میں نے فخر کو ابھارا۔ ایک چیز کے بیک وقت دو اثرات مرتب ہوئے۔

مدرسوں کی لاچار، مجبور اور بیمار دنیا میں آپ نے اور عمار نے ایک صحت مند علامت کی نشاندہی کی۔ یوں تو مولوی صاحبان مسائل حاضرہ سے سطحی دلچسپی رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے دینی مسائل دوسرے یعنی اہل دنیا والے حل کریں، جدوجہد کریں، خون بہائیں اور کامیابی کے نذرانے انھیں پیش کریں۔ خود یہ حضرات دوامی نقاب اوڑھے رہتے ہیں تاکہ انھیں کوئی دیکھ نہ سکے۔ پس پردۂ چلمن رہنا ان کا شعار بن چکا ہے۔ آپ کی جرأتِ رندانہ خاندان میں جلالی تاریخ کا بھی دخل ہے جہاں بزدلی حرام ہے۔ آپ کا

منیر عالم (صاحب) الہ آباد

مخدومی و مکرمی زید مجدکم، دامت فیوضکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے ــــ الرشاد کے نومبر کا شمارہ موصول ہوا۔ حسب معمول پہلے رشحات پڑھا۔ اور اکتوبر تک ہندوستان کے حالات کے بارے میں بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی۔ رشحات میں ہندوستانی حالات پر آپ کا تبصرہ، تجزیہ اور مشورہ اپنے دل کی بات لگتی ہے۔ اسی وجہ سے جونہی رسالہ یہاں ملتا ہے۔ میرے دوست واحباب اس کو پہلے سے لیتے ہیں اور میری نوبت بعد میں آتی ہے۔ مگر میری مجبوری یہ ہے رسالہ پورے سال میں دو ایک بار ہی بھولے بھٹکے سے پہونچ پاتا ہے کیونکہ میرا پتہ ہی ناقص ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ان ممالک میں بغیر پوسٹ بکس نمبر کے کوئی ڈاک نہیں پہونچ سکتی۔ اس سے پہلے خود حاضر ہوکر اصلاح کرا چکا ہوں، کئی بار خط میں ذکر کیا ہے مگر بھیجنے والوں کی توجہ اس کی طرف نہیں ہوتی۔ پتہ کا تراشا خط کے ہمراہ منسلک ہے تاکہ اندازہ ہو سکے۔

بہت دنوں سے عریضہ پیش کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر توفیق ہی نہیں ہو پاتی۔ اب اس خط کو دیکھئے جس دن پرچہ ملا، اس میں آپ کی اور عمار میاں کی گرفتاری کی خبر پڑھکر ایک تحریک پیدا ہوئی اور مندرجہ بالا سطور لکھا۔ مگر پھر قلم رُکا تو تقریباً ایک ماہ کے بعد اس کو اٹھا کر دیکھنا نصیب ہوا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو بیدار کرنے اور ان کو سازشوں سے آگاہ کرنے کی جو مہم آپ نے چلا رکھی ہے اس میں دار و رسن تو آنی ہی ہے۔ چاہے جس معیار اور سطح کی آئے۔ میں اس موقع سے افسوس کے کلمات پیش کرنے کے بجائے مبارکباد پیش کرنے کی جرأت کروں گا کہ علماء حق

کی طرح آپ کو اس راہ پر چلنے کا موقع ملا۔ قید و بند ہر حال میں قید و بند ہے۔ اس خیال سے دل کو صدمہ بھی پہونچا۔ مگر پھر اس رسالہ میں قلم سے لکھی ہوئی رہائی کی خبر سے دل کو اطمینان بھی ہوا۔

اس وقت ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو ہوا چار چھ ماہ سے چل رہی ہے وہ بہت ہی خطرناک ہے تمام علماء و زعماء کی ذمہ داری ہے کہ مل بیٹھیں اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی کشتی کو اس ہوا کی تباہی سے بچانے کی کوشش کریں ـــــ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے شر کو اکثر و بیشتر ہندو سمجھتے ہیں۔ مگر ذہنوں کو مسموم کرنے اور مسلم دشمنی کو ہوا دینے کی کوشش پورے زور و شور سے جاری ہے۔ ہندوستان تو ہندوستان ہے۔ یہاں امارات میں اور میرا اندازہ ہے کہ خلیج میں بلکہ جہاں جہاں بھی یہ مشرک و احسان فراموش قوم آباد ہے، ہر جگہ وشو ہندو پریشد اور آر ایس ایس کے لیڈروں کی زہر میں بجھی ہوئی اور آگ برساتی ہوئی تقریروں کی کیسٹ سنے اور سنائے جا رہے ہیں۔ بابری مسجد پر بلوائیوں کے حملہ اور ان پر پولس فائرنگ، پھر وہاں زخمی ہونے والے اور مرنے والے بلوائیوں کے وڈیو کیسٹ گھر گھر عام ہے اور بچہ بچہ دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد ان کا جو ذہن بن رہا ہے وہ ظاہر ہے ـــــ مسلمان ملکوں میں یہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر بلکہ عیش کرنا۔ یہاں کا نمک کھا کر بھی ان کے ذہنوں میں سوائے زہر کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہاں عربوں نے اپنی بقا کے لئے جو تھوڑی بہت قانونی بندشیں لگا رکھی ہیں ان کو وہ کینہ و نفرت کی نظر سے ہی دیکھتے ہیں۔ کیونکہ ان بندشوں کی وجہ سے جونک بن کر ایک ایک قطرہ خون کو چوس لینے کا موقع ان ہنیوں کو نہیں مل رہا ہے۔ جو کہ ان کی فطرت بھی ہے اور تاریخ بھی۔

کویت پر عراقی حملہ اور تسلط سے یہاں کی زندگی میں بہت زیادہ اثر پڑا ہے۔ کاروبار بری طرح متاثر ہوا ہے اور بنیادی طور پر یہ بھی ایک تجارتی مرکز ہے اس [illegible] سے زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا اثر پڑنا لازمی ہے۔ پہلے خوف و دہشت کا ماحول تھا مگر جوں جوں معاملہ طول پکڑتا جا رہا ہے، یہ صورت حال تو کم ہو رہی ہے مگر یقین و بےیقینی کا ماحول ہے۔ اگر اثر نہیں پڑا ہے تو یہاں کے لہو و لعب اور فسق و فجور کے اڈوں پر۔ خدائی مار کی تنبیہ بھی ان کو ہوشیار نہیں کر پا رہی ہے۔ آج کل یہاں وڈیو پر صدام حسین کے ان مظالم کی داستان جگہ جگہ دکھائی جا رہی ہے۔ جو اس نے صلاح الدین ایوبی کے وطن پیدائش کردستان کے علاقہ میں کردی مسلمانوں پر کیمیائی ادویہ

کے ذریعہ کیا تھا۔ ویڈیو کیسٹ کے علاوہ تصویری کتابچہ میں شائع کئے گئے ہیں۔ آج جبکہ اس نے ایک عرب ملک کی پیٹھ پر چھرا گھونپ دیا ہے تو ان کو ہوش آیا ہے ورنہ جب یہ واقعہ ہوا تھا، اس وقت ایران اور ترکی نے دنیا کی توجہ اس کی طرف دلائی تھی اس وقت یہی کہا کرتے تھے محض عراق کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔ جس کو کھلا پلا کر موٹا کیا آج خود ان پہ غرار ہا ہے تو غیروں کی طرف نظر کرم کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ ابھی دوسروں کی حکومیت سے نکلے ہوئے نصف صدی بھی نہیں گذری کہ خود ہی اپنے آپ کو دوسروں کے زیر تسلط دے دیا۔ یہود و نصاریٰ جن کے اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن ہونے کا قرآنی فیصلہ ہے۔ آج ان کو اپنے دوست نظر آرہے ہیں۔ جن کے ہاتھوں آج عالم اسلام کا یہ حال ہے انھیں کے مگرمچھ کے آنسو ان کو محبت و ہمدردی کے انمول موتی نظر آرہے ہیں ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب　　اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

ابھی کویت کا مسئلہ جوں کا توں پڑا ہے۔ حل کے کوئی آثار نظر نہیں آئے مگر امریکہ کے وزیر خارجہ کا بیان قابل تنبیہ ہے کہ کسی دوسری جارحیت کے پیش نظر خلیج سے امریکی فوج کے ہٹنے کا ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ویسے بھی سرطان کے پنجے گڑ چکے ہیں۔ اب کون سی طاقت ہے جو ان کو یہاں سے ہٹا سکے اگر طاقت ہوتی تو دعوت ہی کیوں دیتے ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے　　ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

مگر یہاں مرگ مفاجات تو نہیں۔ محکومی و غلامی کی ذلت بھری طویل زندگی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ویسے آج کل ان ممالک میں ٹیلی ویژن کے اسکرین پر بڑی جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شاید یہ اسی طرح جنگ جیتنا چاہتے ہیں۔ یا پھر شطرنج کی بساط پر جس کا آج کل یہاں بڑا زور ہے اور حکومتی سطح پر حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ یا ہو سکتا ہے لہو و لعب اور رقص و سرور کے پروگراموں میں یا اونچی اونچی فلک بوس عمارتوں میں اپنی حفاظت تلاش کریں۔ جن کی سرگرمیاں ان حالات میں بھی کم نہیں ہوئی ہیں۔ اور طاؤس و رباب آخر" کا پورا نقشہ موجود ہے۔ بہرحال دیکھئے ۱۵ ارجنوری کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اگرچہ مسئلہ کے حل ہونے کی کوئی توقع نظر نہیں آتی۔ کیونکہ مسئلہ کے حل ہونے میں بڑی طاقتوں کا نقصان ہے۔ چاہے وہ

ان سے حل ہوا جنگ سے رہ گئی بات عربوں کی تو کس کمیت کے مالک ہیں۔ عراق کی طرف سے سب سے زیادہ ڈر اس کے کیمیائی ہتھیاروں سے ہے۔ جس کی کئی قسمیں اس کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں۔ اپنے ملک میں آزمانے سے وہ نہیں چوکا تو دوسروں پر استعمال کرنے کیا دریغ کرے گا۔ سرحدوں پر خندقیں کھود کر تیل کے ٹینکر ذخیرے کر دیئے ہیں۔ تاکہ بوقت ضرورت ان خندقوں میں تیل بہاکر آگ لگا دی جائے اور آگ کا ایک سمندر حائل کر دیا جائے۔ اسے کاش وہاں کی یہ ساری تیاریاں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہوتیں۔ مگر خدائی فیصلہ کے مطابق بداعمالیوں کی سزا کے لئے انھیں کے ایک ظالم کو ان پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

میں بیٹھا تھا آپ کو خط لکھنے اور بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔ یہ باتیں کرنی تھی نہیں۔ خواہ مخواہ میں نے اتنی خامہ فرسائی کر ڈالی۔ خیر اس پر بس کرتا ہوں۔

والسلام آپ کا طالب دعا

یکم جنوری ۱۹۹۱ء ـــــــــــ حبیب اللہ ندوی (صاحب) دبئی

بقیہ : ـــــــ علی گڑھ کا حالیہ فساد

حقیقت کو بے نقاب کرتے رہیں کہ مختلف فرقہ کے لوگوں کے مابین ہم آہنگی امن وامان کی برقراری ہی میں ملک کی فلاح وبہبود مضمر ہے۔ لیکن مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں اور اس تعلق کی مضبوطی کے لئے قرآن وسنت کو رہنما بنائیں، اس لئے کہ اس کی توفیق کے بغیر ظاہری وسائل کا کارگر ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی نصرت وتائید کے بغیر کسی مسئلہ کا حل ممکن ہے۔ (اللہ الموفق وھو المستعان)

بقیہ : ـ کویت کے کچھ اسلامی اور فلاحی ادارے

یہ کمیٹی جمعیت کی اہم اور فعال کمیٹیوں میں سے ایک ہے جو افغان مہاجرین کی ہر طرح امداد کرتی ان کے لئے مالی اعانت دوائیں، خوراک ملبوسات فراہم کرتی تھی، مساجد کی تعمیر اور کنوؤں کی کھدائی کا کام کرتی تھی اب تک اس نے ۹۵ کنوؤں کی کھدائی، اور ۸ مساجد کی تعمیر مکمل کیا تھا، ان کے لئے ۴۲ خیموں کا جنریٹر اور دوسرے سازوسامان کے ساتھ بندوبست کیا تھا۔

MARCH
APRIL
1991

ماہنامہ

جامعۃ

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد ۔ اعظم گڈھ ۔ یوپی

M.ALI.MAU

جامعۃ الرشاد

ایک نظر میں

مکرم حضرات!

جامعۃ الرشاد محض ایک دینی درسگاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے۔

یہاں دینی علوم کی معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت جدید علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بے بہرہ نہیں رہتے۔ گویا یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ یہ ادارہ بہت سے ملی کاموں کا بھی مرکز ہے نہ صرف ضلع بلکہ مشرقی اضلاع میں اس وقت جتنے ملی کام ہو رہے ہیں ان کا مرکز یہی ہے۔

تعلیم و تربیت

(۱) صرف و نحو اور عربی ادب و انشاء پر شروع سے زور دیا جاتا ہے تاکہ طلباء کو عربی تقریر و تحریر پر پوری قدرت ہو جائے۔

(۲) فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر کی معیاری تعلیم تیسرے درجہ تک جاری رہتی ہے۔ یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کے لئے عربی درجات کے پہلے ابتدائی تین سالوں میں ہر طالب علم کو سورہ حجرات سے ختم قرآن تک مع تجوید حفظ کرنا ضروری ہے (۳)، جامعۃ الرشاد کا نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم و تربیت اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے تفصیل کے لئے مقاصد، خصوصیات اور نصاب تعلیم اور "جامعۃ الرشاد ایک نظر میں" والے کتابچوں کا مطالعہ کریں۔

(۵) معیاری تعلیم کے ساتھ طلبہ میں زیادہ سے زیادہ علم دین کا ذوق، عمل کا جذبہ، اسلامی اخلاق و کردار کی خوبی ایمان و یقین کی کیفیت اور دعوت دین اور اتباع سنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ ان

سالانہ چندہ
ہندستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت :
فی پرچہ ۴/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۵ ر امریکی ڈالر
15/-

جلد ۱۸ مارچ، اپریل سنہ ۱۹۹۰ء بمطابق رمضان، شوال سنہ ۱۴۱۱ھ شمارہ ۳-۴

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ	جناب عبدالجبار محمد حسین شرارہ	۷
۳۔ حدیث خلابہ اور فقہی اجتہادات	جناب ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صاحب صدیقی	۲۲
۴۔ الرد علی المنطقیین	امام ابن تیمیہؒ کی ایک نادر کتاب	۳۲
۵۔ قرآن کریم کا فلسفۂ انسانیت	جناب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی علیگ	۴۵
۶۔ انتفاضہ — جدوجہد کی مختصر داستان	" توقیر عالم صاحب فلاحی علی گڑھ	۵۲
۷۔ الرشاد کی ڈاک، نئی کتابیں	مرتب	۵۸

مجلس ادارت

منیجر توسیع اشاعت: مولوی عقیل احمد صاحب ندوی
کتابت :- خورشید احمد خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

رشحات

عراق اور اتحادی ملکوں کی جنگ ختم ہوگئی اور کویت عراق کی گرفت سے آزاد ہوگیا دوسرے الفاظ میں اب وہ پہلے سے زیادہ مغربی طاقتوں کے زیر اثر آگیا مگر ابھی جنگ کا خمار باقی ہے امید ہے کہ کچھ دنوں میں یہ خمار بھی اتر جائے گا البتہ اس جنگ کے عوامل اور اس کے ختم ہونے کے بعد جو سیاسی نتائج مرتب ہونے کے امکانات ہیں ان پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔

راقم الحروف نے فروری سنہ ۱۹۹۱ء کے پرچہ میں موجودہ جنگ کے عوامل اور اس کے نتائج پر قدرے تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی تھی اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے

اس سے پہلے جو دو بڑی جنگیں سنہ ۱۹۱۴ء تا سنہ ۱۹۱۸ء، سنہ ۱۹۳۹ء تا سنہ ۱۹۴۵ء کے درمیان ہوئیں ان دونوں میں میدان جنگ یورپ اور دوسری میں یورپ کے ساتھ مشرق بعید کا کچھ حصہ بنا اس لئے دوسری جنگ کے اختتام کے بعد ہی سے روس، امریکہ اور دوسری مغربی طاقتیں اس کوشش میں تھیں کہ اگلی عالمی جنگ کا میدان ایشیا اور مشرق وسطیٰ بنے، ویت نام کی جنگ، کوریا کی آویزش، ہندوستان پاکستان کی جنگ، افغانستان پر روس کی یورش اور پھر ایران و عراق کی جنگ یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں لیکن اس کے اثرات محدود رہے، اور وہ عالمگیر جنگ کی صورت اختیار نہ کر سکیں مگر اب عراق کے کویت پر حملہ کو بہانہ بنا کر تمام مغربی ملکوں کی مشترکہ

فوجوں کے حملے کے بعد اب یہ جنگ عالمگیر جنگ میں تبدیل ہوگئی ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ یو۔این۔او جو عالمی انصاف کا ادارہ کہا جارہا ہے اس کی تائید سے ایسا ہورہا ہے۔

امریکہ اور مغربی طاقتوں کے اس جنگی منصوبہ بندی کے کئی محرکات ہیں ایک طرف دوسری جنگ عظیم کے بعد ایشیاء اور مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک اور خاص طور پر مسلم ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہوگئے۔ وہ سب مل کر ان کو ایک بڑی طاقت نظر آنے لگے جو ان کے لئے قابل برداشت نہیں دوسری طرف عرب ملکوں میں پٹرول کی دریافت سے ان کی اقتصادی حیثیت اتنی اچھی ہوگئی کہ مغربی ممالک بھی بڑی حد تک ان کے دست نگر بن گئے تیسری طرف اس میں ایک نظریاتی اور مذہبی عصبیت بھی کارفرما ہے جس کے کچھ گہرے تاریخی عوامل بھی ہیں اور کچھ حال کی صورتحال بھی

اس کے تاریخی عوامل اور اسباب کو سمجھنے کے لئے صلیبی جنگ میں عیسائی دنیا کی شکست اور اس سے پہلے مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کی سیاسی کشمکش کی پوری تاریخ پر نظر ڈالنی ہوگی یہودی اور عیسائی دنیا پر اس کے اثرات کا کچھ اندازہ ہم سابق وزیراعظم برطانیہ جارج لائڈ اور سابق صدر امریکہ نکسن کے ان بیانات سے لگا سکتے ہیں جو انھوں نے برطانوی پارلیمنٹ[۲] میں دئے تھے جارج Lolayel نے پارلیمنٹ میں قرآن کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے کہا تھا کہ "ہم کو کسی اور طاقت سے نہیں اصل خطرہ اس کتاب سے ہے"۔ اسی طرح نکسن نے کہا تھا کہ "ہم کو کمیونزم سے کوئی خطرہ نہیں ہے ہم کو اصل خطرہ اسلام سے ہے"۔ کاش ہمارے اسلامی ممالک کے سربراہ اور دوسرے راہنما ان مذہبی عصبیت کے تاریخی عوامل کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

اس وقت دنیا کی غیر مسلم حکومتوں کی ساری ریشہ دوانیاں اسی ذہنیت کے ارد گرد گھوم رہی ہیں اور وہ مسلمان ملکوں کی اقتصادی اور دفاعی طاقت سے اتنا خائف نہیں ہیں۔

جتنا کہ اسلام کے پھیلاؤ سے خائف ہیں وہ یہ محسوس کررہی ہیں کہ اسلام کے نظریہ کے پھیلاؤ کے ساتھ اگر ان کی دفاعی طاقت بھی مستحکم ہوگئی تو یہ دنیا کی ناقابل تسخیر بڑی طاقت بن جائیگی اس لئے وہ چاہتی ہیں کہ اس کا موقع آنے سے پہلے مسلمانوں کی سیاسی اور اقتصادی طاقت کو چور چور کردیا جائے۔

راقم الحروف کے نزدیک اس جنگ سے جن نتائج کے نکلنے کے امکانات ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) شاہی عرب حکومتوں نے جس طرح اپنے عوام کو عیش پسند بنا کر سیاسی شعور اور ملی حمیت سے دور کرکے ایک طرح سے مفلوج کردیا تھا امید ہے کہ اس کے بعد ان کے اندر زبردست تبدیلی آئے گی اور مجاہدانہ سخت کوشی اور سیاسی شعور کے جذبات بیدار ہوں گے۔

(۲) دنیا کے عام مسلمانوں اور مسلمان حکومتوں کے ذمہ داروں کے ذہن میں یہ بات بھی ضرور آگئی ہوگی کہ مغربی طاقتیں ہمیشہ انھیں کو آلہ کار بنا کر ایک دوسرے کو تباہ کرتی رہی ہیں اس جنگ نے اس پہلو کو بالکل واضح کردیا ہے، اس لئے شاید کوئی مسلم حکومت یہ تاریخی غلطی پھر نہ دہرائے اور ایک مضبوط اتحاد کی کوئی نئی صورت پیدا ہو۔

(۳) عراقی حکومت نے کمیونسٹ بلاک سے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں وہ ایک فیصد بھی پوری نہیں ہوئیں، ان کے ذریعہ نہ تو جنگ میں کوئی مدد ہوئی اور نہ یو۔این۔ او میں فوجی ہم جوئی کے ریزرویشن کے سلسلہ میں اس بلاک نے کوئی سرگرمی دکھائی چین نے غیر جانبدار رہنا پسند کیا اور روس نے موافقت میں ووٹ دیا کیا اتنے اہم معاملہ میں یہ ویٹو نہیں کرسکتے تھے؟ شام کا طرز عمل جو رہا ہے اس سے دنیا واقف ہے جنگ کے بعد بھی روس امریکہ کی تجویز کی تائید کرکے اور خاموشی اختیار کرکے عراق کو مزید نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس کے برخلاف ساری دنیا کے مسلمان عوام نے عراق کو ہر طرح کی اخلاقی طاقت بہم پہنچائی، اور مسلم حکومتوں میں بھی ایران اور اردن نے بڑی حد تک

اپنا فریضہ پورا کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ عراق کی مدافعانہ جنگی صلاحیت کے ساتھ اس جنگ میں مسلمانوں کی عوامی رائے عامہ ہی اس کا سب سے بڑا اخلاقی سہارا بنی۔ اس لئے امید ہے کہ عراقی حکومت نہ صرف اس اسلامی جذبہ کی قدر کرے گی بلکہ اپنے سابق سیکولر طرز فکر سے دور رہ کر اسلامی قدروں کو اپنے لئے راہنما بنائے گی۔

(۴) شاہی حکومتوں نے جس طرح پورے پورے ملک کو اپنی ذاتی جائداد بنا لیا ہے اور ان لوگوں کی ذاتی دولت ملک کی قومی دولت سے بھی بڑھی ہوئی ہے، عوامی بیداری سے اس میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آنی لازمی ہے۔

(۵) فلسطینیوں، عرب ملکوں کے مقبوضہ علاقے اور بیت المقدس وغیرہ مسائل کے جلد حل ہونے کے بھی آثار دکھائی دے رہے ہیں جیسا کہ برطانیہ اور امریکہ کے ذمہ دار کہنے لگے ہیں۔

(۶) پچھلے مہینے راقم الحروف نے عرض کیا تھا کہ ایشیا، افریقہ اور میڈل ایسٹ کے ممالک خاص طور پر مسلم ممالک کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ یو۔این۔او کے ڈھانچہ میں کچھ بنیادی تبدیلیوں کے ساتھ ویٹو کے اختیارات ختم کر دیئے جائیں اگر ایسا نہ ہو سکے تو ان سب کو پھر ایک نئے بین الاقوامی ادارہ کی بنیاد ڈال دینی چاہیئے، جیسا کہ عارف ہندی علامہ اقبالؒ نے آج سے ساٹھ برس پہلے کہا تھا کہ اب جنیوا کے بجائے تہران کو بین الاقوامی مرکز ہونا چاہیئے، اس کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے ہیں، ضرورت ہے کہ ساری دنیا کے مسلم راہنما اس سلسلہ میں ایشیا اور مشرق وسطیٰ کی حکومتوں کے سربراہوں کو اس تجویز کو بروئے کار لانے پر پورا زور دیں۔

[illegible] • طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا • شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے

جس اسباب کی بنا پر سابق لیگ آف نیشن دوسری جنگ شروع ہوتے ہی ختم ہو گئی تھی اسی طرح اس جنگ نے یہ ثابت کر دیا کہ اب یہ ادارہ امریکہ کا باجگذار بن کر رہ گیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اب تک یہ ادارہ کمزوروں کو اور زیادہ کمزور بنانے اور نئے نئے مسائل پیدا کرنے کا ذریعہ اور بڑی طاقتوں کے لئے ظلم کرنے کا پیش خیمہ بنا ہے اس ادارہ کی ابتدا ایک ایسے غلط ریزولیشن سے ہوئی تھی جو آج نہ صرف مشرق وسطیٰ کے لئے بلکہ پورے

ایشیا کے لئے مسئلہ بنا ہوا ہے وہ یہ کہ یو-این-او میں سب سے پہلا ریزولیشن فلسطین کی تقسیم کا پاس ہوا جس کے تحت عربوں کے سینے پر ۱۹۴۸ء میں اسرائیلی حکومت قائم ہوئی اور لاکھوں فلسطینیوں کو بے گھر ہونا پڑا جو آج تک دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، کاش ایشیا اور افریقہ کے ممالک اور خاص طور پر مسلمان ممالک کے سربراہ اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

عراق کی شکست کے بعد یہ مسئلہ نہ صرف عرب ملکوں کے لئے بلکہ تمام مسلمان ملکوں کے لئے قابل غور ہے کہ عراق کے شکست سے مشرق وسطیٰ میں جو فوجی طاقت کا خلا پیدا ہوا ہے اسے کون پورا کرے ایک طرف مغربی ملکوں کی الگ الگ ریشہ دوانیاں شروع ہو گئی ہیں یا دوسری طرف سیکولر مزاج عرب حکومتوں اور ترکی نے اس خلا کو پورا کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی ہیں مگر کاش اس خلاء کے پر کرنے کے لئے خلیج کی وہ حکومتیں کوشش کرتیں جن کے نزدیک اسلامی قدروں کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، مگر اس میں سعودی عربیہ، متحدہ امارات کے ساتھ ایران اور پاکستان کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن ایران کی شمولیت میں بعض ملکوں کو امریکہ کی ناراضگی مول لینی پڑے گی جبکہ موجودہ حالات میں ان کے لئے مشکل ہو اس لئے کہ وہ اس کے حالیہ احسانات سے دبے ہوئے ہیں لیکن اگر ان کو اپنے اقتدار سے زیادہ اسلامی قدریں عزیز ہیں اور وہ سیکولر مزاج اور اسلام دشمن طاقتوں سے مستقبل میں اپنے ملک کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ جرأت کر کے آگے بڑھیں اور مسلکی اختلافات اور ذاتی مصلحتوں کو اس میں آڑے نہ آنے دیں۔ ورنہ پھر وہ اپنے ملکوں کو نہ تو مغربی دباؤ سے بچا سکیں گے اور نہ اسلامی قدروں کی پامالی سے

عبد الجبار محمد حسین شرارہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات

کا اردو ترجمہ

محمد اقبال انصاری ندوی، بدر جمال اعظمی

(۳)

دوسری رائے : حروف مقطعات سے اسم اعظم کی تالیف ہوتی ہے۔

علماء ومفسرین[۱] کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں وارد حروف مقطعات سے اسم اعظم کی تالیف ہوتی ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اسم اعظم کو کوئی نہیں سمجھ سکا، اسے بندوں سے پنہاں رکھا گیا ہے۔ اور بعض حضرات[۲] کا کہنا ہے کہ حروف مقطعات سے اسم اعظم کی تالیف صرف نبی یا امام کرسکتا ہے، اسم اعظم کے خواص میں سے ہے کہ اگر نبی اس کے ذریعہ خدا سے دعا کرے تو خدا اس کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی طلب پوری کرتا ہے۔

اس رائے نے اسی زمانے کے ایک محقق[۳] کو اس حد تک گمراہ کیا کہ وہ کہنے لگے کہ:

"حروف مقطعات اسمائے الہی کے رموز ہیں جن میں زبردست خواص کے حامل ایسے خفیہ اسرار پنہاں ہیں جو ستاروں کو ان کے محور پر گردش کراتے ہیں، اور نظام کائنات اور اصول ناموس میں ان کی کارفرمائی ہے، اول عالم کی تقدیر اور اگر دوسرے ستاروں پر بھی مخلوقات کا وجود ہے تو ان کی بھی تقدیر بنانے بگاڑنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔

---

[۱] الدر المنثور از امام سیوطی جلد ۱ ص ۲۳ اور فتح القدیر جلد ۱، ص ۲۱ [۲] الاتقان از سیوطی جلد ۱،
ص ۔۔ اور مجمع البیان از طبرسی جلد ۱ ص ۳۳ اور تفسیر قمی ص ۵۰۵ اور تفسیر صافی کاشانی
[۳] نظرات استشراقیہ از ڈاکٹر عبد الوہاب ص ۴۴

جن خوش نصیب حضرات کو قدرت نے ان اسرار کی معرفت کا کچھ حصہ بھی عطا فرمایا ہے وہ نظام عالم میں تصرف کا کچھ نہ کچھ حق رکھتے ہیں، اور تقدیر کو اہل تقدیر کے پاس بھیجنے اور نافذ کرتے ہیں تا خدا کے کسی نہ کسی حیثیت میں شریک و سہیم ہیں۔

اس رائے کے حاملین کے دلائل :- امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ :-

۱۔ امام سیوطیؒ[۱] نے نقل کیا ہے کہ : " ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ تخریج کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حروف مقطعات کے سلسلے میں فرمایا کہ " یہ اللہ کے اسم اعظم ہیں "۔

ابن حاتم نے سدی کے طریق سے تخریج کیا ہے کہ سدی کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی کہ : " الم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم اعظم ہے "۔

۲۔ امام قرطبیؒ[۲] نے ذکر کیا ہے کہ : حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ : " قرآن مجید میں وارد حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں مگر ہمیں اس کی تالیف کا علم نہیں "۔

۳۔ ڈاکٹر محمد غلاب[۳] کا استدلال کہ : " جب ہم حروف مقطعات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے لیکن ان کا سمجھنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان آیات میں سے ایک یہ ہے :-

حٰمٓ عٓسٓقٓ ، كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ...... الخ	حٰمٓ عٓسٓقٓ اسی طرح اللہ غالب حکیم تجھ تمہاری طرف اور تم سے پہلے گذرے ہوئے (رسولوں) کی طرف وحی کرتا ہے۔

(سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۱، ۲)

---

[۱] اتقان جلد ۲ ص ۹ [۲] الجامع لاحکام القرآن جلد ۱ ص ۱۵۵

[۳] نظرات استشراقیہ ص ۴۳ اور مابعد کے صفحات

اس آیت میں کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور وہ ہے "حٰمٓ عٓسٓقٓ" ہے جس کے اسرار اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء کو وحی فرمائے پھر اسے مثال قرار دیا کہ اسی پر دوسرے حروف مقطعات کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

اسی طرح آیت کریمہ "الٓمٓ ذلك الكتاب ... ..." میں لفظ "ذلك" سے اکثر مفسرین کے برخلاف "الٓمٓ" کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا اس کا مفہوم یوں ہوگا "ذلك سر الكتاب الذى لاريب فيه، أو أحد اسراره لا تحصى" (یعنی "الٓمٓ" اس کتاب کا راز ہے کہ جس کتاب میں کسی شک کی گنجائش نہیں، یا اس کتاب کے بیشمار اسرار میں سے ایک سر ہے)۔

اور اسی طرح آیات "يٰسٓ والقرآن الحكيم" "صٓ والقرآن ذى الذكر" "قٓ والقرآن المجيد" کی روح اور ان کے معانی و نصوص سے مکمل طور پر ہر پہلو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے اسمائے اعظم ہیں اور اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے قسم کھائے اور انھیں "القرآن الحكيم" "القرآن ذى الذكر" اور "القرآن المجيد" سے پہلے ذکر فرمائے، ظاہر ہے کہ قرآن سے پہلے جسے ذکر کیا جا سکتا ہے، وہ اللہ ہی کا نام ہو سکتا ہے۔

اس رائے کے حاملین سے ہم یوں بحث کریں گے :-

۱۔ امام سیوطیؒ نے ابن جریر سے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے، وہ خود انھیں کے بہت سے صحیح اسناد کے ساتھ مروی آثار سے ٹکراتی ہے۔

ابن ابی حاتم کی تخریج کردہ روایت جسے سدی کے واسطے سے امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے تو خود اس روایت کی زبان سے اس کے عدم صحت کا پتہ چلتا ہے، کیونکہ سدی نے ذکر کیا کہ انھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی، مگر پہنچانے والے کے سلسلے میں انھوں نے کچھ نہ بتایا کہ آخر وہ کون تھے؛ ظاہر ہے کہ یہ تدلیس ہے۔

۲۔ امام قرطبیؒ نے جو ذکر کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم ہیں۔" تو یہ روایت قابل اعتبار

نہیں، کیونکہ انھوں نے سند کا ذکر نہیں کیا۔ نیز حضرت علی و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی طرف سے منسوب روایت، دوسری روایتوں سے متعارض ہوا کرتی ہیں جنہیں ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں[1]، اور وہ مختلف طرق سے وارد ہوئی ہیں۔

۳۔ اس رائے کے حاملین کی مستدل بہار روایات اس لحاظ سے بھی ضعیف اور غیر معتبر ہو جاتی ہیں کہ عقل و منطق سے بھی ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن مجید میں ۲۹ جگہوں پر اسم اعظم کی تالیف کے لئے حروف مقطعات لائے جائیں، اور ان کی تالیف کسی کے بس میں نہ ہو۔ جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے پھر ان کے لانے سے فائدہ؟ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ان سے اسم اعظم کی تالیف صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں تو بھی کوئی معقول حکمت سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین رمز و معمہ ہیں، جس کی تردید ہم پیچھے کر چکے ہیں[2]۔ قرآن مجید تو تمام بنی نوع انسان کے لئے واضح اور بین ہدایت ہے جس کا مخاطب ہر فرد بشر ہے نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان رمز و معمہ۔

۴۔ ڈاکٹر محمد غلاب کا موقف ان کے استدلال کی روشنی میں اور بھی عجیب و غریب نظر آتا ہے، انھوں نے اپنے دعویٰ میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے۔ جن آیات کو انھوں نے اپنے موقف کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، ان کا مفہوم اکثر مفسرین اور علمائے لغت ان کے بیان کردہ مفہوم سے مختلف لیتے ہیں، ان کی یہ بات بھی سمجھ سے باہر ہے کہ "یہ تمام کی تمام (یعنی وہ آیتیں جنہیں انھوں نے پیش کیا ہے) اپنی روح معانی اور نصوص کے اعتبار سے مکمل طور پر ہر پہلو سے پتہ دیتی ہیں کہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسماء اعظم ہیں۔ اور اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے قسم کھائے، اور انھیں قرآن کے شروع میں جگہ دے ... الخ" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی بہت ساری مخلوقات اور ظواہر کونیہ کی

---

[1] ملاحظہ ہو دوسری فصل میں پہلی رائے کے دلائل پر مباحثہ

[2] ملاحظہ ہو دوسری فصل، پہلی رائے پر مباحثہ

بھی قسم کھائی ہے نیز قرآن مجید کا منہج ان کی اس رائے کے بھی برعکس ہے کہ: "منزلِ قرآن (یعنی اللہ) کے نام کے سوا کوئی کلمہ اس لائق نہیں کہ اسے قرآن مجید میں پہلے درج کیا جائے" کیونکہ قرآن مجید میں بہت ساری جگہوں پر بہت سارے اموراسم جلالت سے پہلے وارد ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد غلاب ان لوگوں کے ہمنوا ہیں جو حروف مقطعات کو اسماء الٰہی کے رموز مانتے ہیں جس کی تردید ہم اس سے مقام[1] پر کر چکے ہیں۔

تیسری رائے :	حروف مقطعات حساب جمّل[2] کے مطابق قوموں کی مدت بقا پر دلالت کرتے ہیں[3]

اس رائے کو طبری اور دیگر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اس رائے کے حاملین اپنی رائے کی دلیل میں ایک روایت پیش کرتے ہیں[3] جس کا نص ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

"ابو یاسر بن اخطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک دن گذرا، آپؐ سورۂ بقرہ کی آیت" الٓـمٓ. ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ "تلاوت فرما رہے تھے وہ اپنے بھائی حیی بن اخطب یہودی کے پاس آیا اور کہا: کیا آپ لوگوں کو کچھ پتہ ہے کہ میں نے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ چیز تلاوت کرتے ہوئے سنی جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائی ہے یعنی "الٓـمٓ ......" تو حیی بن اخطب اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے یہودیوں نے پوچھا کیا واقعی تم نے سنا ہے تو اس نے جواب دیا: ہاں۔ پس حیی بن اخطب یہودیوں کو لے کر حضورِ اقدس میں آیا اور کہا کہ:-

---

[1] فصل ثانی، پہلی رائے پر مباحثہ کی طرف رجوع کریں۔ [2] حساب جمّل یا اعداد ابجدی حسب ذیل ہیں۔

ابجد — ہوز — حطی — کلمن
۱، ۲، ۳، ۴ — ۵، ۶، ۷ — ۸، ۹، ۱۰ — ۲۰، ۳۰، ۴۰، ۵۰

سعفص — قرشت — ثخذ — ضظغ
۶۰، ۷۰، ۸۰، ۹۰ — ۱۰۰، ۲۰۰، ۳۰۰، ۴۰۰ — ۵۰۰، ۶۰۰، ۷۰۰ — ۸۰۰، ۹۰۰، ۱۰۰۰

[3] جامع البیان جلد ۱ ص ۹۲ اور مابعد کے صفحات۔ نیز مفاتیح الغیب جلد ۲ صفحہ ۵ اور درمنثور از سیوطی جلد ۱ ص ۳ ، اور اتقان جلد ۲ ص ۱۰ اور البرہان جلد ۱ صفحہ ۱۷۳

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیا ہم سے کسی نے ذکر نہیں کیا کہ آپ پر جو آیت کریمہ "الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ ......" نازل ہوئی ہے آپ اس کی تلاوت فرمارہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں، پھر ان لوگوں نے سوال کیا: کیا اسے حضرت جبرئیل خدا کے پاس سے لائے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں: ان لوگوں نے کہا: آپ سے قبل اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے، ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کے علاوہ کسی نبی کی مدتِ بادشاہت، یا ان کی امت کی عمر اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی ہو، پھر حیی بن اخطب نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: الف کا عدد ایک ہے، لام کا ۳۰، اور میم کا ۴۰ یہ سب مل کر اے ہوئے، کیا تم ایسے نبی کے دین میں داخل ہوگے کہ جس کی حکومت کا زمانہ اور جس کی امت کی عمر ۷۱ سال ہے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے پاس الٓمّٓ کے علاوہ بھی کچھ ہے، آپ نے فرمایا: ہاں: "الٓمّٓصٓ"[1] ہے، حیی نے کہا: یہ تو اور بھاری اور طویل ہے: الف کا عدد ایک ہے، لام کا ۳۰، میم کا ۴۰، اور صاد کا ۹۰ پس یہ سب ۱۶۱ ہوئے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! "الٓرٰ"[2] ابن اخطب نے کہا: یہ تو خدا کی قسم اور بھی بھاری اور طویل ہے، الف کا عدد ایک ہے، لام کا ۳۰، را کا ۲۰۰، ان سب کا مجموعہ ۲۳۱ ہوا، اور کہا کہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے علاوہ بھی کچھ ہے، آپ نے فرمایا: ہاں "الٓمّٓرٰ"[3] تو اس نے کہا کہ یہ تو اور بھی زیادہ بھاری اور طویل ہے، الف کا عدد ایک ہے، لام کا ۳۰ میم کا ۴۰، اور را کا ۲۰۰ ہیں یہ سب ۲۷۱ سال ہوئے، پھر اس نے کہا کہ: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا معاملہ ہمارے لئے گڈمڈ ہو گیا، ہمیں نہیں پتہ چل رہا ہے کہ آپ کو کم زمانہ ملا یا زیادہ، پھر یہ لوگ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے، اور ابو یاسر بن اخطب نے اپنے بھائی حیی بن اخطب اور اس کے ساتھی علماء یہود سے کہا: کہیں ایسا تو نہیں کہ تمام مدتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع کر دی گئی ہوں یعنی ۷۱ + ۱۶۱ + ۲۳۱ + ۲۷۱ = ۷۳۴،

---

[1] الاعراف: ۱ [2] یونس، ہود، یوسف [3] الرعد

تو ان یہودیوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ہمارے لئے چیستان بن گیا۔[1]

جو لوگ اس کی تائید کے حق میں ہیں کہ: "حروف مقطعات مدتہائے معلومہ پر دلالت کرتے ہیں"۔ ان میں ایک ابن الزملکانی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حروفِ مقطعات کی ایک مخصوص شان ہے، جو دوسرے حروف کو حاصل نہیں ..... چنانچہ بعض ائمہ مغرب نے "الٓمٓ" سے بیت المقدس کی فتح اور دشمنوں سے اس کی بازیابی کے سال کی تعیین کی اور وہ صحیح نکلی۔

یہ رائے درج ذیل باتوں کی وجہ سے قابلِ رد ہے

ان حضرات کی مستدل بہا

مذکورہ روایت پر متعدد علماء نے کلام کیا ہے۔ طبری[2] نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔ "جس شخص نے اس کی روایت کی ہے، اس کا ذکر تک ہمیں ناگوار ہے، کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جس کی نہ روایت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، نہ نقل پر ....."

حافظ ابن کثیر نے کہا: "حروف مقطعات کو مدتوں پر دلالت کرنے والا سمجھنا اور ان سے حوادث وفتن کے اوقات نکالنا، اونٹ کو چھت پر تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے، جو اس موقف کی صحت سے زیادہ اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اسے محمد بن اسحٰق بن یسار صاحب المغازی نے کلبی سے روایت کیا، انھوں نے ابو صالح سے، انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، اور انھوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے .... حدیث کا مدار محمد بن سائب

---

[1] ممکن ہے حروف مقطعات کو یہودیوں کے اسی خیال کی بنا پر متشابہ کہا گیا ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہودیوں کا قول "تشابہ علینا امرہ" یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ہمارے لئے چیستان بن گیا، آیت کریمہ "هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ....." کا سبب نزول ہے (ملاحظہ ہو اتقان از امام سیوطی جلد ۲ ص ۱۰) [1] البرہان الکاشف عن اعجاز القرآن ص

[2] جامع البیان، جلد ۱، ص ۹۳ [3] تفسیر القرآن العظیم جلد ۱ ص ۶۸

کلبی پر ہے اور ان کی منفرد حدیث حجت نہیں ہوا کرتی، پھر اس موقف کا یہ بھی تقاضی ہے کہ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو مذکورہ چودہوں حروف سے جو کلمات بنتے ہیں ان کے عدد کا حساب لگایا جائے، اس طرح ان حروف سے عددوں کا ایک بڑا مجموعہ نکلے گا اور اگر حروف مکررات کو بھی شامل کر لیا جائے اور پھر حساب لگایا جائے تو اس سے بھی بڑا۔

امام سیوطی[1] نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے ابجدی حساب کے استخراج کا بطلان اور اس پر اعتماد نہ کرنے کا قول نقل کیا ہے، اور ابجدی اعداد کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے زجر ثابت ہے۔

اس روایت سے سہیلی[2] کے استدلال کا بطلان بھی واضح ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ بات قابل قبول نہیں معلوم ہوتی کہ قرآن مجید میں ۲۹ مبہم پر حروف مقطعات، امت مسلمہ کی عمر اور مدت بقاء بتانے کے لئے لائے جائیں، اور ان سے واقعات و حوادث کا استخراج کیا جائے، جس کی کوئی معقول وجہ حکمت سمجھ میں نہیں آتی، جب کہ قرآن مجید مکمل صراحت اور پوری تاکید کے ساتھ کہتا ہے کہ خدا کے سوا کسی کو بھی کسی فرد یا کسی قوم کی اجل مقدر کا علم نہیں :-

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا	نہ شتابی کرے گا کوئی فرقہ اپنے
يَسْتَاْخِرُوْنَ (الحجر: ۵، المومنون ۴۳)	وعدے سے اور نہ دیر کرے گا
وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ	اور کوئی جی نہیں جانتا کیا کرے گا
غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ	کل، اور کوئی جی نہیں جانتا کس زمین
تَمُوْتُ (لقمان: ۳۴)	میں مرے گا۔
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً	جب تک آ پہنچی ان پر قیامت
قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا (الانعام: ۳۱)	بے خبر، کہنے لگے ہائے افسوس!

---

[1] الاتقان، جلد ۲، ص ۱۰

[2] الروض الانف، جلد ۴، ص ۴۲۱

اب ہم اس بات پر اپنے کلام کا سلسلہ ختم کرتے ہیں کہ مذکورہ رائے مردود و ناقابلِ قبول ہے، بلکہ شیخ محمد عبدہؒ رحمہ اللہ کے بقول: "حروف مقطعات کے اعدادِ جُمّل سے اس امت کی مدت بقاء کا حساب لگانا، انتہائی کمزور، لچر اور مضحکہ خیز ہے"۔

چوتھی رائے: حروف مقطعات حروف تنبیہ ہیں

"قرآن کریم کی آیات اور سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات مشرکین کو متوجہ کرنے کے لئے آئے ہیں تاکہ وہ بغور قرآن کریم سنیں ....."

اس رائے کو ابن روق اور قطرب نے اختیار کیا ہے، جیسا کہ سمرقندیؒ[1]، رازیؒ[2]، قرطبیؒ[3] اور طبریؒ[4] نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت کا خیال ہے کہ "قرآن مجید کی سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات لانے کی غرض یہ ہے کہ مشرکین کو قرآن سننے کے لئے متوجہ کیا جائے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کو قرآن سننے سے منع کیا کرتے تھے، لہذا ضرورت کا تقاضا ہوا کہ سب سے پہلے انہیں قرآن سننے کی طرف متوجہ کیا جائے، اور جب وہ متوجہ ہو جائیں تو ان کے لئے تلاوت کی جائے ....." اس رائے کو طوسی[5] اور ابن کثیر[6] نے پیش کیا ہے اور اسی کو اختیار بھی کیا ہے، شیخ رشید رضا مصریؒ[7] نے اس رائے پر طویل گفتگو کی ہے، اور نقل کیا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی ایک مختصر تفسیر کو اسی مطلب کے بیان کے لئے مخصوص کیا ہے، اور پھر ذکر کیا ہے کہ حربیؒ[8] کے قول کے مطابق یہ کسی کو متنبہ کرنے کا

---

[1] تفسیر سمرقندی، مخطوطہ، جلد ۱ ص ۲ [2] مفاتیح الغیب جلد ۲ ص ۶، بارہواں قول۔

[3] الجامع لاحکام القرآن جلد ۱، ص ۱۵۵ [4] جامع البیان جلد ۱ ص ۸۹

[5] التبیان جلد ۱، ص ۴۸۔ [6] تفسیر القرآن العظیم جلد ۱ ص ۳۶ اور ملاحظہ ہو عمدۃ التفسیر اختصار از احمد شاکر جلد ۱ ص ۹۳، نیز البرہان از زرکشی جلد ۱ ص ۱۰۵، [7] تفسیر منار جلد ۸ ص ۳۰۲۔

[8] ڈاکٹر صبحی صالح کا خیال ہے کہ، حربی کے بجائے حربی کا احتمال ہے۔ ملاحظہ ہو: مباحث فی علوم القرآن حاشیہ ۸ صفحہ ۲۲۲۔

ایک مؤثر طریقہ ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس رائے کے حاملین میں دو طبقے ہو جاتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ یہ حروف مقطعات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ قرآن کریم کی طرف مبذول کرانے کے لئے وارد ہوئے ہیں، اور دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ نہیں بلکہ مشرکین کی توجہ مبذول کرانے کے لئے۔ تفصیلی بیان اور بقیہ مباحثہ ہم اگلی سطروں میں لا رہے ہیں۔

پہلے طبقے کے دلائل اور اس پر بحث

حربی[1] سے نقل کرتے ہوئے شیخ رشید رضا نے ذکر کیا ہے کہ:-

قرآن کریم ایک عظیم الشان کلام ہے اور اس کے فوائد بھی عظیم الشان ہیں، ضروری ہے کہ اسے گوش شنوا سے سنا جائے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بشری تقاضے کے تحت کبھی دوسرے کاموں میں مشغول رہتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم فرمایا کہ بوقت نزول وہ "الم" اور "حم" وغیرہ حروف کہا کریں، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آواز سن کر اخذ وحی کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو جایا کریں، اور دل کے کانوں سے منزل من اللہ آیات کی سماعت فرمایا کریں۔ معروف کلمات تنبیہ مثلاً "الا" و "اما" وغیرہ یہاں نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے الفاظ لائے جائیں جو پہلے سے عوام الناس میں معروف ومشہور نہ ہوں، قرآن مجید دوسرے تمام کلاموں میں اپنی ایک امتیازی شان رکھتا ہے لہٰذا اس کے لئے اچھوتے الفاظ تنبیہ مناسب تھے، تاکہ اس کی سماعت پر لوگوں کی پوری پوری توجہ ہو سکے[2]۔

لیکن یہ بات کہیں سے ثابت نہیں، اور نہ ہی دل اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ اور بیدار دل رہتے تھے، اور بوقت اخذ وحی روحانیت آپ کے مزاج اقدس میں شامل اور آپ کی طبیعت ظاہرہ پر غالب رہتی تھی۔ اور اگر اس رائے کو بفرضِ صحیح مان لیا جائے تو حروف مقطعات سے بعض

۱۔ تفسیر منار جلد ۸ ص ۳۰۲، نیز مناہل العرفان از زرقانی جلد ۱ ص ۲۲۲۔

۲۔ مفاتیح الغیب از امام رازی جلد ۲ ص ۶، نیز ملاحظہ ہو۔ اعجاز بیانی از محترمہ ڈاکٹر بنت الشاطی ص ۲۲۹۔

سورتوں کی تخصیص کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ رہا ان حضرات کا یہ کہنا کہ "اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار دل تھے تاہم تھے تو بشر، بعض ضروری امور میں مشغول ہو کر بے توجہ بھی ہو سکتے تھے، ایسی صورت میں خدائے حکیم نے بہتر سمجھا کہ کلامِ مقصود سے پہلے کچھ ایسے حروف لائے جائیں جو آپ کی توجہ اس کلامِ منزل کی طرف ملتفت کر دیں"۔ تو یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اگر یہ حروف صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبذول کرانے کے لئے وارد ہوئے ہیں، تاکہ آپ وحی قرآن کو بہتر طور پر اخذ کر سکیں تو اسے نصِ قرآنی کے ساتھ ملا دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔[۱]

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ نہایت مستبعد ہے کہ یہ حروف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبذول کرانے کے لئے آئے ہوں۔

دوسرے طبقے کے دلائل اور اس پر بحث

۱۔ ابو حیان[۲] نے ذکر کیا ہے کہ حروف مقطعات مشرکین کے لئے الزام حجت ہیں۔ کیونکہ جب مشرکین حروف مقطعات کو انوکھی اور عجیب و غریب چیز جان کر متوجہ ہوں گے تو لامحالہ قرآن کریم کی آیات بھی ان کے کانوں میں پڑیں گی، جس سے ان پر حجت ثابت ہو جائے گی۔

۲۔ طبرسی[۳] نے کہا ہے کہ: حروف مقطعات کفار کو خاموش کرنے کی غرض سے لائے گئے ہیں، کیونکہ وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے تھے کہ قرآن نہ سنو بلکہ جب اس کی تلاوت کی جائے تو شور و شر مچاؤ، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ — اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے بیچ میں شور و غل شروع کر دو۔

۱۔ [illegible] جلد ۱، ص ۶ ۔ [illegible] ۔ [illegible]
۲۔ البحر المحیط جلد ۱، ص [illegible] ۳۔ مجمع البیان جلد ۱، ص ۳۲

چنانچہ جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی تو وہ کبھی سیٹی بجاتے اور کبھی تالیاں پیٹتے اور کبھی شور و شغب کرتے، تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غلط پڑھنے لگیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کا نزول فرمایا، تاکہ وہ اسے انوکھی چیز سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوں اسے سنیں اور غور کریں اس طرح قرآن کی تغلیط سے ان کا ذہن ہٹ جائے۔

ان حضرات کے استدلال درج ذیل اقوال کی روشنی میں نامقبول ہیں۔

۱۔ ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو تمام سورتوں میں حروف مقطعات آنے چاہیے تھے حالانکہ اکثر سورتیں حروف مقطعات خالی ہیں۔ اور اگر یہ حروف مقطعات تنبیہ کے لئے آئے ہوتے تو جب جب بھی مشرکین سے کلام کیا جاتا، خواہ سورۃ کے آغاز میں خواہ درمیان سورہ ضرور حروف مقطعات سے کلام شروع کیا جاتا، پھر یہ بھی ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران مدنی سورتیں ہیں، جن میں مشرکین سے خطاب نہیں ہے تو لازماً ان حضرات کی رائے باطل ہو جاتی ہے۔

۲۔ جو حضرات کہتے ہیں کہ حروف مقطعات کفار کو شور و شغب سے باز رکھنے کے لئے نازل کئے گئے ان کی تردید کرتے ہوئے امام رازیؒ نے کہا کہ: "اگر اس غرض کے لئے حروف مقطعات کا لانا جائز ہوتا تو حروف مقطعات ہی کی کیا خصوصیت ؟ تمام ہذیانات کا کلام اللہ میں لانا درست ہوتا، ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا بالاجماع حرام ہے۔ مزید برآں یہ بھی ہے کہ اس رائے کی نہ تو کوئی معتبر روایت پشت پناہی کر رہی ہے اور نہ ہی کوئی تاریخی واقعہ اس کا مؤید ہے، اگر ان حضرات کی رائے صحیح ہوتی تو احادیث و روایات کا انبار لگ جاتا لیکن مشرکین قریش سے ایک قول بھی منقول نہیں کہ انھوں نے حروف مقطعات کو کوئی انوکھی چیز سمجھا ہو اور انھیں سن کر اپنے شور و شغب بند کئے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک بھی ان حروف کے بعد جو عبارت تلاوت کی گئی [illegible] ایمان لایا ہو بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان عقل کے اندھوں مشرکین کو حروف مقطعات بھی خاموش نہ کر پائے اس لئے کہ [illegible]

دیکھا کہ حروف مقطعات بھی تو انھیں معروف حروف سے مرکب ہیں اور اگر ہم فرض کرلیں کہ ان حروف کو جب انھوں نے پہلی بار سنا تو خاموش رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم دوسرے الفاظ پر بھی ان کی خاموشی تسلیم کرلیں کیونکہ اس کے بعد قرآن جو کچھ ہے وہ وہی توحید پر عمل پیرا ہونے اور معبودانِ باطل کو چھوڑنے کی نصیحت ہے، اور دینِ اسلام قبول کرنے اور اس کے احکام کی پیروی کرنے کی دعوت ہے۔ وہ کیونکر ان باتوں کو خاموشی سے سن سکتے۔

مذکورہ بالا بیان کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس رائے کو صحیح سمجھیں اور اس سے چمٹے رہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ہم ان رایوں کو بھی بیان کردیں جو اسی رائے سے مماثل ہیں۔ اب تک اس سلسلے کے جو آرا ہم تک پہنچے ہیں ان میں دو رائے زیادہ ممتاز اور نمایاں ہو کر سامنے آئی ہیں :-

(۱) امام رازیؒ نے ابوبکر تبریزی کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ : "چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ امت کا ایک طبقہ قدامتِ قرآن کا قائل ہے، اس لیے اس نے حروفِ مقطعات نازل فرمائے تاکہ امت متنبہ ہوجائے کہ کلام اللہ انھیں حروف سے مرکب ہے، پس لازماً یہ قدیم نہیں ہوسکتا"۔

یہ بڑی انوکھی اور شر انگیز رائے ہے، کیونکہ :

ا۔ کوئی بھی منقول دلیل اس کی تائید نہیں کرتی

ب۔ یہ محض ایک مفروضہ ہے، جس کا علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں، کیونکہ قرآن کے قدم و حدوث کا مسئلہ علم کلام کے ظہور کے بعد اس وقت وجود میں آیا جب فلسفۂ الٰہیات کی کتابیں یونانی زبان سے ترجمہ ہو کر علمائے اسلام تک پہنچیں، اور مسئلہ ذات و صفات

ۓ مفاتیح الغیب جلد ۲، ص ۶

ۓ ملاحظہ ہو "البیان فی تفسیر القرآن"، از امام خوئی، ص ۲۰۵، اور اس کے بعد کے صفحات نیز ملاحظہ ہو "الاعجاز فی دراسات السابقین" از عبدالکریم خطیب، ص ۲۲۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

کے سلسلے میں اختلافات کا دروازہ کھلا، اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ان سب کا نزول قرآن کے مدتوں بعد ہوا ہے۔

(ج) اگر یہ دعویٰ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا اس طرح کی تنبیہ امت کے تمام مختلف فیہ مسائل و موافقت میں وارد ہو، کیونکہ بہت سے اعتقادی اور فقہی مسائل میں امت کی رائیں اس حد تک مختلف رہی ہیں کہ باہمی بحث و گفتگو سے معاملہ آگے بڑھ کر لڑائی جھگڑے تک پہنچا ہے۔

معلوم ہوا کہ بات اس کے علاوہ کچھ اور ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن نے عام مفاہیم اور کلی قواعد کا ذکر کر دیا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے مطالب و مسائل[1] کو واضح فرما دیا، اور پھر انھیں آزاد چھوڑ دیا، جس کا جی چاہے ایمان کا راستہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے کفر کا[2]۔

(۲) جیسے شیخ طنطاوی جوہری[3] نے اختیار کیا ہے کہ: "قرآن مجید میں حروف مقطعات سے ابتدا اس لئے کی گئی ہے کہ علوم کی مختلف راہوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا جائے اور علم و معرفت کے حقائق تک پہنچنے کے مختلف طریقے اجاگر کئے جائیں" اس کے بعد انھوں نے کہا کہ: "حروف مقطعات درحقیقت تمام امور اور علوم لغویہ وغیرہ کے حل کے رموز ہیں"۔ پھر وہ اس معنی کو اور وسعت دے کر کہتے ہیں کہ:—

"اگر علوم آلیہ کے حقائق کا علم ان کے اصول کی تحلیل کے بغیر ممکن نہیں تو وہ علوم جن کے مادی و معنوی نتائج مقصود ہوں وہ بدرجہ اولیٰ تحلیل کے محتاج ہیں، اور انھیں ان کے بنیادی اصول تک پھیرنا نہایت ضروری ہے"۔ پھر وہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ[4]: "حروفِ مقطعات کو اس شکل میں لانے کی غرض صرف اسی معنی پر لوگوں کی توجہ

---

[1] مصطلح علوم الحدیث، از ڈاکٹر صالح ص ۹۱ اور اس کے بعد کے صفحات

[2] سورۂ کہف آیت ۲۹ [3] الجواہر ج ۲، ص ۱۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔

[4] الجواہر ج ۱، ص ۲۲۵

مبذول کرانی ہے۔" الٓمٓ" مستقبل کے علوم اور ائمۂ اسلام کی بادشاہی کی کلید ہے۔"
پھر انھوں نے اسی بات کو بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کا ذکر اس موقع پر بے سود ہے۔

اس رائے کی غرابت اور غلطی واضح ہے، نہ تو کوئی معتبر روایت اور نہ ہی کوئی منطقی دلیل اس کی تائید کرتی ہے، اگر اس رائے کا نفس مضمون صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، تو حروف مقطعات اس پر کسی طرح بھی دلالت نہیں کرتے، بلکہ یہ رائے صوفیاء کے جذب وتخیل کے زمرے کی چیز ہے۔

الرشاد کے خریداروں کی خدمت میں

ایک گزارش

الرشاد کے خریدار حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر آپ پرچہ کو مفید پاتے ہیں تو براہ کرم آپ اس کی توسیع واشاعت میں حصہ لیں اور آپ کے ذمہ جو چندہ باقی ہے وہ جلد سے جلد روانہ کر دیں، اسی کے ساتھ یہ گزارش بھی ہے کہ رمضان شریف کے اس مبارک مہینے میں چندہ کے علاوہ بھی ادارہ کی مزید کچھ مدد کریں اور دوسروں سے کرائیں، ادارہ اس وقت کافی مقروض ہو گیا ہے آپ کے تھوڑے سے تعاون سے اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا، امید ہے کہ ہماری گزارش پر آپ ضرور توجہ دیں گے۔

حدیث خلابہ اور فقہی اجتہادات

جناب ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صاحب صدیقی

"حدیث خلابہ" سے مراد وہ روایت ہے جو ایک صحابی رسولؐ "حبان بن منقذ" یا ان کے والد منقذ بن عمرو کے بارے میں مروی ہے کہ انہیں بیشتر اوقات خرید فروخت کے معاملات میں دھوکہ ہو جاتا تھا جس کی بنا پر انہیں نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تم خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرو تو کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا اور مجھے تین دن کا اختیار حاصل ہوگا۔

" اذا بایعت فقل لاخلابة ولی الخیار ثلاثة ایام "

خلابہ کے لغوی معنی

"خلابہ" کا لفظ "خلب" سے بنا ہے۔ ناخن کو خِلب کہتے ہیں جس کی جمع "اخلاب" ہے۔ خَلَبَہٗ اس موقع پر کہتے ہیں جب پرندہ ناخن مار کر زخمی کر دے۔ شکار کرنے والے پرندے کو مخلب کہتے ہیں شکار کرنے والا پرندہ اپنے شکار کو دبوچ لے، اس وقت کہا جاتا ہے کہ خَلَبَ النفرِیسَةَ، درندہ جب اپنے شکار کو چیر پھاڑ دے تو اس وقت بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عورت اپنی دلکش باتوں سے مرد کا دل جیت لے تو اسے "خلابة" کہا جاتا ہے۔ "البرق الخُلَّب" ایسے بادلوں کو کہتے ہیں جو گھر گھر کر آئیں اور ان میں بجلی چمک رہی ہو جس سے لوگ یہ سمجھ لیں کہ بارش ہونے والی ہے مگر بارش نہ ہو۔

حدیث خلابہ کا اساسی متن

حدیث مذکور متعدد روایات سے مروی ہے اور ان سب کی تلاش و تحقیق سے اساسی متن سامنے آسکتے ہیں، جو یہ ہیں:

عن ابن عمر قال رجل لرسول الله صلى الله عليه وسلم انه يخدع في البيوع، فقال من بايعت فقل لاخلابة.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ اسے خریداری میں دھوکہ ہو جاتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ تم جس سے کوئی شئے خریدو تو کہہ دیا "لاخلابۃ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔)

عن انس ان رجلا على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كان يبتاع وكان في عقدته يعني في عقله ضعف، فاتى اهله النبي صلى الله عليه وآله وسلم فقالوا: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم احجر على فلان فانه يبتاع وفي عقدته ضعف فدعاه ونهاه، فقال يا نبي الله اني لا اصبر عن البيع، فقال ان كنت غير تارك للبيع فقل هاوها ولا خلابة"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص خریداری کیا کرتا تھا، اس کی عقل کمزور تھی۔ اس کے اہل خاندان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ فلاں شخص پر پابندی لگا دیجئے کیونکہ وہ خریداری کرتے ہیں اور ان کی عقل کمزور ہے۔ آپ نے اسے بلایا اور منع فرمایا تو اس نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خریداری سے نہیں رک سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم خریداری سے نہیں رک سکتے تو یہ کہہ دیا کرو "لاخلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا)۔

وعن عمران منقذا سفع في رأسه في الجاهلية مأمومة فخبلت لسانه، فكان اذا بايع يخدع في البيع، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: بايع وقل لاخلابة ثم انت بالخيار

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ منقذ کے سر میں زمانہ جاہلیت میں چوٹ لگی تھی جس سے ان کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہوگئی اور وہ جب کوئی شے خریدتے تو اس میں نقصان ہو جایا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ جب تم کوئی شے خریدو تو

ثلاثًا. قال ابن عمر فسمعته يبايع ويقول: لا خلابة لا خلابة.

یہ کہہ دیا کرو" لا خلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا) پھر تمہیں تین دن کا اختیار رہوگا۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو خریداری کرتے ہوئے سنا کہ " لا خلابة" "لا خلابة"

عن محمد بن يحيى بن حبان قال: هو جدي منقذ بن عمرو وكان رجلا قد اصابته آمة في رأسه فكسرت لسانه، وكان لا يدع على ذلك التجارة، فكان لا يزال يغبن فاتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له، فقال: اذا انت بايعت فقل لا خلابة، ثم انت في كل سلعة ابتعتها بالخيار ثلاث ليال فان رضيت فامسك، وان سخطت فارددها على صاحبها،

محمد بن یحییٰ بن حبان سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ یہ صاحب میرے دادا منقذ ابن عمرو ہیں ان کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی جس سے ان کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہوگئی تھی مگر یہ اس کے باوجود تجارت سے باز نہیں آتے تھے اور مستقل نقصان اٹھاتے رہتے تھے، اس پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے یہ بات بیان کی تو آپ نے فرمایا جب تم کوئی شئے خریدو تو" لا خلا" کہہ دیا کرو، پھر جو شئے تم خریدو اس میں تمہیں تین دن کا اختیار حاصل ہوگا اگر تم چاہو تو اس شئے کو رکھ لو اگر تم چاہو تو اس کے مالک کو واپس کردو۔

عن طلحة بن يزيد بن ركانة انه كلم عمر بن الخطاب رضي الله عنه في البيوع فقال ما اجد لكم شيئا اوسع مما جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم لحبان بن منقذ انه كان ضرير البصر فجعل له رسول الله

" طلحہ بن یزید بن رکانہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب سے خریداری کے بارے میں گفتگو کی حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے پاس تمہارے لئے اس سے زیادہ وسعت موجود نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان ابن منقذ کو عطا کی تھی، وہ نابینا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

صلی اللہ علیہ وسلم عہدۃ ثلاثۃ ایام ان رضی اخذ وان سخط ترك۔

نے انہیں تین دن کا اختیار دیا تھا وہ، اگر چاہیں تو اس شئے کو لے لیں اور چاہیں تو ترک کر دیں۔

صاحب واقعہ کی شخصیت

روایات میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث حبان ابن منقذ کے بارے میں ہے، یا ان کے والد منقذ بن عمرو کے بارے میں۔ کیونکہ بعض روایات میں منقذ ابن عمرو کا نام آیا ہے اور بعض روایات میں حبان ابن منقذ کا نام اور کہیں "ایک شخص" (ان رجلا) کہا گیا ہے۔ خود ان دونوں اصحاب (حبان اور منقذ) کے تذکروں میں بھی التباس پایا جاتا ہے۔

حبان بن منقذ بن عمرو بن عطیہ صحابی رسول ہیں۔ آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو خزرج سے ہے۔ انہوں نے جنگ احد اور بعد کے غزوات میں شرکت کی ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب کی صاحبزادی زینب الصغری ان کے نکاح میں آئیں اور ان کے دو صاحبزادے ہوئے۔ یحیٰ بن حبان اور واسع بن حبان۔ حبان بن منقذ، محمد بن یحیٰ بن حبان کے دادا ہیں جو امام مالکؒ کے استاد تھے۔

منقذ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے کہ کسی قلعہ سے انہیں پتھر مارا گیا جس سے ان کے دماغ میں ایسی چوٹ آئی کہ زبان میں سقم اور عقل میں فتور پیدا ہو گیا۔ لیکن بالکل ہی امتیاز و شعور سے عاری نہیں ہوئے تھے۔ آپ کی ایک سو تیس (۱۳۰) سال کی عمر ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ انھیں یہ چوٹ اسلام سے قبل جاہلیت کے زمانے میں لگی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی صحیح روایات میں "ان رجلا" (ایک شخص) آیا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، ابن خزیمہؒ، ابن الجارود، حاکم اور دارقطنی نے حبان بن منقذ کا نام لے کر روایت نقل کی ہے۔ بیہقی اور مسند الحمیدی اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی روایت میں منقذ بن عمرو کا نام آیا ہے۔ بیہقی کی حضرت انس سے مروی روایت میں حبان بن منقذ کا نام آیا ہے، مگر اس میں ابن ربیعہ منفرد ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت چار مقامات پر

درج کی ہے اور چاروں مقامات پر ان رجال کے الفاظ ہیں۔ جب کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ شخص منقذ بن عمرو ہیں۔

منقذ بن عمرو المازنی الانصاری مدنی له صحبة جد محمد بن یحیٰی بن حبان قال عیاش بن الولید نا عبد الاعلی قال نا محمد بن اسحاق قال حدثنی محمد بن یحیٰی بن حبان قال کان جدی منقذ بن عمرو اصابته آمة فی راسه فکسرت لسانه ونازعت عقله وکان لا یدع التجارة ولا یزال یغبن فذکر ذلک لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال اذا بعت فقل لا خلابة وانت فی کل سلعة ابتعتها بالخیار ثلاث لیال وعاش ثلاثین ومائة سنة وکان فی زمن عثمان حین کثر الناس یبتاع فی السوق فیغبن فیصیر الی اهله فیلومونه فیرده ویقول ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم جعلنی بالخیار ثلاثا حتی یمر الرجل

منقذ ابن عمرو مازنی انصاری ایک مدنی صحابی ہیں اور محمد ابن یحییٰ ابن حبان کے دادا ہیں۔ عیاش ابن ولید نے بیان کیا کہ ہم سے عبد الاعلیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد ابن اسحاق نے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن یحییٰ بن حبان نے بیان کیا کہ یہ میرے دادا منقذ ابن عمرو تھے۔ ان کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی جس سے زبان میں لکنت پیدا ہو گئی اور عقل میں فتور آ گیا تھا۔ یہ تجارت نہیں چھوڑتے تھے اور مستقل نقصان اٹھاتے رہتے تھے۔ انہوں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جب کوئی شئے خریدو تو "خلابہ" کہہ دیا کرو۔ ان کی عمر ۱۳۰ سال ہوئی۔ حضرت عثمان کے زمانے میں جب لوگوں کی کثرت ہو گئی اس وقت بھی وہ بازار جاتے۔ خریداری کرتے اور نقصان اٹھاتے۔ اس پر ان کے اہل خانہ انہیں ملامت کرتے جس پر وہ اس شئے کو واپس کر دیتے اور کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین دن کا اختیار دیا ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فیقول صدق ﷺ
کسی صحابی کا گزر ہوتا تو وہ کہتے کہاں یہ سچ کہہ رہے ہیں۔

ابن اسحاق نافع سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے ان سے بیان کیا کہ ایک انصاری شخص کی زبان میں تتلاہٹ تھی اور انھیں خریداری میں نقصان ہوجاتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم کوئی شئے خریدو تو دو مرتبہ "لا خلابہ" کہہ دیا کرو۔ محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد ابن یحییٰ ابن حبان نے بیان کیا کہ یہ صاحب میرے دادا منقذ ابن عمرو تھے۔ ان کے سر میں چوٹ لگ گئی تھی جس سے زبان میں تتلاہٹ اور عقل میں فتور پیدا ہوگیا تھا۔ مگر وہ تجارت ترک نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ نقصان اٹھاتے رہتے تھے۔ اس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم کوئی شئے خریدو تو "لاخلابہ" (کوئی دھوکہ نہیں ہوگا) کہہ دیا کرو۔ پھر تم جو شئے خریدوگے اس میں تمہیں تین دن کا اختیار حاصل ہوگا اگر چاہو تو اسے رکھ لو اور اگر چاہو تو مالک کو واپس کردو۔ ان صاحب کی طویل عمر ہوئی اور ۱۳۰ سال زندہ رہے۔ حضرت عثمان کے زمانے میں جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تھی اور وہ بازار میں کوئی شئے خریدتے تو انھیں بہت بڑا نقصان ہوتا اور جب اہل خاندان کے پاس واپس آتے تو وہ انھیں ملامت کرتے اور کہتے کہ تم کیوں خریداری کرتے ہو اس پر وہ کہتے کہ مجھے اختیار ہے اگر میں چاہوں تو اس شے کو رکھوں گا۔ ورنہ واپس کردوں گا کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کا اختیار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس شئے کو اگلے روز یا تیسرے روز واپس کردیتے تھے اور کہتے کہ قسم بخدا میں اس شئے کو قبول نہیں کرتا۔ تم یہ چیز واپس لے لو اور مجھے درہم واپس دیدو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین دن کا اختیار دیا ہے۔ وہاں سے کسی صحابی رسول کا گزر ہوتا تو وہ تاجر سے کہتے سنو یہ صاحب سچ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین دن کا اختیار دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں ہم سے محمد ابن اسحاق نے بیان کیا ہم سے محمد ابن یحییٰ ابن حبان نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت زبیر نے جو تین دن کا عہد مقرر کیا تھا اس کی وجہ منقذ ابن عمرو کو رسول۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اجازت تھی۔)

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے "التاریخ الکبیر" میں منقذ بن عمرو کے ذکر میں بیان کیا ہے۔
جبکہ امام بخاری "صحیح بخاریؒ" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث چار مقامات پر لائے ہیں اور چاروں میں "ان رجلاً" (ایک شخص) کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ امام بخاری اس "ایک شخص" کو منقذ بن عمرو سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر "فتح الباری" میں فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت کو ابن مندہ نے ابن اسحاق سے ایک اور طریقہ سے بھی نقل کیا ہے۔[14]

نیز اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں باب الرد علی ابی حنیفہ میں بھی نقل کیا ہے۔[15]

امام نوویؒ اور شیخ عبدالحق نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق منقذ بن عمرو سے ہے۔ جبکہ ابن الطلاع کی رائے ہے کہ یہ صاحب حبان بن منقذ ہیں اور خطیب اور ابن الجوزی نے ان دونوں کے بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔[16]

بعض اور علماء نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ صاحب واقعہ حبان بن منقذ ہیں۔

میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اذا بایعت فقل لاخلابۃ" کے کلمات حبان بن منقذ اور ان کے والد منقذ بن عمرو دونوں سے فرمائے ہوں اور مختلف اوقات میں یہ رخصت دونوں کو عطا فرمائی ہو۔

صاحب واقعہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے وہاں انہیں کسی قلعہ سے پتھر مارا گیا، جو ان کے سر میں لگا جس سے زبان میں اختلال اور عقل میں فتور پیدا ہو گیا جبکہ یہ بھی روایت ہے کہ انہیں یہ چوٹ لگی تھی اور حبان بن منقذ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شرکت کے دوران سر میں پتھر لگا ہو۔

روایات اور کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ منقذ بن عمرو کو چوٹ لگی تھی جس سے ان کی زبان اور عقل متاثر ہو گئے تھے جبکہ حبان بن منقذ کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی آتا ہے کہ وہ نابینا تھے (وکان ضریر البصر) اور یہ بھی آتا ہے کہ وہ کمزور

شخص تھے (وکان رجلا ضعیفا)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں جس طرح کی ذہنی اور جسمانی کمزوریوں کی بنا پر حبان بن منقذ بھی نقصان اٹھایا کرتے تھے۔ اس لئے ہر دو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ قانونی رخصت عطا فرمائی۔ (واللہ اعلم)

چونکہ منقذ بن عمرو یا حبان بن منقذ خود راوی حدیث نہیں ہیں اور حدیث کی سند اور صحت پر ان کے نام کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے محدثین اور اصحاب فن رجال نے ان کے نام کے تعین کی زیادہ سعی نہیں کی ہے۔ اسی طرح چونکہ نام کے عدم تعین سے اس حدیث کی روشنی میں کئے گئے اجتہادات پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے فقہاء نے بھی نام کے تعین کے مسئلہ سے اعتنا نہیں کیا ہے۔

حدیث خلابہ، فقہی اجتہادات کا محور

حدیث خلابہ کو فقہاء نے جس طرح مختلف فقہی اجتہادات کا محور بنایا ہے وہ اس امر کی نشاندہی کے لئے کافی ہے کہ فقہاء کرام نے فقہ کی نشو ونما اور استنباطات میں قرآن و سنت ہی کو مدار اخذ و استنباط بنایا ہے اور ان دونوں مصادر کے علاوہ فقہاء کرام نے جو دلائل دیئے ہیں ان کی حیثیت ضمنی دلائل اور مویدات کی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ شریعت اسلامی کے اصل مصادر تین ہی ہیں۔ قرآن و سنت اور اجتہادات چنانچہ اس کی تائید حدیث معاذ سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے قرآن و سنت کے ذکر کے بعد "اجتہد" فرمایا اور اس کو دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔ فقہاء کرام کے بیان کردہ اصول اربعہ یا دلائل اربعہ (یا دلائل اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) کی تقسیم منطقی سے زیادہ استخراجی ہے۔ قیاس بقول امام شافعی اجتہاد کا دوسرا نام ہے۔ (الرسالہ ص ۵۰۰، تحقیق احمد محمد شاکر، الطبعۃ اولی ۱۹۴۰ء) اور حضرت عمرؓ نے بھی اپنے مشہور مکتوب میں "قیاس" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (اعلام الموقعین) جبکہ "اجماع" کسی اجتہادی معاملہ پر صحابہ کرام یا امت کے اتفاق سے عبارت ہے۔ قرآن و سنت

اور اجتہاد کے علاوہ "استصلاح" "استحسان" عرف، سد الذرائع، اور شرائع قدیم وغیرہ کی حیثیت مصادر اصلی کی نہیں بلکہ اجتہاد کے دلائل اور مؤیدات کی ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں تبعی مصادر یا ضمنی مصادر کہا جاتا ہے۔

لفظی اختلاف اور اصطلاحی فرق سے صرف نظر کرتے ہوئے جو حقیقت ہمارے سامنے آشکارا ہوتی ہے وہی ہے کہ فقہائے اسلام نے علماً اور فی الواقع یہی صورت اختیار کی ہے کہ قرآن و سنت ہی کو اصل اور بنیادی ماخذ بنایا ہے اور کسی معاملہ میں قرآن و سنت کے سکوت یا عدم وضاحت کی صورت میں جو اجتہاد کیا ہے وہ بھی انہی اصول کی روشنی میں کیا ہے۔ جو خود قرآن و سنت میں بیان ہوئے ہیں اور اس اجتہاد کے ضمن میں انھوں نے جو عقلی یا نقلی تائیدات فراہم کی ہیں وہ ایسے امور پر مشتمل ہیں، جو اپنی اساس اور تصور کے لحاظ قرآن و سنت سے متصادم نہیں ہے۔ اس لحاظ سے فقہاء کے اجتہادات بھی عملاً قرآن و سنت کی ہی فقہی تشریح اور توضیح بن جاتے ہیں۔

قرآن و سنت کی متعدد نصوص میں جھوٹ دھوکہ دہی اور فریب کی واضح اور بالتصریح ممانعتیں وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح معاملات میں ہر قسم کی دھوکہ دہی، فریب اور ضرر و نقصان پہنچانے کی کسی طرح کی کوشش شریعت میں ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اور اس سلسلہ میں متعدد تصریحات موجود ہیں۔ زیر نظر حدیث میں " لا خلابہ" کہنے کے حکم کا مقصود تنبیہ اور سرزنش ہے۔ اور اس ممانعت کا موضوع یہ ہے کہ مخدوع (فریب خوردہ) کو اختیار حاصل ہو کہ فریب کے ثابت ہو جانے کے بعد اگر وہ چاہے تو عقد کو برقرار رکھے اور چاہے تو باطل کر دے۔ یہ امر واضح ہے کہ اس حکم میں بیع کے علاوہ دوسرے معاملات بھی داخل ہیں کیونکہ شریعت نے فریب کو تمام معاملات میں اور تمام صورتوں میں عمومی طور پر ممنوع قرار دیا ہے۔ اس اختیار (خیار) کے لازم کرنے کا مقصود فریب کی بنا پر عاقد کو جو نقصان پہنچا ہے اس نقصان کو رفع کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں " الحجر" کا لفظ بھی موجود ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان صاحب کے مالی تصرفات پر پابندی لگا دیجئے۔ اس لحاظ سے ہم اس

حدیث کے تحت ہونے والے فقہی اجتہادات کو عنوانات سہ گانہ ۔ خلابہ ۔ خیار ۔ اور جبر ۔ کے تحت بیان کریں گے۔

الف ..... خلابہ

"خلابہ کا فقہی مفہوم یہ ہے کہ

ان یخدع احد العاقدین الآخر بوسیلۃ موھمۃ قولیۃ او فعلیہ تحملہٗ علی الرضا فی العقد بما لم یکن لیرضی بہ لولاھا۔[۱۱]

عاقدین میں سے ایک دوسرے کو کسی وہم میں ڈالنے والے قولی یا فعلی طریقہ سے اس طرح دھوکہ میں رکھے کہ وہ عقد کرنے پر راضی ہو جائے اگر یہ دھوکہ کی صورت نہ ہوتی تو وہ اس عقد پر رضامند نہ ہوتا۔

اسلامی شریعت کے فقہا اور ماہرین قانون "فریب کی جملہ صورتوں کو" تدلیس" Swindling کے عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں، جبکہ بعض اوقات فقہا کرام نے بائع seller کے مبیع Thing sold میں کسی عیب کے چھپانے کے لئے بھی تدلیس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہم نے خلابہ کے لفظ کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اولاً تو اس حدیث میں وارد ہوا ہے جس کو تمام مسالک کے فقہا نے اس موضوع کی خاص تشریعی نص کا درجہ دیا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ لفظ دھوکہ اور فریب کے معنی پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تدلیس کا لفظ بائع کے مبیع کا عیب چھپانے کے معنی کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور خلابہ کی متعدد صورتوں میں سے ایک صورت بن جائے گی۔[۱۲]

عقد کے ارادے پر اثر انداز ہونے والے اہم حالات میں سے "خلابہ" ایک حالت ہے جو کسی خاص شرط یا بعض متعین وسائل میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ عاقد کو فریب دینا اور اس کو اس وہم میں ڈالنے کا ہر وسیلہ جو اسے عقد پر آمادہ کر دے خلابہ میں داخل ہے۔

خلابہ کی بعض صورتیں بڑی واضح ہیں اور اس کے بعض وسائل لوگوں میں عام ہیں جن کو مختلف مسالک کے فقہا نے بطور خاص ذکر کیا ہے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کی ممانعت بطور خاص بیان ہوئی ہے۔ "خلابہ" کی چار مشہور صورتیں یہ ہیں:

(۱) خیانت (۲) تناجش (۳) تغریر (۴) تدلیس[۱۳]

الرد علی المنطقیین

امام ابن تیمیہ رح کی ایک نادر کتاب

(۱)

اس کتاب میں امام ابن تیمیہ نے نہ صرف اہل منطق کے طرز استدلال پر تنقید کی بلکہ قرآن پاک کے نظری طرز استدلال کی توضیح بھی کی ہے۔ یہ کتاب آج سے ۲۰ برس پہلے عبدالصمد شرف الدین الکتبی نے الگ سے شائع کی تھی اور اب یہ امام کے مجموعہ فتاوی کا جز ہو گئی ہے۔ انہوں نے امام غزالی کے اس فکر اور کوشش پر بھی تنقید کی ہے جو انہوں نے اہل منطق کے اصول و تصورات اور اسلامی اصول تصورات میں توافق پیدا کرنے کے سلسلہ میں کی ہے۔

(مرتب)

کتاب کے شروع میں حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک مختصر مگر گرانقدر مقدمہ بھی ہے جس میں ایجاز کے ساتھ مسلمانوں میں یونانی علوم کی اشاعت کی تاریخ، اس کے نتائج، اور متکلمین اسلام کی اس سلسلہ میں مفید و مضر کوششوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امام ابن تیمیہ نے منطق کے جن مسائل مثلاً حد، جنس، فصل، قیاس علت وغیرہ میں اہل یونان سے اختلاف کیا تھا، اور ان کے بارے میں جو رائے دی تھی، قریب قریب وہی باتیں آج یورپ کے فلاسفہ بھی اپنی تصانیف میں دہرا رہے ہیں جس سے امام ابن تیمیہ کی دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔

امام ابن تیمیہ نے یونانی علوم کی تنقید و تردید میں بہت کچھ لکھا ہے، مگر دو کتابیں انہوں نے خاص طور سے اسی موضوع پر لکھی ہیں، ایک "العقل والنقل" دوسری یہ زیر بحث کتاب،

اس کتاب کو ہر زمانہ کے اہل علم میں بڑا حسن قبول حاصل رہا ہے، امام سیوطی نے اس کا خلاصہ بھی کیا ہے جس کا نام "جہد القریحہ فی تجرید النصیحہ" ہے، یہ کتاب کئی برس ہوئے مصر میں چھپ گئی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

کتاب کے مباحث پر کچھ لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونانی علوم کے عربی میں منتقل ہونے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے شغف وانہاک سے جو نظری یا عملی مضر یا مفید نتائج برآمد ہوئے ہیں، اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔ تاکہ اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ کے تجدیدی کام کا پورا پورا اندازہ لگایا جا سکے۔

تقریباً پہلی صدی ہجری کے نصف آخر تک مسلمانوں میں انہی علوم کا چرچا رہا، جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ان کی دینی یا دنیاوی زندگی سے تھا، ان کے علاوہ خاص تمدنی علوم کا چرچا نہ اب تک ہوا تھا، اور نہ وہ مباحث وافکار فروغ پا سکے تھے، جن کا فائدہ ذہنی بازیگری اور نظری بحث آرائیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا، مگر پہلی صدی کے آخر میں جب وہ قومیں اسلام کی حلقہ بگوش یا مفتوح ہوئیں جن کے پاس ایسے علوم کا ذخیرہ تھا، جن کا تعلق زندگی کے عملی مسائل سے تو بہت ہی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا، البتہ ان سے ذہنی تفریح اور فکری وعملی گمراہی کا سامان فراہم ہو جاتا تھا، ان سے جب مسلمانوں کا اختلاط ہوا، تو یہ علوم ان میں بھی رواج پا گئے، جس سے دین میں رخنہ پیدا ہونے لگا، اسی خطرہ کے پیش نظر حضرت عمر بن عبد العزیز ایک یونانی طب کی کتاب تک کو منظر عام پر لانے میں بہت دنوں تک متامل رہے، حالانکہ اس میں بظاہر فتنہ کا کوئی شبہ نہیں تھا،

اس سے میری مراد ان یونانی علوم وفنون سے ہے جو خاص شرک وبت پرستی کے بطن سے پیدا ہوئے، اور یہودیت ونصرانیت یا ثنویت کی آغوش میں جن کا نشوونما ہوا۔

ظہور اسلام کے وقت ان علوم کے بڑے بڑے مراکز اور مدارس نصیبین، جندیسابور اسکندریہ، انطاکیہ، اور حران وغیرہ میں قائم تھے، اور اس وقت تک ان علوم کی محافظ دو زبانیں یونانی اور سریانی زندہ تھیں، خصوصاً سریانی زبان میں جو دجلہ وفرات کے تمام درمیانی علاقوں کی علمی زبان تھی، یونانی علوم کا سب سے بڑا سرمایہ تھا، چنانچہ عربی میں یونانی

علوم کی بیشتر کتابیں سریانی ہی سے ترجمہ ہو کر آئی ہیں۔

ان تمام علاقوں کا بیشتر حصہ جن میں یونانی علوم رائج تھے، اور سریانی زبان بولی جاتی تھی، ظہور اسلام کے وقت نصرانیت کے زیر اثر اور ایک قلیل حصہ یہودیت و ثنویت کے ماتحت تھا، مسلمانوں نے جب ان علاقوں کو فتح کیا، تو ان پر اسلامی تمدن و معاشرت اور عربی زبان و ادب کا بہت گہرا اثر پڑا، جس کی وجہ سے یونانی علوم و ثقافت اور سریانی زبان پر ایک صدی تک اضمحلال طاری رہا، مگر پہلی صدی کے آخر میں بعض سیاسی و تمدنی اسباب کی بنا پر مسلمانوں کی توجہ یونانی علوم و فنون کی طرف مبذول ہونے لگی، اور انھوں نے اس کو عربی میں منتقل کرنا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یعنی دوسری صدی کے نصف تک مسلمانوں کا ایک اچھا خاصہ طبقہ ان علوم کے آگے سپر انداز ہو گیا۔

اموی دور تک نقل و ترجمہ کا کام زیادہ تر انفرادی کوششوں تک محدود رہا، خود حکومت نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی تھی، لیکن عباسی دور میں انفرادی کوششوں کے ساتھ ساتھ حکومت کی سرپرستی بھی اس کو حاصل ہو گئی، جس سے ممالک اسلامیہ میں ان علوم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی، اور لوگ اس سے متاثر ہونے لگے، مگر اس وقت بھی ایوان حکومت سے باہر عوام و خواص کے بڑے طبقہ میں خالص دینی علوم ہی کی قدر و منزلت تھی، اور عقلی و تمدنی علوم کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، خصوصیت سے علماء و محدثین کا ایک بڑا گروہ نہ تو خود یونانی علوم و فنون سے شغف رکھنا پسند کرتا تھا، اور نہ ان علوم سے شغف رکھنے والوں کے بارے میں کوئی اچھی رائے رکھتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں اہل علم کے دو مقابل گروہ بن گئے، ایک گروہ نے جس کو حکومت کی سرپرستی بھی حاصل تھی، یونانی علوم و فنون کو اپنا لیا، اور دوسرے گروہ نے جس کی پشت پر عوام و خواص کی ایک بڑی طاقت تھی، خالص دینی علوم کی مسند سنبھالی، علماء و محدثین کا جو گروہ معقولات کے حاملین کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا، ممکن ہے ارباب عقل اس کو قدامت پرستی سے تعبیر کریں، مگر ان کا یہ ایسا شک بالکل درست تھا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ یہ علوم خالص شرک و بت پرستی کے ماحول ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور نصرانیت اور یہودیت وغیرہ کی آغوش میں ان کی پرورش ہوئی تھی، اس لئے

یہ چیزیں ان علوم کے رگ و ریشہ میں پوری طرح جاری و ساری ہوگئی تھیں، کہ کیمیاوی تحلیل سے بھی ان کا الگ کرنا دشوار تھا، اس لئے جب ان علوم کا چرچا ہوا، تو ان کے خالص مادی و مشرکانہ توہمات اور اسلام کے بعض دینی تصورات میں تصادم شروع ہوگیا۔ اور مسلمانوں میں نئے نئے مسائل و مباحث پیدا ہونے شروع ہوگئے، کہیں ذات و صفات کا مسئلہ چھڑا، کہیں قضا و قدر پر بحثیں شروع ہوئیں، کہیں توحید کے مفہوم اور اس کی تعبیر میں اختلاف رونما ہوا، بعض وہ مسائل جن کو قرآن نے انسانی زندگی کے لئے غیر ضروری سمجھ کر ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے یا اجمالی اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ مثلاً آسمان کی گردش، وحی کی حقیقت، فرشتوں کی ماہیت وغیرہ کے بارے میں بحث و مباحثہ شروع ہوا،

گو ان میں سے بعض تصورات کی ابتدا عہد نبوی ہی میں ہوگئی تھی، مگر اس عہد مبارک اور اس کے بعد تقریباً ایک صدی تک مسلمانوں کے سامنے زندگی کے دوسرے اہم ترین کام موجود تھے، ان کی دینی روح بیدار اور قوت عمل زندہ تھی، پھر ان میں سمع و طاعت بھی موجود تھی، اس لئے اگر کسی کے دل میں اس قسم کے سوالات پیدا بھی ہوتے تھے، تو یہ کہکر ان کی توجہ پھیر دی جاتی تھی، کہ ان مسائل میں غور و خوض کرنا نہ چاہیئے، اس لئے کہ یہ ہماری زندگی کے لئے کوئی مفید پہلو نہیں رکھتے تھے، لیکن جب مسلمانوں کی دینی روح سرد اور قوت عمل کمزور ہونے لگی، اور اس قسم کے خیالات بہت زیادہ پھیلنے لگے، تو اس وقت فقہاء و محدثین نے اس فتنہ کے انسداد کی تدبیریں شروع کیں، مگر نہ تو ان کے ہاتھ میں زمام اقتدار تھی جس کی قوت کو وہ اس فتنہ کے مقابلہ میں کام میں لاتے، اور نہ وہ اپنی دینی سادگی سے ہٹ کر ان یونانی علوم کا علمی طور سے مقابلہ ہی کرنا پسند کرتے تھے اس لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ ایسے علوم و خیالات سے جو نہ مسلمانوں کی دنیاوی زندگی کے لئے مفید ہوسکتے تھے، اور نہ دینی زندگی کے لئے خود گریز کریں اور دوسروں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں، یہی وجہ ہے کہ جب بھی ان سے ایسے مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انھوں نے ان پر گفتگو کرنے سے گریز کیا، اگر کبھی مجبوراً اس کے اظہار کا موقع آگیا، تو انھوں نے ہمیشہ اپنی راہ عقلی اور فلسفیانہ موشگافیوں سے علیحدہ رکھی، امام مالک کا یہ تاریخی جملہ اب تک تذکروں میں محفوظ ہے، کہ جب ان سے استواء علی العرش کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ۔

الاستواء معلوم والکیف مجہول	استواء معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول ہے
والایمان بہ واجب والسوال	اس پر ایمان لانا واجب اور اس کے
عنہا بدعۃ	بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

اس سلسلہ میں بعض عباسی خلفاء کی طرف سے ان فقہاء و محدثین پر سختیاں بھی کی گئیں، مگر انھوں نے ہر طرح کی سختیاں جھیلیں، لیکن انھوں نے یونانی علوم سے پیدا شدہ تمام مسائل کے جواب میں یا تو سکوت اختیار کیا یا پھر جواب دیا بھی، تو ارباب عقل کے مزعومات سے ہٹ کر خالص کتاب و سنت کی روشنی میں،

اس طرح دوسری صدی ہجری کے وسط میں معقولین اور منقولین کے دو متقابل گروہ پیدا ہو گئے، اور ان میں اختلافات کی خلیج دن بدن بڑھتی ہی جا رہی تھی، اہل نقل نے معقولین کو ملاحدہ و زنادقہ کا لقب دے رکھا تھا، اور معقولین اہل نقل کو عقلی حقائق سے ناآشنا تصور کرتے تھے، مگر عقل پرستی کا یہ سیلاب صرف مذہبی تلقین سے نہیں رک سکتا تھا، اس لئے علماء کے طبقہ میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا، جس نے عقل پرستوں ہی کے اسلحہ سے ان کا مقابلہ شروع کیا، یعنی عقلی علوم ہی کے ذریعہ ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے، یا ان میں تطبیق پیدا کی، اس گروہ کو متکلمین اسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اسی صف میں مؤلفین رسائل اخوان الصفا[ؒ] بھی شمار کیا جا سکتا ہے،

متکلمین اسلام نے یقیناً وقت کا ایک بہت بڑا کام یہ انجام دیا، کہ انھوں نے بہت سے اسلامی مسائل کی عقل کی روشنی میں وضاحت کی، اور بعض اسلامی مسائل پر جو عقلی اعتراضات کئے جاتے تھے، ان کے جواب دیئے، جس سے بہتوں کا ایمان سلامت رہ گیا، مگر عقلی علوم کی مرعوبیت بہرحال ان کے ذہن و دماغ پر کسی نہ کسی حد تک مستولی تھی، اس لئے انھوں نے بہت سے فلسفیانہ اصول اور منطقیانہ بحثوں کو مسلمات کے طور پر تسلیم کر لیا۔ جس کی وجہ سے بعض اسلامی مسائل میں ان کے سوچنے کا انداز صحیح نہ ہو سکا، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مؤلفین اخوان الصفا کسی وجہ سے دین سے اپنا رشتہ توڑنا نہیں چاہتے تھے، مگر ان

ؒ یہ باطنیوں کی ایک جماعت تھی مگر اس کے مدرسہ کچھ مفید کام بھی انجام پائے۔

کی ذہنی تربیت خالص فلسفیانہ ماحول میں ہوئی تھی، اور ان کے ذہن و دماغ پر عقلی علوم ہی کا غلبہ تھا۔ اس پر مزید یہ کہ وہ باطنیت کا شکار تھے۔ اس لئے انھوں نے فلسفہ اور دین کے جن مسائل میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی، اس سے امت کو فائدہ تو کچھ نہیں ہوا، مگر اس سے جو نقصان پہونچا اس کی تلافی آج تک نہ ہو سکی۔

اس کے بعد امام غزالی کا زمانہ آیا، اس وقت اہل فلسفہ کے ساتھ باطنی تحریک جو اسی فلسفہ کی پیداوار تھی۔ پورے شباب پر تھی، ایک طرف یونانی علوم کا چرچا تھا، دوسری طرف باطنیوں کا خفیہ لٹریچر گھر گھر پہنچ رہا تھا، جس سے اسلامی ممالک میں ایک شک کا ایک طوفان برپا ہوگیا، اور نہ جانے کتنے اہل ایمان کے دلوں میں تذبذب اور ذہنوں میں تزلزل آگیا، یہی وقت تھا، جب امام غزالی اس طوفان کو روکنے کے لئے میدان میں آئے، وہ منقولات کے ساتھ یونانی علوم کے بھی دانائے راز تھے، اس لئے جن طریقوں اور اسلحوں سے یہ فتنے اٹھائے جا رہے تھے، ان سے امام صاحب ان فتنہ گروں سے کچھ زیادہ ہی واقف تھے، چنانچہ انھوں نے دونوں تحریکوں کا پورا پورا علمی مقابلہ کیا، ایک طرف یونانی علوم پر تنقید کی، دوسری طرف باطنیوں کی ایک ایک بدباطنی کو ظاہر کیا، اور پھر ان کے نزدیک اہل فلسفہ سے جو باتیں صحیح معلوم ہوئیں، اسلامی اصولوں سے ان کا توافق دکھلایا اور ان میں تطبیق دی۔

امام غزالی کی فلسفیانہ تنقیدات سے یہ فائدہ ضرور ہوا، کہ یونانی علوم سے عام مرعوبیت اور باطنی تحریک کی تشکیک پسندی کا زور بہت کم ہوگیا، مگر جہاں انھوں نے فلسفیانہ اصولوں پر تنقید کی ہے، وہاں اس کے بہت سے اصولوں کو صحیح سمجھ کر اسلامی اصولوں سے خلط ملط کر کے دونوں کو مساوی حیثیت دیدی، حالانکہ اس سے پہلے علماء ان اصولوں کی صحت سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے تھے، امام ابن تیمیہ نے اس بات کو اپنی کتاب میں متعدد جگہ دہرایا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

ولم یکن احد من نظار المسلمین یلتفت	مسلمان اہل نظر میں سے کوئی بھی اہل یونان کے
الی طریقتہم بل المعتزلۃ	کے طریقۂ فکر کی طرف متوجہ نہیں ہوا، حتی کہ معتزلہ
والاشعریۃ والکرامیۃ والشیعۃ	اشعریہ کرامیہ اور شیعہ فرقے تک ان سے
وسائر طوائف النظر کانوا	گریز کیا، اور تمام اہل نظر حضرات ان کے طریقۂ فکر۔

يعيبونها ويثبتون فسادها وأول من خلط منطقهم بأصول المسلمين أبو حامد الغزالي۔ (ص ۳۲)

کے عیوب کو عیاں اور ان کے فساد کو بیان کرتے رہے امام غزالی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل یونان کے منطقی اصولوں کو مسلمانوں کے اصولوں کے ساتھ مختلط کردیا۔

حتی کہ امام غزالی دینی علوم میں پختگی پیدا کرنے کے لئے بھی یونانی منطق کا جاننا ضروری تصور کرتے ہیں، اپنی اصول فقہ کی کتاب المستصفیٰ کے مقدمہ میں منطقی اصولوں کی تفصیل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

انه لا يثق بعلمه الا من عرف هذا المنطق[1] (ص ۱۴)

علم دین میں پورا وثوق اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو یونانی منطق سے واقف ہو۔

امام غزالی کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی علوم کے اصول و مسلمات پر جیسی ضرب لگنی چاہیے تھی، وہ نہ لگ سکی، اور نہ اسلامی اصول پورے طور پر نکھر کر سامنے آسکے۔

امام غزالی کے بعد کئی صدیوں تک متکلمین اسلام ان ہی کے قائم کئے ہوئے راستہ پر چلتے اور ان ہی کے نصب کردہ سنگ میل کو آخری نشان راہ سمجھتے رہے کسی نے کوئی نئی راہ نہیں پیدا کی، اس میں اگر کوئی استثنائی مثال مل سکتی ہے، تو وہ ابوالبرکات بغدادی صاحب المعتبر کی، انھوں نے البتہ ارسطو وغیرہ کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کیا، اور ان کی فنی خامیوں کی بڑی حد تک نشان دہی کی، مگر ان کی یہ خدمت صرف ایک سلبی تھی، وہ نہ تو اسلامی مسائل کو، جو یونانی علوم کے ساتھ مختلط ہو گئے تھے، الگ کر سکے۔ اور نہ ان کے مقابلہ میں کوئی مثبت چیز پیش کر سکے۔

امام ابن تیمیہ امت مسلمہ میں امام ابن تیمیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دوسرے علوم کی طرح یونانی علوم و فنون پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی، اور اس میں

---

[1] عربی درسگاہوں میں یہ جملہ آج تک دہرایا جاتا ہے اور صرف زبان ہی سے نہیں، بلکہ عمل سے بھی۔

فکر کی ایک نئی راہ نکالی۔

انھوں نے یونانی علوم کا براہِ راست ارسطو وغیرہ کی کتابوں سے مطالعہ کیا۔ اور ان کے ایک ایک مکتبِ فکر پر غائر نظر ڈالی، جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی، (جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں انھوں نے تصریح کی ہے) کہ ان کے وہ اصول بھی جو بظاہر بالکل بےضرر اور معصوم معلوم ہوتے ہیں اپنے اندر بہت سی گمراہیاں رکھتے ہیں، اس وقت انھوں نے ان کے بنیادی اصول مسلمات ہی پر ضرب نہیں لگائی، ان کے ایک ایک تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا، اور ان اسلامی مسائل کو جن کے اثبات کے لئے یونانی طرزِ فکر کا سہارا لیا گیا تھا، یا دونوں میں توافق و تطابق دکھایا گیا تھا۔ ایک ایک کر کے علٰحدہ کیا، اور بتایا کہ ان دونوں کے طرزِ فکر میں بنیادی اختلاف اور ان کی آمیزش توحید و شرک کی آمیزش کے مرادف ہے۔ چنانچہ وہ اس کتاب میں جابجا اس ماحول اور پس منظر کو بھی پیش کرتے گئے ہیں، جس میں یونانی علوم پیدا ہوئے، اور جس میں ان کا نشو و نما ہوا۔

انھوں نے اس کی بھی مخالفت کی ہے، کہ انبیاء علیہم السلام اور حکماء کے اقوال کو متقابل طور پر ایک ساتھ پیش کیا جائے، جس سے یہ معلوم ہو کہ انبیائے کرام کے ذریعۂ علم کے علاوہ بھی انسان کی رہنمائی کے لئے کوئی دوسرا صحیح ذریعۂ علم ہو سکتا ہے۔

پھر ان کی یہ خدمت صرف سلبی یعنی یونانی اصولوں پر تنقید ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ انھوں نے ان کے مقابلہ میں قرآن کے اصولِ فکر اور طرزِ استدلال کی بھی پوری پوری وضاحت کی ہے، جس سے کہنا چاہئے کہ قرآن کے طریقۂ فکر کی دوبارہ تجدید ہوئی۔

اجمالی بحث

اس تمہید کے بعد اب ہم کتاب کے اصل مباحث کا کچھ خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے اس کتاب میں اہلِ منطق کے طرزِ فکر و استدلال پر تنقید کر کے اس کے مقابلہ میں قرآن کے طریقۂ تفکر اور اسلوبِ استدلال پر جو بحثیں کی ہیں، وہ کئی سو صفحوں میں پھیلی ہوئی ہیں، مختصر الفاظ میں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ منطق نے اپنے فکر و استدلال کی بنیاد نظری اور غیر بدیہی اصولوں اور مسلمات پر رکھی ہے، اور پھر وہ ان ہی کے ذریعہ بدیہیات اور مشاہدات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقۂ فکر و استدلال بالکل غیر فطری اور غیر مفید ہے۔

اس لئے کہ نظری چیزیں تو خود بیان و تفصیل کی محتاج ہوتی ہیں، ان پر کسی فکر و استدلال کی بنیاد رکھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؛ اور اس سے عام آدمی کیا فائدہ حاصل کر سکتا ہے؛

اس کے برخلاف قرآن اپنے طرز فکر اور طریقۂ استدلال کی ساری بنیاد بدیہیات اور مشاہدات پر قائم کرتا ہے، اور پھر ان کے ذریعہ نظری اور غیر بدیہی امور پر استدلال کرتا ہے، یہ طریقہ فکر بالکل فطری اور سہل الحصول ہے، اس سے ہر خاص وعام بقدر استعداد فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہ کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، اور ہر بحث میں متعدد ذیلی ابواب ہیں، پہلی بحث میں منطقیوں کے اس نظریہ کی تردید ہے، کہ تصورات غیر بدیہیہ بغیر حد کے نہیں معلوم ہو سکتے۔ دوسری بحث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے، کہ حد سے اشیاء کا تصور ممکن نہیں ہے، تیسری بحث میں اس استدلال کی تردید ہے، کہ تصدیقات کا علم بغیر قیاس کے ممکن نہیں ہے۔ چوتھی بحث میں ارباب منطق کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے، کہ قیاس سے تصدیقات کا علم حاصل ہوتا ہے، شروع کتاب میں ایک مختصر مقدمہ بھی ہے، جس میں انھوں نے اہل منطق کے اصول ومسلمات کے بارے میں اپنے خیالات اور علمی تجربات بیان کئے ہیں، اور ان پر مکمل طور سے تنقید کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے؛

" یہ بات تو میں ہمیشہ سے سمجھتا تھا، کہ ذہین آدمی کے لئے یونانی منطق کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور کند ذہن اور بلید آدمی اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مگر اس کے قضایا کے بارے میں میرا یہ خیال تھا، کہ وہ درست ہیں، پھر کچھ دنوں کے بعد مجھے اس کے قضایا میں بھی کچھ غلطیاں نظر آئیں، جن کو میں نوٹ کرتا گیا، جب مجھے اسکندریہ (جو اس وقت یونانی علوم کا مرکز تھا) میں رہنے کا اتفاق ہوا، تو وہاں یونانی علوم کے ماہرین سے ملاقات ہوئی، اور ان کے سامنے مجھ کو ان علوم کی گہرائیوں اور جہالتوں کو کھول کر بیان کرنے کا موقع ملا، اور جو کچھ ان میں سے بیان کرتا تھا اس کو لکھتا جاتا تھا۔ اب تک میں نے جو کچھ تنقید کی تھی، اس کا تعلق شعبۂ الہیات سے تھا، ان کے منطقی اصولوں کے بارے میں میں نے کچھ نہیں لکھا تھا، مگر یہاں پر یہ بات بھی مجھ پر واضح ہو گئی کہ اہل یونان

کے منطقی اصول (جو بظاہر معصوم معلوم ہوتے ہیں) کی بنیاد بھی ان غلط الہی تصورات ہی پر ہے، جو انھوں نے اپنے دل سے گھڑ لئے ہیں، اس لئے یہ بھی فساد سے خالی نہیں ہے، چنانچہ میں نے اس پر لکھنے کے لئے قلم اٹھایا۔ اور یہ خیال تھا، کہ اس سے معرفت حق کا ایک نیا باب کھلے گا۔"

اس تمہید کے بعد انھوں نے دو صفحے میں پورے منطقی مباحث کا خلاصہ دیا ہے، جس کے چند جملے یہ ہیں:-

"اہل منطق اس فن کی ابتدا، حد (تعریف) اور اس کے انواع قیاس برہانی اور اس کے انواع سے کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ علم یا تو تصور ہوگا، یا تصدیق، اور ان میں سے ہر ایک یا تو بدیہی ہوگا، یا نظری، اس لئے کہ نہ تو تمام علوم نظری ہوسکتے ہیں، اور نہ تمام بدیہی، کیونکہ اس سے دور قبلی اور تسلسل فی العلل لازم آئے گا، اس لئے یہ ظاہر ہے کہ جو تصورات و تصدیقات نظری ہیں، ان تک پہنچنے کے لئے کسی نہ کسی سبب اور ذریعہ کا ہونا ضروری ہے، تو تصور نظری کا علم جس ذریعہ سے ہوتا ہے، اس کو ارباب منطق حد کہتے ہیں۔ اور تصدیق نظری کا علم جس طریقہ سے ہوتا ہے، اس کو قیاس کہتے ہیں۔"

اس کے بعد انھوں نے حد کے اقسام گنائے ہیں۔ پھر کلیات خمسہ کی جن سے حد کی، پھر قضایا جن سے قیاس کی ترکیب ہوتی ہے، تفصیل بیان کی ہے، اس کے بعد ہر موضوع پر الگ الگ بحث کی ہے۔

پہلا مبحث یہ بحث حدود و تصورات کے سلبی پہلو سے متعلق ہے یعنی یہ کہ غیر بدیہی تصورات بغیر حد کے نہیں معلوم کئے جاسکتے، اس کی تردید میں امام نے گیارہ دلیلیں دی ہیں، ان میں سے بعض دلیلوں کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کوئی قضیہ خواہ سلبی ہو یا ایجابی، جب تک وہ بدیہی نہ ہو اس کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت ہوتی ہے، خصوصیت سے قضیۂ سالبہ کے بارے میں بغیر دلیل کے کچھ کہنا، ایسا ہی ہے، جیسے بغیر علم کے کوئی بات کہہ دی جائے۔ تو اہل منطق کا یہ بنیادی اصول ان التصورات غیر البدیہیۃ غیر بدیہی تصورات بغیر حد کے نہیں معلوم

کئے جاسکتے۔

لا تنال الا بالحد

قضیۂ سالبہ غیر بدیہیہ ہے مگر انھوں نے اپنے اس اولی اصول کے لئے کوئی دلیل نہیں دی ہے اور نہ ان کے پاس دلیل موجود ہی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ جب ان کے ابتدائی اور بنیادی اصول کی بنیاد ہی دلیل و برہان کے بغیر رکھی گئی ہے، تو پھر فن منطق علم و عرفان کا ذریعہ اور آلہ کیسے بن سکتا ہے، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ

الۃ قانونیۃ تعصم مراعاتہا الذہن — ایک ایسا قانونی آلہ ہے جس کی رعایت ذہن کو

ان یزل فی فکرہ۔ — غلطی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ارباب منطق کے اصولوں کی بنیاد صرف قیاس و گمان پر ہے، اس میں دلیل و علم کو کوئی دخل نہیں ہے۔

۲۔ دنیا میں انسانوں کے جتنے گروہ ہیں، خواہ ارباب علم کی جماعت ہو یا تاجروں اور صناعوں کی، سب اپنے اپنے فن اور پیشہ کی ضرورت کے لحاظ سے کچھ اصول اور قوانین بنا لیتے ہیں، جن کو وہ پورے علم و تحقیق سے جانتے ہیں، اور انہی کی مدد سے اپنا سارا کام انجام دیتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی نہ تو کبھی اس اصطلاحی منطق جاننے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے اصول و فروع کی۔

بڑے بڑے ائمۂ فقہ و حدیث اور مشاہیر اہل فن جنہوں نے اپنے اپنے فن میں غیر معمولی مہارت دکھلائی ہے، اور بڑے ہی مجتہدانہ کام انجام دیئے ہیں، ان میں سے شاید ہی کوئی فن منطق یا اس کے مبادی سے بھی واقف رہا ہو، وہ اپنے فن کے تمام مفردات علم (تصورات) اور مرکبات علم (تصدیقات) سے پورے طور پر واقف تھے، مگر نہ تو انھیں کبھی منطقی حد کی ضرورت محسوس ہوئی، اور نہ اس کے شرائط و قیود کی،

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے کسی طبقہ کو بھی اپنی علمی یا عملی زندگی میں منطقی اصولوں کی ضرورت پیش نہیں آتی، اور وہ ان اصولوں کی مدد کے بغیر اپنے اپنے فن اور پیشہ کے مفردات و مرکبات علم سے واقف ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ متعلقہ کاموں کو انجام دیتے ہیں۔

۳۔ ارباب منطق کا اس دعویٰ میں "حد" کے بغیر کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر غور کیا جائے،

تو فنی اعتبار سے بھی بہت خامیاں ہیں، چنانچہ اہل منطق نے جتنی چیزوں کی "حد" یعنی تعریف بیان کی ہے ان سب میں شدید اختلاف و تضاد ہے، مثلاً انسان کی تعریف (حد) وہ حیوان ناطق ہے کرتے ہیں، اس پر متعدد اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اسی طرح سورج اسم وغیرہ کی جو تعریفیں اہل منطق نے کی ہے ان پر سخت اعتراضات کئے گئے ہیں۔

بعد کے فقہاء، اطباء، نحوی اور دوسرے اہل فن جو یونانی علوم سے متاثر تھے انھوں نے بھی جب اپنے فن سے متعلق بعض چیزوں کی حد بیان کی، تو وہ اسی اختلاف و تضاد میں مبتلا ہوئے۔ اس کے بعد امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

فلو كان تصور الاشياء موقوفاً على الحد لم يكن الى الساعة قد تصور الناس من هذا الامور	اگر اشیاء کا تصور حد ہی پر موقوف ہے، تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اب تک انسان کو کسی چیز کا صحیح تصور حاصل نہیں ہوا، (کیونکہ کسی چیز کی حد تو اب تک صحیح طور سے بیان نہیں کی گئی۔
(ص ۸)	

اور چونکہ تصدیق کا دارو مدار تصور ہی پر ہے، اس لئے جب تصور یعنی مفردات کا علم حاصل نہ ہو تو پھر تصدیق یعنی مرکبات کا علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے، اور سارے علوم و فنون اور انسانی معلومات کا دارو مدار تصور و تصدیق پر موقوف ہے، اس لئے اہل منطق کے قول کے مطابق اب تک نہ تو بنی آدم کو صحیح علم ہو سکا ہے، اور نہ وہ کبھی ذرائع علم سے واقف ہو سکتے ہیں، اس کے بارے میں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

هذا من اعظم السفسطة	یہ اہل منطق کا بہت بڑا فریب ہے

۴۔ موجودات میں جن چیزوں کا تصور ممکن ہے، ان کی دو حیثیتیں ہیں، یا تو ان کا تصور حواس ظاہری کے ذریعہ ہوتا ہے، مثلاً لذت، رنگ، ہوا وغیرہ، یا پھر حواس باطنی کے ذریعہ اس میں وہ تمام باطنی احساسات داخل ہیں، مثلاً بھوک، اور سیری، محبت اور بغض، خوشی اور رنج، غم و غصہ وغیرہ۔

اب ان دونوں طرح کے امور تصورہ کو انسان کبھی معین طور سے تصور کرتا ہے، اور

کبھی مطلقاً مگر کسی موقع پر اسے منطقی حد کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ وہ تصورات حد سے مستغنی ہی رہتے ہیں۔

یہ چند دلائل کا خلاصہ نمونۃً نقل کیا گیا ہے، ورنہ اس کتاب میں اور بھی بہت سے دلائل ہیں۔

(جاری)

مدرسہ کے ہمدردوں اور چندہ دہندگان کی خدمت میں

ایک دردمندانہ اپیل

رمضان المبارک کے مہینے میں ہمارے مستقل نمائندے اور سفراء مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی، مولوی انعام اللہ رحمت رانچوی رشادی اور کبیرالدین صاحب بہاری کے علاوہ کچھ اساتذہ حضرات بھی تصدیقی تحریریں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے امید ہے کہ آپ ان سے پورا تعاون فرمائیں گے پھر بھی یہ حضرات ہندوستان کے بہت بڑے علاقہ تک نہیں پہنچ سکیں گے، خاص طور پر مغربی یوپی، دہلی، بہار اور کلکتہ وغیرہ تک ہم شاید اپنا کوئی نمائندہ نہ بھیج سکیں اس لئے آپ اپنی اعانت بذریعہ منی آرڈر یا بیمہ روانہ کرنے کی زحمت کریں اگر چک یا ڈرافٹ روانہ کریں تو صرف اس پر سکریٹری جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ لکھیں۔

مدرسہ کا حساب پنجاب بینک، بڑودہ بینک اور اسٹیٹ بینک وغیرہ میں اسی نام سے ہے۔

کئی مہینے سے ملک کے حالات اور خلیجی جنگ کی وجہ سے مدرسہ کی آمدنی پر بہت خراب اثر پڑا ہے اس وقت مدرسہ تقریباً ایک لاکھ کا مقروض ہے۔

قرآن کریم کا فلسفۂ انسانیت

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی علیگ

(۳)

۹۔ عقیدہ، ضمیر اور رائے کی آزادی

قرآن معاشرہ میں رہنے والے تمام انسانوں کو عقیدہ، ضمیر اور رائے کی آزادی عطا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کسی کو زور زبردستی کر کے کسی عقیدہ کا پابند بنانا جائز نہیں :

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ — ۲۵۶)	دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

اس کے نزدیک صحیح بات وہی ہے جس کی طرف اسلام دعوت دے رہا ہے اور مسلمانوں کی کوشش یہی رہنی چاہیئے کہ پوری دنیا اللہ کے دین کو قبول کرے لیکن اس معاملہ میں کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے فرماتا ہے :

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس — ۹۹)	اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ) زمین میں سب مومن و فرمانبردار ہی ہوں تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟

۱۰۔ فتنہ وفساد سے ممانعت

قرآن سوسائٹی میں رہنے بسنے والے تمام انسانوں کے لئے امن وسکون کی ضمانت دیتا اور فتنہ وفساد بھڑکانے والے عناصر کا سختی سے محاسبہ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جو لوگ فتنہ وفساد برپا کر کے انسانوں کی معاشرتی زندگی کو درہم برہم کرنا، لوگوں کے حقوق غصب کرنا اور معاشرہ میں انارکی، کرپشن اور انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ صرف آخرت ہی میں دردناک عذاب سے دوچار نہ ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی وہ عبرتناک سزا کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن نے کتنی عبرتناک سزا تجویز کی ہے۔ درج ذیل آیات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدہ ــ ۳۳)	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بڑی سزا ہے۔

۱۱۔ انسانی معاشرہ کی تطہیر و تہذیب

قرآن کے نزدیک صرف یہی کافی نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو درست کر لے اور گھر بیٹھ رہے۔ بلکہ وہ حکم دیتا ہے کہ معاشرہ کے سدھار کی جانب بھی توجہ کرنی چاہیئے۔ اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی بھلائیوں پر اکسانا اور برائیوں سے روکنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کو تو خوب صاف ستھرا رکھے لیکن اس کے باہر غلاظتوں کا انبار لگا ہو تو محض اس بنا پر کہ اس نے گھر کے اندر صفائی ستھرائی کا خیال رکھا ہے وہ بیماریوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ وہ اہل ایمان سے کہتا ہے:

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ | تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے
عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران - ۱۱۰) | ہو۔

اس کے برخلاف جو لوگ دوسرے انسانوں کو اچھے کاموں سے روک کر اور برائیوں پر اکسا کر معاشرہ کو فساد زدہ اور پراگندہ کرنا چاہتے ہیں قرآن ان کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے:

يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ | وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے
الْمَعْرُوْفِ (التوبہ - ۶۷) | منع کرتے ہیں۔

قرآن بنی اسرائیل کے تنزل و انحطاط کا ایک اہم سبب یہ بیان کرتا ہے کہ انھوں نے ایک دوسرے کو برائیوں پر ٹوکنا بند کر دیا تھا۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ | انھوں نے ایک دوسرے کو برے افعال
فَعَلُوْهُ (المائدہ - ۷۹) | کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔

۱۲- رواداری

معاشرہ میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں ان کے مذاہب اور اعتقادات جدا جدا ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ عقلی دلائل کے ذریعے اپنے مذہب کی برتری، افضلیت، تفوق اور حقانیت ثابت کرنا ہر ایک کے لئے جائز ہے لیکن محض مخالفت اور عداوت کی بنیاد پر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور ان کی برگزیدہ شخصیات کو برا بھلا کہنا اور ہدفِ طعن و تشنیع بنانا جائز نہیں:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ | اور (اے مسلمانو) یہ لوگ اللہ کے سوا
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ | جن کو پکارتے ہیں انھیں برا بھلا نہ کہو کہیں
عِلْمٍ | ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت
(الانعام - ۱۰۸) | کی بنا پر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔

مسلمانوں کو سختی کے ساتھ ہدایت کی گئی کہ اگر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ کبھی بحث و مباحثہ کی نوبت آ جائے تو اس کا عمدہ طریقہ اختیار کریں:

وَلَا تُجَادِلُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ | اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر

اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (العنکبوت ـ ۴۶) عمدہ طریقے سے

اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں (ذمیوں) کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن سے مسلمان بہرہ ور ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے فوجداری اور دیوانی قوانین کی بعض شقوں سے بھی وہ مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں ان کے شخصی قوانین (PERSONAL LAW) پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوتی ہے اور وہ اپنے مذہبی رسوم اور شعائر ادا کرنے اور مذہب کی تبلیغ کرنے میں بھی آزاد ہوتے ہیں۔

۱۳۔ حقوق العباد کی ادائیگی

قرآن انسان سے اس چیز کا بھی تقاضہ کرتا ہے کہ امیر بحیثیت انسان دوسرے انسانوں سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انھیں ادا کرے۔ اس سلسلہ میں قرآن حقوق و فرائض کی ایک لمبی فہرست پیش کرتا ہے اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی کما حقہ ادائیگی کرے اور دوسروں کے حقوق بجالانے میں کوتاہی نہ کرے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اسی قسم کا ایک "منشور" پیش کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے :

" تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ :

——— تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔

——— والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو ....

——— رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔

——— فضول خرچی نہ کرو ....

——— اگر ان سے (یعنی حاجت مند رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں سے) تمہیں کترانا ہو۔ اس بنا پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو، تلاش کر رہے ہو تو انھیں نرم جواب دے دو۔

——— نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو۔ اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ ....

——— اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ...

— زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔
— قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو۔ جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ .....
— مالِ یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے
— عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو جوابدہی کرنی ہوگی۔
— پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو .....
— کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو .....
— زمین پر اکڑ کر نہ چلو .....

(بنی اسرائیل : ۲۳ — ۳۷ باختصار)

قرآن ان حقوق کی تعیین محض انسانیت کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس کے نزدیک مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں۔ چنانچہ والدین یا رشتہ دار خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم وہ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے (لقمان۔ ۱۵، العنکبوت — ۸) حاجت مند رشتہ دار مسکین اور مسافر خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، ہر حال میں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ عہد کی پابندی کا ہر حال میں حکم دیتا ہے خواہ فریق کیسا بھی ہو؛ اسی طرح دوسرے معاملات میں بھی وہ انسان اور انسان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتا بلکہ انسانیت کا احترام کرتے ہوئے سب کے ساتھ یکساں سلوک کا مطالبہ کرتا ہے۔

۱۴۔ اجتماعی کفالتِ باہمی

قرآن انسان کی عزتِ نفس کا خیال رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف وہ لوگوں کو محتاجی کی صورت میں دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے۔

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا	گروہ ایسے لوگ نہیں کہ لوگوں کے پیچھے
(البقرہ — ۲۷۳)	پڑ کر کچھ مانگیں۔

دوسری طرف اجتماعی کفالتِ باہمی کا نظم کرتا ہے اور زکوٰۃ، صدقات اور دوسرے مالی حقوق عائد کرکے ان کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اہلِ ایمان کو صدقات و خیرات پر بہت ابھارتا ہے۔ مثال کے طور پر ..... سورۂ بقرہ کی چند آیتیں ملاحظہ ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ (۲۶۷) وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (۲۷۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہ خدا میں خرچ کرو۔ راہ خدا میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لئے خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو جو کچھ مال تم راہ خدا میں خرچ کروگے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲۷۴)

جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔

اس سلسلہ میں زکوٰۃ کے مصارف اگرچہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بقیہ تمام صدقات اور دیگر مالی حقوق میں کوئی تخصیص نہیں۔ وہ تمام انسانوں کے لئے ہیں۔ جو لوگ خدا کی دی ہوئی دولت کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس میں سے مسکینوں اور ضرورتوں پر خرچ نہیں کرتے۔ قرآن انھیں سخت وعید سناتا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب کی "خوشخبری" دیتا ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي

دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کرکے رکھتے ہو اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی

نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ، هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ٥ (التوبہ ۳۴-۳۵)	پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

ذخیرہ اندوزی کرنے اور خدا کے بتائے راستوں میں خرچ نہ کرنے والوں کے لئے قرآن نے قارون کا واقعہ (القصص: ۷۶-۸۲) مثال اور عبرت کے لئے پیش کیا ہے اور دنیا اور آخرت میں ان کے انجام کی وضاحت کردی ہے۔

اس طرح اجتماعی کفالتِ باہمی کے ذریعے قرآن غریبوں اور محتاجوں سے احساس کمتری ختم کرتا، اور ان کی حاجت روائی کرکے معاشرہ سے نابرابری کے عوامل کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

خاتمہ انسانیت کے سلسلہ میں دوسری تہذیبوں اور نظریات کے رویوں اور قرآن کی روشنی میں اسلام کے موقف کا مذکورہ بالا تفصیلی جائزہ واضح طور پر اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ قرآن کا فلسفۂ انسانیت افراط و تفریط کے درمیان اور عدل درجہ اعتدال پر مبنی ہے۔ اس کی نظیر پیش کرنے سے دوسرے نظریات اور فلسفے قاصر ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ دوسرے نظریات اور فلسفے انسانی ذہن کی اختراع ہیں اور اسلام خدا کا نازل کیا ہوا طریقۂ زندگی اور قرآن اسی کا اتارا ہوا کلام ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران ۱۹)	اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ، وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء — ۸۲)	کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؛ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔

انتفاضہ جدوجہد کی مختصر داستان

توقیر عالم صاحب فلاحی علیگڈھ

یہودی بربریت کے خلاف جو تحریک چالیس برس سے چل رہی ہے اس کی ایک صورت انتفاضہ ہے عربی پرچہ میں اس پر ایک مضمون شائع ہو چکا ہے اب اردو میں یہ دوسرا مضمون شائع کیا جارہا ہے۔

(مرتب)

خدائے بزرگ و برتر کی مشیت کے مطابق ابتدائے آفرینش سے ہی حق و باطل کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے مقابلے میں ابلیس لعین غرور و تکبر کے نشے میں سجود بارگاہ ہونے سے انکار کرتا ہے جضرت ابراہیم علیہ السلام جب خدا کی وحدت و کبریائی کا علم لئے ہوئے اسلام کے شجر طیب کو ثمر بار بنانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ تو وقت کا نمرود حضرت ابراہیمؑ کے عزائم کی راہ میں روڑا بنتا ہے اور تاریخ اس بات پر بھی شہادت فراہم کرتی ہے کہ آپ کو اسی راہ پر خواز میں نمرود کی ذمیم سازشوں اور ہوس رانیوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ بالآخر دعوت حق کی پاداش جرم میں آپ کو آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں میں پھینک دیا جاتا ہے اگرچہ حکم خداوندی سے وہ آگ گل گلزار بن جاتی ہے جضرت موسیٰ جب دعوت حق کا علم اپنے ہاتھوں میں لے کر قوم کو رشد و ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرنے کی فکر کرتے ہیں تو فرعون "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کی صدا بلند کرتا ہے اور اپنی شوکت و حشمت کے زعم میں نبی مرسل کو ایذا رسانیوں کا نشانہ

بنتا ہے۔ اور جب ہادیٔ اعظم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پرآشوب اور پرفتن دور میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہوتے ہیں اور دم توڑتی ہوئی ہدایت کی پیاسی دنیا کو آبِ حیات پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ تو کفار و مشرکین کا بدنام اور رسوا کن کردار سامنے آتا ہے۔ ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ جو کبار جاہلیت میں شمار ہوتے ہیں حضورؐ اکرم اور آپ کی دعوت کے سرگرم مخالف بن جاتے ہیں۔ اور حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ کو سازشوں کے دام میں گرفتار کرتے ہوئے ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار ناپاک تدبیریں کیں کہ دعوتِ حق کے اس نام لیوا کا ہی کام تمام کر دیا جائے کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

ان تمام مخالفتوں کے طوفانی کشمکش سے گزرتے ہوئے یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے شیدائیوں کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہا اور پھر تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ حق و باطل کی آماجگاہ میں شکست و ہزیمت سے دوچار وہ لوگ ہوئے ہیں جو خواہشاتِ نفس کے بندے بن کر اور اپنی جھوٹی شہرت کے زعم میں خدائے برتر کی اس زمین پر دندناتے پھرتے ہیں۔ اور جن کے پاس نہ تو کوئی ضابطۂ اخلاق ہوتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی دستورِ زندگی۔

آج بیسویں صدی کے دور میں بھی اگر حق و باطل کی کشمکش کی تاریخ دہرائی جاتی ہے اور باطل متحد ہو کر اہلِ اسلام کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ حق و باطل میں کشمکش کا نہ ہونا حیرت و تعجب کی بات ہے۔ آج مستشرقین اور مبشرین کی ٹولیوں میں بہتیرے ایسے سرکردہ افراد نظر آتے ہیں جو قرآن و حدیث اور مقاماتِ مقدسہ کو موضوع بنا کر اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں لیکن اس رزم گاہِ حق و باطل کی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ جب سرفروشانِ اسلام خلوص و نیک نیتی کے ساتھ جذبۂ شہادت سے معمور ہو کر میدانِ مقابلہ میں اترے تو خدا کی تائید و نصرت ان کے شاملِ حال رہی ہے اور فتح و کامرانی نے ان کے قدموں کے بوسے لئے ہیں۔

ارضِ فلسطین — دینی حیثیت

آج عالمِ اسلام جن اہم مسائل میں گھرا ہوا ہے ان میں انتہائی اہم مسئلہ مسئلۂ فلسطین ہے۔ فلسطین کا یہ مسئلہ موجودہ زمانے میں حق و باطل کی کشمکش کا نمایاں مظہر ہے۔ یہ فلسطین وہ مقدس سرزمین ہے جو خدائے عزوجل کی برگزیدہ ہستیوں کی آماجگاہ تربیت بنی۔ یہ وہ مبارک مقام ہے جہاں سے دعوتِ اسلامی کو فروغ ملا۔ یہ وہی ارضِ مقدس ہے جو مسلمانوں کے قبلۂ اول کے نام سے جانی جاتی ہے اور اب اسے حرمین شریفین کے بعد پوری دنیا میں مقدس مقام اور عبادت گاہ کے لحاظ سے فضیلت و برتری کا درجہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی مقدس سرزمین کا تذکرہ کرتا ہے۔

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ

اسی کے متعلق نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا۔

الصلوۃ فی المسجد الحرام بمأۃ الف صلوۃ والصلوۃ فی مسجدی بخمس الف والصلوۃ فی بیت المقدس بخمس مأۃ صلوۃ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنا ۵ ہزار اور مسجد اقصیٰ میں ۵ سو نمازوں کے برابر ہے۔

قرآن پاک کی مذکورہ آیت اور حدیث نبوی کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ارضِ فلسطین پورے عالمِ اسلام کی توجہات کا مرکز ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کو قبلۂ اول جاننا اور ماننا ایمان و عقیدے میں شامل ہے پھر اسی بیت المقدس میں ایک وقت کی ادائیگی نماز کا ثواب ۵۰۰ نمازوں کے برابر ہونا اس کی دینی اور شرعی عظمت پر ناطق ہے۔ یہ قبلۂ اول بھی اسی سرزمین میں ہے جس کی آغوش میں خدا کے چیدہ اور برگزیدہ بندے پلے بڑھے۔ یہی وجہ ہے کہ ارضِ فلسطین سے محبت عقیدہ کی محبت ہے اس سے تعلق استوار کرنا روحانیت کا تقاضہ ہے۔

مسئلۂ فلسطین — ایک تعارف

جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے عربوں اور

یہودیوں سے متضاد وعدے کر رکھے تھے۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو اعلان بالفور کے ذریعہ ارض فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی یقین دہانی کرائی۔ اسی سال انگریز Allenby کے زیرقیادت جنوبی فلسطین میں آدھمکے۔ اور ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو انھوں نے یروشلم کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ یکم جولائی ۱۹۲۰ء کو یہ بھی طے ہوگیا کہ وہاں انگریز ہائی کمشنر کے ماتحت ایک ریاست قائم کی جائے۔ چنانچہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء کو برطانیہ نے باقاعدہ طور پر وہاں کی نگرانی سنبھال لی۔ عسکری قوت کے ماتحت فلسطینیوں کے اضلاع کی تعداد ابتدا میں تیرہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ کم کرکے سات کردی گئی بالآخر ریاستی حکومت کے ماتحت پورے علاقے کو دو ضلعوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ۱۹۲۲ء کے دستور کے مطابق مع ان تبدیلیوں کے جو ۴ مئی ۱۹۲۳ء کو وقوع پذیر ہوئیں، برطانوی ہائی کمشنر سب سے اعلیٰ فوجی اور ملکی اقتدار کا مالک ہوگیا۔ یہودی مجلس تحفظ ان یہودیوں کے مفاد کی نگہداشت کا فریضہ انجام دے رہا تھا جو ہجرت کرکے فلسطین میں مقیم ہو رہے تھے۔ کیونکہ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کے اعلان بالفور کے مطابق فلسطین کو ان کا مستقر قرار دے دیا گیا۔

فلسطین میں یہودی چور دروازے سے آنے لگے اور انگریزوں کی مدد سے اپنی نئی بستیاں بسانے لگے۔ دھیرے دھیرے ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ عام عرب آبادی ان کی روزافزوں تعداد سے خوف محسوس کرنے لگی۔ ۱۹۲۸ء، ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۶ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات ہوئے۔ لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس میں یہودیوں اور عربوں کے درمیان مفاہمت کی کوشش ہوئی۔ لیکن یہ ناکام رہی، اس کے بعد برطانوی حکومت نے فلسطین میں یہودیوں کے داخلے پر پابندی عائد کردی۔ جس کی وجہ سے اندر ہی اندر یہودیوں کی دہشت پسند تنظیموں نے اپنی کاروائیاں شروع کردیں۔ یہاں تک نظام حکومت بھی معطل ہوگیا۔ برطانوی حکومت نے تنگ آکر ملک میں دو ریاستوں عرب اور اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔ فلسطین میں برطانوی حکومت ۱۹۴۸ء میں ختم ہوگئی۔ اور ایک اعلان کی رو سے ایک آزاد اور خود مختار ریاست اسرائیل کے نام سے قائم کردی گئی۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کو

اسرائیل نے اپنے ہمسایہ عرب ملکوں پر حملہ کر کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔
چنانچہ مصر کو غزہ پٹی جزیرہ نمائے سینا، اردن کو دریائے اردن کے پار کے علاقے اور قدیم شہر یروشلم اور شام کو جولان کی پہاڑیوں سے محروم ہونا پڑا۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں ایک بار پھر عرب اسرائیل جنگ بھڑک اٹھی جس میں عربوں نے متعدد کھوئے ہوئے علاقے واپس لئے تاہم فلسطین کا مسئلہ حل نہیں ہوا اور دو جنگوں کے باوجود ہنوز کشمکش جاری ہے

انتفاضہ کا آغاز — پس منظر

۱۹۶۵ء میں فلسطینی بغاوت اس بات کی علامت تھی کہ اہل فلسطین ارض مقدس کی بازیابی کو اپنی نگاہوں سے دیکھیں اور یہودیوں کی سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں لیکن یہ بغاوت اس لحاظ سے اثر آفریں نہ ہو سکی کہ فلسطینیوں کے اندر کوئی بیداری نہیں آئی اور قابل ذکر جذبہ پیدا نہ ہو سکا جس سے یہودی صیہونیت کو کوئی سبق ملتا۔ ارض فلسطین کے چپے چپے میں اقتصادی جنگ، عزت وعفت سے کھلواڑ، انسانی حقوق کی پامالی، شب تاریک کی ظلمتیں، سفر وحضر کی اذیتیں، رزق ومعیشت کی تنگی یہ تمام نحوس ونامساعد چیزیں ارض مقدس کے باشندوں کا لازمۂ حیات بن گئی تھیں۔ ان حالات میں نوجوان نسل بالخصوص منتظر تھی کہ کوئی آئے اور ارض فلسطین کی بازیابی کے لئے رہبری کا فریضہ انجام دے۔

انتفاضہ کا خمیر تو برسوں سے تیار ہو رہا تھا مگر اس کا آغاز ایک معمولی واقعے سے ہوا۔ غزہ میں فلسطینی پارک میں ۶ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو ایک یہودی کو کسی نے چھرا مار دیا۔ اس کے نتیجے میں مقامی انتظامیہ نے پانچ سو فلسطینیوں کو گرفتار کر لیا۔ جس کی وجہ سے حالات کشیدہ ہو گئے۔ انتظامیہ نے یہ دیکھ کر انھیں رہائی دیدی اور پھر کرفیو لگا دیا۔ دو روز کے بعد یعنی ۸ر دسمبر ۱۹۸۷ء سے اس کرفیو کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ واقعہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ اس سے کوئی انقلابی آواز اٹھ سکے تاہم یہ عمل حوض میں پتھر پھینکنے کے مترادف تھا۔ اس روز شام کو عرب مزدور کام سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک یہودی ٹرک ان کی بس کو ٹکرا مار دیا۔ جس کے نتیجے میں چار عرب موقع پر شہید ہو گئے اور ۷ شدید زخمی ہو گئے۔ اسلامی تحریک

کے نوجوان اس حادثہ کے خلاف احتجاج کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ۵ ہزار افراد نے جنازہ میں شرکت کی اور زبردست مظاہرے کے لئے ان کی زبانوں پر یہ نعرہ تھا۔

قسماً باللہ الجبار، لتعودی یا داس۔

اگرچہ اس معمولی واقعے سے حالات انقلابی رخ اختیار نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن چونکہ بسا اوقات ظلم و زیادتی سے تنفر پیدا ہوگیا اور یہودی صیہونیت کی پامالی ان کا مطمح نظر بن گئی ہیں سلئے یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ مقبوضہ فلسطین کے گوشے گوشے میں صیہونیت کے خلاف اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خاطر مقدس جذبات نشوونما پا رہے تھے اور دوسری طرف دین و شریعت کے فروغ کے لئے ارض مقدس کی فضا خوشگوار تھی۔ انہیں عوامل اور اسباب کی بنا پر اس مبارک انتفاضہ کی صبح درخشاں نمودار ہوئی۔

انتفاضہ کی قیادت تین بڑی تحریکات کے ہاتھ میں ہے۔ ایک ہے حرکت جہاد اسلامی اس کا مرکز طرابلس کی یونیورسٹی الفجاج ہے حزب التحریر جو بہت بعد میں شریک جہاد ہوئی۔ تیسری پارٹی جو سب سے بڑی اور اہم ہے حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ جسے مختصراً حماس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق اخوان المسلمین سے ہے۔ اخوان المسلمین کے سلسلے میں یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ ایک عالمی تنظیم ہے جو عہد جدید میں تمام اسلامی تحریکات میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اس کا طرز فکر بہت ہی واضح اور مبرہن ہے۔ اعتقاد، سیاست، تربیت، معاشرت، عدالت، دعوت و تعلیم اور علوم و فنون تمام ہی معاملات زندگی میں اس کی راہنما تعلیمات باطل سے نبرد آزمائی کا سبق سکھا کر حق کی شاہراہ پر لے آتی ہیں۔ "اللہ غایتها والرسول قدوتها والقرآن دستورها، والجهاد سبيلها، والموت في سبيل الله أسمى أمانيها" یہی حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ کا منشور ہے۔ اسی پر عمل پیرا ہو کر وہ انتفاضہ کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہے۔ حماس کے فالج زدہ سربراہ [illegible] یاسین نے جیل سے یہ بیان جاری کیا وہ "امن و سلامتی" کے خوشنما عنوان۔

(بقیہ صفحہ ۵۹ پر)

الرشاد کی ڈاک

محترم المقام حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی "مدیر الرشاد"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں حسب سابق رعنائیوں کے ساتھ فروری ۱۹۹۱ء کا تازہ شمارہ الرشاد بذریعہ ڈاک احقر کو موصول ہوا شکریہ۔ یہ خالص علمی پرچہ ہے حروف مقطعات پر مضمون بے حد پسند آیا علاوہ ازیں ڈاکٹر ظفر الاسلام کا مضمون علی گڑھ کا "آلیہ فساد" بہت عمدہ اور صحیح لکھا ہے اور اداریہ تو بس سمجھئے کہ اس رسالہ کی جان ہے۔ جب تک اداریہ نہ پڑھ لیا جائے سیری نہیں ہوتی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کے نوکِ قلم سے تحریر کردہ اداریہ ملت کی صحیح سمت متعین کرتا ہے جو آپ کی قوم سے انسیت ورغبت کی ایک واضح مثال ہے، اللہ آپ جیسے قوم کے فکر مند افراد کو تا دیر سلامت رکھے، گذشتہ دنوں ملکی حالات بے حد خراب تھے خیر فی الحال قدرے غنیمت ہیں مگر ابھی آنے والے کل کا کوئی پتہ نہیں کب کیا ہوگا؟ اسی دوران اکتوبر، نومبر ۹۰ء کے دو شمارے احقر کو نہ مل سکے جس کا بے حد قلق ہے اگر ہو سکے تو اس سے قبل ایک اور مراسلہ ارسال کر چکا ہوں۔ اللہ آپ حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور رسالہ کو دوام بخشے۔ فقط والسلام

محمد راشد ندیم دھام پور، بجنور

از ڈابھیل مخدومی حضرت والا، زیدت الطافکم السلام علیکم

مزاج عالی قدر! گرامی نامہ مورخہ ۲۵ رجنوری چند دنوں قبل نظر نواز ہو کر باعث شادمانی ہوا، انشاء اللہ آپ کی رہنمائی میں شبلی وسلیمان کے علمی اسلوب کے اپنانے کی سعی بلیغ کروں گا، میں بے حد احسان مند ہوتا اگر آپ چند تصانیف کا نام لے کر ان کے مطالعہ کی طرف توجہ مبذول فرما دیجئے انشاء اللہ آئندہ آپ کو زحمت دوں گا۔ آپ کی نوازشوں کا بے حد ممنون،

خادم (جناب) علاء الدین (صاحب)، ڈابھیل

ایک اہم اعلان

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم — امابعد

جامعہ اسلامیہ موضع مظفرپور پوسٹ قلندرپور ضلع اعظم گڑھ یوپی جو اعظم گڑھ بنارس روڈ پر نہایت پرفضا جگہ پر واقع ہے جس کی عمارت عرصے سے زیر تعمیر تھی وہ اب پایۂ تکمیل کو پہونچ رہی ہے یہ جامعہ درحقیقت حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے اور دیگر اکابر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدفیوضہم اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم کی اس پر خصوصی توجہ ہے اس لئے جامعہ کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ امسال شوال سے ؁ھ سے ندوۃ العلماء کے نصاب کے مطابق درجہ اعدادیہ اول سے لے کر درجہ چہارم تک تعلیم کا آغاز کیا جائے اور اس کے لئے ماہر علماء وفضلاء کا تقرر کیا جائے اور حفظ کا شعبہ پہلے سے قائم ہے اس کو اور منظم طور پر چلایا جائے، حفظ و تجوید کا بہتر سے بہتر نظم کیا جائے اس لئے اس اعلان کے ذریعہ اطلاع کی جاتی ہے کہ جو طلبا اس میں داخلہ کا ارادہ رکھتے ہوں وہ اپنی درخواست شعبان کے آخر میں یا رمضان شریف میں بھیج دیں نیز یہاں سے داخلہ فارم حاصل کرکے جنہیں داخلہ کے جملہ شرائط موجود ہیں اسے پر کرکے بھیجیں اور منظوری کے بعد یہاں آنے کا ارادہ کریں نادار اور غریب طلبہ کے لئے وظائف بھی دیئے جائیں گے۔ والسلام

اختر عالم مظاہری ناظم جامعہ اسلامیہ موضع مظفرپور

پوسٹ قلندرپور ضلع اعظم گڑھ یوپی

بقیہ : — انتفاضہ

کے تحت کسی ایسی سازش کو ہرگز قبول نہیں کریں گے جو فلسطین کی حقیقی آزادی کی کوشش کو سبوتاژ کرنے والی ہو ہم پُر امید ہیں کہ انتفاضہ کا نتیجہ فلسطینیوں کی فتح اور مکمل آزادی کی شکل میں ظاہر ہو کر رہے گا۔

نئی کتابیں

فکر کی غلطی | از :۔ مولانا عتیق احمد قاسمی، صفحات ۲۵۲، کتابت و طباعت اعلیٰ، ناشر مکتبہ الارشاد ۲۲۸، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر ۔۔ نئی دہلی ۲۵

راقم الحروف کئی بار لکھ چکا ہے کہ خود رو افراد خواہ وہ کسی علم و فن کے ہوں ان میں گہرائی، توازن اور اعتدال اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتا جب تک اس فن کے کسی استاد کی خدمت میں رہ کر یا دوسرے الفاظ میں ان کی جوتیاں سیدھی کر کے اس نے وہ فن نہ سیکھا ہو ہمارے مولانا عبدالباری صاحب ندوی مرحوم اس بات کو اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ "کبیر بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کے سامنے ایک مدت تک صغیر بنا ہو ورنہ فتنہ بنتا ہے۔"

ہمارے وحیدالدین خاں صاحب کی کمی یہی ہے کہ وہ صغیر بننے سے پہلے کبیر بن گئے اس لئے ان کی ادعائی تحریریں دن بدن نہ صرف جادۂ اعتدال سے ہٹتی جا رہی ہیں بلکہ وہ اپنی ہر بات کو الہام ربانی کی حیثیت سے پیش کرنے لگے ہیں کتاب کے مرتب نے اس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس سے شاید ہی کوئی منصف مزاج آدمی کو اختلاف ہو سکے ان کی کچھ عبارت ملاحظہ ہو :۔

"زیر نظر کتاب "فکر کی غلطی" وحیدالدین خاں صاحب کے افکار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہے کتاب کے زیادہ تر مباحث کا تعلق موصوف کے دینی افکار سے ہے اسلام کی تعبیر و تشریح آیات قرآنی کی تفسیر اسلامی احکام اور تعلیمات کی تبیین میں وحیدالدین خاں صاحب کے فکری انحرافات اور ان کے "جدید تصور دین" کا منصفانہ جائزہ اس کتاب میں لیا گیا ہے۔

اسی طرح ملی مسائل میں موصوف کے فکر و فہم کی خطرناک لغزشوں کی نشان دہی کتاب کے مختلف مباحث میں کی گئی ہے :۔

وحیدالدین خاں صاحب نے صحابۂ کرام مجتہدین امت متکلمین اسلام، مجاہدین، شہدا، مصلحین و مجددین پر جو جارحانہ تنقیدیں کی ہیں ان کا بھی مختصر لیکن اطمینان بخش جائزہ اس کتاب میں قارئین کو ملے گا :۔ (مرتب)

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۲؍ ر

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے، پورے سٹ کی قیمت ۱۰؍

(۳) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۲؍

۴۔ خطبۂ نکاح جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک بہترین معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۱۲ پیسے۔

(۵) مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقوی میں ہونی چاہیئے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵؍ ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبے نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵؍ ہے۔ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی تبوک کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیے۔ قیمت مرہونِ شہ

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا قیمت چھپ

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب ندوۃ کی پبلک مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب [illegible] تھے۔ مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اس میں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے، یہ آخری کتابچہ شائع ہو گیا ہے۔ قیمت [illegible]

شکیل احمد مہتمم کتب خانہ الیٰ ناشر جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم کئی برس سے اصل اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد للہ اب اسلامی فقہ کا ساتواں ایڈیشن حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں ایڈیشن تاج کمپنی نئی دہلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملات و مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور زندگی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کو متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول [illegible] دوم [illegible]

۲۔ اسلامی قانون اجرت اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ تبع تابعین اس کتاب میں انیس اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔

قیمت : [illegible]

۴۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان تمام ۱۴۳ صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں۔ قیمت ۱۵ روپے

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان لوگوں کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت: چالیس روپے

۶۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک بڑی جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت: ۲۵ روپے

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۸۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: ۶۵ روپے

۸۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

اس میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ قیمت: ۱۰ روپے

□ شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد شاد نگر اعظم گڑھ

ماہنامہ

جامعة

الرشاد

MAY
JUNE
1991

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ یوپی

M.ALI.MAU

جامعۃ الرشاد
ایک نظر میں

محترم حضرات!

جامعۃ الرشاد محض ایک عربی درسگاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے۔ یہاں دینی علوم کی معیاری تعلیم کے ساتھ بقدر ضرورت جدید علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے فارغ ہونے والے طلبار ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بے بہرہ نہیں رہتے۔ گویا یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہے اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ یہ ادارہ بہت سے ملی کاموں کا بھی مرکز ہے نہ صرف ضلع بلکہ مشرقی اضلاع میں اس وقت جتنے ملی کام ہو رہے ہیں ان کا مرکز یہی ہے۔

تعلیم و تربیت

(۱) صرف ونحو اور عربی ادب دانشا پر شروع سے زور دیا جاتا ہے تاکہ طلبار کو عربی تقریر و تحریر پر پوری قدرت ہو جائے۔

(۲) فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر کی معیاری تعلیم تیسرے درجہ تک جاری رہتی ہے یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کے لئے عربی درجات کے پہلے ابتدائی تین سالوں میں ہر طالب علم کو سورۂ حجرات سے ختم قرآن تک مع تجوید حفظ کرنا ضروری ہے (۳) جامعۃ الرشاد کا نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم و تربیت اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے تفصیل کے لئے مقاصد و خصوصیات اور نصاب تعلیم اور "جامعۃ الرشاد اکابر کی نظر میں" والے کتابچوں کا مطالعہ کریں۔

(۵) معیاری تعلیم کے ساتھ بچوں میں زیادہ سے زیادہ علم دین کا ذوق عمل کا جذبہ اسلامی اخلاق و کردار کی پختگی ایمان و یقین کی کیفیت اور دعوت دین اور اتباع سنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اُن

سالانہ چندہ ہندستان سے -/۴۰ خصوصی معاون -/۱۰۰ قیمت: فی پرچہ -/۴	جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ **الرشاد**	سالانہ چندہ غیر ممالک سے ۱۵ امریکی ڈالر 15/-

جلد ۱۸ | مئی۔ جون ۱۹۹۱ء بمطابق ذیقعدہ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۳-۴

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات	جناب عبدالجبار احمد حسین شرارہ	۸
۳۔ گروپ لائف انشورنس کی شرعی حیثیت	" ڈاکٹر محمود الحسن عارف، لاہور	۱۸
۴۔ احکام اقرار اور اُن کی حجیت	" مولانا مبشر احمد، جامعہ مدنیہ لاہور	۳۷
۵۔ الرد علی المنطقیین	امام ابن تیمیہ کی ایک نادر کتاب	۵۰
۶۔ ملت اسلامیہ کا ایک اور روشن چراغ گل ہوا	مرتب	۶۰
۷۔ الرشاد کی ڈاک	-	۶۳

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

رشحات

آج سے ۴ ـ ۵ برس پہلے تک دنیا میں دوستی اور دشمنی کا جو معیار رہا ہے اب وہ بدل رہا ہے، دوست دشمن بن رہے ہیں اور دشمن دوست، پچھلی جنگ میں امریکہ اور اتحادی طاقتوں نے جاپان اور جرمنی کو تباہ و برباد کیا، جرمنی دو حصوں میں بٹ گیا اور دیوار برلن دونوں کے درمیان ۴۰ برس تک حائل رہی، مگر اس وقت یہ ممالک امریکہ کے سب سے بڑے دوست بن گئے ہیں اور دیوار برلن اب داستان پارینہ بن گئی ہے، گورباچوف کے دور سے پہلے امریکہ اور روس دونوں مدمقابل دشمن تصور کئے جاتے تھے، مگر وہ اب ایک دوسرے سے بہت قریب آ گئے ہیں، امریکہ کو یورپ میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے میں اس سے پہلے اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی کہ دیوار برلن کے ٹوٹنے اور عراق کی کویت پر فوج کشی کے بعد ہوئی ہے۔

ہندوستان کو روس کی دوستی پر بڑا ناز تھا مگر یہ سلسلہ بھی اب بکھر رہا ہے اس لئے کہ روس اب امریکہ کا حریف نہیں بلکہ دوست بن گیا ہے جب وہ حریف تھا تو اسے ایسے دوستوں کی ضرورت تھی جو سرد جنگ میں اس کا ساتھ دیں، مگر اب وہ سرد جنگ باقی نہیں رہی ہے اس لئے ہندوستان کے تعلق میں کوئی گرم جوشی باقی نہیں رہی، ہندوستان ٹائمس ۲۸ ر دسمبر ۱۹۹۰ء نے ہندوستانی صحافی مقیم واشنگٹن مسٹر این۔سی۔مینن کی رپورٹ چھاپی ہے، جس کا خلاصہ معاصر الرسالہ کے محترم مرتب نے نقل کیا ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں، وہ اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"عام طور پر لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ جب روسی صدر میخائل گورباچوف نے راجیو گاندھی کی حکومت کے زمانہ میں انڈیا کا

دورہ کیا تو اس وقت سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی نے انڈیا، چین اور سویت یونین کے درمیان قریبی تعاون کی تجویز پیش کی تا کہ امریکی دیو (اور شاید یورپ کے ابھرتے ہوئے اتحاد) کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دوستانہ دھڑا قائم کیا جا سکے۔ گوربا چوف نے بے رحمانہ صاف گوئی (Responded with brutal frankness) کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت ہمیں سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ نئی ٹکنالوجی ہے اور نئی ٹکنالوجی ہم کو نہ چین دے سکتا ہے اور نہ انڈیا۔ (الرسالہ اپریل ۱۹۹۱ء)

اس تبدیلی میں نہ تو کوئی اصول کارفرما ہے اور نہ کوئی اخلاقی معیار پیش نظر ہے اس میں صرف معاشی دباؤ، فوجی طاقت اور مادی فائدے دنیا کی بڑی طاقتوں کے سامنے ہیں اور اس کا شکار ہمارا عالمی ادارہ یو۔ این۔ او بھی ہے، جس کے منشور کی پہلی دفعہ "عقل و ضمیر کے اشتراک کی بنیاد پر بھائی چارہ کا قیام" ہے غور کیجئے کہ یہ ادارہ عراق کے جن جرائم کو قابل سزا قرار دیکر امریکہ کے دباؤ میں پابندیاں عائد کر رہا ہے۔ کیا یہ جرم روس، چین اور امریکہ وغیرہ مشرقی یورپ، تبت، ویتنام اور کوریا میں نہیں کر چکے ہیں؟ اور یہی جرائم بڑے پیمانہ پر اسرائیل آج تک کر رہا ہے مگر یہ سب مجرم کے کٹہرے کے بجائے انصاف کی کرسی پر بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔

اسی طرح اس جنگ کے بعد مشرق وسطی میں بھی دوستی و دشمنی کا معیار بدل رہا ہے، اردن جو ۴۰ سال سے امریکہ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا جس کے اشارہ پر اس نے ہزاروں فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا وہ یکایک موجودہ جنگ میں عراق کا حامی بن گیا، شام جو امریکہ کی دشمنی میں اول نمبر پر تھا اب اس کی کاسہ لیسی میں لگا ہوا ہے۔ تا کہ گولان کی پہاڑیاں اسرائیل خالی کر دے، ایران اور سعودی عرب کے

سفارتی تعلقات کئی برس سے منقطع ہو گئے تھے اور ایرانی حاجیوں کو ایران نے حج سے روک دیا تھا اب دونوں میں تعلقات بحال ہو گئے ہیں اور کئی سال بعد پھر اس سال ایک لاکھ سے زیادہ ایرانی حج کو جائیں گے اس تبدیلی میں بھی نہ تو کوئی اصول نظر آتا ہے اور نہ دین داخلاق اور اسلامی بھائی چارے کی کوئی جھلک دکھائی دے رہی ہے، جب کہ دونوں اپنے کو اسلامی قدروں کا علمبردار کہہ رہے ہیں۔ کرنل قذافی کا کوئی خاص ردعمل سامنے نہیں آیا ہے۔ مگر اب انکی طرف سے امریکہ دشمنی کا اظہار نہیں ہو رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ بھی کوئی نئی کروٹ لینے والا ہے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ برسوں سے بٹا ہوا یورپ اب مشترکہ منڈی اور ناٹو (جس کی اب شاید ضرورت نہیں ہے۔) کے ذریعہ متحد ہو رہا ہے۔ اور امریکہ سے مل کر دنیا اور خاص طور پر ایشیا اور افریقہ وغیرہ کے لئے ایک بڑا خطرہ بن رہا ہے۔ دوسری طرف روس چین، ہندوستان اور دوسرے ایشائی اور افریقی ممالک (جن کا کوئی شمار قطار نہیں ہے) چند سال پہلے جو امریکہ اور یورپ کے مقابلے میں ایک دوسرا محاذ قائم کئے ہوئے تھے اب وہ سب امریکہ کے سامنے سرِتسلیم خم کئے ہوئے ہیں، اس صورتحال میں اس وقت سب سے زیادہ تشویش کی بات مسلمان ملکوں کے لئے یہ ہے کہ وہ آئندہ اپنی کوئی دینی واخلاقی انفرادیت باقی رکھ سکیں گے یا نہیں؟ اس وقت کوئی مسلمان ملک دکھائی نہیں دے رہا ہے، جو اپنی دینی واخلاقی انفرادیت کے بقا کے لئے کوئی جدو جہد کرتا نظر آرہا ہو ایک زمانہ میں شاہ فیصل مرحوم نے اس سلسلہ میں کچھ اقدامات کئے تھے جو امریکہ کی سازش کا شکار ہو گئے پھر جنرل ضیاء الحق نے کچھ اقدامات کئے جن کو اندرونی سازش لے ڈوبی، پھر علامہ خمینیؒ کے انقلاب کے بعد ایران نے کچھ دم خم دکھایا مگر اب وہ بھی امریکہ کا حاشیہ نشین بننے کی فکر میں لگ گیا ہے، گویا

اس وقت اسلام کی اجتماعی اور دینی و اخلاقی قدروں کے لئے انتہائی خطرہ دکھائی دے رہا ہے۔ مگر اس کے مقابلے کی بات تو دور کی ہے اس کا پُر شور احساس بھی کسی مسلمان ملک کے اندر دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ اب صرف انفرادی دینی اخلاقی قدروں پر سب نے اکتفا کر لیا ہے، گویا اقبال کی زبان میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

ملّا کو جو ہے ملک میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

یہ تو بین الاقوامی صورتحال ہے جس میں سب سے زیادہ بے قیمت مسلمان ممالک نظر آ رہے ہیں، بالکل یہی صورتحال اس وقت ہمارے ملک کے اندر مسلمانوں کی ہے، جس مجلس میں گفتگو کیجئے مسلمان یہ کہتا نظر آئے گا کہ مسلمانوں کے اندر اتحاد نہیں ہے ان کی کوئی تنظیم نہیں ہے اُن کا کوئی لیڈر نہیں ہے مگر جب ان کہنے والوں سے پوچھا جائے کہ آپ نے خود اس اتحاد کے لئے کیا کیا، مسلمانوں کے اندر جو ٹوٹی پھوٹی تنظیمیں تھیں ان کا کتنا ساتھ دیا، اگر کسی لیڈر نے کوئی حکم دیا تو آپ نے اسے کتنا مانا تو اس کا کوئی جواب مشکل سے ایک فیصد لوگ دے سکیں گے،

ہم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کسی تنظیم کو چلانے اور اپنے اندر اتحاد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کے اندر ماننے کا جذبہ پیدا ہو، آزادی کے بعد ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی مرحوم نے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی کی ایک نئی ہلچل پیدا کی تھی اور ایک لیڈر کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کا جو تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب انہوں نے دے ڈالی اور مسلمانوں سے انہوں نے اجتماعی اور ملی احساس پیدا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں چاہا، مگر مسلمانوں نے ان کا کتنا ساتھ دیا ان کا جتنا دُن ہندوؤں نے محسوس کیا اتنا بھی مسلمانوں نے محسوس نہیں کیا بلکہ بعض بزرگوں نے سیاسی طور پر ان کی پیٹھ میں چھرا بھونک دینے کی کوشش کی، آخر کار وہ اپنی تمام

حسرتوں کے ساتھ اس دنیا سے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

ع جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پہ آوے

غرض یہ کہ ہمارے اندر کوئی مثبت اجتماعی احساس پیدا نہیں ہو پا رہا ہے اور نہ کوئی کسی کی بات ماننے کے لئے تیار ہے۔ ہر شخص اپنے محدود اغراض اور سطحی مفاد کے پیچھے بھاگ رہا ہے اس وقت ملک میں الیکشن کا ہنگامہ برپا ہے، اس میں آپ اس کا پورا مشاہدہ کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اجتماعی طور پر اس وقت سب سے زیادہ بے وزن ہم نظر آ رہے ہیں، بلٹز، نئی دنیا، اخبار نو، اور ہمارا قدم جیسے مفاد پرست اور سطحی اخبار کو ہم اپنا رہنما بنائے ہوئے ہیں جو ہمارے ذہنی انتشار کا ایک بڑا سبب بنے ہوئے ہیں، اس وقت ملت کے عوام و خواص کی بڑی تعداد خواجہ میر درد کے اس شعر کی مصداق بنی ہوئی ہے۔

دیکھئے یاں جسے اور ہی دماغ ہے
گر یک شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہے

اس الیکشن میں لوگ پوچھتے ہیں کہ کس پارٹی کو ووٹ دیا جائے، راقم الحروف جواب میں عرض کرتا ہے کہ آپ اس لئے نہیں پوچھ رہے ہیں کہ آپ میرے کہنے پر عمل کریں گے بلکہ رائے تو آپ پہلے سے خود ہی قائم کر چکے ہیں۔ اب مجھ سے تائید چاہتے ہیں تو بہرحال اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ ہندوستان کی کسی بھی پارٹی کا دامن بے داغ نہیں ہے سب کے دامن پر مسلمانوں کے خون کے چھینٹے ہیں اس لئے جس جماعت نے بنیادی طور پر ہماری تہذیب، ہماری زبان، ہماری عزت و آبرو اور جان و مال سے کھیلنے کو اپنے منشور کا جز بنا لیا ہے، اسے چھوڑ کر آپ جسے چاہیں ووٹ دیں، البتہ جنتا دل اس وقت ہمارے لئے قدرے زیادہ قابل قبول ہو سکتی ہے اس کے بعد کمیونسٹ پارٹی اور بی۔ ایس۔ پی کا نمبر آتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بی۔ ایس پی ایک شخصی پارٹی ہے جس کی واضح طور پر نہ تو کوئی مثبت پالیسی معلوم ہوتی ہے اور نہ ملک گیر آئندہ کوئی سیاسی نقشہ اس نے پیش کیا ہے۔

ایک بار کانشی رام جب نئے آئے تھے تو راقم الحروف نے یہ سوالات ان سے کئے تھے۔ مگر اس کا کوئی واضح جواب وہ نہ دے سکے مگر ان کی تحریک سے منفی طور پر فرقہ واریت پر قدرے ضرب لگتی ہے اس لئے اس کی تائید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

موجودہ کمیونسٹ پارٹی چونکہ فرقہ واریت کی بنیادی طور پر مخالف ہے اور وہ اب کسی نظریہ کی بنیاد پر کھڑی نہیں رہ گئی ہے اس لئے اس کی حمایت موجودہ حالات میں مفید ہے جیسا کہ بنگال کی کمیونسٹ حکومت کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے فرقہ پرست عناصر کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔

---

۲۲ اپریل ۱۹۹۱ء کو دلی میں پورے ہندوستان سے کچھ ممتاز علماء صاحب اثر خواص اور جدید تعلیم یافتہ حضرات جمع ہوتے تھے جنہیں ملک کے موجودہ سیاسی حالات اور مسلمانوں کے بنیادی مسائل پر غور کیا گیا اور اس میں مسلمانوں کو موجودہ حالات کے لحاظ سے کچھ سیاسی مشورے دیئے گئے، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی طے کیا گیا کہ الیکشن کے ہنگامہ اور نئی حکومت کے قیام کے بعد پھر اس کے جائزہ کے لئے جولائی میں دوبارہ اس کے نتائج اور اثرات پر غور کرنے کے لئے میٹنگ بلائی جائے البتہ اس میں دو مثبت پروگرام ابھی سے طے کر لئے گئے جس کا مکمل خاکہ اس میٹنگ میں پیش ہوگا

۱۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے اندر زیادہ سے زیادہ سیاسی ہم آہنگی اور ملی مسائل کے سلسلہ میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ دلی میں مسلمانوں کا ایک ایسا وسیع سکریٹریٹ قائم کیا جائے جس میں پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے تعلیمی، معاشی، اور معاشرتی حالات کا ریکارڈ موجود ہو پھر اس کی روشنی میں ان تمام میدانوں میں مسلمانوں کو آگے بڑھانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

عبدالجبار احمد حسین شرارہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات

کا

اردو ترجمہ

(۴)

محمد اقبال انصاری ندوی ، بدر جمال اعظمی

پانچویں رائے :

حروف مقطعات، قرآن کریم کے نام ہیں

مفسرین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ حروف مقطعات قرآن کریم کے نام ہیں جس طرح سے "فرقان" قرآن کریم کا ایک نام ہے، اور "ذکر" ایک نام ہے۔

امام طبری[۱] نے اس کا ذکر کرتے ہوئے، اس قول کو قتادہ، مجاہد اور ابن جریج کی طرف منسوب کیا ہے۔ طوسی[۲] نے بھی بعینہ یہی قول نقل کیا ہے، اور مذکورہ بزرگوں کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ اور امام رازی[۳] نے چوتھے قول میں اس کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ "یہ کلبی، سدی اور قتادہ کا قول ہے"۔

زنجانی[۴] نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں "حم" کے مادے کے تحت لکھا ہے کہ "یہ قرآن کریم کے ناموں میں سے ایک نام ہے"۔

لیکن ان حضرات کے پاس کوئی قابل ذکر دلیل نہیں ہے۔

---

۱ جامع البیان ۱ : ۸۸، اور اتقان ۲ : ۱۰ کی مراجعت فرمائیں۔

۲ التبیان ۱ : ۴۷ اور مجمع البیان ۱ : ۵ کی مراجعت فرمائیں۔

۳ مفاتیح ۲ : ۶ اور مراجعت فرمائیں، الجامع لاحکام القرآن ۱ : ۱۵۶ ۴ تاریخ القرآن ص ۹۴

(۱) ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے کہ: "المصٓ کو پورے قرآن کا نام نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ کیونکہ جب کوئی کہے کہ میں نے المصٓ کی تلاوت کی تو سننے والا صرف سورۂ اعراف سمجھے گا۔ اس کا ذہن پورے قرآن کی طرف ہرگز نہ جائے گا......"

(۲) ڈاکٹر عبدالتوابؒ نے ذکر کیا ہے کہ: "قرآن کریم کو فرقان، ذکر اور کتابؒ وغیرہ ناموں سے موسوم کرنا واضح معنی رکھتا ہے، برخلاف حروف مقطعات کے۔ حتی کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ کبھی کبھی نام رکھنے کے سلسلے میں معنویت کا لحاظ نہیں کیا جاتا جیسے: کوئی اپنے بیٹے کا نام "صخب" رکھے لیکن اگر ہم حروف مقطعات کو ہٹا کر اس کی جگہ لفظ قرآن رکھ دیں تو بھی بات بنتی نظر نہیں آتی، مثلاً: آیت کریمہ[۴] كٓهيعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا "یوں ہو جائے گی" اَلْقُرْآنُ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا" اور مثلاً: آیت کریمہ[۵] "طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى" یوں ہو جائے گی "اَلْقُرْآنُ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى" (مقصد یہ ہے کہ اس سے یہی نہیں کہ کوئی معنویت پیدا نہیں ہوتی بلکہ آیت بے ربط ہو جاتی ہے۔)

جو کچھ ڈاکٹر عبدالتواب نے کہا بالکل درست ہے مگر اس پر ہم اپنی طرف سے مزید یہ کہیں گے کہ حروف مقطعات کے ذریعے قرآن کریم کا نام رکھنا علماء میں معروف نہیں ہے اور ان حروف کے ذریعے نام رکھنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں۔

چھٹی رائے:

حروف مقطعات، قرآنِ کریم کی سورتوں کے نام ہیں

علماء مفسرین کی ایک بڑی تعداد کی یہی رائے ہے انھوں نے تمام دوسرے آراء کو ترجیح دی ہے اور بعض مستشرقین بھی

---

[۱] تفسیر القرآن العظیم، ۱/۳۱۶ [۲] افتتاح سورۃ الاعراف [۳] حول فواتح بعض السور ص[؟] [۴] سورۂ مریم [۵] سورۂ طٰہٰ

اسی طرف گئے ہیں۔
امام طبریؒ[1] نے ذکر کیا ہے کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں، پھر انھوں نے ایک روایت نقل کی ہے، جس کا مفہوم ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے "الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ" اور "الٓمٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ" کے سلسلے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میرے والد کا کہنا ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔"

اس رائے کو قاضی عبدالجبار معتزلیؒ[2] نے پسند کیا ہے، اور امام رازیؒ[3] نے لکھا ہے کہ اکثر متکلمین کی یہی رائے ہے، اور خلیل وسیبویہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ طبرسیؒ[4] نے اس رائے کو حسن اور زید بن اسلم کی طرف منسوب کیا ہے، اور علامہ زمخشریؒ[5] نے کہا کہ اسی پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے، علامہ زرکشیؒ[6] اور امام سیوطیؒ[7] نے اپنی تفسیروں میں اسے پیش کیا ہے۔ اور اسی کے قائل محمد عبدہؒ[8] بھی ہیں۔

اس رائے کے حاملین کے دلائل اور ان پر بحث

امام رازیؒ[9] نے بطور دلیل کہا ہے کہ حروف کے ذریعے نام رکھنے کی مثالیں کلام عرب میں موجود ہیں، مثلاً : وہ حارثہ بن لام طائی کے والد کو لام کہا کرتے تھے، اسی طرح وہ ثانیہ کو صاد، چاندی کو عین اور بادل کو غین کہتے تھے، جبل قاف تو ان کے یہاں مشہور چیز ہے، اور مچھلی کا نام انھوں نے نون رکھا۔

ابو سعودؒ[10] نے بھی حروف مقطعات کی اسمیت کا ذکر کیا ہے۔ اس کی دلیل وہ یہ بتلاتے ہیں کہ حروف اسم کی تعریف میں آتے ہیں، اور جیسے اسم تعریف، تنکیر، جمع اور تصغیر وغیرہ

---

[1] جامع البیان / ۱ : ۶۸ [2] تنشابہ القرآن / ۱ : ۱۶ [3] مفاتیح الغیب / ۲ : ۵، نیز رجوع کیجیے - الجامع لاحکام القرآن ۱ : ۱۵۶ کی طرف اور مدارک التنزیل / نسفی / ۱ : ۹ کی طرف [4] مجمع البیان / ۱ : ۳۲
[5] الکشاف / ۱ : ۳۲ [6] البرہان فی علوم القرآن / ۱ : ۱۷۳ [7] الدر المنثور / ۱ : ۶۴
[8] الاعمال الکاملہ ۴ : ۵۰ [9] مفاتیح الغیب / ۲ : ۵ اور اس کے بعد کے صفحات
[10] ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم / جلد ا

سے متصف ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی۔

اس دلیل پر لوگوں نے یوں کلام کیا ہے[1] :-

تین ناموں کے مجموعے کے ذریعے نام رکھنے کی مثال کلام عرب میں نہیں ملتی، اہل عرب نے نام رکھنے کے سلسلے میں دو ناموں کے مجموعے سے تجاوز نہیں کیا ہے، جیسے" یکرب" "بعلبک" وغیرہ کسی بھی عرب نے تین ناموں کے مجموعے یا چار ناموں کے مجموعے کے ذریعے کسی چیز کا نام نہیں رکھا، لہذا یہ کہنا کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں صحیح نہیں، کیونکہ قرآن کریم عرب کی زبان میں نازل ہوا۔

اس اشکال کے دفع کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ بے شک تین ناموں کے مجموعے کے ذریعے نام رکھنا عرب کے خلاف ہے لیکن ایسا اسی صورت میں ہے جبکہ حضرموت کی طرح اسے ایک ہی بنا دیا گیا ہو۔ البتہ غیر مرکب میں یہ قانون نہیں چلے گا۔ سیبویہ نے جملے کے ذریعے اور شعر کی بیت کے ذریعے نام رکھنے کی صراحت کی ہے۔"

لیکن یہ جواب مفید نہیں، جیسا کہ علامہ آلوسی[2] لکھتے ہیں۔

" اس جواب سے مذکورہ اشکال رفع نہیں ہوا، کیونکہ تین ناموں یا چار ناموں کے ذریعے تسمیہ کلام عرب میں مفقود ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ رہی سیبویہ کی بات تو وہ خود ثبوت کی محتاج ہے۔ حروف مقطعات کو سورتوں کے نام تسلیم کرنے میں یہ اعتراض[3] بھی اٹھتا ہے کہ اگر یہ سورتوں کے نام ہیں تو تواتر کے ساتھ اس کا علم ہونا چاہیے تھا، کیونکہ یہ نام اسماء عرب کے قواعد کے خلاف ہیں، اس طرح کی عجیب باتوں کو نقل کرنے کے داعی کثرت سے موجود ہوتے ہیں خصوصاً وہ باتیں جنہیں چھپانے کی کوئی ترغیب یا ترہیب بھی موجود نہ ہو لہذا اگر یہ بات نقل کی گئی ہوتی تو تواتر کے ساتھ اس کا علم ہوتا، اور ان حروف مقطعات کے سلسلے میں جو اختلافات موجود ہیں ان کا وجود نہ ہوتا، جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ سورتوں کے نام نہیں ہیں۔

---

[1] الکشاف /۱: ۲۰ اور بعد کے صفحات [2] روح المعانی / ۱: ۱۰۰ [3] ایضاً

اور جو جواب درج بالا اعتراض کا دیا گیا کہ "کسی لفظ معین کے ذریعے سورہ کا نام رکھنا کوئی مہتم بالشان بات نہیں تھی کہ مشہور ہی ہوتی" تو یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے۔ کیونکہ اگر واقعۃً یہ سورتوں کے نام ہوتے تو کم از کم کسی بھی صحابیؓ سے تو یہ بات منقول ہوتی، جب کہ صحابۂ کرام نے حروف مقطعات پر اسباب تاویل کے سلسلے میں گفتگو کی ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے جو لکھا ہے کہ : "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ 'یٰس قرآن کا دل ہے' اور 'جس نے حٰم کی تلاوت کی وہ صبح تک محفوظ رہا' اور سنن میں آیا ہے کہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صٓ میں سجدہ کیا"۔ جب بعض سورتوں کے سلسلے میں ثابت ہو گیا کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں تو تمام سورتوں کے سلسلے میں ثابت ہوا، اس لئے کہ فرق کرنے کی کوئی وجہ نہیں، مزید برآں یہ بھی کہ دو ناموں میں سے ایک کی شہرت دوسرے کی اہمیت کے منافی نہیں۔[1]

علامہ آلوسی کا یہ قول اعتراض سے نہیں بچ سکتا، کیونکہ جو حدیثیں انھوں نے پیش کیں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اور نہ کسی صحابی نے انھیں نقل کیا، اور نہ ہی اس سے حجت پکڑی، مختلف سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کے فضائل کے سلسلے میں جو خبریں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب ایک رتبے کی نہیں ہیں، ان میں سے بعض تو مطعون[2] ہیں، اور اگر ان حدیثوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ مراد (یعنی حروف مقطعات کے اسمیت) کی خبر نہیں دیتیں پس ضروری ہے کہ جو کچھ ان حدیثوں میں مذکور ہے۔ اسی پر اقتصار کیا جائے، بقیہ سورتوں کے حروف مقطعات کو بھی نام تسلیم کر لینے کی کوئی وجہ ترجیح موجود نہیں ہے۔

۲۔ امام رازیؒ[3] ایک دلیل لائے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

---

[1] ایضاً [2] البیان فی تفسیر القرآن / الخوئی / ص ۲۸، نیز رجوع کیجئے الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ / الشوکانی / ص ۲۹۶

[3] مفاتیح الغیب / ۲۵

"حروف مقطعات کا یا تو کوئی مفہوم ہوگا یا نہیں، اگر مفہوم ہے اور یقیناً ہے تو اللہ تعالی کی مراد یہی ہے کہ انھیں اسمائے القاب بنایا جائے، کیونکہ یہ اسمائے معانی نہیں بن سکتے، اس وجہ سے عربی زبان میں معانی کے لئے ان کی وضع نہیں ہوئی۔ اسی طرح کے قول سے علامہ آلوسی نے بھی استدلال کیا ہے۔

درج بالا رائے پر یوں بحث کی گئی ہے

امام رازیؒ نے ذکر کیا ہے کہ بعض سورتیں ایک ہی جیسی حروف مقطعات سے شروع کی گئی ہیں، مثلاً: سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران "الٓمٓ" سے، اور بعض دوسری سورتیں "حٰمٓ" سے، تو یہاں اشتباہ برقرار رہا۔ حالانکہ اسم علم سے ازالۂ اشتراک مقصود ہوا کرتا ہے، اگر اس اعتراض کا جواب یہ دیا جائے کہ یہ اس جماعت کی طرح ہے، جس کے ہر فرد کا نام محمد ہو، یہاں اشتراک علمیت کے منافی نہیں، تو ہم جواب دیں گے کہ الٓمٓ قطعاً معنی کا فائدہ نہیں دیتا، اگر ہم اسے علَم بنائیں تو تعین اور ازالہ اشتباہ کے سوا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور جب یہ بھی حاصل نہ ہو تو بھلا کیسے اسے علَم بنایا جا سکتا ہے! رہا محمد کے ذریعے نام رکھنا تو اس میں دوسرے مقاصد بھی پیش نظر ہوتے ہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا کہ "کچھ ضروری نہیں کہ دو صورتیں یا تین سورتیں ایک ہی نام کی ہوں تو آپس میں مختلط بھی ہو جائیں جیسے کچھ لوگوں کا نام ایک ہی ہو تو جب تمیز مقصود ہوتی ہے تو اس میں کسی صفت کا اضافہ کر دیتے ہیں، اسی طرح جب ایک ہی نام کی سورتوں میں تمیز مقصود ہو تو کہیں گے" الٓمٓ ذٰلِكَ" الٓمٓ اللّٰہ لا الٰہ" وغیرہ۔

یہ جواب صحیح نہیں ہے، علامہ آلوسیؒ نے ذکر کیا ہے کہ:

۱؎ روح المعانی ۱/: ۹۹ ۲؎ ایضاً ۳؎ التبیان ۱/: ۴۹، اور طبری ۱/: ۹۰ کی طرف رجوع کریں ۴؎ روح المعانی ۱/: ۱۰۰

"ایک آدمی کئی چیزوں کا ایک ہی نام رکھے تو یہ عیب ہے" اور اس سے علمیت میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ سیبویہ وغیرہ کا قول نص نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ انھوں نے جملے یا بیت شعر کو اسم نہیں بلکہ جاری مجری اسم مرادلیا ہو جیسے کہ لوگ کہتے ہیں: میں نے بانت سعاد پڑھا"۔ میں نے "قل ہو اللہ احد" کی تلاوت کی"۔ یعنی وہ قصیدہ اور وہ سورۃ جس کا شروع یہ ہے، بعد ہیں" بانت سعادُ اور" قل ھو اللّٰہ احد" نے کثرت استعمال کی وجہ سے علم کی جگہ لے لی۔ معلوم ہوا کہ حروف مقطعات علمیت سے خالی ہیں، اور اشتراک بھی صحیح نہیں کہ اشتباہ واقع ہو جائے اور یہ نام تعیین کا فائدہ ہی نہ دیں اور جب یہ فائدہ حاصل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ نام رکھنا بیکار محض ہو گا' جیسا کہ امام رازیؒ نے کہا ہے۔[۱]

مزید براں یہ بھی کہ سورتوں کے مختلف ایسے اسماء کے ذریعے نام جن سے وہ سورتیں مشہور ہیں، جیسے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران وغیرہ تو وہ توفیقی ہیں، اس میں اپنی طرف سے کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

امام سیوطیؒ نے کہا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کسی آیت کا نزول ہوتا تو آپ کاتبین وحی کو حکم فرماتے کہ وہ اس آیت کو فلاں سورہ میں درج کر لیں ...."[۲] اس بنا پر کسی کے لئے جائز نہیں کہ سورتوں کا جو نام چاہے وضع کرے یا اختیار کرے۔ حاصل کلام یہ کہ مسلمانوں کے درمیان سورتوں کے جو نام مشہور ہیں' وہ حروف مقطعات نہیں ہیں، اس کے برعکس[۳] جو روایات وارد ہیں وہ مراد کا پتہ نہیں دیتیں اور اس کے علاوہ وہ خلاف مشہور[۴] بھی ہیں۔

مناسب ہوگا کہ لگے ہاتھوں ہم دو[۵] مستشرقین (نولدکہ اور جوشنز) کی رائے بھی بیان کرتے چلیں، ان دونوں کی رائے ہے کہ: حروف مقطعات سورتوں کے قدیم نام تھے

۱۔ مفاتیح الغیب / ۱۲: ۵ ۲۔ الاتقان / ۱: ۶۲ ۳۔ روح المعانی / ۱: ۹۹ اور بعد کے صفحات ۴۔ تفسیر القرآن الکریم / شلتوت / ص ۶۳ - ۵۔ ملاحظہ ہو: مباحث فی علوم القرآن از ڈاکٹر صالح / ص ۲۴۰، اور حول فواتح بعض سور القرآن / از ڈاکٹر رمضان عبدالتواب۔

کے اختصار ہیں، دونوں نے حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورہ کے منفرد الفاظ یا معین آیت کی طرف رجوع کرکے اس اختصار کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً بور کی رائے ہے کہ "ص" دراصل صافات ہے، یہ لفظ اسی سورہ کی آیت نمبر ۳ میں آیا ہے۔ اور "ن" مجنون ہے جو اسی سورہ کی آیت نمبر ۲ میں آیا ہے، اور "الر" الرحمٰن ہے، اور طسم "طور سینین + موسیٰ" ہے، وغیرہ۔

جوسنزر نے بھی یہی روش اختیار کی ہے، البتہ وہ اپنے نتائج افکار کو زیادہ وزنی سمجھتا ہے، اس نے، بور پر سخت تنقید کی ہے کہ وہ کبھی کبھی تکملات کو اسی سورہ سے اختیار نہیں کرتا، جس کے شروع میں رمز (حروف مقطعات) آیا ہے، لیکن وہ خود بھی جب اسی سورہ کے اندر جس کے شروع میں رمز ہے مناسب تکملہ کی دریافت سے عاجز ہوتا ہے تو وہی کرتا ہے جس کے لئے بور کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، مگر وہ یہ فرض کرلیتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں دراصل کبھی ایک تھیں، پھر الگ ہوگئیں، اسی طرح وہ یہ بھی کہتا ہے کہ معینہ آیات اپنی پرانی جگہ سے ہٹا دی گئیں، مثلاً اس کی رائے ہے کہ اکیسویں سورہ کی ستاسیویں آیت میں (ن = النون) = (الحوت) اڑسٹھویں سورۂ نون کی اڑتالیسویں آیت میں - اور (ق) = القرآن، سورۂ قاف کی پہلی آیت میں، اور (الر) = الرسل ہے، کیونکہ اس سورہ میں رسولوں کے قصے ہیں، اور (ص) = الصافات، سینتیسویں سورہ کی پہلی آیت میں، کیونکہ صافات کی ۱ تا ۱۱ آیات پہلے سورہ ص میں تھیں....."

کئی وجہوں سے یہ رائے نا قابل قبول ہے

(۱) اس رائے میں بھی حروف مقطعات کو سورتوں کا نام قرار دیا گیا ہے، اگرچہ ان حروف کو سورتوں کے نام قرار دینے میں مستشرقین اور مسلمان علماء دونوں کے راستے الگ ہیں، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ مستشرقین نے یہ راستہ اس تصور کے ساتھ اپنایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے تعلیمات سے متاثر ہو کر اپنی طرف سے قرآن پیش کیا ہے[۱]۔

---

[۱] نظرات استشراقیۃ فی الاسلام / ڈاکٹر محمد غلاب / ص ۳۱ تا ۴۲

نصِ قرآنی میں حروف مقطعات کا اضافہ کیا ہے جسے ہم پہلے ہی باطل قرار دے چکے ہیں، پھر ہم نے مختلف دلیلوں سے اس رائے کو کنڈم (condem) کردیا کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر رمضان عبدالتواب[1] نے ذکر کیا ہے کہ: اگر فرض کرلیا جائے کہ سورتوں کے نام بسم اللہ کے بھی آ سکتے ہیں۔ اور یہ بھی مان لیا جائے کہ عرب اس قسم کے اختصار سے آشنا تھے تو بھی وہ تفسیریں جو بور نے پیش کی ہیں حتمی اور قطعی نہیں ہوسکتیں، کیونکہ مثلاً "یٰسٓ" ممکن ہے کہ لفظ "یَسْعٰی" (آیت ۱۹) کا مختصر ہو، جیسا کہ بور کہہ رہا ہے۔ مگر جب تک کہ کوئی راجح موجود نہ ہو یہ بھی امکان ہے کہ لفظ "یستھزؤن" (آیت ۳۰) اور لفظ "یستطیعون" (آیت ۵۰، ۵۰) کا مختصر ہو۔ بور نے بھی اسے محسوس کیا ہے، الٓمٓ کی تفسیر کے بعد اس نے لکھا ہے:

"یہاں پر کوئی برہان ممکن نہیں، حتی کہ ترجیح بھی نہیں دی جاسکتی۔" اور صرف اسی دلیل کی بنیاد پر وہ جوسنز کی رائے اور اس کے حتمی تسلیم کرنے کی تردید کرتا ہے۔

۳۔ جوسنز نے اپنے مذکورہ دعوے کی اساس ایسے تخیلات اور مفروضات پر رکھی ہے جو خود بے بنیاد ہیں، اور کوئی منقول خبر ان کی تائید نہیں کرتی، وہ کہتا ہے[2]

"جن سورتوں میں رموز (حروف مقطعات) آئے ہیں وہ ایک زمانے میں کسی جامع کے پاس تھیں، جس نے ایک چھوٹے مجموعے میں انھیں جمع کر رکھا تھا، اس طرح وہ باقی دوسری سورتیں الگ تھیں، اور اس جامع نے واضح طور پر سورتوں کے اس وقت کے مروجہ نام اور سورتوں کے نص میں فرق کر رکھا تھا، یعنی اس نے "ن" "ق" اور "ص" وغیرہ کے ذریعے سورتوں کے ناموں کو مختصر کردیا تھا، کیونکہ اس کے لئے یہ نام ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس کے اصل مقصد یعنی جمع نصوص قرآن سے ان ناموں کا کوئی واسطہ نہ تھا، پھر وہ شخص آیا جس نے قرآن کریم کو کل طور پر موجود

۱۔ حول فواتح بعض سور القرآن ۲۔ ایضاً

شکل میں جمع کیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اختصارات نصِ قرآن کا جز نہیں بلکہ در حقیقت سورتوں کے نام ہیں، چنانچہ اس نے انھیں بھی بسم اللہ کے بعد نصِ قرآن کے ساتھ ملا دیا اور سورتوں کے دوسرے نام گڑھ کر رکھ دیئے"۔

ہم کہتے ہیں کہ جوسنز کی رائے محققین[1] کی اس ثابت شدہ رائے کے خلاف ہے کہ "جمع قرآن اس طرح پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا جس طرح بعض ان روایات میں بتایا گیا ہے جس پر ممکن ہے جوسنز نے اعتماد کیا ہو، بلکہ یہ کام تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا، اور اسی وقت سے تواتر کے ساتھ اسے حفظ اور نقل کیا جاتا رہا ہے، اور جو چیز تواتر کے ساتھ منقول ہو اس پر سہو و نسیان کا گمان ناممکن ہے، اور اس میں کسی خارجی اضافے کا احتمال باقی نہیں رہتا، اسی لئے تو ہم نے جوسنز کی رائے کو محض تخیل اور مفروضہ کہا ہے، جو ہر طرح کی علمی واقعاتی اور تاریخی تائید سے محروم ہے۔

(جاری)

---

[1] البیان فی تفسیر القرآن / خوئی / ص ۲۰۰ اور اس کے بعد کے صفحات اور ملاحظہ کیجئے۔ دراسات فی القرآن ڈاکٹر سید احمد خلیل / ص ۵۸ اور اس کے بعد کے صفحات۔ اس میں ہے کہ:

"اقوامِ عالم بالآخر اس بات کو ماننے پر مجبور ہوئیں کہ: قرآن کریم ہی ان تمام کتابوں میں صحیح ترین کتاب ہے جن سے بشریت آشنا ہے۔ اور وہ تاریخی فلسفہ جسے جعفری نے گڑھا، خود اس کی زندگی میں بھی کوئی مقام حاصل نہ کر سکا، کیونکہ دوسری آسمانی کتابوں کی طرح ایسا نہیں ہوا کہ قرآن کریم پر بھی کئی صدیوں تک پڑا رہا ہو بلکہ جونہی اس کے اجزاء نازل ہوتے پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کاتبیں وحی کے ذریعے لکھا دیتے۔ جمع قرآن کے تینوں مرحلے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے کچھ قرآنی نص کی تحقیق کے لئے نہ تھے، بلکہ اسلامی حکومت کے تدریجی مراحل کے ترجمان تھے، یعنی پہلے اسلامی حکومت کا دائرہ محدود تھا، پھر وسیع ہوتا گیا اور اس کی ضرورتیں بھی لازماً بڑھتی گئیں"۔

گروپ لائف انشورنس کی شرعی حیثیت

(۱)

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

انشورنس کے مسئلہ میں اس وقت علماء کے مختلف حلقوں میں جو بحث چھڑی ہوئی ہے، ان میں زیادہ تر حلقے ہندوستان کے حالات کے تحت یا فی نفسہ اس کے جواز کے قائل نظر آتے ہیں، راقم الحروف کے نزدیک ربٰو و قمار کی حرمت چونکہ منصوص حکم ہے، اور اس میں دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، اس لئے اس کا جواز کسی حالت میں صحیح نہیں سمجھتا۔ اگر ایک بار ہم نے اس پر جواز کی مُہر لگا دی تو حالات کی مجبوری اور عدم مجبوری میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا، اور اس کی شناعت اور گھناؤنا پن جو قلب و دماغ میں بیٹھا ہوا ہے وہ جاتا رہے گا، تو پھر دوبارہ اسکی حرمت کا احساس پیدا کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس وقت جو لوگ بیمہ کراتے ہیں ان کی بڑی تعداد اپنے کو گناہ گار سمجھتی ہے۔ اس کے بعد پھر یہ احساس بھی جاتا رہے گا۔ جیسا کہ صبح الوفاء

البتہ مضمون نگار نے گروپ انشورنس کی جو تفصیل دی ہے، اس کی روشنی میں امداد باہمی کے طور پر انشورنس کا نام دئے بغیر اس کو جاری کیا جا سکتا ہے، یعنی انھوں نے گورنمنٹ ملازمین کی حیثیت سے بحث کی ہے، جہیں جبر کا پہلو ہے۔ اور راقم الحروف امداد باہمی کے طور پر بغیر کسی جبر کے رواج دینے کی بات عرض کر رہا ہے۔

گروپ انشورنس کی جو تفصیل مضمون نگار نے دی ہے، اس میں قمار تو نہیں پایا جاتا۔ مگر وراثت کے نظام اور اس پیسے سے بینک کے ذریعہ جو سود و قمار کا کاروبار

ہوتا ہے اس کو نظر انداز کر سے پراضوں نے جو بحث کی ہے، وہ البتہ قابل غور ہے۔

اس مضمون میں عموم بلویٰ اور فساد زمانہ کے بعض نئے گوشے سامنے آئے ہیں اس لئے

مزید بحث کے لئے الرشاد میں دیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

"گروپ لائف انشورنس (طبقاتی بیمہ) کا مسئلہ خاص طور پر دور حاضر کے سرکاری ملازمین کے لئے خصوصی طور پر بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف علمائے کرام کے اس بارے میں اس کی حرمت کے حق میں فتاویٰ ہیں اور دوسری جانب وقت اور زمانے کی ضروریات ہیں اور پھر تشویشناک حد تک بڑھتے ہوئے حادثات اور مختلف بیماریاں ہیں، ان حالات میں بالخصوص سرکاری ملازمین کیا کریں؛ ذیل میں اسی مسئلے کے دونوں پہلو پر مفصل بحث کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ مسئلے کی نوعیت

مسئلے پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اصل مسئلے کی نوعیت کو ذہن نشین کر لیا جائے کہ اس وقت ہمارے سامنے جو معاملہ درپیش ہے، اس کی نوعیت کیا ہے۔

کہنے کو تو یہ "لائف انشورنس" یعنی "تاحیات بیمے" ہی کی ایک قسم ہے اور اسے اسی کے تحت ذکر بھی کیا جاتا ہے[1] تاہم اگر بامعان نظر دیکھا جائے تو دونوں میں بہت سی باتوں میں بنیادی فرق موجود ہے۔ چند فروق کی جانب توجہ دلانا مناسب ہوگا

۱۔ بیمہ کی مروجہ دیگر اقسام میں "بیمہ دار" اگر دوران میعاد مر جائے، تو وہ کمپنی کی جانب سے پوری رقم کی ادائیگی کا حقدار ہوتا ہے اور اگر وہ اپنی میعاد پوری کرے، تو اسے اس کی جمع کردہ رقم مع منافع واپس کر دی جاتی ہے، چنانچہ گروپ لائف انشورنس میں متعدد افراد، جن کی تعداد ۵۰ سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی، باہم مل کر ایک فنڈ

---

[1] ان کی تعریف (Definition) پر پروفیسر رابرٹ آئی مہر (Robert I. Mehr) اور پروفیسر رابرٹ ڈبلیو اوسلر (Robert W. Osler) نے اپنی کتاب (Modern Life Insurance) باب سوم میں بڑی طویل اور مفصل بحث کی ہے۔

قائم کرتے ہیں۔ یا ان کا ملازمتی ادارہ ایسا فنڈ قائم کرتا ہے جس میں ملازم (EMPLOYEES)
اور ادارہ (EMPLOYER) دونوں عطیات جمع کرتے ہیں اور بوقت ضرورت یعنی
میعاد ملازمت کے دوران میں معذور ہو جانے والے، یا وفات پا جانے والے فرد کے
اہل خانہ کی امداد، بصورت نقد یا جنس کی جاتی ہے لہذا یہاں اپنی جمع ہوئی رقم بمع سود
واپس ہونے کا کوئی پہلو نہیں)، البتہ جو رقم کسی کو دی جاتی ہے' اس میں تمام ممبران کے
عطیے شامل ہوتے ہیں[1]

۲ ـــ بیمہ کی دوسری تمام اقسام منفعت کی اساس پر قائم ہیں' دوسرے لفظوں میں
وہ ایک کاروبار (BUSINESS) کی حیثیت رکھتی ہیں، جبکہ گروپ لائف انشورنس
کی اساس باہمی بھائی چارے اور اخوت و باہمی تعاون پر ہے۔ یہاں اسے منفعت
بخش کاروبار کی حیثیت حاصل نہیں۔

۳ ـــ لائف انشورنس کی دیگر اقسام۔ مثلاً تا حیات بیمے یا میعادی بیمے میں ایک اور
فرق یہ ہے، کہ ان کے پختہ ہو جانے (یعنی MATURLY) کے بعد ان کی جمع
شدہ رقوم بمع منافع واپس مل جاتی ہیں۔ نیز چند سالوں کے بعد ان کی بنیاد پر حکومت سے
قرض لیا جا سکتا ہے' مگر زیر بحث یعنی گروپ انشورنس کی نوعیت اس سے مختلف ہے،
اس میں فقط ممبران کے اہل خانہ کو، حادثے یا دوران ملازمت موت کی صورت
میں امداد دی جاتی ہے' اس لیے اس کے لئے عمر کی معیار ۶۰ سال مقرر ہے اور
اس کے لئے طبی معائنہ بھی لازم ہے اور اگر کسی کے ساتھ ایسا حادثہ پیش نہ آئے،
تو میعاد گذرنے کے بعد' اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا جاتا۔ اس لئے اس میں
" اصل رقم بمع سود" حاصل ہونے کی وہ صورت نہیں پائی جاتی۔ جو" عام انشورنس" میں پائی
جاتی ہے۔

---

[1] پروفیسر رابرٹ آئی مہر (ROBERT I MEHR) اور پروفیسر ڈبلیو اوکلمکی
کتاب ماڈرن لائف انشورنس۔

۴۔ انشورنس کی باقی اقسام میں سے کسی ایک کا انتخاب یا عدم انتخاب افراد کی اپنی صوابدید پر ہے لیکن "گروپ لائف انشورنس" کے سلسلے میں افراد کو قطعاً اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کا حصول ہر سرکاری اور نیم سرکاری ملازم کے لئے ضروری ہے۔

۵۔ بیمہ کی باقی اقسام حکومت کے تحت نہیں، البتہ اس کی نگرانی میں چلتی ہیں، جب کہ "سرکاری/نیم سرکاری ملازمین کی گروپ انشورنس" خالصتاً حکومت کے ماتحت ہے۔

۶۔ عام بیمہ (انشورنس) پر تو ہمارے قریبی بزرگوں میں سے بہت سے بزرگوں نے قلم اٹھایا ہے۔ البتہ خاص طور پر "گروپ لائف انشورنس (تا" حیات طبقہ بیمہ) پر کسی نے بھی قلم نہیں اٹھایا اور چونکہ ہمارے ان گرامی قدر اسلاف نے بھی بیمہ کی بعض اقسام کے جواز[1] کو ثابت کیا ہے۔ مثال کے طور پر مفتی محمد شفیع نے علامہ ابن العابدین مفتی شام کے فتویٰ کے علی الرغم ادرکا غذات کے بیمہ کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔[1] اس لئے زیر بحث صورت میں ہمارے لئے سوچنے کا میدان زیادہ وسیع ہے۔

۲۔ تمہید

اس موضوع پر گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے، میں مناسب سمجھتا ہوں، کہ چند باتوں کو بطور تمہید پیش نظر رکھا جائے۔

اولاً: یہ کہ "بیمہ" کا تصور تکنیکی طور پر، دور جدید کی پیداوار ہے قدیم زمانے میں نہ تو اس قسم کے حوادث تھے اور نہ ہی اس نوع کے مسائل، اسی بنا پر اس بارے میں ہمارے قدیم بزرگوں سے ہمیں کوئی مثبت یا منفی رہنمائی نہیں ملتی، اسی لئے یہ مسئلہ اجتہادی اور قیاسی مسائل میں شامل ہے۔ جن کے بارے میں ہمیں حدیث معاذ بن جبل[2] سے سوچ بچار، غور و فکر کر کے صحیح نتیجے تک پہنچنے کی تاکید اور ہدایت ملتی ہے۔

ثانیاً: یہ کہ عملی طور پر اس وقت مسلمانوں کی اکثریت "بیمہ حیات" کو عموماً

---

[1] بیمہ زندگی مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۸ — ۱۹۔

[2] یہ حدیث مشہور و متداول ہے اسے ابوداؤد السجستانی (سنن، کتاب الاقضیہ، باب ۱۱)، امام ابوعیسیٰ الترمذی (کتاب الاحکام، باب ۳) اور الدارمی (سنن مقدمہ) نے روایت کیا ہے۔

اور "تاحیات طبقہ بیمہ" کو خصوصاً اختیار کر چکی ہے، گو مسلمانوں کا اجتماعی عمل کسی غلط اور ناجائز امر کے جواز کا باعث نہیں بن سکتا۔ تاہم اگر "مسئلہ" جدید (حدیثہ) ہو اور اسلاف سے اس کے متعلق کوئی واضح ہدایت نہ ملتی ہو۔ تو "عموم بلویٰ" یا "ابتلائے عام" کی یہ دلیل کسی نہ کسی رنگ میں اکثر فقہاء کے ہاں بھی ملتی ہے۔

ثالثاً : اس وقت کی تیز رفتار مشینی زندگی نے جہاں انسان کے لئے طرح طرح کی سہولتیں اور فوائد مہیا کئے ہیں، وہاں اس نے انسانی زندگی کے لئے خطرات و مصائب میں بھی بے پناہ اضافہ کر دیا ہے، جس سے معذور اور یتیم و بے آسرا ہو جانے والے افراد کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا یہ مسئلہ پوری امت مسلمہ کی توجہ کا محتاج ہے تاکہ اس کا کوئی حل تلاش کر کے مسلم معاشرے میں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا بروقت اور مناسب مداوا کیا جا سکے۔

د : پھر یہ مسئلہ صرف ایک ملک کے مسلمانوں ہی کا نہیں، بلکہ دنیا کے تمام اسلامی وغیر اسلامی ممالک کا بھی ہے، ان میں سے بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں (ہمسایہ ممالک بھارت، چین اور روس کی مثالوں کو سامنے رکھا جائے) جہاں ہر آئے دن مسلمانوں کی جانوں، ان کی املاک اور اشیاء کو خطرہ لاحق رہتا ہے وہاں کے مسلمان ویسے ہی ابتر حالات کا شکار ہیں اور اگر خدانخواستہ "کمانے والا ہاتھ" کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو اس صورت میں ان کے تحفظ اور ان کے معاشرتی و اقتصادی مسائل کے حل کی کیا صورت ہوگی؟

ھ۔ پھر اسلام نے بہبود عامہ (PUBLIC WELFEAR) کا جو ہمہ گیر نظام "زکوٰۃ و صدقات" کی صورت میں پیش کیا ہے، وہ اس وقت تمام اسلامی ممالک بشمول پاکستان میں بری طرح انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، جس کی بنا پر مستحقین زکوٰۃ کی تعداد میں توبرابر اضافہ ہو رہا ہے، مگر معاشرہ ان کی دیکھ بھال اور کفالت کی وہ ذمہ داریاں ادا کرنے سے قاصر ہے، جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس پر لازم ہیں۔ اسلامی ملکوں اور اسلامی معاشرے کے یہ حالات بھی ہمیں اس بارے میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم ان مسائل و معاملات میں امت مسلمہ کی بہتری اور مفاد کو پیش نظر رکھیں۔

و۔ علاوہ ازیں اسلام ایک "دین یسر" (آسانی وسہولت کا مذہب) ہے۔ دین عسر (تنگی ومشقت کا مذہب نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ ؎	خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

نیز ارشاد نبوی ہے:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا۔ ؎	لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا، تنگی نہیں، لوگوں کو بشارت سنانا، انہیں متنفر نہ کرنا۔

ز: چونکہ مکمل طور پر یہ مسئلہ اجتہادی اور قیاسی ہے، اس لئے ہمارے قریبی اسلاف میں سے جن ارباب علم وفضل نے اس پر اظہار خیال کیا ہے، ان سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے، اور اس مسئلے میں اختلاف کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے، جس طرح کہ ہمارے اسلاف کے باہمی اختلاف کو دیکھا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ اختلاف کسی برہان اور دلیل پر مبنی ہو۔

ح۔ اسلام کا یہ دعوی بھی پیش نظر رہے، کہ وہ ہر دور کے مسائل ومشکلات کے حل کی سکت رکھتا ہے اور اس کی تکمیل ہوچکی ہے، جس کا ذکر آیۂ قرآنیہ میں ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ ؎	آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور اگر دین کی تکمیل ہوچکی ہے، جس میں کسی شک یا شبہے کی گنجائش نہیں، تو زیر نظر مسئلے کا حل بھی اس دین متین میں موجود ہے، جسے ہمیں تلاش کرنا ہے۔

۳۔ گروپ لائف انشورنس کی حرمت کے دلائل

اس تمہیدی بحث کے بعد اب ہم پہلے "بیمہ" کو حرام اور ناجائز خیال کرنے والوں کے دلائل کا ذکر کر کے ان کا تجزیہ کرتے

؎ البقرہ۔ آیت ۱۸۵

؎ البخاری، کتاب الجہاد، باب ۱۶۴، مغازی باب ۶ وغیرہ۔

ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ زیر بحث صورت پر وہ کس حد تک منطبق ہوتے ہیں ۔
مشہور مصری استاد علامہ ابوزہرہ نے "بیمہ" کی حرمت پر جو دلائل پیش کئے تھے ۔
جنہیں مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی اپنی کتاب میں شامل کرکے، ان پر صاد کیا ہے۔ حسب ذیل ہیں ۔

ا ۔ بیمہ یا تو قمار ہے ، جبکہ مقررہ مدت کے اختتام سے قبل ہی بیمہ دار مر جائے یا پھر ربوٰا اور یہ دونوں باتیں ہی حرام ہیں[1]

ہماری زیر بحث صورت یعنی "گروپ لائف انشورنس" کے سلسلے میں ان میں سے فقط" اول الذکر" صورت پائی جاتی ہے، یعنی یہ کہ اگر دوران ملازمت بیمہ دار مرجائے تو اس کے "اہل خانہ" کو بیمہ کی رقم ادا کر دی جاتی ہے، ورنہ نہیں، لہٰذا اس لحاظ سے یہ صورت اول الذکر حکم یعنی "قمار" کے تحت آتی ہے ۔

لیکن ہمارے خیال میں اس پر "قمار" کا اطلاق حسب ذیل وجوہ سے درست نہیں ۔
قرآن کریم میں " قمار کی حرمت" لفظ میسر کے ساتھ وارد ہوئی ہے : ارشاد مبارک ہے

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا[2]	اے پیغمبر لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں ۔

خمر اور "میسر" کے ضمن میں یہ ابتدائی حکم تھا ، بعد ازاں سورۃ المائدہ میں اس کی مکمل حرمت کا یوں اعلان کیا گیا ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ	اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پا سے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان

---

[1] بیمہ زندگی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۰۲ء، ص ۳۶ [2] البقرہ

وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔[1] — میں ہے ہیں) سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ)

اور میسر کا لفظ "موعد" اور "مرجع" کی طرح مصدر ہے۔ اس کا مادہ ی۔س۔ر (یسر) ہے، جس کے معنی تیروں (قداح) سے کھیلنا ہے اس کا اشتقاق یا تو یُسر (آسانی اور سہولت) سے ہے،[2] یا پھر یَسار (مال و دولت) سے۔ چونکہ میسر (جوئے) میں ایک فریق کو آسانی (یسر) سے مال حاصل ہو جاتا ہے یا دوسرے فریق کا مال (یسار) لٹ جاتا ہے اس لئے اسے مَیسِر کہتے ہیں۔[3] قرآن کریم میں خمر اور مَیسِر کی حرمت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ قدر مشترک کے طور پر ان کے بعض خصائص (اوصاف) کا ذکر کر کے ان کی حرمت کو مؤکد کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔[4] — شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔)

گویا خمر اور مَیسِر کی حرمت کی تین وجوہ ہیں:

۱۔ اولاً ان سے لوگوں میں باہمی عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، باہمی جھگڑے اور فسادات ہو جاتے ہیں، جس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔

۲۔ ان سے ذکر الٰہی سے اور

۳۔ نمازوں سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔

ان تینوں باتوں کو فقہاء نے دوسری اشیاء تک حرمت کے اس حکم کے تعدیہ (تجاوز) کے لئے بطور اصول سامنے رکھا ہے، اسی لئے فقہاء اور مفسرین

---

[1] المائدہ ص: ۹۰ [2] لسان العرب، بذیل مادہ [3] روح المعانی، ۲: ۱۱۳ [4] المائدہ، ص: ۹۱

نے خمر پر قیاس کرتے ہوئے، ہر قسم کی منشیات کی حرمت کا اور "میسر" پر قیاس کرتے ہوئے ہر قسم کے جوئے یعنی قمار کی حرمت کا ذکر کیا ہے، مثال کے طور پر علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں۔

وفی حکم ذالك جمیع انواع القمار من النرد والشطرنج وغیرهما، حتی ادخلوا فیه لعب الصبیان بالجوز والكعاب والقرعة من غیر القسمة وجمیع انواع المخاطرة والرهان[1]	قمار (جوئے) کی تمام اقسام از قسم نرد اور شطرنج وغیرہ اسی کے حکم میں داخل ہیں، یہاں تک کہ فقہاء نے اس میں بچوں کے اخروٹ اور نرد کے پتوں کے ساتھ کھیلنے اور کسی شئ کو تقسیم کئے بغیر محض قرعہ اندازی سے تقسیم کرنے اور ہر قسم کے مخاطرہ اور الرھان کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

تاہم یہ بات غور طلب ہے، کہ آیا زیر بحث صورت پر اس کا اطلاق درست ہے یا نہیں، ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" کی زیر بحث صورت میں، اس پر "قمار کا اطلاق درست نہیں، کیونکہ زیر بحث صورت یعنی (گروپ لائف انشورنس) میں ایک محکمہ میں کام کرنے والے افراد اپنے کیڈر میں ایک گروپ تشکیل دیتے ہیں، اور ہر ماہ ان کی تنخواہ سے کچھ حصہ بطور "پریمیم" کے وصول کر کے علیحدہ مد میں رکھا جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس کیڈر کے کسی فرد کا دوران ملازمت انتقال ہو جائے یا وہ معذور ہو جائے، تو ایک مقررہ تعداد میں رقم اس کے اہل خاندان کو ادا کر دی جاتی ہے۔

اور یہ بات بہر حال واضح ہے کہ اس سے ارشاد قرآنی کے مطابق:-

۱۔ نہ تو باہمی بغض عداوت پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ نہ ہی اس کا ذکر اور

۳۔ نماز کے روکنے میں کوئی عمل دخل ہے۔ اسی طرح لغوی مفہوم کے اعتبار سے بھی اس سے کوئی شخص لٹتا بھی نہیں ہے۔ البتہ آسانی سے یعنی بغیر محنت کے رقم کا حاصل ہو جانا، بہر حال موجود ہے، لیکن کیا کسی خاندان کے سرپرست کا اٹھ جانا اس خاندان کے حق میں معمولی بات ہے اور پھر کیا محض کسی رقم کا آسانی سے اور بغیر محنت کے حاصل ہو جانا

"حرمت" کی کافی وجہ ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں قانون شریعت کے مطابق مقتول کے ورثاء کو ادا کی جانے والی دیت کا مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ ورثائے مقتول کے لئے اس کا حصول بھی نہایت آسانی اور بغیر محنت کے ہو جاتا ہے، اسی طرح "وراثت" کے نظام کو بھی سامنے رکھا جائے جس کی بنیاد پر لوگ باآسانی اور بلا محنت جائداد کے مالک ہو جاتے ہیں۔

اس لئے ہمارے خیال میں یہاں "پس ماندگان" کو ادا کی جانے والی رقم "میسر" یا قمار کے حکم میں قطعی شامل نہیں، بلکہ "احسان و تبرع" یا تعاونوا علی البر والتقویٰ کے تحت آتی ہے، جیساکہ ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

۲۔ استاد ابوزہرہ نے اس کے خلاف دوسری جو دلیل پیش کی ہے، وہ یہ ہے کہ:۔
"بیمہ میں "صفقتان فی صفقۃ" کا مفہوم پایا جاتا ہے[1] یعنی ایک معاملہ ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کر دیا جاتا ہے، جس کی ممانعت نص حدیث سے ثابت ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق واجماع ہے۔

یہ بات ممکن ہے کہ کسی حد تک انشورنس یا بیمہ کی دیگر اقسام پر منطبق ہوتی ہو، لیکن زیر بحث صورت پر قطعاً منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ "گروپ لائف انشورنس" کا معاملہ بالکل واضح اور صاف ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے، کہ ایک محکمہ کے ایک وسیع کیڈر میں کام کرنے والے لوگ باہم مل کر ایک فنڈ قائم کرتے ہیں جس میں حکومت بھی اپنا حصہ ڈالتی ہے، جس میں سے مدت ملازمت مکمل نہ کر سکنے والے ان کے رفقائے کار کے اہل خانہ کی مدد اور سرپرستی کی جاتی ہے۔ اس میں "صفقتان فی صفقۃ" کا قطعاً کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اس دلیل کا اس پر انطباق درست نہیں۔

استاد ابوزہرہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ "اس سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ رقم بیمہ دار کے نامزد کردہ شخص (NOMINEE) کو دی جاتی ہے، جبکہ ہر شرعی وارث مال متروکہ مال کا حق دار ہے۔

بیمہ کے خلاف پیش کی جانے والی یہ دلیل بھی زیر بحث صورت پر منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ اس اسکیم کے تحت ورثاء یا اس کے نامزد کردہ فرد (NOMINEE) کو جو

امداد دی جاتی ہے وہ قطعاً "نظام وراثت" پر اثر انداز نہیں ہوتی، اس لئے کہ "وراثت" اس شئی مملوکہ یا ان اشیائے مملوکہ کی تقسیم سے عبارت ہے جو بوقت وفات متوفی کی ملکیت ہو جبکہ یہ رقم تو وفات سے قبل قطعاً اس کی ملکیت میں نہیں ہوتی، اس کا استحقاق تو ہوتا ہی اس کی موت کے بعد ہے تو جو شئی کسی کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء، یا اس کے نامزد کردہ فرد (NOMINEE) کو ملے، اس کے بارے میں یہ کہنا، کہ اس سے نظام وراثت پر اثر پڑتا ہے قطعاً درست نہیں اس کے بجائے یہ کہا جائے تو درست ہوگا کہ یہ معاملہ نظام وراثت سے قطعاً غیر متعلق ہے، پھر اس کا مقصد بھی وراثت سے مختلف ہے اس فنڈ کے قیام اور اس کی حسب بالا تقسیم کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی بیوہ اور اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور دیگر ضروری معاملات کے سلسلے میں ان کی امداد اور سرپرستی کی جائے، کیونکہ اس پروگرام کے تحت ساٹھ سال سے زائد عمر کا کوئی شخص اس کا ممبر نہیں ہو سکتا، اور ظاہر ہے اس عمر تک وفات پا جانے کی صورت میں اس کی اولاد کو کتنے مسائل اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بایں ہمہ اگر اس کے جائز اور حقیقی وارث اس سے محروم رہ جاتے ہوں، تو عدالت بذا قانون سازی کے ذریعے اس کا مداوا کر سکتی ہے۔

۴ — استاد ابو زہرہ کے مطابق اس کی حرمت کی تیسری دلیل یہ ہے کہ بقول ان کے:

"یہ عقد صرف ہے، جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔"

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ استاد ابو زہرہ کی زیر نظر دلیل بھی انشورنس (بیمہ) کی مروجہ دیگر اقسام سے متعلق ہے (خاص طور پر اس صورت میں کہ جب بیمہ دار اپنی معیاد پوری کرے اور رقم کے بدلے رقم وصول کرے) جب کہ زیر بحث صورت میں تو اس کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لئے کہ یہاں "مدت ملازمت" بخیر و عافیت پوری ہو جانے کی صورت میں "بیمہ دار" کو کچھ نہیں ملتا، البتہ مرحوم ہو جانے کی صورت میں وارثوں کو ضرور ملتا ہے۔ مگر وہ محض ان کے سرپرست کی جمع شدہ پونجی نہیں، بلکہ اس میں ان کے دیگر رفقائے کار کی جانب سے بطور احسان و تبرع جمع کردہ رقم بھی شامل ہوتی ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے

جیسے کسی مستحق فرد کی امداد و اعانت کے لئے چندہ کیا جائے اور جس میں اس خاندان کے لوگ بھی حصہ ڈالیں اور بعد ازاں وہ رقم مستحق فرد کو سونپ دی جائے، اس صورت میں عقد صرف والی کوئی بات نہیں، کیونکہ یہاں "تبادلۂ مال بالمال" نہیں، بلکہ یہ تو ان کے مرحوم سرپرست اور اس کے دیگر رفقائے کار کا جمع کردہ فنڈ ہے جس سے ایک مقررہ تعداد میں رقم "پسماندگان" کو ادا کر دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت "عقد صرف" والی قطعاً نہیں ہے۔

۵۔ استاد ابوزہرہ کے مطابق یہ عقیدۂ تقدیر کے منافی ہے کیونکہ:

"عقیدۂ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں، اور یہاں بیمہ کرنے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں، کیونکہ وہ پہلے سے موت و حوادث کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

اسی بات کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ یہ بات توکل کے خلاف ہے۔ جیسا کہ فاضل اپیل کنندہ نے اپنی اپیل میں "گروپ لائف انشورنس کے خلاف اپنی اپیل میں یہی بات لکھی ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ دلیل بھی اتنی وزنی نہیں ہے۔ کہ اس کی بنیاد پر اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا جائے، کیونکہ موت سے پیش آنے والے مصائب و مسائل کی پیش بندی کرنا" کسی طرح سے بھی نہ تو عقیدۂ تقدیر کے منافی ہے اور نہ ہی تصورِ توکل کے خلاف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ نظام" اسباب و وسائل" کے باب میں سے ہے اور کسی شی کے اسباب و وسائل مہیا کرنا: تو عقیدۂ تقدیر کے منافی ہے اور نہ ہی تصورِ توکل کے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "توکل" کا لفظ و۔ک۔ل سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: اعتماد، بھروسہ:

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد مقامات پر مستعمل ہوا ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر ہے:

• وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ	اور تم حکومت کے معاملات میں (مسلمانوں) سے مشورہ کرو، اور (مشورے کے نتیجے

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران، ۱۵۹) — ہیں (جب کسی بات کا پکا ارادہ کرلو تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو)

دوسری جگہ فرمایا :-

وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الاحزاب ۲۰۳) — (اور تم اے پیغمبرؐ پیروی کرو، اس چیز کی، جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے، بیشک اللہ خبردار ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو اور تم خدا پر توکل کرو۔)

اس کے علاوہ سورۂ آل عمران (آیت ۱۲۱) سورۂ یونس (آیت نمبر ۵) سورۂ ہود (آیت ۸۸) سورۂ یوسف (آیت ۶۰) سورۂ ابراہیم (آیت ۱۲)۔ سورۂ النحل (آیت ۴۲) اور سورۂ العنکبوت (آیت ۵۹،۸۵) میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

ان آیات پر غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ بقدر وسعت مشاورت لینے کے بعد، یا وسائل اسباب مہیا کرنے کے بعد نتائج و ثمرات خدا پر چھوڑ دینے اور اسی کی ذات پر اعتماد کے مفہوم میں مستعمل ہوا ہے، اور کسی مقام پر توکل کا مفہوم اسباب و وسائل کو نظر انداز کرنا نہیں، اسی لئے راسخوں نے ہمیشہ توکل کے اسی مفہوم کو واضح کیا ہے، مثال کے طور پر امام ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وقد يظن ان معنى التوكل ترك الكسب بالبدن وترك التدبير بالقلب والسقوط على الارض كالخرقة الملقاة وكاللحم على الوضم وهذا ظن الجهال فان ذالك — (بعض لوگوں کا گمان ہے کہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہاتھ سے عمل کرنا اور دل سے تدبیر کرنا چھوڑ دے، اور کسی زمین پر پھٹے ہوئے چیتھڑے اور کنسے پر رکھے ہوئے گوشت کی طرح زمین پر پڑا رہے یہ جاہل لوگوں کا گمان ہے اور ایسا کرنا

حرام فی الشرع۔[۱] شریعت میں حرام ہے۔

اسی طرح مشہور صوفی عالم ابو القاسم القشیری (م ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء) اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

ان التوکل محلہ القلب	بلاشبہ توکل کا مقام تو دل ہے اور ظاہری
والحرکۃ بالظاھر لا تنافی	اعضاء کی حرکت قطعاً قلبی توکل کے منافی
التوکل بالقلب۔ بعد ما تحقق	نہیں ہے۔ بعد اس کے کہ بندے پر یہ بات
العبد ان التقدیر من قبل	ثابت ہو جائے کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب
اللہ تعالیٰ۔[۲]	سے ہی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کہنا کہ اپنے اہل خاندان کی بہتری اور بھلائی کے لئے سوچنا اور ان کے لئے کوئی پروگرام تشکیل دینا توکل کے منافی ہے، درست نہیں ہے۔ بلکہ انسان کا اپنی زندگی میں روزی کمانے کے لئے محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ تو اپنے اہل خاندان یا معاشرے کے ضرورت مند خاندانوں کی کفالت کا قبل از وقت پروگرام بنانا، کوئی فنڈ قائم کرنا کس طرح توکل کے منافی ہو سکتا ہے؟

احادیث نبویہ سے استشہاد

علاوہ ازیں خود احادیث نبویہ میں اپنے "اہل خانہ کے مستقبل کو ملحوظ خاطر رکھنے" کی واضح ہدایات ملتی ہیں، اس ضمن میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی حدیث، جسے تمام محدثین نے روایت کیا ہے اور جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے شاگردوں کی حد تک، حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہے، پیش نظر رکھی جا سکتی ہے، جس میں وہ اپنا یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ فتح مکہ کے وقت بیمار پڑ گئے تھے اور اپنی زندگی سے نا امید ہو گئے تھے۔ تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو آئے تو انھوں نے عرض کیا کہ ان کے پاس بہت سا مال ہے اور فقط ایک بیٹی وارث ہے، تو کیا وہ سارا مال وقف کر جائیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور پھر فرمایا:

---

[۱] احیاء العلوم، ۴: ۲۲۸، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۶ھ [۲] الرسالۃ القشیریہ مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۳۰ھ ص ۸

انك ان تدع ورثتك اغنياء خير من ان تدعهم عالة يتكففون الناس وانك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا اجرت فيها حتى اللقمة ترفعها الى في امرأتك[1]

(اگر تو اپنے وارثوں کو غنی (مالدار) چھوڑ کر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں محتاج بنا کر چھوڑے کہ وہ لوگوں سے سوال کریں اور تو رضائے خداوندی کے لئے جو بھی کوئی شئے خرچ کرے گا اس پر تجھے اجر ملے گا حتیٰ کہ اس لقمے پر بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا تھا۔

ان امركن مما يهمني بعدي ولن يصبر عليكن الا الصابرون[2]

(تمہارا معاملہ، میرے بعد میرے لئے باعث تشویش ہے اور تم میں سے ان حالات پر صابر ہی ثابت قدم رہ سکتی ہیں)

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "فکر فردا" نہ تو اسلام کی مجموعی تعلیمات کے منافی ہے اور نہ ہی تصور توکل کے، اس کے برعکس، اہل اسلام کو اس کی ہدایت اور تاکید کی گئی ہے۔

۶۔ اس میں سودی عنصر کا شامل ہونا

"گروپ لائف انشورنس" پر ایک اور اعتراض یہ ہے کہ اس میں

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب' عبدالرحمٰن بن عوف، ۲ : ۲ : ۳، اس سے آگے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دُعا فرمائی، کیونکہ انہوں نے چالیس ہزار درہم کے ساتھ بیت نبوی کی خبرگیری کی تھی، دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضؓ کو اہل بیت نبوی کے لئے چار سو ہزار (چالیس لاکھ) درہم دینے کی وصیت فرمائی تھی۔

سودی عنصر شامل ہے کیونکہ ، جو رقم حکومت یا انشورنس کمپنی وصول کرتی ہے۔ وہ اسے آگے سود پر دے دیتی ہے اور اس کا منافع یعنی سود بھی اسی فنڈ میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" پر یہ اعتراض بجا اور درست ہے کیونکہ اس بارے میں قطعاً کسی تشریح کی ضرورت نہیں کہ حکومت "بیمہ کے سلسلے میں حاصل ہونے والی رقم سودی طریقے سے بڑھاتی ہے اور یہ کہ "سود" یعنی ربوا ہر صورت میں حرام قطعی ہے۔ اس کی حرمت میں نہ تو کوئی اشتباہ ہے اور نہ ہی کوئی ابہام۔

مصر کے نامور عالم دین استاد مصطفیٰ الزرقا نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی العام (مطبوعہ دمشق، ۱۹۶۲ء) اور بعد ازاں دمشق کے مجلہ "حضارۃ الاسلام" کے صفحات پر عقد التامین وموقف الشریعہ" کے نام سے جو مدلل مضمون نواح ۱۹۶۰ء میں تحریر کیا تھا، اس میں بھی انہوں نے یہی موقف اختیار کیا تھا کہ اگر " بیمہ" سے "ربوا" یعنی سود کا عنصر ختم کر دیا جائے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں رہ جاتی ہمارے خیال میں یہ رائے معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے۔

تاہم کیا "گروپ لائف انشورنس" میں سودی عنصر شامل ہو جانے سے اس سے استفادہ کرنا حرام ہو جاتا ہے؛ اور جب تک یہ سودی نظام تبدیل نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اس نظام سے فائدہ اٹھانا حرام رہے گا ؛ ہمارے خیال میں یہ مسئلہ خاص توجہ اور غور و فکر کا محتاج ہے اور اس پر سرسری نظر سے حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت "حکومت وقت" کا تمام نظام سودی طریقے پر استوار ہے۔ حتیٰ کہ حکومت سرکاری ملازمین کو جو تنخواہیں، وظائف اور واجبات ادا کرتی ہے۔ اس میں سود سمیت بہت سے حرام اور ناجائز طریقوں کی آمدنی شامل ہوتی ہے، جن کی تفصیل میں گفتنی اور ناگفتنی دونوں ذرائع شامل ہیں، بلکہ سابق حکومت کے زمانے سے حکومت بینکوں کے ذریعے لوگوں سے جو زکوٰۃ وصول کرتی ہے، قطع نظر اس طریقے کے جواز وعدم جواز کے، قومی بینکوں میں زر رقم کو بھی سودی کھاتوں میں رکھا جاتا ہے اور اس سے بھی سودی طریقے سے کمائی کی جاتی ہے، تو کیا اس سے تمام آمدنی حرام ہو جاتی ہے ؟ ان حالات میں

فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ :

اولاً : ملازمین کی تنخواہوں سے جو رقم وضع کی جاتی ہے، اس کی مقدار کیا ہوتی ہے؟

ثانیاً : حادثات اور اموات کی صورت میں ملازمین کے اہل خانہ کو جو امداد دی جاتی ہے۔ اس کی مقدار کیا ہوتی ہے ؟

اور میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سودی آمدنی کو علیحدہ کر کے کسی بھی محکمہ کے اگر اعداد و شمار سامنے رکھے جائیں، تو یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ حاصل ہونے والی رقوم، ادا کی جانے والی رقوم سے کہیں زیادہ ہیں، لہٰذا اس کی حرمت کا حکم صادر نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں، جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا، اس وقت ہمارے مالی نظام کا جو مجموعی ڈھانچہ ہے وہ از سر تا پا سود پر استوار ہے، تو اگر اسی بنیاد پر فیصلہ صادر کیا جانے لگے تو کسی بھی سرکاری اور نیم سرکاری ملازم کی تنخواہ اور دیگر واجبات حلال نہیں رہتے۔

پھر جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے اس سوال کے جواب میں " کہ اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی واپسی چاہتا ہے، تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے" لکھا ہے کہ :

" جائز ہے صرف اتنی قباحت ہے کہ اس کے روپیہ سے سود و قمار کا معاملہ کرنے والوں کو کسی نہ کسی درجہ میں امداد ہوتی ہے۔ اگر یہ سبب بعید ہونے کے سبب اس کو حرام نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں سود و قمار کا معاملہ کرنے والے دوسرے لوگ ہیں، جن میں یہ شامل نہیں اور نہ اس کا روپیہ ان کے فعل حرام کے لئے خاص طور پر محرک اور داعی بنا ہے، ہاں غیر ارادی طور پر اس کے روپیہ سے ان کی امداد ہو گئی، اس طرح کے "تسبب للمعصیت" کو حرام نہیں کہا جا سکتا، البتہ خلاف اولیٰ ضرور ہے، جس کی تعبیر فقہا کی اصطلاح میں مکروہ تنزیہی سے کی جاتی ہے، جیسے فاسق بدکار یا فاحشہ کے ہاتھ کی تیار کردہ کھانے پینے کی چیزیں یا لباس اور زینت کی اشیاء فروخت کرنا جن سے وہ اپنے فسق و فجور سے کام لیتے ہیں، حرام صرف وہ تسبب ہے، جو معصیت کے لئے بطور خاص محرک اور داعی ہو، جیسے قرآن کریم میں عورتوں کو پاؤں زمین پر

اس طرح ناچنے کی ممانعت ہے، جس سے ان کا زیور بجے اور غیر محرم مردوں کی نظریں اُن کی طرف متوجہ ہو کر نظرِ بد کے لئے محرک بنیں" ۔ "یا کفار کے معبودوں کو بُرا کہنے کی ممانعت اس لئے آئی ہے اکہ وہ کفار کے لئے اللہ جل شانہٗ کی شان میں گستاخی کی محرک اور داعی بنے گی، اسی فرق کو فقہاء حضرات نے کہیں سبب قریب و بعید کے عنوان سے اور کہیں "قامت المعصیۃ بعینہ وبغیرہ" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

۷۔ اس میں جبر و اکراہ کے عنصر کا شامل ہونا

انشورنس کی تمام اقسام پر، مشترکہ طور پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے، کہ اس میں "جبر و اکراہ" کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے، جس کی بنا پر اس کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مفتی محمد شفیع اپنی کتاب "بیمۂ زندگی" میں اس عنوان پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"تینوں قسموں کے بیموں میں جو یہ شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرنے کے بعد باقی قسطوں کی ادائیگی بند کر دے، اس کی جمع کردہ رقم سوخت ہو جاتی ہے، یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے، قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جا سکتا ہے اور عدم تکمیل کی صورت میں اس کو کوئی تعزیری سزا بھی دی جا سکتی ہے، مگر ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہو سکتا[1]

جیسا کہ ابتداءً عرض کیا جا چکا ہے، مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ عنہ ہم نے بیمہ کی جن اقسام کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے۔ ان میں ہماری زیرِ بحث صورت یعنی "گروپ لائف انشورنس" نہیں ہے، اس لئے اس پہلو سے یہ اعتراض لغو قرار پاتا ہے، لیکن اس پہلو سے نہ سہی کسی دوسرے پہلو سے سہی "جبر و اکراہ" کا عنصر اس میں بھی شامل ہے کیونکہ اس میں ہر ملازم کی تنخواہ میں سے ایک مقررہ مقدار میں حکومت کچھ رقم از خود وضع کر لیتی ہے جیسا کہ فاضل مدعی نے اس پر اس پہلو سے بھی اعتراض کیا ہے۔ تاہم فاضل اپیل کنندہ نے اس موقع پر قرآن کریم کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے، یعنی سورۃ البقرہ کی آیت کا، اس زیرِ بحث

[1] بیمۂ زندگی ص ۱۸

جبرواکراہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، مذکورہ آیت میں جس جبرواکراہ کی نفی کی گئی ہے، وہ "دین" کے معاملے میں ہے۔

زیربحث صورت پر قرآن مجید کی وہ آیات صادق آتی ہیں، جن میں ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال لینے سے منع کیا گیا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ [1]	اے ایمان والو نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناحق الا یہ کہ وہ آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین کو" اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے")۔
وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ [2]	اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اس اصول اور ضابطے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ان دماءکم واموالکم و اعراضکم حرام علیکم لحرمة یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شہرکم ھذا [3]	بیشک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں، تم پر اس طرح حرام و محترم ہیں جس طرح آج کا یہ دن (نو ذوالحجہ) یہ شہر (مکۃ المکرمہ) اور یہ مہینہ (ذوالحجہ) محترم ہیں۔

چنانچہ اس جبری طریقے سے حاصل کردہ مال کو شرعاً مغصوب اور اس فعل کو "غصب" کہا جاتا ہے۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ آیا زیرنظر صورت پر مذکورہ "جبرواکراہ" اور "غصب" کا اطلاق درست ہے یا نہیں۔ ہمارے خیال میں اگر دو باتوں کو سامنے رکھا جائے، تو اس کا جواب نفی میں ملتا ہے:

۱۔ اولاً: باہمی معاہدہ

۲۔ ثانیاً: کفالت عموی کے لئے، اسلام کے حکومت کو عطا کردہ اختیارات:

(جاری)

---

[1] النساء۔ ۲۹ [2] البقرہ۔ ۱۸۸ [3] البلاذری انساب الاشراف، ۱: ۳۶۴

احکام اقرار اور انکی حجیت

مولانا مبشر احمد - جامعہ مدنیہ لاہور

کسی دعویٰ کے ثبوت کے لئے جس طرح گواہی و شہادت مؤثر ہوتی ہے اسی طرح اقرار بھی کسی حق یا جرم کے ثبوت کا مؤثر ذریعہ ہے، بلکہ اقرار اور اعتراف گواہی شہادت سے بھی زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ گواہی شہادت میں جھوٹ کا امکان ہوتا ہے اور اقرار اس کا کوئی امکان نہیں ہوتا، بشرطیکہ اقرار سے کسی کے حق کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کی پوری تفصیل اس علمی مضمون میں ملے گی۔ (مرتب)

تعریف الاقرار | اقرار کا لغوی معنی اعتراف ہے۔

وھو اظہار الحق لفظاً	اعتراف کسی کے حق کو لفظاً تحریراً
اوکتابۃ اواشارۃ	یا اشارۃً ظاہر کرنے کا نام ہے۔

اقرار بمعنی ثبات ہے کما قیل قَرَّتِ النَّاقَۃُ اذا ثبت حملھا؛ والقرار ھوالثبات: یعنی جب اونٹنی کا حمل ٹھہر جائے تو عرب والے کہتے ہیں قَرَّتِ النَّاقَۃُ قرار بمعنی ثبات ہے اور اقرار کے معنی ہیں۔

اِثْبَاتُ الشئ اِمّا باللسان	کسی چیز کو ثابت کرنا زبان کے ساتھ
واما بالقلب وا مابھما جمیعا	یا دل کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ
فھو ضد الجحود والانکار	اور اقرار جحود وانکار و اضطراب و تنازع
والاضطراب والتنازع۔	کی ضد کا نام ہے[1]۔

---

[1] الصحاح الجوہری ج ۲ ص ۷۹۰؛ تاج العروس للزبیدی ج ۳ ص ۴۸۸؛ لسان العرب ج ۵ ص ۸۴

اقرار کی اصطلاحی تعریف

اقرار کی اصطلاحی تعریف میں فقہا کا اختلاف ہے اقرار کے متعلقہ احکام میں اختلاف کی بنا پر

تعریف الحنفیہ

بانه اخبار عن ثبوت حق للغیر علی نفسه	اپنے اوپر حق غیر کے ثبوت کی خبر دینے کا نام اقرار ہے[1]

تعریف المالکیہ

بانه خبر یوجب حکم صدقه علی قائله فقط بلفظه او بلفظ نائبه۔	قائل کا اپنے قول کے حکم کو ثابت کرنے کی خبر دینے کا نام اقرار ہے خواہ وہ خود اقرار کرے یا اس کا نائب یعنی وکیل اقرار کرے[2]

تعریف الشافعیہ

بانه اخبار عن ثابت علی المخبر	مخبر پر ثبوت حق کی خبر دینا[3]

تعریف حنابلہ

بانه الاعتراف وهو اظهار الحق لفظًا او کتابة او اشارة	یعنی کسی کے حق کو ظاہر کرنا لفظاً یا تحریراً یا اشارۃً لغوی معنی اور تعریف حنابلہ ایک ہی چیز ہے[4]

تعریف الزیدیہ

الاعتراف بحق مالی او غیرہ	حق مالی یعنی دین اور حق غیر مالی یعنی نسب یا جنایت وغیرہ کا اعتراف کرنا[5]

---

1. تبیین الحقائق للزیلعی ج ۵ ص ۲ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۷۹۔
2. شرح حدود ابن عرفہ ص ۳۳۲ شرح الخرشی ج ۶ ص ۸۶ بلغۃ السالک لاقرب المسالک ج ۲ ص ۱۴۶
3. مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۳۸ نہایۃ المحتاج ج ۵ ص ۶۴
4. النکت والفوائد السنیہ ج ۲ ص ۳۵۹ کشاف القناع ج ۳ ص ۲۹۰ المغنی ج ۵ ص ۱۳۸
5. البحر الزخار المرتضیٰ ج ۵ ص ۳

تعریف الامامیہ

بأنه اخبار الانسان بحق لازم علیہ۔ — یعنی انسان کا ایسے حق کی خبر دینا جو اس کے ذمہ لازم ہے۔

وسائل الاثبات ص ۲۲۵ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ بعض امامیہ نے اس تعریف کو غلط کہا ہے۔

جامع مانع تعریف

وسائل الاثبات میں ڈاکٹر الزحیلی فرماتے ہیں:۔ کہ ان سب تعریفات میں جامع ومانع ومختار حنفیہ کی تعریف ہے، کیونکہ تعریف تین قسموں کی ہوتی ہے۔ (۱) حقیقی (۲) لازمی (۳) تضمنی احناف کی تعریف حقیقی ہے اور مالکیہ کی تعریف لازمی ہے اور شوافع وحنابلہ وغیرہ کی تعریف تضمنی ہے۔

والتعریف بالحقیقة یقدم علی التعریف باللازم — اور تعریف بالحقیقۃ تعریف باللازم پر مقدم ہوتی ہے تو اب اقرار کی تعریف ہوگی۔

اخبار الشخص بحق لنفسه لآخر — یعنی ایک شخص کا اپنے اوپر دوسرے کے حق کی خبر دینا۔

نیز اس تعریف سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اقرار حقیقت میں اخبار کو کہتے ہیں اور جمہور ائمہ اور فقہاء کی یہی رائے ہے۔

بعض فقہاء حنفیہ نے مثلاً جرجانیؒ اور حصکفیؒ وغیرہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اقرار من وجہ اخبار کا نام ہے من وجہ تملیک وانشاء ہے اور اس پر انہوں نے کچھ تفریعات بھی ذکر کی ہیں۔

ارکان اقرار

فقہاء کا رکن اقرار میں اختلاف ہے۔ احناف کہتے ہیں رکن اقرار صرف صیغہ ہے یعنی وہ لفظ جو دلالت کرے اقرار پر صراحۃً یا دلالۃً یا اشارۃً۔

اور جمہور فقہاء کہتے ہیں ارکان اقرار چار چیزیں ہیں۔

(۱) صیغہ (۲) مُقِر (۳) مُقَرلہ (۴) مُقربہ

رکن کی تعریف حنفیہ کے نزدیک رکن وہ ہے جس پر شی کا وجود موقوف ہو اور وہ ماہیت کا جز ہوتا ہے بخلاف شرط کے۔ شرط ماہیت کا جز نہیں ہوتی تو رکن اقرار صرف صیغہ ہے اور یہ صیغہ مستلزم ہوتا ہے مُقر، مُقرلہ مقربہ سب کو۔ اور جمہور فقہاء رکن کی تعریف کرتے ہیں۔

بأنّه ما توقف عليه وجوده الشئ وتصوره في العقل سواءً كان جزأً منه او كان مختصًا وليس جزءً منه۔

یعنی جس پر شئی کا وجود موقوف ہو اس کا عقل میں تصور بھی عام ہے کہ ماہیت کا جز ہو یا صرف اس کے ساتھ خاص ہو اور جز نہ ہو۔

اس لحاظ سے اقرار کے چار ارکان ہو گئے۔

تشریح ارکان رکن اوّل المُقِر : وهو الشخص الذی یظهر حقًا لآخر علیه۔ مقر وہ شخص ہے جو اپنے اوپر دوسرے کا حق ظاہر کرتا ہے۔

رکن ثانی مُقَرلَہ وهو الشخص الذی یصدر الاقرار لصاحبه او لصاحب الحق : مُقَرلَہ وہ شخص ہے جس کے متعلق اقرار صادر ہوتا ہے یعنی صاحبِ حق۔

رکن ثالث مُقربہ وهو الحق الذی اخبر عنه المقر : مُقربِہٖ وہ حق ہے جس کے متعلق مُقر خبر دیتا ہے اور عام ہے کہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ یا حقوق ایجابیہ یا حقوق سلبیہ۔

رکن رابع صیغہ وهو اللفظ اما یقوم مقامه مما یدل علی الاخبار فی ثبوت الحق للغیر علی النفس

یعنی صیغہ وہ لفظ یا قائم مقام لفظ ہے جو نفس پر غیر کے حق کے ثبوت کی خبر پہ دلالت کرتا ہے ؛ پھر بعض الفاظ صراحۃً دلالت کرتے ہیں اور وہ موضوعاً بھی

اقرار کے لئے ہوتے ہیں مثلاً لَهُ عَلَيَّ : لَهُ فِي ذِمَّتِي : یا کوئی شخص کہتا ہے لی علیك كذا دوسرا کہتا ہے نَعَمْ اور بعض الفاظ غیر صریح ہوتے ہیں وہ اقرار کے لئے موضوع تو نہیں ہوتے ہاں اس کو مستلزم ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے لی علیك كذا : دوسرا کہتا ہے قد قضيتها لك : یعنی میرا تجھ پر اتنا حق ہے دوسرا کہتا ہے میں نے تو وہ ادا کر دیا تھا یا مجھے تو کچھ مہلت دے۔ اور قائم مقام لفظ کی مثال جیسے گونگے آدمی کا اشارۃً اقرار کرنا ، یا کوئی شخص تحریراً اقرار کرتا ہے یا بعض حالات میں سکوت بھی اقرار کہلاتا ہے۔ مثلاً باکرہ عورت کا سکوت : استیذان نکاح کے وقت ، یا شفیع کا سکوت علم بالبیع کے بعد یا وکیل کا سکوت تو کیل کے وقت یا والد کا سکوت جبکہ اس کو ولد کی تہنیت و مبارک باد دی جائے۔[۱]

اقرار کی قانونی تعریف

مجلہ عدلیہ ص ۷۰ قانون اثبات لمصری ۱۰۳ میں لکھا ہے : بانه اعتراف الخصم امام القضاء بواقعة قانونية مدعى بها عليه عدالت کے سامنے خصم کا اعتراف کرنا اس واقعہ قانونیہ کا جس کا اس پر دعویٰ کیا گیا ہے اور ایک دوسری تعریف جو قانون البینات السوری ۹۱ پر ہے۔

الاقرار بانه اخبار الخصم	یعنی عدالت کے سامنے ایک خصم کا
امام المحكمة بحق عليه لآخر	اپنے اوپر دوسرے کے حق کی خبر دینا۔

اصطلاحی اور قانونی تعریف میں مطابقت

اگر غور کیا جاوے تو فقہاء اور قانون دانوں کی تعریفوں میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا ، دونوں میں قدر مشترک لفظ اخبار و اعتراف ہے ہاں عرف قانونی میں الفاظ کے استعمال میں فرق ہے کہ امور مدنیہ و دیوانی معاملات میں لفظ

---

[۱] الشرح الکبیر ج ۳ ص ۲۰۳ ۔ حاشیہ دسوقی ج ۳ ص ۳۹۹ ۔ تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۳۹ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۹۷ ۔ مواہب الجلیل ج ۵ ص ۲۲۵ ۔ الحاوی ج ۶ ص ۲۰۲

اقرار استعمال کرتے ہیں اور امور جنائیہ وفوجداری عدالتوں میں لفظ اعتراف استعمال کرتے ہیں۔[1]

حجیت اقرار اقرار سیّد الادلہ شمار ہوتا ہے اور وہ قاضی کی عدالت میں نزاعات کے خاتمہ میں قول فیصل ہوتا ہے کیونکہ مدعیٰ علیہ کی دو حالتیں ہوتی ہیں یا انکار کرے گا یا اقرار اگر انکار کرے تو مدعی پر اپنے حق کے ثبوت کے لئے شہادت و دلائل و حجج قائم کرنے پڑتے ہیں اور اگر مدعیٰ علیہ اقرار کرے تو نزاع ہی ختم ہو جاتا ہے اور مدعی کو ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور مقر کو مُقربہ لازم ہو جاتا ہے۔

اسی بنا پر شریعت مطہرہ نے اقرار کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو وسائل اثبات میں ایک وسیلہ تسلیم کیا ہے۔

اقرار کی مشروعیت وحجیت پر ادلہ اربعہ موجود ہیں۔

اقرار کی حجیت پر کتاب اللہ سے دلائل کتاب اللہ میں آیات کثیرۃ اقرار کی حجیت پر دلالت کر رہی ہیں جن میں ہم بعض آپ کے سامنے تحریر کرتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَائَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ[2]

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنے خونوں کو نہیں بہاؤ گے اور اپنے نفسوں کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ بھی ہو۔

دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اقرار کی بنا پر حجت قائم کی ہے۔[3]

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے

---

[1] مدانیات عبدالسلام ذہبی ج ۱ ص ۲۰۵۔ قانون بینات السوری ص ۱۵۴ مقارنات التشریعیہ ج ۲ ص ۳

[2] البقرہ آیت ۸۴۔

[3] تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۱۔ تفسیر ابن کثیر ج اول ص ۱۲۱۔ تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۹۴

لَمَا اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ [1]

(آل عمران آیت ۸۱)

انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت کی قسم سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا پھر فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اقرار مقر پر حجت ہوتی ہے ورنہ ان انبیاء سے اقرار کا مطالبہ نہ کیا جاتا۔ [1]

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا [2]

اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں کچھ بھی کم نہ کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مدین کو حکم دیا ہے کہ وہ دائن کے حق کو کاتب سے لکھوا کر رکھے۔ وَالْاِمْلَاءُ مِنَ الْمَدِيْنِ هُوَ الْاِقْرَارُ وَالْاِعْتِرَافُ بِالدَّيْنِ کی طرف سے املاء، اقرار اور اعتراف بالدین ہے تحریراً اور اس کے حق کا اظہار ہے شریعت ہمیشہ مفید کام کا حکم دیتی ہے۔ عبث کام کا حکم نہیں دیتی اگر اقرار عبث اور بے فائدہ ہوتا تو شریعت اس کا حکم نہ دیتی یہی وجہ ہے کہ کتمان حق و نقص حق کی نہی وارد ہوئی ہے [3]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جا

---

[1] تفسیر طبری ج ۳ ص ۳۹۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۰۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۴۵۔ کشاف ج ۱ ص ۱۴۴ [2] البقرہ آیت ۲۸۲۔ [3] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۸۵۔ احکام القرآن لابن عربی ج ۱ ص ۲۴۹۔ تفسیر طبری ج ۳ ص ۱۲۰

قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ ۔ لہ (النسآء الایۃ: ۱۳۵)

والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو۔ چاہے وہ تمہاری اپنی جانوں کے خلاف بھی ہو۔

اس آیت میں بھی واضح ہوا کہ شہادۃ علی النفس اقرار بالحقوق اللہ تعالیٰ نے اقرار بالحق کا حکم دیا ہے بلکہ شہادۃ للہ کہا ہے۔ لہ

قال الزمخشری فی الکشاف ج اول ص ۵۰۰ الشہادۃ علی نفسہ ھی الاقرار علی نفسہ

علامہ زمخشری کشاف ج اول ص ۵۰۰ میں تحریر فرماتے ہیں شہادۃ علی نفسہ بھی اقرار ہی کہتے ہیں، بلکہ یہ اقرار کا اعلیٰ درجہ ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ (القیامہ آیت ۱۴)

بلکہ اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر مطلع ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وحضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بصیرۃ بمعنی شَاهِدٌ کے ہے فَالْاِنْسَانُ شَاهِدٌ عَلٰی نَفْسِهٖ۔ پس انسان اپنے نفس پر شاہد ہے۔ اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ انسان کا اپنے نفس پر اقرار اس لئے قابل قبول ہے کہ وہ ہر آن ہر مکان اپنے نفس پر شاہد ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اس کے کان، آنکھیں، ہاتھ پاؤں اور دیگر جوارح اس کے خلاف شہادت دیں گے بالآخر انسان اپنے جرم کا اقرار کرے گا۔ اور یہی اقرار اس پر حجت بنے گا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ لہ

اقرار کی حجّیت پر احادیث سے دلائل

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یا رسول

لہ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۰۴ ۔ احکام القرآن لابن العربی ۱ ص ۵۰۶

لہ تفسیر طبری ج ۲۹ ص ۱۸۴ ۔ کشاف ج ۴ ص ۱۹۲ ۔ قرطبی ج ۱۹ ص ۱۰۰ ۔ احکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۰۸

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرا فیصلہ کتاب اللہ سے کیجئے آپ نے فرمایا بتلایئے کیا واقعہ ہے تو اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس دوسرے شخص کے پاس اجیر تھا تو وہ اس کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہوا ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے بیٹے پر رجم لازم ہے تو میں نے اس فدیہ میں اپنی بیٹی اور ایک سو بکریاں فدیے میں دی ہیں بعد میں میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور اس عورت پر رجم ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، سو سو بکریاں اور لڑکی تجھے واپس کی جاوے تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی ہے اور صبح کو اس عورت کو میرے پاس لاؤ اگر اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تو میں اسے سنگسار کردوں گا[1]

یہ حدیث حجت اقرار میں واضح اور صریح ہے: لِاَنَّ الرَّسُوْلَ عَلَّقَ الْحُکْمَ بِرَجْمِ الْمَرْاَۃِ عَلیٰ اِعْتِرَافِھَا: کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سنگساری کے حکم کو معلق فرمایا ہے عورت کے اعتراف واقرار کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ اعتراف بھی صاحب اقرار پر حجت ہوتا ہے اور اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں اور جب اقرار حدود میں حجت ودلیل بن گیا ہے۔ جو کہ شبہات سے گرجاتی ہیں تو دوسری چیزوں میں بطریقہ اولیٰ حجت ودلیل ہوگا۔

حدیث بخاری ومسلم واحمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول اِنِّیْ زَنَیْتُ میں نے زنا کیا ہے آپ نے اس سے اعراض کرلیا پھر اس نے یہ کلمہ چار مرتبہ دہرایا تو آپ نے دیکھا کہ اس نے اپنے نفس پر چار مرتبہ گواہی دے دی ہے تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا آبِکَ جُنُوْنٌ کیا تو پاگل ہے قال لا اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیا تو نے شادی کی ہے اس نے کہا

[1] صحیح بخاری ... مسلم ج اول ص ۲۰۵۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰۔ سبل السلام ج ۴ ص

ہاں تو آپ نے فرمایا اِذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو[۱]۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ اقرار کرنے والا شخص ماعز بن مالکؓ تھا۔

اَنَّ مَاعِزًا جَآءَ فَاَقَرَّ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِهٖ۔ یعنی ماعز آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چار مرتبہ اقرار کیا تو آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا[۲]۔

۳۔ حدیث امام مسلم و ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت قبیلہ جہینہ کی حمل کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حد کو پہنچ گئی ہوں آپ مجھ پر حد کو قائم فرمایئے تو آپ نے اس کے ولی کو بلایا اور فرمایا اس کی نگرانی کرو جب وضع حمل ہو جائے تو میرے پاس لاؤ۔ تو اس نے ایسا ہی کیا آپ نے اس کے کپڑے اچھی طرح بندھوا دیئے اور سنگساری کا حکم دیا جب وہ مرگئی تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

۴۔ حدیث بخاری و بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی شخص نے اپنے بھائی کے مال اور جائداد کے بارے میں ظلم کیا ہے یعنی اس کا حق دبایا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس دن کے آنے سے پہلے ادا کر دے جس دن نہ کوئی درہم ہوگا اور نہ دینار اگر اس کے عمل صالح ہوں گے تو اس کے حق کے بدلے وہ ضبط کر لئے جائیں گے اور اگر عمل صالح نہ ہوں گے تو صاحب حق کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی[۳]۔

۱۔ صحیح بخاری بحاشیہ سندی ج ۴۔ ص ۱۲۰۔ مسلم بشرح نووی ج ۱۱ ص ۱۹۲۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲۔ ص : ۶۹۵۔

۲۔ نیل الاوطار ج ۷، ص ۱۱۵۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۰۔ مسلم ص ۲۰۱۔ نسائی ۲۱۲

۳۔ صحیح البخاری بحاشیہ سندھی ج ۲ ص ۴۵۔ ہدایۃ الباری ج ۲ ص ۱۵۵۔ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۵۲

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے مطالبہ کیا ہے جس کے پاس کسی کا حق ہے کہ اس کا اقرار کرتے ہوئے یہیں دنیا میں سپرد کرے۔

نیز حدیث مسلمان کو ترغیب دے رہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیروں کے حق سے عہدہ برآ کرکے جائے ورنہ قیامت کے روز اسے یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے[1]

اقرار کی حجیت پر اجماع امت سے دلائل

تمام اسلاف و اخلاف کا اس پر اتفاق ہے کہ اقرار حجت ہے اور اقرار پر خلفاء راشدین و تابعین وائمہ مجتہدین سب نے عمل کیا ہے[2]

اقرار کی حجیت پر قیاس سے دلائل

اقرار کو شہادۃ پر قیاس کیا گیا ہے، شہادت میں غیر کے حق کی خبر دی جاتی ہے اور اقرار میں بھی یہی چیز ہوتی ہے تو جب شہادۃ اثبات حق کے لئے حجت شرعیہ ہے۔ باوجودیکہ شہادۃ میں تو کذب کا بھی احتمال و امکان ہو سکتا ہے۔ لہذا اقرار کو تو بطریقہ اولیٰ حجت ہونا چاہیے کیونکہ اس میں کذب کا تو احتمال نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انسان اپنے نفس پر تو جھوٹ نہیں بولتا کہ عَلَیَّ حَقٌّ فُلَانٍ۔ مجھ پر فلانے کا حق ہے کوئی شخص ایسا پاگل نہیں ہوتا اپنے مال میں سے دوسروں کو مفت میں دیتا پھرے۔

بلکہ آج کے ماحول میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی کا حق دینا بھی ہو تو انکار کر دیتے ہیں اقرار تو فکر آخرت رکھنے والا مسلمان ہی کرتا ہے۔[3]

اقرار کی حکمت اور محاسن

انسان کی فطرت میں اپنے نفس کی محبت و حفاظت داخل ہے اور وہ اپنے نفس و جان کے مصالح و منافع کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہتا ہے اور ہر قسم کے ضرر اور عقاب مادیہ و بدنیہ

---

[1] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۴۵

[2] مغنی المحتاج ۲ ص ۲۴۰۔ الحاوی الماوردی ج، ص ۱/۱۔ تبیین الحقائق للزیلعی ج ۵ ص ۲ تکملہ فتح القدیر قاضی زادہ ج ۶ ص ۲۸۱

[3] الحاوی ج، ص ۱/۱۔ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۴۰۔ وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۴۶

ہے اپنے نفس کی حفاظت و دفاع کرتا ہے ؛ جیسے انسان کی فطرت میں مال کی محبت و طمع و حرص داخل ہے یہ سب خلقی طبعی صفات ہیں ، تو جب انسان ارتکاب جرائم اور وقوع فی الخطاء کا اقرار کرتا ہے یا اپنے آپ کو غیر کی خاطر ضرر و نقصان میں ڈالتا ہے اپنے نفس و خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے دوسرے کے لئے قرض امانت ۔ ودیعت اور حقوق مالیہ کا اعتراف کرتا ہے تو عقل جانب صدق و یقین کو ہی ترجیح دیتی ہے کیونکہ عاقل ایسا کذب نہیں بولتا جو اس کے نفس و مال کے لئے فساد و نقصان دہ ہو ، بایں وجہ اقرار دلیل و حجت ہوگا ؛ قضاء اور مُقر پر مقرلہ کے لئے مقربہ کے لزوم کے لئے ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقرار کی حکمت عظیم ہے کیونکہ بہت سے حقوق ایسے ہیں جن میں شہادتیں معدوم ہوتی ہیں اور تحریر متعذر ہوتی ہے ان کو اصحاب حقوق کے سوا کوئی نہیں جانتا لہٰذا احقاق حق کے لئے مُدین کے ضمیر کی طرف رجوع کیا جاوے گا کہ اس کا ضمیر اقراری ہے یا انکاری ؛ اس کا ضمیر دوسرے کے حق کو ثابت کرتا ہے یا ضائع کرتا ہے تو ہم اس کے ضمیر کے مطابق فیصلہ کریں گے کیونکہ عدم شہادت و کتابت کی وجہ سے ہم مجبور ہیں اقرار کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے لہٰذا جیسے وہ اقرار کرے گا ویسے ہم فیصلہ کریں گے ، جب کسی انسان کی تربیت صحیح ہو عقیدہ صاف اور قوی ہو ، اخلاق بلند ہوں ایمان مضبوط ہو تو ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ عتاب الٰہی کے خوف سے اور رضا الٰہی کی طلب کے لئے صحیح اقرار کرے گا ۔ اور اگر عمداً وہ کسی کے حق سے انکار کرے گا تو سزا کا مستوجب ہوگا ۔

دنیا کا مال و متاع فانی ہے اگر وہ انکار کرے گا تو کب تک اس مال سے نفع حاصل کرتا رہے گا آخر ایک دن اس نے ختم ہونا ہے ؛ آخرت کی جزا و سزا دائمی ہے اس لئے عاقل شخص کبھی بھی دائمی چیز کو نہیں چھوڑ سکتا ؛ اور دائمی سزا کے لئے راضی نہیں ہو سکتا ۔

اسی بنا پر علماء نے لکھا ہے آدمی پر اعتراف بالحقوق واجب ہے ؛ خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں ۔ کیوں کہ حقوق کی عدم ادائیگی دخول جنت کے لئے حائل و مانع ہے ۔

اور ضیاع حق اکبر الکبائر ہے وہ مرتکب گناہ کبیرہ ناری ہے۔

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیع مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ اچانک موت سے قبل وصایا کو تحریر کر کے رکھیں اور حقوق کو بیان کر دیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ مَاحَقُّ امْرِیٍٔ مُسْلِمٍ لَہٗ شَیْءٌ یرِیدُ اَنْ یُوْصِیَ فِیْہِ یَبِیْتُ لیلتین اِلَّا وَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ۔ لہ	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کا حق کسی کے ذمہ ہے تو اس پر دو راتیں بھی نہ گزرنے پائیں کہ وصیت نامہ اپنے پاس لکھ دے۔

اقرار کا دوسرا فائدہ

قاضی زادہ فرماتے ہیں کہ اقرار کی ایک خوبی یہ ہے کہ ایک تو انسان حقوق الناس سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے دوسرا لوگوں کی زبانیں اس کی مذمت سے بند ہو جاتی ہیں اور خالق الخلق راضی ہو جاتا ہے اور لوگ مقر کے صدق قول کی تعریفیں کرتے ہیں۔ عزت و وقار میں زیادتی ہوتی ہے: قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔[۲]

بقیہ :- الرد علی المنطقین

غرض یہ ہے کہ کتاب و سنت میں بہت سے الفاظ اور اسماء ایسے بھی ہیں، جن کے مصداق کے متعین کرنے اور ان کی پوری تعریف و تحدید کرنے کے لئے اجتہاد و قیاس اور شارع کے منشار کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف زبان دانی کافی نہیں ہے۔

(جاری)

امام ابن تیمیہ کی ایک نادر کتاب

الرد علی المنطقیین

(۲)

دوسری بحث ایجابی پہلو

اب تک حدود اور تصورات کے سلسلہ میں ارباب منطق کے نظریہ پر سلبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے اب اس کے ایجابی پہلو پر امام نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے،

ارباب منطق کا ایجابی دعویٰ یہ ہے کہ "حد" کے ذریعہ تصورات کا علم حاصل ہو جاتا ہے امام ابن تیمیہ نے ان کے اس ایجابی دعویٰ کی بھی تردید کی ہے اور اس بحث کو تقریباً اسّی صفحات میں پھیلایا ہے اور اس کی سرخی یہ قائم کی ہے۔

کیا اشیاء کا تصور حد کے ذریعہ ممکن ہے؟

اس باب میں انھوں نے تقریباً بیس صفحات میں "حد" کے بارے میں متکلمین اسلام اور منطقیوں کے طریقہ فکر پر بحث کی ہے پھر امام غزالی کی کتاب "معیار العلم" کا ایک لمبا اقتباس دے کر اس کی تردید کی ہے اس کے بعد مذکورہ بالا نظریہ پر منطقیانہ نقطہ نظر سے تنقید کی ہے اس ضمن میں ایک اہم بحث حدود شرعیہ کی بھی آگئی ہے ان تمام بحثوں کا بہت ہی مختصر خلاصہ یہ ہے۔

عام اہل منطق ارسطو کے اتباع میں یہ کہتے ہیں کہ "حد" کے ذریعہ "محدود" کا تصور اور اس کی حقیقت کا علم ہو جاتا ہے اس اصول کو بعض علمائے اسلام نے بھی تسلیم کر لیا ہے خصوصیت سے امام غزالی نے اپنی اصول فقہ کی کتاب المستصفیٰ تک میں لکھ دیا ہے کہ بغیر "حد" اور "برہان" کے کسی شے کی حقیقت کا علم ناممکن ہے[1]۔

---

[1] امام نے اس کتاب میں امام غزالی کے منطقی استدلالات پر متعدد جگہ تنقید کی ہے، اس بیان کے۔

امام ابن تیمیہ نے اس اصول کی پرزور تردید کی ہے، بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"حد" یعنی تعریف کا فائدہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے "محدود" یعنی جس کی حد بیان کی جارہی ہے، اس کے اور غیر کے درمیان ایک امتیاز پیدا ہوجائے، جس طرح اسم سے مسمّٰی کی تمیز ہوجاتی ہے یہی مسلک تمام محقق علمائے اسلام اور متکلمین کا ہے، مثلاً ابوالحسن اشعری، قاضی ابوبکر، ابن فورک، قاضی ابوالعلی، امام الحرمین وغیرہ حتی کہ اس میں معتزلہ اور شیعہ فرقہ کے محققین کا بھی اختلاف نہیں ہے، اور اس کے بارے میں سب کے سب متفق اللفظ ہیں کہ

ان حد شئ وحقيقته	کسی شئے کی حقیقت اور تعریف
خاصة التي تميزه	نام ہے اس خاصہ کا جو اس کو دوسروں سے ممتاز کردے۔

امام غزالی جنہوں نے اس سلسلہ میں اہل یونان کی تائید کی ہے وہ بھی منطقی "حد" کی پوری تعریف نہ کرسکے، اور آخر میں انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ "حد" کے ذریعہ اشیاء کی حقیقت کا تصور کرنا انسانی قوت سے باہر ہے، یوں شاذونادر کچھ لوگوں کو اس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت کا علم ہوجائے۔ تو یہ اور بات ہے۔ (ص ۱۹) اس بارے میں "حد" کی ان خاص چار شرطوں کا عام انسانی ذہن کی گرفت میں آنا بھی بہت ہی مشکل ہے، وہ چار شرطیں جو جنس و فصل کی ذاتی اور لازم کی تقسیم سے پیدا ہوتی ہیں، آخر میں انھوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ

"جب اس کی تعریف مشکل ہوئی تو متکلمین نے صرف تمیز پر اکتفا کیا۔ یعنی انھوں نے کہا کہ حد ایک قول جامع و مانع ہے جس سے ایک تمیز پیدا ہوتی ہے۔ (ص ۲۱)

محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں کہ تعجب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں کا نام معیار العلم اور محک النظر اور ایک کتاب کا نام انھوں نے القسطاس المستقیم تک رکھ دیا، اور اس کی تعلیمات کو انبیاء سے نسبت دینے کی کوشش کی ہے۔

اس کے بعد امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے امام غزالی نے یہ تو اعتراف کر لیا کہ "حد" اپنے تمام شروط کے ساتھ بھی کسی شئے کی حقیقت جاننے کا ذریعہ نہیں بن سکتی، مگر اس سلسلہ میں انھوں نے صفات ذاتیہ مقومہ داخل فی الماہیت اور صفات خارجہ لازمہ کی جو تقسیم کی ہے وہ بھی ایک غلط چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس لئے قدیم متکلمین نے اس طرح کی تقسیم سے گریز کیا ہے۔ کیونکہ جب حد کا مقصود ایک امتیاز پیدا کرنا ہے تو پھر اس کے لئے اس قدر موشگافی اور یونانی منطق کی بھول بھلیاں میں انسانی ذہن کو پھنسانے کی کیا ضرورت ہے۔

امام غزالی نے ان خیالات پر کئی صفحوں میں تنقید کرنے کے بعد نو عقلی اور نفی دلیلیں اہل یونان کے مذکورہ نظریہ کے خلاف دی ہیں اور ان کے اس نظریہ کے سارے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں۔

مثال کے لئے انسان کو لیجئے کہ اس کی تعریف ارباب منطق "حیوان ناطق" یا "حیوان ضاحک" سے کرتے ہیں، یہ ایک مجرد قضیہ خبریہ ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ حیوان ناطق یا حیوان ضاحک جملہ خبریہ ہے۔

اگر کسی کے سامنے انسان کی تعریف ان الفاظ میں کی جائے، تو اس کے دو پہلو ہیں، یا تو وہ پہلے سے انسان کو بغیر کسی حد اور تعریف کے جانتا ہوگا، یا نہ جانتا ہوگا، اگر جانتا ہے تو اس تعریف سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور اگر وہ نہیں جانتا تھا۔ تو وہ بغیر کسی ذاتی علم کے اس کہنے والے کی تصدیق کر دے گا، مگر ظاہر ہے کہ صرف کسی خبر کو مان لینے یا محض اس کی تصدیق کر دینے سے تو اس کی حقیقت کے بارے میں علم و یقین حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ ایک خبر ہے، اور خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، بہر حال دونوں صورتوں میں "حد" سے محدود کی حقیقت اور معرفت حاصل نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ جس کی تعریف کی جاتی ہے وہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے، جس طرح اسم سے مسمّٰی ممیز ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ یہاں پر یہ کہا جائے کہ یہ "حد" جملہ خبریہ نہیں بلکہ مفرد ہے، تو اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تم نے مرکب و مفرد کی جو اصطلاح بنائی ہے، اس اعتبار سے تو انسان کی حد حیوان ناطق یا حیوان ضاحک جملہ خبریہ ہے جیسا کہ امام غزالی نے لکھا ہے، اور اگر اس تعریف کو قول مجرد مان کر مفرد قرار دو تو تم کو بہت سی تاویلیں کرنی پڑیں گی۔ جیسا کہ اعتراض سے بچنے کے لئے تم نے اس ترکیب کا نام "ترکیب تقییدی" رکھا ہے، مگر بہرحال دونوں صورتوں میں اعتراض و تاویل سے مفر نہیں ہے۔

پہلی صورت یعنی مرکب ماننے کی صورت میں تو وہی اعتراض ہوگا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اور اگر اس کو مفرد مانو گے تو پھر

التکلم بالمفرد لا یفید ولا	مفرد لفظ کا بولنا نہ تو مفید ہی ہو سکتا
یکون جوابًا للسائل سواءٌ کان	ہے اور نہ اس سے کسی سائل کا جواب
مرکبا ترکیبًا تقیید یا اولم یکن	ہی ممکن ہے، خواہ اس کو مرکب تقییدی
کذالک (ص ۳۳)	قرار دیا جائے یا نہ دیا جائے۔

غرض جو صورت بھی اختیار کی جائے، ارباب منطق کا یہ دعویٰ محض فریب معلوم ہوتا ہے کہ منطقی "حد" کے ذریعہ کسی شے کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

اس بحث کو انھوں نے تقریبًا ۶۲ صفحے میں پھیلایا ہے، اسی ضمن میں انھوں نے بہت سے ایسے مباحث بھی چھیڑ دیئے ہیں، جو ان کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتے، اور بعض ایسے مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں، جن کا تعلق اصل موضوع سے تو کم ہی ہے مگر ان سے قرآن و سنت کے طرز استدلال اور طریقۂ فکر کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اس لئے مختصرًا ان کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔

اوپر حد کے مفرد ہونے کی جو بحث گذری ہے، اس کے ضمن میں انھوں نے لکھا کہ دنیا میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے، جو مفرد الفاظ کے تکلم کو مفید قرار دیتا ہو، خود اسلامی شریعت کا بھی فیصلہ یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ جن صوفیوں نے محض اسم ذات یعنی اللہ کے ذکر کو اختیار کیا ہے، ان کے اس فعل کو بدعت قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے ۱

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنے اذکار احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں کہیں مجرد اسم ذات کا ذکر نہیں ہے، بلکہ پورا جملہ مذکور ہے، مثلاً افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ افضل الدعاء الحمدللہ یا سبحان اللہ ۔ اللہ اکبر۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ وغیرہ۔ (ص ۳۵)

بعض صوفیوں نے یہی نہیں کیا ہے کہ اس بدعیانہ طریقہ کو اختیار کیا ہے، بلکہ ان کا قول ہے کہ خواص کے حق میں لا الٰہ الا اللہ یعنی پورے کلمے کے ورد سے بہتر اسم ذات کا ورد ہے، اور بعض نے تو اس سلسلہ میں اتنا غلو کیا ہے کہ اسم مضمر یعنی ہو (ھ) وغیرہ کو اسم مظہر سے بہتر بنایا ہے، یعنی اللہ کے لفظ کے بجائے صرف ضمیر کے اشاروں سے اس کا ذکر کیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے، امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے ان ہی تصورات کی وجہ سے "وحدۃ الوجود" وغیرہ کے گمراہ کن مسائل پیدا ہوئے۔ (محققین صوفیا ان چیزوں کو تسلیم نہیں کرتے)

ان لوگوں نے اس غلط طریقۂ فکر کے استدلال میں قرآن کی اس آیت کو بھی استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، قل اللہ ثم ذرھم، انھوں نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ اس میں لفظ اللہ کے ذکر کا حکم دیا جا رہا ہے، مگر قرآن کی اس آیت کے سیاق و سباق اور موقع و محل میں ادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہو جائے گی، کہ یہ ایک سوال کا جواب ہے، اور وہ سوال شروع ہوتا ہے، وما قدروا اللہ حق قدرہ سے، پھر اس کے بعد دوسرا سوال اللہ تعالیٰ ان سوال کرنے والوں سے کرتا ہے قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ، اس سوال کا جواب مذکورہ بالا آیت میں دیا گیا ہے، کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، گویا یہاں ایک پورا جملہ پوشیدہ ہے۔ یعنی

قل اللہ اللہ الذی انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ	کہدو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ کتاب نازل کی جسے موسیٰ لے کر آئے،

(ص ۳۹)

قرآن میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ملیں گی،

اس سلسلہ میں ایک اہم بحث حدود شرعیہ کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔
امام نے اس بحث کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔

معرفة الحدود الشرعية من الدين	حدود شرعیہ کی معرفت دین کا ایک جزء ہے۔

کتاب و سنت میں جو الفاظ آئے ہیں ظاہر ہے کہ ان کے مفہوم و معانی کا علم اور ان کی معرفت دین کی اہم ضرورت ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض مواقع پر یہ ضرورت عین کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے اور بعض مواقع پر اس کی حیثیت فرض کفایہ ہی کی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے دین کے حدود کے پاس و لحاظ کرنے کی تاکید کی ہے، اور جو لوگ اس کا پاس و لحاظ نہیں کرتے ان کی مذمت کی ہے فرمایا گیا۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (توبہ)	دیہاتی باشندے کفر و نفاق میں بہت سخت ہوتے ہیں، اور ان کو ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ وہ ان حدود اللہ کو نہ جانیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا۔

قرآن میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو سننے والے کے لئے غریب و اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً ضیزی (غلط اور بے ڈھنگی) قسورہ (شیر) عسعس (سانس لینا) وغیرہ (مصنف نے یہاں حدیث سے کوئی مثال نہیں دی، اگر تفقد کیا جائے۔ تو حدیث میں بھی بہت سے غریب الفاظ مل سکتے ہیں)

دوسرے وہ الفاظ جو عام طور پر مشہور ہوتے ہیں، اور سامع ان کے اجمالی معانی سے واقف بھی ہوتا ہے۔ مگر ان کے مفہوم و معانی کی وسعت و ہمہ گیری کے پورے

لہ چونکہ یہ جاہل ہوتے ہیں، اور جہالت حدود الٰہی کی معرفت اور اس کے لحاظ و پاس میں سب سے بڑا مانع ہوتی ہے۔ اس لئے خاص طور سے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مدد کا اس کو علم نہیں ہوتا یعنی ان کے سادہ مفہوم کو تو وہ جانتا ہے مگر اس کو اس بات کا پورا علم نہیں ہوتا، کہ ان الفاظ اسماء کے مصداق اور مسمّی میں کون کون سی چیزیں داخل ہیں، اور کون کون سی ان سے خارج ہیں۔ مثلاً لفظ صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ کو لیجئے، ان الفاظ کے اجمالی معنی کو قرآن کا ہر مخاطب جانتا ہے، مگر اس کے مصداق کا پورا علم اور اس کے مسمیات کی پوری تحدید رسول خدا ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے، اس کے لئے دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ

مفتاح الصلوٰۃ الطہور — نماز کی کنجی طہارت ہے۔

اب صلوٰۃ کے مجمل معنی کا علم ہر مسلمان کو ہے، مگر صلوٰۃ کے لئے "طہور" کی جو شرط لگائی گئی ہے وہی شرط صلوٰۃ جنازہ، سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت وغیرہ میں بھی لگائی جائے گی یا نہیں، اور یہ چیزیں "صلوٰۃ" کے مفہوم میں داخل ہیں یا نہیں؛ اس بات کا علم صرف شارع علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

اس طرح لفظ خمر (شراب) اور میسر (جوا) کو لیجئے، ان کے بعض مسمیات کا علم ہر شخص کو ہے، مگر اس کی پوری تحدید و تعریف بغیر کسی خارجی دلیل کے ممکن نہیں ہے، مثلاً خمر کا اطلاق کن کن مسکرات پر ہوتا ہے، میسر میں گھوڑ دوڑ، شطرنج جیسی چیزیں بھی داخل ہیں یا نہیں؛ یا ربوا کے ضمن میں تبادلۂ اشیاء کی کون کون سی صورتیں آتی ہیں، ان تمام سوالات کے جواب کے لئے کسی شرعی یا غیر شرعی دلیل کی ضرورت پڑے گی۔ بغیر اس کے ان الفاظ کے وسیع مفہوم کو سمجھنا مشکل ہے۔

مزید تفصیل کے لئے غیبت کے لفظ پر غور کیجئے! اس کا مجمل مفہوم ہر عربی داں جانتا ہے، مگر باوجود عربی دانی کے صحابۂ کرام بھی اس کے صحیح مصداق و مراد کو نہ پا سکے، اور ان کو اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ سے سوال کرنا پڑا، جب آپ نے غیبت کی تعریف فرمائی۔

ذکرک اخاک بما یکرہ — اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا کہ اس کو برا معلوم ہو۔

تو انھوں نے پھر دوبارہ سوال کیا "اگر چہ وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو" آپ

نے فرمایا کہ" ہاں اس کے اندر عیب موجود ہے جب ہی تو غیبت ہوئی، ورنہ پھر بہتان ہوجاتا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کو غیبت کے مفہوم کا اجمالی علم تو پہلے سے تھا، مگر اس کی کوئی جامع تعریف ان کے سامنے موجود نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے بعد ان کو اس کا علم ہوا۔

یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں الفاظ کی تعریف وتحدید، افہام وتفہیم کے ذریعہ ہوتی ہے لیکن کبھی الفاظ کے معنی ومراد کی تعیین وتبیین کے لئے دوسری صورتیں بھی اختیار کرنی پڑتی ہیں!

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی لفظ کے معنی یا کسی اسم کے مسمی کو بتانے کے لئے اس کا دوسرا مرادف لفظ استعمال کردیا جائے، اس کے ذریعہ بہت آسانی سے اس لفظ کے مفہوم کو مخاطب کے ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً قسورہ (شیر) کے لئے اسد، شہاب کے لئے عذاب یا قیمت کے لئے ثمن یا طاقت کے لئے قوت کا استعمال۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی لفظ کی تشریح ایسے لفظ یا جملے سے کی جائے جو مرادف تو نہیں، مگر اپنی بعض دوسری تشریحی خصوصیات کی وجہ سے اس کا بدل بن جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی یہ سوال کرے کہ "صراط مستقیم" کیا ہے؟ تو اس کے جواب کے لئے "اسلام"، "اتباع قرآن" یا طاعت خدا و رسول وغیرہ الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ سائل کے ذہن میں صراط مستقیم کا مفہوم بٹھایا جاسکتا ہے۔

کسی لفظ کی تعریف وتوضیح کے لئے تیسری شکل مثالوں کے استعمال کی ہے، یعنی کسی مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے لئے زبانی افہام وتفہیم کے بجائے اس کی کوئی عملی مثال مخاطب کے سامنے پیش کردی جائے[1]، مثلاً کوئی شخص یہ سوال کرے کہ روٹی کیسی ہوتی ہے، اس کے سامنے ایک روٹی پیش کردی جائے تو وہ فوراً اس کو سمجھ لے گا۔

---

[1] آجکل جدید طریقہ تعلیم یہی ہے کہ بچوں کو الفاظ کے معنی بتلانے کے بجائے صرف امثال کرکے مفہوم ان کے ذہن نشین کرایا جائے، اسی کو انگریزی میں "ڈائرکٹ میتھڈ" (Direct Method) کہتے ہیں۔

اس طرح اگر کوئی پوچھے کہ قرآن میں مقتصد، سابق اور ظالم کے جو الفاظ آئے ہیں، ان کے معانی کیا ہیں؟ تو اس کے جواب میں اگر یہ کہیں کہ جو نماز کے وقت ساتھ پڑھ لے وہ مقتصد ہے اور جو وقت کا لحاظ نہ کرے وہ ظالم ہے، اور جو اول وقت نماز ادا کر لے وہ سابق ہے تو ظاہر ہے کہ اس مثال سے ان الفاظ کے معانی بہت آسانی سے مخاطب کے ذہن میں اتر جائیں گے اور وہ اس کی روشنی میں یہ بھی سمجھ لے گا کہ ان میں تین طرح کے آدمیوں کے اخلاق و کردار کو پیش کیا گیا ہے۔

یہاں پر ایک غلط فہمی اور دور کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ الفاظ کے معانی کا تعلق صرف زبان و لغت سے ہے، اور کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے یا کسی زبان کے جاننے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ آدمی کو اس کے لغات کا علم ہو جائے، یا وہ لغت کی کتابوں کا مطالعہ کرے، مگر یہ بات کم از کم شریعت کی زبان کے بارے میں درست نہیں ہے اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، ان سے اس بات کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے، کتاب و سنت میں کچھ الفاظ ایسے ضرور ملیں گے، جو محض لغت کے ذریعہ معلوم کئے جا سکتے ہیں، مگر ان کی تعداد ان الفاظ کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو لغت کے علاوہ کچھ دوسرے خارجی دلائل سے معلوم کئے جا سکتے ہیں کتاب و سنت میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں، یا یوں کہئے کہ ان کے معانی معلوم کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

(الف) ما يعرف حده باللغة كالشمس والقمر والكوكب	وہ الفاظ جن کی تعریف و تحدید لغت کے ذریعہ ہو جاتی ہے جیسے سورج چاند ستارے وغیرہ۔
ما لا يعرف الا بالشرع كاسماء الواجبات والمحرمات الشرعية	وہ الفاظ جو کی پوری تعریف شریعت کی مدد کے بغیر نہیں معلوم کی جا سکتی، جیسے محرمات اور واجبات شرعیہ (مثلاً صلوٰۃ، حج، صوم، ربا، قمار وغیرہ)

یعرف بالعرف العادی — وہ الفاظ جو عرف عادی کے ذریعہ معلوم کئے جا سکتے ہیں، مثلاً نکاح، بیع، شراء وغیرہ۔

کتاب و سنت کے الفاظ کے معانی معلوم کرنے اور ان کے اسماء کے مسمات کے جاننے کی یہ تو وہ صورتیں تھیں، جن کو کسی نہ کسی خارجی ذریعہ سے معلوم کیا جا سکتا تھا، مگر ان کے علاوہ بعض اسماء و الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے اندر ظاہر کے علاوہ کچھ پوشیدہ اور غیر ظاہر مفہوم و معانی بھی ہوتے ہیں ایسے الفاظ کے معانی معلوم کرنے یا ان کے پنہاں مفہوم کو عیاں کرنے کے لئے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں اجتہاد اور شارع علیہ السلام کی زبان میں تاویل کہا جاتا ہے، مثلاً قبول شہادت کے لئے "دو عدل" کی شرط لگائی گئی ہے، نماز کے لئے "استقبال قبلہ" کی ضرورت ہے، عورت کو "نفقہ واجبہ۔ بالمعروف" ملنا چاہیئے ان باتوں کا علم صرف الفاظ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، بلکہ جب اس کا موقع آئے گا۔ تو اس وقت غور کرنا پڑے گا، کہ وہ شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں، یا اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو، تو دیکھنا ہوگا، کہ وہ استقبال کئے ہوئے ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی عورت کو نفقہ واجبہ ملا ہے، تو اس میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ بالمعروف ہے یا نہیں؟ کبھی یہ غور و خوض اور تاویل و اجتہاد اس بارے میں بھی کرنا پڑتا ہے کہ مسمیٰ کے اندر فلاں چیز بھی داخل ہے یا نہیں، مثلاً قرآن میں حکم ہے کہ صعید طیب (پاک مٹی) سے تیمم کرو۔ اب زمین سے جو چیزیں نکلتی ہیں، مثلاً چونا کنکر، پتھر، لوہا، ان کے بارے میں سوچنا پڑے گا، کہ یہ بھی اس حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟

اسی طرح قرآن میں ہے کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کا تیمم کرو اور اپنے چہروں کو دھوؤ۔ اب چہرہ میں کان، کن پٹی اور ہاتھ میں کلائی داخل ہے یا نہیں، اس بارے میں غور کرنا پڑے گا، یا قرآن میں ہے کہ تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں تمہارے اوپر حرام کر دی گئی ہیں۔ اب ماں کے حکم میں دادی، نانی اور بیٹی کے حکم میں پوتی داخل ہے یا نہیں؟ اس میں اجتہاد کرنا پڑے گا۔

(بقیہ: صفحہ ۳۹ پر)

ملت اسلامیہ کا ایک اور روشن چراغ گل ہوا

(مرتب)

ناظرین ارشاد کو حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے حادثۂ انتقال کی جانکاہ خبر مل چکی ہوگی مولانا کے انتقال سے ملت اسلامیہ ہندیہ ایک ممتاز عالم دین، ملت کے غم گسار اور ایک جرأت مندرا ہنما سے محروم ہوگئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ہ

مولانا تحریک ندوۃ العلماء کے محرک اول یادگار سلف حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفۂ اول حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جو مزاج، طبیعت اور اعتدال پسندی میں اپنے والد بزرگوار کے نقش ثانی تھے۔ ان میں ایک عالمانہ وقار ضرور تھا مگر شیخ ہوتے ہوئے مشیخت کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے دور تھے۔

مولانا اپنی عمر طبعی کو پہنچ گئے تھے اور کچھ دنوں سے جسمانی طور پر کمزور بھی ہوگئے تھے مگر عزم وارادہ میں کوئی کمزوری نہیں آئی تھی یہی وجہ تھی کہ اس حالت میں بھی ملت کے کاموں کے لئے طویل سے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے آمادہ ~~رہتے تھے~~ پچھلے اکتوبر میں مسلم مجلس مشاورت کے جلسہ میں ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کو دیکھکر اپنے اندر بھی ملی کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

ابھی تین ماہ پہلے مسلم پرسنل لا بورڈ نے بابری مسجد اور دوسرے مسائل کے سلسلہ میں جو جرأت مندانہ فیصلے کئے اور تجویزیں پاس کیں اس میں ان کی جرأت مندی صاف صاف جھلک رہی تھی پھر ان کی روشنی میں بے بنیاد اور ناکام ترین موجودہ وزیراعظم سے انھوں نے ہندستان کے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں جو گفتگو کی

وہ بھی ان کی جرأت ایمانی اور ملی حمیت کا نمایاں مثال ہے۔

مولانا تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، وہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تیئس برس سے امیر شریعت تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے ابتداء سے جنرل سکریٹری بلکہ روح رواں رہے، مسلم مجلس مشاورت کے اہم بنیادی ارکان میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے ممبر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے، مونگیر میں جامعہ رحمانی کی بنیاد ڈالی، جس کا شمار اس وقت بہار کے ممتاز ترین اداروں میں ہوتا ہے، امارت شرعیہ جس کا کام بہار واڑیسہ کے مسلمانوں کے عائلی مسائل کے فیصلوں تک محدود تھا اسے انہوں نے ہندستان گیر بنا دیا اور ساتھ ہی اس کا رشتہ ملی اور رفاہی کاموں سے جوڑ کر اس کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔

حالات کے لحاظ سے مسلم پرسنل لا کی جدید ترتیب کا اہم کام بھی انھیں کی زیر نگرانی ہو رہا تھا جو غالباً پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے راقم الحروف کو بھی بار بار اس کی نقل بھیجکر اس کی رائے بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

موت بھی ایسی پر سعادت اور قابل رشک پائی جو خاصان خدا کا حصہ ہے یعنی نماز تراویح کی چار رکعت ادا کر چکے تھے کہ قلب کا دورہ پڑا اور چند منٹ کے اندر روح اپنے مولا سے جا ملی۔ اَللّٰهُمَّ ارحمه رحمة واسعة سابغة،

راقم الحروف کو بعض ملی مسائل کے عمل درآمد اور ذرائع استعمال کے سلسلہ میں کچھ خلش تھی جس کا اظہار میں ذاتی خطوط کے ذریعہ اور الرشاد کے اداریہ کے ذریعہ کرتا رہا۔ مگر ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور کے فساد کے سلسلہ میں بھاگلپور جانے کا اتفاق ہوا تو امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات نے مولانا کو بھی فون کے ذریعہ یہ اطلاع دے دیا۔ یہ فلاں ٹرین سے جا رہے ہیں جب گاڑی جمال پور اسٹیشن پر پہونچی تو مولانا کے ایک نمائندے ڈبہ میں آئے اور کہا کہ مولانا نے فرمایا ہے کہ گاڑی چھوڑ کر پہلے مونگیر آ جائیں پھر واپس جائیں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں، میں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ بھاگلپور اطلاع ہو گئی ہے اس لئے وہاں لوگ انتظار کریں گے انشاء اللہ واپسی میں حاضر خدمت ہوں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ

دو دن بعد حاضر ہوا۔ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے رات میں تو کوئی گفتگو نہ ہو سکی مگر صبح کو چائے پر راقم الحروف اور میرے ہم سفر عالم بدیع اعظمی صاحب کھل کر گفتگو کی انہوں نے ہماری باتوں کو سُنا اور مناسب جواب دیا جس سے بڑی حد تک خلش دور ہو گئی اور اس کے بعد قلبی تعلق میں مزید اضافہ ہوا۔

مولانا کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا بظاہر جلد اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے مگر دما ذالک علی اللہ بعزیز

ان کی زندگی کے کچھ حالات مولانا احمد علی قاسمی صاحب نے بھیجے ہیں اس کا کچھ حصہ نقل کیا جا رہا ہے۔

مولانا ۹ رجمادی الثانی ۱۳۲۲ھ کو مونگیر میں پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم کی ابتدا مونگیر، حیدرآباد سے ہوئی، پھر ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند میں تکمیل ہوئی، اور روحانی تربیت اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، بیعت بھی اپنے والد ہی سے تھے، والد کے انتقال کے بعد مزید تربیت مولانا محمد عارف صاحب ہرسنگھ پوری سے بھی حاصل کی۔

موصوف نے تحریک آزادی میں دور طالب علمی میں شریک ہوکر اور ۱۹۳۲ء میں سہارنپور میں قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے کی بھی تربیت حاصل کی۔

آپ ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں ہی وہ تاریخی زلزلہ آیا جس میں بے شمار جانی و مالی نقصانات ہوئے، حضرت امیر شریعتؒ نے اپنی عملی خدمت و جہاد کا آغاز زلزلے سے متاثر انسانوں کی داد رسی سے کی اور ان کو دوبارہ زندگی شروع کرنے کے سلسلہ میں غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔

۱۹۳۵ء میں آپ جمعیۃ علماء ہند (بہار) کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، یہ وہ دور تھا جب جمعیۃ و امارت دونوں لازم و ملزوم سے تھے، اور دونوں کے عملی محرک حضرت مولانا سجاد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ۱۹۳۵ء میں انڈیپنڈنٹ پارٹی مولانا سجاد احمدؒ نے بنائی، جس کے مجلس عاملہ کے حضرت امیر شریعتؒ رکن ہوئے۔

الرشاد کی ڈاک

مخدوم و محترم حضرت مولانا صاحب، زاد لطفہٗ　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عموماً فارسی ضرب المثل "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" پڑھتے سنتے، جانتے آئے تھے مگر آپ کی شان میں آپ کے تعلق سے واقعی شنیدہ دیدہ سے کم نہیں رہا۔ آگہی تو اس عمر میں بھی نہیں حاصل ہو سکی مگر دانش و آگہی کے نام پر تھوڑی بہت شُد بُد آئی تھی تو آپ کی ذات گرامی سے واقف ہوا تھا۔

پورے تمائز کے ساتھ یہ تو یاد نہیں کہ جامعۃ الرشاد کا ذریعہ بنایا کہ آپ اولاً جانے گئے اور آپ کو جان کر جامعۃ الرشاد کو جانا۔ تاہم یہ طے ہے کہ دونوں ہی سے بحیثیت مجموعی ایک رعب ذہن و دماغ پر قائم رہا۔ ادھر کچھ اپنے فکری و ذہنی رجحانات نے مضطر کر رکھا تھا۔ نہ معلوم کیوں؟

موجودہ نصاب تعلیم اور مدارس عربیہ کی یہ تدریسی تشریح ایک مدت سے خلجان کا باعث ہے۔ ظاہر ہے ذمہ داران کا یہ رجحان کہ مدارس کی خدمت سے "ذمہ دار شہری" تیار ہو رہے ہیں، ملت کی ضروری خدمت تو کہی جا سکتی ہے۔ "مقصد وجود" نہیں ہو سکتا۔ ملی قیادت کا وہ پاکیزہ عنصر جو مدارس و مکاتب سے وابستہ ہے۔ وہ ملی افراد کی ایسی خدمت جو ان کے مقصد تخلیق سے جڑی ہو، نہیں کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی گوشے سے نقص و کمی ہے۔ جس کے لئے میں ہنوز پریشان ہوں کہ بالآخر وہ نقص و کمی کیا ہے؟

بہت سے "مشائخ" کے دربار۔ خانقاہوں اور جماعات و مدارس کی صفوں میں تلاش کیا مگر ذہنی تسکین نہ ہو سکی۔ مگر آپ کے وہاں حاضری کے بعد آپ کی دو روزہ صحبت سے ایسا لگا کہ میری فکر کا آئیڈیل آپ کی ذات میں موجود ہے۔

آپ کے وہاں سب بے ربط طاعات کا زبردستی کا جگاڑ نہیں ہے۔ البتہ درد دل کے لئے روحوں کو اپیل کرنے والا ایک کرب مسلسل ضرور ہے۔

آپ کی عنایت ز مودات اکثر کتب کا مطالعہ کر ڈالا ہے۔ اپنے دارالعلوم میں داخل رسید بھی روانہ کر رہا ہوں۔ اساتذہ کو بھی ترغیب دی ہے۔ خصوصیت سے موجودہ بے یقینی کے ماحول نے جس طرح دل برداشتہ کر رکھا تھا۔ ان میں آپ کی تحریروں نے بڑی ڈھارس بندھائی ہے۔ اب تو ہر وقت یہ کیفیت ہے کہ موت آنے سے ایک لمحہ قبل بھی کوئی خدمت اور نیک عمل ہو جائے تو کر لینا بھی ضروری ہے۔

بحمداللہ دارالعلوم کی خدمات کے توسط سے فلاح ملت کیلئے بھرپور سرگرمی ملی ہے۔

والسلام خادم دارالعلوم

(مولانا) محمد طیب صاحب

محترمی جناب مجیب اللہ ندوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ملت اسلامیہ ہند پر آپ کا سایہ تا دیر سلامت رکھے۔ (آمین)

رشحات (تازہ شمارہ) میں مشرق وسطیٰ کی جنگ پر آپ کا تبصرہ حق گوئی و بے باکی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ عراقی حکمراں (جو پہلے سے ہی نالائق تھا) کی نالائقیوں پر تو "بزرگوں" نے جی کھول کر اور پورے متقیانہ شان کے ساتھ لکھا اور بیانات دیئے لیکن عربستان کے ان بادشاہوں پر کھل کر ایک جملہ بھی لکھنے کی جرأت کا مظاہرہ کرنے تحریریں/ بیانات/ قرار دادیں دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں، جن کی نالائقیوں نے یہود و نصاریٰ کو یہ منصب تفویض کیا کہ وہ واشنگٹن تل ابیب، پیرس، اور لندن میں بیٹھ کر بنائے گئے "نئے عالمی نظام" کے خاکے میں رنگ بھرنے کے لئے ارض حرمین شریفین پر جگمگا کریں۔ جس سرزمین سے حرام کاری و حرام خوری کو دیس نکالا دے دیا گیا تھا، اسی پر "شراب" لحم خنزیر اور عورت" سے ان کی ضیافت ہو اور "نئے عالمی نظام" کے فریم میں عالم اسلام کو فٹ کرنے کے لئے اس کے سیاسی معاشی، اقتصادی، تہذیبی اور عسکری پیراہن کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

ایسے حالات میں آپ نے اپنے اداریہ میں جو معتدل اور مبنی برحقیقت تبصرہ کیا ہے اسے پڑھ کر بہت سکون ملا کہ ضمیر فروشوں کی بھیڑ میں بحمداللہ اکا دکا باضمیر مسلمان بھی موجود ہیں۔ دراصل یہ اکا دکا افراد ہی ملت کا اصل افرادی سرمایہ ہیں۔

اتنا بڑا سرمایہ جو دل اور دنیا سے خریدا نہیں جا سکتا۔

یہ خط "ارشاد کی ڈاک" میں شائع کئے جانے کی درخواست ہے۔ والسلام

(جناب ، ابوالوفا عمری ، صاحب ،)

۲۲/۱۱، ذاکر نگر، نئی دہلی

مخدومی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ مزاج عالی، مع متعلقین بخیر ہوگا۔

ماہنامہ "الرشاد" شمارہ مارچ۔اپریل ۱۹۹۱ء حسب سابق، دیکھا، پڑھا اور شحات ہی پر رُک گیا، اس کو اس طرح پڑھ رہا تھا، جیسے میں نے خود ہی اس کو لکھا ہو، آپ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ

"شاہی عرب حکومتوں نے جس طرح اپنے عوام کو عیش پسند بنا کر، سیاسی شعور اور ملی حمیت سے دور کر کے ایک طرح سے مفلوج کر دیا تھا، امید ہے کہ اس کے بعد ان کے اندر زبردست تبدیلی آئے گی اور مجاہدانہ سخت کوشی اور سیاسی شعور کے جذبات بیدار ہوں گے"

"نئی کتابیں" کے ضمن میں، یہ پیرا

"ہمارے مولانا عبدالباری صاحب ندوی مرحوم، اس بات کو اس طرح فرمایا کرتے تھے "کبیر بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کے سامنے، ایک مدت تک صغیر بنا ہو، ورنہ فتنہ بنتا ہے" دل کو تڑپا گیا۔

باقی رہے اور مضامین، تو وہ سب برحق اور برمحل ہیں۔ اچھا اب اجازت، کوئی پرسان حال ہو تو اس کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ والسلام

طالب دعا، جناب عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی، جامعی

سرائے میر، اعظم گڑھ

محترم جناب حبیب اللہ ندوی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ الرشاد۔ اعظم گڑھ

السلام علیکم امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کا "الرشاد"

مطابق مارچ اپریل سنہ ۱۹۹۱ء میرے سامنے ہے ایک دوست کی توسط سے پڑھنے کے لئے ملا۔ دینی معلومات سے متعلق آپ کی کاوش قابل ستائش ہے۔ اس خط کو لکھنے کا مقصد آپ کے اداریہ یا رشحات سے متعلق ہے یوں ناچیز کو اس طرح کے خط لکھنے کی عادت بالکل نہیں بات دوستوں کی محفل یا زبانی جمع خرچ تک ہی رہتی ہے۔ حالیہ جنگ عراق اور متحدہ افواج کے درمیان لڑی گئی آپ نے خاصہ معقول تجزیہ کیا ہے لیکن جذبات کی وہ رو جسمیں مسلمان بہتا نہیں بلکہ تیرتا ہے۔ آپ کا تجزیہ بھی تیرتا نظر آیا۔ تاریخی حوالے اور اسباب کو سمجھاتے سمجھاتے امکانات اور نتائج تک آتے آتے آپ کا قلم شاید کچھ بہک گیا!..

مراد ہے آپ کے صفحہ نمبر ۲، ۳، ۴، اور کچھ صفحہ نمبر ۵ پر

جنگ شروع ہونے کے ساتھ امریکہ کے مختلف اخبارات نے مطلقاً عرب شاہوں کے متعلق عجیب عجیب کہانیاں اور فیچر شائع کئے۔ ان کی وہ باتیں بعد میں دنیا بھر کے اخبارات پر اثرانداز ہوئیں اور وہی اثر ہے جو آپ کی تحریر پر بھی اثرانداز ہوا ہے۔ اصلاحات تو ہر عرب ملک بلکہ ہر اسلامی ملک میں درکار ہیں۔ اور داستان الف لیلہ کہاں نہیں دہرائی جارہی ہے، شاہوں کے ملک ہوں یا غریب ترین بنگلہ دیش۔ عوام کے مزاج لیڈروں جیسے بنتے ہیں اور لیڈر پچھلے سیکڑوں برسوں سے صرف کرسی کا چلا آرہا ہے نہ کہ اسلام کا۔ سب سے زیادہ توجہ سے چلائی جارہی فلسطینی مہم اپنی روح اسلام سے باہر رکھکر چلائی جارہی ہے مجبوری یا وجہ کچھ بھی رہی ہو پی۔ ایل۔ او۔ کے ہیڈ جناب یاسر عرفات کا قبلہ کدھر ہے آپ جانتے ہوں گے۔ ایران اور اردن نے جو فریضہ پورا کیا وہ اب تک آپ کی اور آپ کے قارئین کی سمجھ میں آچکا ہوگا۔ ایران چلا ہے اپنا فرض پورا کرنے اور اردن بشمول اپنی پوری آبادی کے پھر امریکہ اور شاہوں کے پیر پکڑنے جارہا ہے۔

ہمارے بزرگ ہمیں زیادہ طویل بات کرنے سے منع کرتے تھے (بچپن) میں یعنی جہاں کی بات ہو وہیں تک بیان کرو۔ زیادہ لام۔ قاف نہ ملاؤ۔ والسلام

دعاؤں کا طالب (جناب) محمد نسیم علی جان (صاحب)

دہلی - ۱۱۰۰۰۶

محترمی و مکرمی ——————— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

رسالہ "الرشاد" پابندی سے مل رہا ہے۔ از اول تا آخر ہر بار پڑھ لیتا ہوں۔ اس دور فتن میں علمی، دینی و معیاری رسائل کا نکالنا اور جاری رکھنا جوئے شیر لانا ہے۔ الرشاد کی ایک خاص روش اور ایک منفرد انداز فکر ہے خصوصیت سے رشحات تو خاصے کی چیز ہوتی ہے اس دور فتن میں ملکی معاملات ہوں یا خارجی حالات آمرانہ، متوازن اور صالح انداز فکر اور کہیں نظر نہیں آتا ہے۔ خصوصیت سے اس وقت امریکی جارحیت اور عربوں کی اپنی ناعاقبت اندیشی سے پامالی کا جو المناک حادثہ رونما ہوا اس کاری زخم کی ٹیس تو مدتوں عالم اسلام میں محسوس کی جاتی رہے گی۔ ایسے موقع پر آپ نے جتنا صالح انداز فکر اختیار کیا اور قارئین الرشاد کے فکر و نظر کی رہنمائی کی وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ اس وقت بڑے بڑے اہل علم مفکر و مدبر حضرات کے قلم سے امریکی کارروائیوں کی حمایت میں ایسی بودی منطقوں کے ساتھ مضامین دیکھنے کو ملے کہ حیرت ہوتی ہے۔ جن حضرات سے حق و انصاف اور باطل کی چیرہ دستیوں اور فریب کاریوں کی نشاندہی کی امید تھی ان سے ولا تلبسوا الحق بالباطل کے حکم کے صریح خلاف تحریریں نظر سے گذریں۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

امریکی جارحیت کی حمایت، لاکھوں امریکی یہودی و نصرانی فوجیوں کی مع اپنے تمام فواحشات کے ارض مقدس پر قیام اور اس کی بے حرمتی اور عراق کی بربادی و پامالی کے جائز ہونے کی حمایت میں جو مضامین دیکھنے کو ملے غیرت دینی سے سر شرم سے جھک گیا۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

عالم اسلام میں کسی بھی صحیح دینی فکر کے عوام و خواص سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس جنگ کا مقصد کویت کا آزاد کرانا محض بے حیائی کا بہانہ تھا۔ یورپ کا اصل مقصد یہ ہے کہ دنیا سے اسلامی فکر، اسلامی معاشرت، قرآن کی بالادستی اور اللہ کی حاکمیت کے نظریہ کو ختم کر دیا جائے اس لئے کہ یورپ کی آمرانہ، جابرانہ حاکمیت اور بالادستی کی راہ میں اگر کاوٹ

ہے تو قرآن اسلام اور مسلمان ہی ہے اس لئے یورپ کا اصل مقصد مسلم قوتوں کی حیثیت تعلیم اور طاقتوں کو نقصان پہنچانا اور ان سے محروم کردینا ہے اور ان کو فکری اور اخلاقی طور پر یورپ کا باجگذار بنا دینا ہے۔ ان کا اول مقصد دنیا میں اسلام اور مسلمان کی پامالی ہے اور ثانوی مقصد ایشیا کو یورپ کے سامنے کبھی بھی اپنے پیر پر کھڑے نہیں ہونے دینا ہے۔ یورپ کے اس انداز فکر کی آپ نے جس خوش اسلوبی سے رشحات میں تشریح فرمائی ہے وہ انتہائی لائق تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تادیر صحت، عزت وسلامتی کے ساتھ قائم ودائم رکھے۔

"الرشاد" کی خریداری کا حساب کیا ہے؟ اور میرے نام کیا بقایا ہے مطالبہ تحریر فرمایا جائے انشاء اللہ تعالیٰ مطالبہ ملتے ہی رقم بھیجدی جائے گی۔ والسلام

نیازمند (جناب احمد طاہر عثمانی فردوسی دھنباد)

مکرمی ————— سلام مسنون

عراق کے صدر صدام حسین کے ابتدائی قدم سے پورا اتفاق نہ کرنے والے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنے کی دانش بینش رکھنے والے افراد بھی امریکہ کی کھلی جارحیت اور انسانیت سے عاری درندگی سے بھری ہوئی پالیسی سے انحراف کرتے ہوئے صدام حسین کے ساتھ اگر نہیں تو بے گناہ عراقی عوام کے ساتھ ہو رہے ظلم پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ امریکہ کے عوام نہیں امریکہ کے بدطینت لیڈر جس چیز کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ جنگل میں رائج قانون سے بھی بدتر ہے۔ ایک یہودی یا عیسائی کی جان محترم ہے جس کے بچانے کے لئے وہ سطحی حربے اپنانے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تو کیا ایک مسلم کی جان پتھر سے گئی گذری ہے کہ اسے امریکہ کے بش اور ان کے حواریں تختۂ تار کر بنی راہ میں استعمال کر رہے ہیں؟ امریکہ کے بش، انگلینڈ کے میجر اور فرانس کے متراں کو کہیں رونا نہ پڑے جب قدرتی آفات نیز جنگی حربے ان کے عوام کو مصائب کا سامنا کرتا پڑے۔

صدام حسین کو ماڈ لنے کے ساتھ عراقی عوام کو بھوکا مارنے کی جو اسکیم امریکہ اور اس جیسے یورپی حلیفوں نیز آسٹریلیا وغیرہ نے بنائی ہے وہ عالم عدل کے خلاف نہیں عالم اسلام کے سارے مسلمانوں کے خلاف ہے جس کو ہر قیمت پر ختم کرنے کے لئے مسلمان کمربستہ ہو جانے پر مجبور ہوں گے۔ والسلام

جناب ابو عالم محسن صاحب، بہرائچ

محترم مرتب الرشاد ظلہ کی وہ کتابیں جو دارالتالیف الترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مد ظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۱۵/ ر

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۱۶/

(۳) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵/

۴۔ خطبۂ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۲/ روپے،

(۵) مسئلہ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقوی میں ہونی چاہیئے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۸/ ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے قیمت صرف ۵/ ہے یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۱۱

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو مؤثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہئے۔ قیمت صرف ۔

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی چھپ چکا قیمت روپے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کردی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہوگئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اسمیں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے۔ یہ آخری کتابچہ شائع ہو گیا ہے۔ قیمت ۔

شکیل احمد مہتمم مکتبۃ ارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الیشاد ظلہٗ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ **اسلامی فقہ حصہ اول و دوم** کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد اللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کردیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کردیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑگئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کو متن یا حاشیہ میں ذکر کردیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہوسکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہوگئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کردی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے، یہ کتاب ہر گھرانہ ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ؎ دوم ؎

۲۔ **اسلامی قانون اجرت** اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ **تبع تابعین** اس کتاب میں انیس اکابر تبع تابعین کے حالات مفصل لکھے ہیں جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت : ؎

۴۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے ۹۳ صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں، قیمت ۱۵ روپے

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت: چالیس روپے

۶۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت: ۳۵ روپے

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: ۶۵ روپے

۸۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے اُن کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے، قیمت: ۲۰ روپے

□ شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد شاد نگر اعظم گڑھ

ماہنامہ

جامعۃ

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ یوپی

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان

ماہنامہ جامعۃ الرشاد

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۴۵/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت
فی پرچہ ۵/-

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/$

جلد ۱۸ | جولائی ۱۹۹۱ء مطابق : محرم الحرام ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۳۵

فہرست مضامین

	مرتب	
۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات	جناب عبد الجبار احمد حسین شرارہ	۷
۳۔ گروپ لائف انشورنس کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر محمود الحسن عارف لاہور	۱۴
۴۔ احکام الاقرار اوران کی حجیت	مولانا مبشر احمد جامعہ مدنیہ لاہور	۳۱
۵۔ الرد علی المنطقیین	امام ابن تیمیہؒ کی ایک نادر کتاب	۳۹

مجلس ادارت

• مجیب اللہ ندوی (مرتب) • ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی

• ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (علیگ) • بدر جمال اعظمی

کتابت :	منیجر ترسیل اشاعت
خورشید اکرم خاں	مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

مجیب اللہ ندوی ایڈیٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

پچھلے مہینہ راقم الحروف نے جنگ کے نتائج اور امریکہ کی سیاسی برتری کے بارے میں کچھ اشارات کئے تھے، اب یہاں ہم عالمی نظام کی امریکی منصوبہ بندی کی وہ سنسنی خیز رپورٹ شائع کر رہے ہیں جو امریکی رسالہ ایگزیکٹیو انٹلی جنس (انگریزی) میں ۲۰ر جولائی ۱۹۹۰ء میں شائع کیا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ پاکستان کے مشہور رسالہ تدبر قرآن نے شوال ۱۴۱۱ھ کے شمارہ میں شائع کیا ہے جس کی فوٹو کاپی، راقم الحروف کو مدینہ منورہ میں ایک عالم کے ذریعہ ملی اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ صدام کے کویت پر قبضہ سے پہلے سے امریکہ نے یہ منصوبہ تیار کرلیا تھا اور اس کے مطابق جنگ لڑی گئی اور جنگ کے بعد اسی پر عمل ہو رہا ہے اس رسالہ نے صدام کے کویت پر حملہ سے ایک ماہ پہلے یہ رپورٹ شائع کی تھی جس میں اس نے حسب ذیل انکشافات کئے تھے۔

۱۔ عراق کے ساتھ جنگ کے لئے امریکہ اور اسرائیل کے درمیان خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔

۲۔ یہ جنگ آئندہ دو ہفتوں سے ایک ماہ کے اندر شروع کی جائے گی۔

۳۔ اس جنگ کی حکمت عملی پر امریکہ کے ساتھ روس، برطانیہ اور اسرائیل نے اتفاق کرلیا ہے۔

۴۔ جنگ کے آغاز کے لئے خلیج میں ایک بحران پیدا کیا جائے گا۔ صدر بش اس کو پر امن طور پر حل کرنے کا اعلان کریں گے لیکن در پردہ جنگ کی منصوبہ بندی کریں گے۔

۵۔ جنگ میں عراق کی فوجی طاقت تباہ کردی جائے گی۔ بعدازاں اس کو شمال

اور جنوب کی کشمکش کی شکل دے کر ایک طویل عرصہ تک عربوں کی آبادی کم کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

۶۔ شمالی عراق میں موصل اور کرکوک کے تیل کے کنویں تباہ کر دیئے جائیں گے۔ کردوں کو برطانیہ اور ترکی کے تعاون سے بغاوت پر ابھارا جائے گا۔

۷۔ مشرق وسطیٰ میں تحریک آزادی فلسطین کی سیاسی قوت کو ختم کر دیا جائے گا، جنوبی لبنان کی تحریک مزاحمت کو کچل دیا جائے گا۔ فلسطین کے پرامن حل کے نام پر عربوں سے بھاری قیمت وصول کی جائے گی۔ بعد ازاں دریائے اردن کے مغربی کنارے میں فلسطینیوں کا قتل عام کر کے ایک لاکھ باشندوں کو اردن میں پناہ لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

۸۔ اسرائیل ایسے حالات پیدا کرے گا جن سے اس کو اردن پر حملہ کا جواز میسر آ جائے۔ ہو سکتا ہے اس مقصد کے لئے کچھ اسرائیلی ایجنٹ اسرائیلی علاقہ میں یہودیوں کی بعض تنصیبات پر حملہ کر دیں۔ اس طرح وہ اپنی حدود کو وسیع کرے گا۔

۹۔ اگر روس یہودیوں کو مقبوضہ عرب علاقوں میں نقل مکانی کی اجازت دے دے تو اسرائیل اس سے تجارتی و اقتصادی تعاون کرے گا۔

۱۰۔ تیل کی قیمتیں بڑھانے کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں گے تاکہ روس اور برطانیہ کو فائدہ پہنچے۔

امریکی جریدہ کے ان انکشافات میں سے بعض درست ثابت ہو چکے ہیں اور بعض پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ جنگ بندی کے بعد خلیج کی سلامتی کا جو منصوبہ بنایا گیا ہے اس میں اگرچہ آٹھ عرب ممالک شامل ہیں لیکن اس میں کلیدی کردار امریکہ کا ہے۔ امریکہ کا ایک بحری بیڑا مستقل طور پر خلیج میں رہے گا۔ سعودی عرب میں امریکی فضائیہ متعین ہوگی۔ کویت کے جزیرہ بوبیان پر امریکہ کا فوجی اڈہ قائم ہوگا اور وہاں اس کی پچاس ہزار امریکی فوج مقیم ہوگی۔ امریکہ کی موجودگی کے باعث مشرق وسطیٰ کا کوئی ملک سر اٹھا کر اسرائیل کے لئے خطرہ نہیں بن سکے گا۔

اب تک کے قرائن سے امریکی عالمی نظام کے خدوخال کچھ اس طرح واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ خلیج کے تیل کے ذخائر اور اس کی ترسیل کے راستوں پر قبضہ:

اس قبضہ کا ایک مقصد تو عربوں کو تیل بطور ہتھیار استعمال کرنے سے روکنا ہے تاکہ ۱۹۷۳ء کی تاریخ نہ دہرائی جاسکے جب شاہ فیصل مرحوم نے اس ہتھیار کو نہایت موثر طور پر استعمال کیا تھا۔

دوسرا مقصد جاپان اور جرمنی (جو خلیج کا ستر فی صد تیل استعمال کرتے ہیں) کی اقتصادیات کو نقصان پہنچانا ہے۔ ان دونوں ملکوں کا مال اس وقت امریکی مال کے مقابلہ میں بہت سستا ہے جس کی وجہ سے امریکہ کساد بازاری کا شکار ہو گیا ہے۔ بین الاقوامی منڈی میں جاپان کا سکہ ین اور جرمنی کا سکہ مارک امریکی ڈالر اور برطانوی پاؤنڈ کو زک پہنچا رہے ہیں۔ امریکہ کے بنکوں کے دیوالیہ ہونے کا خطرہ درپیش ہے۔ تیل کے ذخائر پر قبضہ کے بعد امریکہ قیمتوں میں حسب منشاء اضافہ کر کے جاپان اور جرمنی کی مصنوعات کو مہنگا کر سکتا ہے جس کا بالواسطہ فائدہ اس کی اپنی صنعت کو ہوگا۔

۲۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی بالادستی:

عراق کی فوجی و اقتصادی تباہی کے بعد اب اسرائیل کو مشرق وسطیٰ کا تھانیدار بنانے کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں رہی۔ اب عظیم اسرائیل کے منصوبہ پر عمل شروع ہوگا۔ اسرائیل کے وزیر اعظم اسحاق شمیر نے تو اعلان بھی کر دیا ہے کہ عظیم اسرائیل وجود میں آچکا ہے۔ اب عرب علاقے خالی نہیں کئے جائیں گے۔ فلسطین کا مسئلہ حل کرانے کے لئے عربوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کریں۔ اس کا باقاعدہ سمجھوتہ ہو جانے پر فلسطینیوں کو اردن میں دھکیلنے کا کام شروع ہوگا اور ان کا قتل عام کیا جائے گا۔ مغربی کنارے میں روسی یہودیوں کو آباد کیا جائے گا۔ اگلے مرحلے میں اردن پر اسرائیل کے حملہ کا جواز پیدا کر کے اس ملک کو اسرائیل میں ضم کر لیا جائے گا۔

۳۔ روس کو دوبارہ سپر طاقت بننے سے روکنا:

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امریکہ روسی ریاستوں کی آزادی کی تحریکوں کی

درپردہ حمایت کر رہا ہے۔ لتھوانیا کے مسئلہ پر امریکہ نے روس کو یہ دھمکی بھی دے دی تھی کہ اگر اس نے وہاں اپنی فوج بھیجی تو امریکہ مداخلت کرے گا۔ روس کی چھ ریاستیں یونین سے الگ ہو چکی ہیں جس سے روس کی فوجی طاقت کو زبردست دھچکا لگا ہے۔ افغانستان کی نو سالہ جنگ نے روس کو اقتصادی طور پر پہلے ہی دیوالیہ کر دیا ہے۔ اب وہ امریکہ کی امداد کا محتاج ہے۔

۴۔ جنوبی ایشیا میں بھارت کی بالادستی قائم کرنا:

یہ مقصد بھی گزشتہ کئی سالوں سے امریکہ کے پیش نظر ہے۔ جمی کارٹر جب امریکہ کے صدر تھے انہوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ آغا شاہی سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان کو بھارت کی بالادستی قبول کر لینی چاہیئے۔ امریکہ بھارت کو جنوبی ایشیا کا اسی طرح تھانیدار بنانا چاہتا ہے جس طرح اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ہوگا۔ مقصد کی راہ میں پاکستان کا ایٹمی پروگرام سب سے بڑی رکاوٹ ہے جس کو ترک کرنے پر مجبور کرنے کے لئے پاکستان پر زبردست سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ چونکہ اس میں امریکہ کو خاطر خواہ کامیابی نہیں رہی ہے اس لئے اس خدشہ کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ امریکہ کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ کو ہدف بنانے سے دریغ نہیں کرے گا۔ اس کے لئے بھارت یا اسرائیل کو آلہ کار بنایا جا سکتا ہے۔

۵۔ دنیا بھر پر امریکہ کا اقتصادی تسلط:

تیل کی قیمتوں میں اضافہ، جاپان و جرمنی کی اقتصادی ناکہ بندی اور روس کی طاقت کے قلع قمع کے بعد امریکہ کے پیش نظر یہ بات ہے کہ وہ تیسری دنیا کو صارفین کی منڈی بنا کر ان کی دولت کو سمیٹ کر اپنے ہاں لے جائے اور اس طرح وہ دنیا کی سپریم واحد طاقت کے طور پر پوری دنیا پر حکومت کرے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اس نئے عالمی امریکی نظام کا بیشتر رخ عالم اسلام کی طرف ہے۔ اس سے کون کون سے اسلامی ممالک کب اور کیسے متاثر ہوں گے اس کا اندازہ آئندہ سالوں میں ہوگا۔ بہرحال امریکہ اور اس کے حواریوں

نے اس نظام کی بنیاد رکھ دی ہے اور کویت کی عراق سے آزادی کے بدلہ سارے اسلامی ملکوں کو امریکہ کی غلامی کا سودا کرنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ اب یہ مسلم زعماء کا کام ہے کہ وہ کس بیدار مغزی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور ظلم کے شکنجے سے اُمت کو بچانے کی کیا تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔

اپنی بے بضاعتی کے باوجود خدائے وحدہٗ لاشریک کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے تیسری بار حج وعمرہ کی سعادت سے بہرہ ور کیا، دو ہی روز پہلے سفر سے واپسی ہوئی ہے اس لئے اس پر سعادت سفر کے تاثرات ہدیۂ ناظرین نہ کر سکا۔ انشاء اللہ اگست کے شمارے میں اپنے تاثرات پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اوپر امریکی منصوبہ کی جو تفصیل دی گئی ہے، امید ہے کہ اس سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی،

یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ نے جو منصوبہ بندی کر رکھی ہے اس کے دو بنیادی مقاصد ہیں، ایک تیل کی دولت پر کنٹرول دوسرے اسرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا ۔ جس کا موقع صدام حسین کی سیاسی اور فوجی غلطی نے فراہم کیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عالم اسلام کو اس شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

چندہ دہندگان سے گذارش

جن حضرات کے یہاں چندے باقی ہیں براہِ کرم وہ اپنا چندہ جلد از جلد روانہ کر دیں۔ پرچہ خسارے میں چل رہا ہے غیر معمولی گرانی کی وجہ سے مجبوراً ہم سالانہ چندے میں ۵ روپے کا اضافہ کر رہے ہیں۔ امید کہ ناظرین اسے بطیب خاطر منظور فرمائیں گے۔

منیجر

عبدالجبار احمد حسین شرارہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات

کا

اُردو ترجمہ

● محمد اقبال انصاری ، بدر جمال اعظمی ●

ساتویں رائے ــــــ (۵) ــــــ

حروف مقطعات یہ بتانے کیلئے لائے گئے ہیں کہ ایک سورۃ ختم ہوئی اور دوسری شروع

امام طبریؒ نے بعض مفسرین سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حروف مقطعات سے شروع کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس سے پہلی والی سورہ ختم ہوئی اور دوسری سورہ کی ابتدا ہوئی۔ اس رائے کی طرف عزؒ بن عبدالسلام نے بھی اشارہ کیا ہے[2] اور امام رازیؒ نے اپنے چودھویں قول میں اسے ذکر کیا ہے[3]، اسی طرح علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اس بات کو لکھا ہے[4]، امام سیوطیؒ اور متاخرین میں سے امام زرقانیؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور یہ رائے نحویوں کی ایک جماعت کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے۔

اس رائے کے حاملین کے دلائل اور ان کے مباحثہ :-

یہ رائے رکھنے والے درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں :-

---

[1] جامع البیان / ۱ / ص ۲۲ [2] الفوائد فی مشکل القرآن / ص ۲۲

[3] مفاتیح الغیب / ۲ : ۷ [4] تفسیر القرآن العظیم / ۱ / ۷۶

[5] الاتقان / ۲ : ۱۲ [6] مناہل العرفان / ۲ : ۲۲۲

۱۔ امام طبری[1] نے ذکر کیا ہے کہ ایسا کلام عرب میں بھی پایا جاتا ہے ان کا شاعر جب شعر پڑھتا ہے تو کہتا ہے :۔

بل : وبلدۃٍ ما الانسُ من اھالیھا

اور کہتا ہے :۔

لا بل : ماھاج احزانا وشجوا قد شجا

اور ظاہر ہے کہ " بل " شعر کا جزو نہیں ہے اور نہ ہی شعر کے وزن میں اس کا شمار ہے، بلکہ اس کے ذریعے شاعر نے ایک بات ختم کر کے دوسری بات کا آغاز کیا ہے۔

امام طبری[2] ہی نے اس دلیل پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

نحویوں میں سے جن حضرات نے یہ سمجھا کہ شعر " ماھاج احزاناً وشجوا قد شجاً " میں " بل " حروف مقطعات کی نظیر ہے، اور " بل " کے کوئی معنی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت شعر میں اضافے کی سی ہے، وہ مختلف وجوہ سے بر سر غلط ہیں۔

پھر امام طبری[3] نے وجوہ خطا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب صرف اشعار کو " بل " کے لفظ سے پڑھنا شروع کرتے، اور کسی کلام کا الم اور المر وغیرہ سے شروع نہیں کرتے، اس کے علاوہ " بل " کی تاویل و مطلب کلام عرب میں مفہوم ہے، اور وہ یہ کہ " بل " کا استعمال گذشتہ کلام سے رجوع کے معنی میں ہوتا ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں :۔

" ماجاء اخوک بل ابوک " (تمہارے بھائی نہیں آئے بلکہ تمہارے والد آئے۔)

اس لئے حروف مقطعات کو " بل " پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

۲۔ احمد بن یحییٰ بن ثعلب نحوی نے امام رازی[4] کی اس منقول عبارت سے استدلال کیا ہے کہ عرب جب استئناف کلام کرتے تھے تو عادتاً وہ کوئی ایسا لفظ لاتے جو آنے والے کلام سے الگ ہوتا، اور مخاطب کو متنبہ کرتا کہ پہلا کلام ختم ہو اور دوسرا شروع .... "

---

[1] ایضاً [2] مفاتیح الغیب / ۱: ۰، [3] تفسیر القرآن العظیم / ۱: ۶۷

اس دلیل کو علامہ ابن کثیرؒ نے یہ کہتے ہوئے ضعیف قرار دیا کہ حروف مقطعات لائے بغیر بھی دونوں کلاموں کے درمیان " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " کے ذریعے فصل حاصل ہے جو لکھی بھی جاتی ہے اور پڑھی بھی جاتی ہے۔

ڈاکٹر عبد التوابؒ نے اس رائے پر بحث کرتے ہوئے اسے غیر مقبول ٹھہرایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی دلیل وہی ہے جو علامہ ابن کثیرؒ کی ہے پھر یہ بھی لکھا ہے کہ فصل کے لئے بسم اللہ لکھنا اور پڑھنا کافی تھا، جو سورۂ توبہ کے علاوہ ہر سورہ کے شروع میں موجود بھی ہے، اگر واقعی حروف مقطعات فصل کے لئے لائے گئے ہیں تو سورۂ توبہ کے شروع میں اس کا لانا ضروری تھا، اس کے علاوہ یہ رائے نہ تو کسی صحابی کی طرف منسوب ہے اور نہ تابعی کی طرف، اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی روایت ہی منقول ہے، اس رائے کے حاملین جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف بعض نحویوں کے اجتہادات ہیں جن کی تائید زبان کی منطق کسی طرح بھی نہیں کرتی، اور اگر حروف مقطعات کو دو سورتوں کے درمیان فواصل مان لیا جائے تو آخر کیوں بعض سورتوں کے شروع میں یہ آئے ہیں، اور بعض میں نہیں؟

اس کے علاوہ حروف مقطعات کو آیت یا جزء آیت تسلیم کیا گیا ہے، اگر انھیں فواصل یا اشعار سے پہلے جو " بل " آیا ہے اس کے مثل مان لیا جائے، تو پھر یہ قرآن کی آیت یا اس کا جزء نہیں بن سکتے، حالانکہ اسے کوئی بھی نہیں تسلیم کرتا۔

آٹھویں رائے :-

حروف مقطعات قسم ہیں

ابو اللیث سمرقندیؒ نے ذکر کیا ہے کہ کلبی کی رائے ہے کہ حروف مقطعات قسم ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں۔

اور امام طبریؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی تخریج کی ہے جسے انھوں نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے سن کر بیان کیا ہے کہ حروف

۱؎ حول فواتح بعض السور/ ص ۷۰-۷۱ ۲؎ الاتقان/ السیوطی/ ۲ : ۱۲

۳؎ البرہان/ ۱/ ۱۷۱ اور اس کے بعد کے صفحات ۴؎ تفسیر سمرقندی/ مخطوطہ، نیز رجوع کیجئے الجامع لاحکام القرآن/ ۱/ ۱۵۶ کی طرف ۵؎ جامع البیان/ ۱/ ۷۰، نیز فتح القدیر/ ۱/ ۳۰

اساتیذ سے منقول ہیں۔ اور بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حروف مقطعات کو قسم سمجھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں تو یہ بات ان دلائل کی روشنی میں قابل قبول نہیں جنہیں ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ ان دلائل کی روشنی میں یہ رائے نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے کہ حروف مقطعات اسمائے الٰہی کے رموز تسلیم کیے جائیں۔

۲۔ ان کی دوسری دلیل اخفش[1] کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حروف معجمہ کے شرف و فضیلت کی وجہ سے ان کی قسم کھائی ہے کیونکہ یہی حروف مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں اور اس کے اسمائے حسنٰی اور صفات علیا کی اساس ہیں، اور تمام اقوام عالم کی زبان کے وہ اصول ہیں، جن کے ذریعے وہ خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں، اس کا ذکر کرتے ہیں اور اسے ایک مانتے ہیں، تو گویا کہ اس نے ان حروف کے ذریعے قسم کھائی کہ قرآن اس کی کتاب اور اس کا کلام ہے۔

اسی طرح کی دلیل کا ذکر علامہ زرکشی[2] نے بھی کیا ہے، اور سید کاظم رادتی[3] نے اپنی رائے کی تائید میں ابن قیم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: حروف مقطعات دوسری چیزوں مثلاً لیل ونہار وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ سزاوار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے قسم کھائے کیونکہ یہ اس کے کلام اور اس کی طرف سے منزل کتابوں کی اساس ہیں۔

مذکورہ رائے ناقابل قبول ہے :-

ڈاکٹر عبدالتواب[4] لکھتے ہیں کہ :-

عربی زبان میں قسم کے لئے مخصوص ادات مقرر ہیں، جیسے واو، یاء وغیرہ، یہ ادات حروف مقطعات کے ساتھ کہیں نہیں آئے ہیں، مثلاً قرآن مجید میں اس طرح نہیں ہے۔

---

[1] مجمع البیان / ۱ : ۸۰ [2] البرہان / ۱ : ۱۷۳

[3] اسالیب القسم / ص ۱۹۲

[4] حول فواتح السور / ڈاکٹر رمضان عبدالتواب / ص ۱۷

مقطعات قسمیں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں۔

امام طبرسیؒ نے اخفش کا قول نقل کیا ہے کہ حروف مقطعات کے شرف و فضیلت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے قسمیں کھائی ہیں۔[1]

امام سیوطیؒ نے کتاب "الاسماء والصفات" میں ذکر کیا ہے کہ ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول (الم، المص، المر، الر، کھیعص، طٰہٰ، طسم، یٰس، ص، حم، ق، اور ن) کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں، اور یہ ذات باری تعالیٰ کے اسماء ہیں۔[2]

ایک ریسرچ اسکالر نے "اسالیب القسم فی اللغة العربیة" کے عنوان سے تھیسس تیار کی ہے، جس میں انھوں نے نحویوں کی اتباع کرتے ہوئے اس رائے کو راجح قرار دیا ہے کہ حروف مقطعات قسم ہیں: تقریباً وہی دلائل اس نے بھی پیش کئے ہیں جو گذشتہ بزرگوں نے پیش کئے تھے، جنہیں ہم عنقریب اس رائے کے دلائل کے تحت ذکر کریں گے۔[3]

اس رائے کے حاملین کے دلائل اور ان سے مباحثہ:

حروف مقطعات کو قسم ماننے والوں کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہ روایتیں[4] جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، اور جن کی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں، خود انھیں کی روایات سے متعارض ہیں جو دوسرے طرق سے

---

[1] مجمع البیان / ۱: ۳۳، اور مفاتیح الغیب / ۲: ۷

[2] در منثور / ۱: ۲۳، نیز الاتقان / ۲: ۱۰، اور البرھان / ۱: ۱۷۳

[3] اسالیب القسم فی اللغة العربیہ / کاظم فتحی الراوی، ص ۳۱۹

[4] جامع البیان / ۱: ۸۶، فتح القدیر / ۱: ۲۱، الدر المنثور / ۱: ۲۲

"والسم ذلك الكتاب" تو پھر ہم انھیں قسم کیسے سمجھیں۔

علامہ سمرقندی[۱] لکھتے ہیں کہ بعض اہل لغت کلبی کی یہ بات غلط سمجھتے ہیں کہ حروف مقطعات قسم ہیں۔

۳۔ سید کاظم رازی نے اپنی رائے کی تائید میں بعض مفسرین کے اقوال سے استدلال کیا ہے، چنانچہ انھوں نے ابن ہشام سے نقل کیا ہے کہ:۔

حروف مقطعات محل جر میں ہیں، کیونکہ ان سے حرف قسم کا اسقاط ہوگیا ہے ما ثور کلام عرب میں مقسم بہ سے حرف قسم کے حذف کی مثالیں ملتی ہیں، شاید اللہ تعالیٰ نے حروف مجرور کے ساتھ حروف قسم کا لانا مناسب نہ سمجھا کہ حروف کا حروف سے التباس ہو جائے۔

اور "ص" کے اعراب کے سلسلے میں انھوں نے انباری کا قول نقل کیا ہے[۲] کہ حرف قسم کو مقدر مان کر "اللہَ لا فعلن" کی طرح محل نصب میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ص محل جر میں ہے، کیونکہ حرف قسم حذف ہونے کے باوجود اپنا عمل کر رہا ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں "اللہِ لا فعلن" لیکن اس میں ضعف ہے۔

یہ صحت مند استدلال نہیں ہے۔

کیونکہ بعض مفسرین کے جن اقوال سے استدلال کیا گیا ہے، وہ بعض دوسرے مفسرین کے اقوال سے متعارض ہیں، بلکہ محققین ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

اور ابن ہشام کی رائے ابن الانباری نے ضعیف قرار دی ہے، جیسا کہ اگر اسے اصولاً صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی بات نہیں بنتی، اس چیز کو فرا[۴] نے ذکر کیا ہے۔

---

[۱] تفسیر سمرقندی / جزء ۱ / مخطوطہ / نیز قرطبی / ۱: ۱۵۶

[۲] اسالیب القسم / ص ۲۱۹   [۳] ایضاً

[۴] معانی القرآن / ۱: ۹ اور اس کے بعد کے صفحات۔

اور زمخشری[1] نے بھی لکھا ہے کہ حروف مقطعات کے بعد قرآن اور قلم مقسم بہ ہیں، اب اگر حروف مقطعات بھی مقسم بہ مان لئے جائیں اور " اللہ لا فعلن " کی طرح حرف جر کے حذف اور فعل قسم کے اعمال کی وجہ سے محلاً منصوب سمجھ لئے جائیں تو گویا یک مقسم علیہ کے لئے دو دو قسمیں ماننی پڑیں گی، اور آگے انھوں نے بتایا ہے کہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک ایسا کرنا سخت مکروہ ہے، ظاہر ہے کہ خلیل اور سیبویہ کا شمار جلیل القدر نحویوں اور عظیم المرتبت نحویوں میں ہوتا ہے۔

اور عز بن عبدالسلام[2] نے ذکر کیا ہے کہ سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات کو اضمار حرف قسم کی بنا پر جر دینا سیبویہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ سیبویہ اسے صرف اسم جلالت کے ساتھ مخصوص مانتا ہے۔ اس طرح اس رائے کا عدم صحت م

---

۱ الکشاف ۱: ۲۴ ۲ الفوائد، ص ۲۲

بقیہ: الرد علی المنطقیین

اور فلسفیوں کے گمراہ کن خیالات (۱۳) امام غزالی اور علم منطق۔ اس بحث میں خاص طور سے انھوں نے ان پر تنقید کی ہے۔

تیسری بحث کے بعد انھوں نے ۲۰۰ صفحات سے زیادہ پر پھیلے بحث پر سیاہ کئے ہیں جن کی چند سرخیاں یہ ہیں:

(۱) گذشتہ مباحث پر تبصرہ (۲) منطقی قیاس کی عدم تاثیر (۳) غیر فطری طرز فکر انسانی ذہن کے لئے ایک عذاب ہے جس میں منفعت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ (۴) عقل و نقل کا تعارض (۵) رسول سے کوئی غیر معقول بات ثابت نہیں ہے (۶) ملائکہ اور "عقول" فلاسفہ کی حقیقت (۷) ارسطو اور یونانی کے مشرکین (۸) شرک کی ابتدا قبروں کی تعظیم اور ستارہ پرستی سے ہوئی ہے (۹) حران صابئین کا مرکز ہے اس میں بتایا ہے کہ صابئہ کی دو قسمیں ہیں، موحدین اور مشرکین (۱۰) تمام انبیاء مسلم تھے (۱۱) قیاس منطقی کی صحت اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے موجودات کا کوئی علم حاصل نہیں ہو سکتا (۱۲) مقولات عشرہ میں موجودات کا حصر صحیح نہیں ہے (۱۳) متکلمین اور فلاسفہ کی غلطیاں (۱۴) معاد کے اثبات میں قرآن کا طریقۂ بیان (۱۵) انبیاء کی تعلیمات عقلیہ اور سمعیہ دونوں کی جامع ہیں (۱۶) فلاسفہ کے آپس کے اختلافات وغیرہ وغیرہ

گروپ لائف انشورنس کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محمود الحسن عارف لاہور

(۲)

باہمی معاہدہ

بیمہ کی تمام اقسام میں بیمہ دار اور کمپنی کے مابین ایک معاہدہ طے پاتا ہے جس کی شرائط میں واضح طور پر یہ بات شامل ہوتی ہے کہ اگر کوئی بیمہ دار پوری اقساط نہیں دے گا، تو اس کی سابق تمام رقم بحق کمپنی ضبط ہو جائے گی۔ جب کہ زیر بحث صورت میں ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا، تاہم حکومت نے سرکاری و نیم سرکاری ملازمین کے لئے جو قوانین وضع کئے ہیں اور جو ملک میں عموماً اور ملازمین میں خصوصاً مشہور و متداول ہیں۔ ان میں یہ بات لازمی شرط کے طور پر شامل کی گئی ہے کہ سرکاری و نیم سرکاری ملازم کے لئے لازم ہے کہ وہ "گروپ لائف انشورنس" کی اس اسکیم میں شامل ہو، پھر چونکہ ہر شخص اپنی مرضی اور اختیار سے ملازمت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور باقاعدہ درخواست لکھ کر یا فارم پُر کر کے ملازمت حاصل کرتا ہے جس میں گویا وہ یہ اظہار کرتا ہے کہ اسے اس محکمہ کے تمام قوانین کی پابندی قبول ہے اور ملازمت حاصل کرنے کے بعد بھی، ماسوا چند لازمی سروسز کے اسے ملازمت چھوڑنے یا اسے جاری رکھنے کا اختیار باقی ہے، گویا بایں معنی اسے معاہدہ کرنے یا نہ کرنے اور اسے جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار حاصل رہتا ہے، لہٰذا اس پہلو سے اسے جبر و اکراہ کی تعریف میں شامل نہیں کیا جا سکتا، اور پھر چونکہ یہ کٹوتی حکومت خود کرتی ہے اور حکومت کو جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے، "کفالت اجتماعی" کے لیے بعض صورتوں میں جبر کرنے کا حق بھی

حاصل ہے لہذا یہ اعتراض بھی کوئی وزن نہیں رکھتا۔

۲- کفالت عامہ کے لئے اسلام کے حکومت کو عطا کردہ اختیارات

پھر اس بات کو بھی مد نظر رکھا جائے کہ اسلام میں کفالت عمومی یعنی غربا، مساکین اور ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے حکومت کو بعض ہنگامی یا خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔ اس سلسلے میں، قرآن مجید، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ و تابعین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ [1]	کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے وہ جواب دیں گے کہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔

مشہور محدث ابن حزم اس پر یہ اضافہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسکین کے کھانا کھلانے کو نماز پڑھنے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے [2]

جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا يرحم الله من لم يرحم الناس [3]	اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا، جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔

ابن حزم اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من كان على فضلة ورأى المسلم اخاه جائعا عريانا ضايعا فلم يغثه فما رحمه بلاشك [4]	جس شخص کے پاس کچھ مال ہو اور وہ اپنے مسلمان بھائی کو بھوکا، ننگا اور ضرورتمند پائے اور اس کی مدد نہ کرے تو خدا تعالیٰ

---

[1] المدثر، ۴۲-۴۴ اس ضمن میں سورۃ الذاریات کی آیت ۱۹ اور سورۃ الماعون بھی پیش نظر رہے۔ [2] المحلیٰ ۶: ۱۵۷

[3] البخاری کتاب التوحید باب ۲، فضائل، باب ۶۶ مسند احمد بن حنبل ۴-۳۶۰ [4] المحلیٰ - ۶: ۱۵۷-۱

یقیناً اس پر رحم نہیں کرے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے :

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه [1]

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ نہ اس سے مال چھینتا ہے۔

ابن حزم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"جس شخص نے مسلمان بھائی کو بھوکا اور ننگا رہنے دیا، جبکہ وہ اس کو کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے پر قدرت رکھتا ہو، تو اس نے بلاشبہ اس کو لوٹ لیا[2]"۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ سے ایک روایت میں، جو بقول ابن حزم انتہائی صحیح روایت ہے، یہ نقل کیا گیا ہے کہ :

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین [3]

اگر مجھے ان حالات کا علم ہوتا جو بعد میں پیش آئے، تو میں مالداروں سے اضافی مال لیکر فقرائے مہاجرین تقسیم کر دیتا۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے۔

فی مالك حق سوی الزکوة [4]

تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (دوسروں) کا حق ہے۔

اسی طرح امام شعبیؒ مجاہد، طاؤس وغیرہ تابعین کا قول ہے :

فی المال حق سوی الزکوٰة [5]

مال میں زکوٰۃ کے علاوہ (دوسروں کا) حق ہے۔

جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں :

---

[1] البخاری ا — ۳۳۰، مسند احمد، ۲ — ۹۱ [2] المحلی ۶ — ۱۵۰ [3] ایضاً، ۶ — ۱۵۸
[4] ایضاً محل مذکور۔ [5] المحلی ۶ — ۱۵۷

ان اللہ فرض علی الاغنیاء بقدر ما یکفی فقراء ھم فان جاعوا او عروا وجھدوا فبمنع الاغنیاء وحق اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیامۃ ویعذبھم علیہ ۱	"بیشک اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنا مال دینا فرض کیا ہے جو فقراء (ضرورتمندوں) کی ضرورت کو کافی ہو سکے پھر اگر فقیر لوگ بھوکے یا ننگے رہے اور جہد و مشقت میں رہے تو اس کی ذمہ داری اغنیاء پر ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو حق ہوگا کہ ان کا قیامت کے دن محاسبہ کرے اور انہیں عذاب دے)"۔

ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام ابن حزم۔ (م ۴۵۹ھ) فرماتے ہیں۔

وفرض علی الاغنیاء من اھل کل بلد ان یقوموا بفقرائھم ویجبرھم السلطان علی ذلک ان لم تقم الزکوٰۃ بھم ولا سائر اموال المسلمین بھم۔ فیقام لھم بما یاکلون من القوت الذی لا بد لہ منہ ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک وبمسکن یکنھم من المطر والصیف والشمس وعیون المارۃ ۲	(ہر شہر کے مالداروں پر یہ فرض ہے کہ وہ وہاں کے فقراء کی ضرورتیں پوری کریں اور اگر زکوٰۃ اور مسلمانوں کے دیگر ذرائع مل کر ان کی ضرورتیں پوری نہ کر سکتے ہوں تو سلطان انہیں اس پر مجبور کرے فقراء کو ایسی خوراک جو جسم انسانی کے لئے ضروری ہے اور سردی، گرمی کا لباس اور ایسا مکان جو انہیں بارش گرمی اور دھوپ وغیرہ سے بچا سکے انہیں مہیا کرے) -

یہاں اس تمام تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام نے عوام اور ملک کے مفاد میں حکومت وقت کو بعض ایسے اختیارات بھی تفویض کئے ہیں جن کا مقصد عوام اور ملک کی ضروریات کی کفالت کرنا ہوتا ہے یہاں اگرچہ مسئلہ کی یہ نوعیت نہیں ہے۔ البتہ

---

۱ المحلی۔ ۶ ـــ ۱۵۷ ۲ ایضاً : ۶ ـــ ۱۵۶

الگ سے اس موقف کے حق میں استدلال ضرور کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں بھی بنیادی مقصد ایک خاندان کو فقر و فاقہ اور احتیاج سے بچانا ہے، اس لئے ہمارے خیال میں حکومت کو اس مقصد کے لئے جبری کٹوتی کا حق حاصل ہے۔

پھر چونکہ تنخواہ بھی حکومت وقت دیتی ہے اور یہ کٹوتی بھی حکومت ہی اپنے قوانین کے تحت کرتی ہے، لہٰذا یہی سمجھا جائے کہ یہ منہا شدہ رقم اس کی تنخواہ میں شامل ہی نہ تھی۔

۴۔ گروپ لائف انشورنس کے جواز کے دلائل

تمہیدی بحث دلائل جواز پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمہیدی طور پر چند باتوں کو سامنے رکھا جائے تاکہ اس پر غور و خوض کرنے میں آسانی ہو۔

۱۔ اچانک موت یا جوانی کی موت مرنے والے کے خاندان کا خصوصی لطف و کرم کا مستحق ہونا:

قرآن و سنت پر غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اچانک یا جوانی کی موت مرنے والے افراد کے حکومت / معاشرے پر خصوصی حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں یتیموں کے خصوصی حقوق کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔ ؎۱	مگر وہ گھاٹی سے ہو کر نہ گزرا اور آپ کیا جانیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے، کسی کی گردن چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا کھلانا یتیم رشتہ دار کو یا فقیر خاکسار کو،

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ	بھلا تو نے اس شخص کو دیکھا جو روزِ جزا کو

؎۱ البلد، ۱۱ تا ۱۶۔

فَذٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ [1]

جھٹلاتا ہے، یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا

اور یتیم اس فرد کا نام ہے، جو "بلوغ" سے پہلے شفقت پدری سے محروم ہو جائے تو گویا ایسا شخص معاشرے کی جانب سے خصوصی توجہ کا مستحق اور محتاج ہے، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے ساتھ حسن سلوک کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، مثال کے طور پر ایک حدیث میں ہے :

انا وکافل الْيَتِيمِ كَهَاتين واشار باصبعيه يعني السابة والوسطى [2]

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح ہونگے آپ نے اپنی دو یعنی سبابہ اور وسطیٰ کے ساتھ اشارہ کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ :

من قبض يتيما من بين المسلمين الى طعامه وشرابه ادخله الله الْجَنَّةَ البتة الا ان يعمل ذنبا لا يغفر له [3]

جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو کھانا کھلائے یا پانی پلائے ۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا، (الا یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جو قابل معافی نہ ہو)

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ کی کفالت کی بھی خصوصی تاکید فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

الساعي على الارملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله او كالذي يصوم النهار و

جو شخص بیوہ اور مسکین کے لئے کوشش کرتا ہے، وہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا مجاہد یا دن کو

---

[1] الماعون - ۱ تا ۳ [2] الترمذی، ابواب البر، باب ۲ ما رحمۃ الیتیم وکفالتہ ۔
[3] الترمذی، محل مذکور۔

يقوم الليل [1] روزہ رکھنے اور رات کو نماز پڑھنے والا ہے۔

اسی لئے مالِ غنیمت میں سے خمس پہلے ہی یتیموں کا حصہ رکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مرنے والے پر اگر کوئی قرض وغیرہ ہو تو اس کی ادائیگی بھی معاشرے اور حکومت کی ذمہ داری بیان فرمائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی بالمؤمنین من انفسہم فمن مات وترك مالاً فمالہ لموالی العصبة ومن ترك كلاً او ضياعاً فانا وليہ [2]

میں مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں پس جو شخص مر جائے اور پیچھے کچھ مال چھوڑ جائے، تو وہ اس کے وارثین کا حق ہے اور جو شخص قرض یا عیال (چھوٹے بچے) چھوڑ جائے، تو میں اس کا ولی (سرپرست) ہوں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

ومن ترك ديناً ولم يترك وفاءً فعلينا قضاؤہ [3]

جو شخص قرض چھوڑ جائے اور اس کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ نہ ہو، تو اس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداءً یہ معمول تھا کہ جب کوئی جنازہ آتا تو آپ پوچھتے کہ اس پر کوئی قرض تو نہیں، اگر قرض ہوتا، تو آپ اس وقت تک جنازہ نہ پڑھاتے جب تک کہ اس کا قرض نہ اُتر جاتا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ پر فتوحات کا دروازہ کھولا، تو آپ نے اعلان کر دیا کہ میں مسلمانوں پر۔ ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں پس جو شخص مر جائے اور اس پر کوئی قرض ہو، تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص ترکہ چھوڑ جائے، وہ اس کے ورثہ کے لئے'' [4]

اسی طرح یہ واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کام کاج کی زیادتی کی وجہ سے

---

[1] الترمذی۔ ابواب البر، باب ۴۳، ۲: ۵۶ [2] البخاری، الفرائض۔ ۴، ۲: ۲۴۴
[3] البخاری، الفرائض۔ ص، ۲: ۲۴۴ [4] ابن ماجہ ۲: ۱۴، کتاب الوصیۃ

پریشان تھیں، اس اثنا میں پتہ چلا کہ آنحضورؐ کے پاس کچھ غلام لائے گئے ہیں چنانچہ وہ اور ام حکم بنت الزبیر اور ضباعۃ بنت الزبیر آپ کی خدمت میں درخواست کرنے پہنچیں اور آپ کی خدمت میں ماجرا عرض کیا، تو آپ نے فرمایا "یتامیٰ بدر" (بدر کے یتیموں) کا معاملہ تم سے مقدم ہے"۔ (سبقکن یتامیٰ بدر) [1]

جس سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ مرنے والے کے اہل خانہ معاشرہ پر خصوصی حق رکھتے ہیں کہ معاشرہ ان کی دیکھ بھال اور کفالت کا اہتمام کرے۔ اسلام نے اس کے لئے نظام زکوٰۃ و صدقات قائم کیا ہے، تاہم ان کا حق صرف زکوٰۃ اور واجب صدقات تک ہی محدود نہیں، اس کے علاوہ بھی اگر کبھی کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے۔ تو معاشرہ ان کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اس بارے میں قرآنی آیت:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ [2]	اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا ہے۔

سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء اور مفسرین نے لکھا ہے کہ اس ضمن میں حکومت جبراً بھی اغنیاء اور دولت مندوں سے عطیات وصول کر سکتی ہے [3]

۲۔ الدّین النصیحۃ کا اقتضاء

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ دین کلی طور پر دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی سے عبارت ہے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں فرمان نبوی یوں نقل ہوا ہے

الدین النصیحۃ قلنا لمن قال لله ولرسوله ولائمۃ المسلمین وعامتهم [4]	دین تو خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کا نام ہے ہم نے پوچھا کس کی؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول مسلمانوں کے ائمہ (قائدین) اور عام مسلمانوں کی۔

---

[1] ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ترجمہ ام حکم بنت الزبیر بن عبد المطلب ۵: ۵۷۶، ۵۷۷، مطبوعہ تہران۔
[2] الذاریات، آیت ۱۹۔ [3] ابن حزم الاندلسی، المحلیٰ دار الفکر بیروت ۶۔ ۲۲۱ [4] البخاری کتاب الایمان باب ۴۲

لہذا کوئی ایسا معاملہ جس میں دوسرے مسلمانوں کا بھلا اور فائدہ نکلتا ہو اس فرمان نبوی کے مطابق جائز ہی نہیں بلکہ عین مناسب اور بہتر ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی ایک آیت کا اقتضاء

قرآن حکیم کی ایک آیت مبارکہ، جو اگرچہ یتیم کے مال کی حرمت اور ممانعت بیان کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے ضمنی طور پر ان کے ساتھ بھلائی اور بہبود محبت کی طرف بھی بڑے ہی لطیف پیرائے میں اشارہ کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا [1]

(اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو ایسی حالت میں ہوں کہ) اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کی نسبت خوف ہو کہ ان کے مرنے کے بعد ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا پس چاہیئے کہ یہ لوگ خدا سے ڈریں اور معقول بات کہیں)

۴۔ عام انشورنس اور گروپ لائف انشورنس کے مابین تفاوت

پھر جیسا کہ ہم اوپر اس کی ممانعت کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے بیان کر آئے ہیں کہ عام انشورنس اور زیر نظر "گروپ لائف انشورنس" (سرکاری ملازمین کے حوالے سے) میں زمین و آسمان کا فرق ہے، عام انشورنس صرف ایک کاروبار یا منفعت کمانے کا ایک ذریعہ ہے۔ جبکہ حکومت کے ملازمین کی انشورنس میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی' بلکہ یہ تو اس شعبے یا اس ادارے میں کام کرنے والوں کا "بہبود عامہ" کا ایک مشترکہ فنڈ ہے۔ جس میں سے مستحق خاندان کی مالی امداد کی جاتی ہے' اسی طرح اوپر دونوں کے مابین جو دوسری باتوں کا فرق بیان کیا گیا ہے تمام سے قطع نظر۔ اس فرق کو سامنے رکھا جائے۔

۵۔ تعاون علی البر والتقویٰ کا اقتضاء

پھر قرآن مجید میں تعاون علی البر والتقویٰ کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے۔

---

[1] النساء ۹

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1] — ایک دوسرے سے نیکی اور تقویٰ کے کام میں تعاون کرو گناہ اور زیادتی میں نہیں۔

اس کا بھی تقاضا ہے کہ اگر مستحق خاندان کی مالی اعانت و سرپرستی کے لیے اس قسم کا کوئی فنڈ قائم کر لیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

دلائلِ جواز

اس بحث کے بعد اب ہم "گروپ لائف انشورنس" کے جواز کے دلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے:

امداد باہمی کا ایک معاملہ ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" کے حق میں جو پہلی بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ "امداد باہمی کا ایک معاملہ" ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد اس بات پر استوار ہے کہ ایک محکمہ کے "لوگ" باہمی چندہ کے ذریعے ایک ایسا فنڈ قائم کرتے ہیں، جس سے ان میں سے معذور یا مرحوم ہو جانے والے فرد یا ممبر کے اہل خانہ کی ایک مقررہ مقدار میں امداد کی جاتی ہے اور جس طرح "امداد باہمی" کے دوسرے معاملات جائز اور روا ہیں اس رقم سے ان میں سے کسی ایک کی اتفاق رائے سے مدد کرنا جائز ہے، یا کسی تیسرے فرد کو دینا بھی جائز ہے۔ یا مخصوص اور معینہ شرائط کے تحت کسی اور مد میں لگانا درست ہے۔ اسی طرح زیر نظر معاملہ بھی جائز اور روا ہے۔ بلکہ ہمارے خیال میں "گروپ لائف انشورنس" کی زیر بحث صورت قریب قریب وہی صورت ہے، جس کی مفتی محمد شفیع صاحب نے "حرمت بیمہ" کا فتویٰ دینے کے بعد، اپنی تجاویز میں اجازت دی ہے۔ آپ شق نمبر ۲ کے تحت لکھتے ہیں:

"دنیا حادث کی آماجگاہ ہے" یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا اور اب تو ایسی حقیقت بن چکا ہے جس سے انکار نہیں، روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں، جن تک جانی اور

---

[1] المائدہ - ۲

مالی مذکورہ قسم کے نقصانات ہوتے ہیں..... اس کا حل یہی ہے کہ امداد باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبے کے تحت ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ارباب خیر اور مالی اداروں سے عطیات وصول کریں اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں۔ ان اداروں کا کام یہ ہو کہ وہ تحقیق حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں اس سلسلے میں عام ادارے بھی بنائے جاسکتے ہیں اور خاص بھی، خاص کی صورت یہ ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں اور صنعت کار اپنا الگ:

اسلامی حکومت، اگر اس سلسلہ میں جبر کرنا چاہے تو جبر بھی کر سکتی ہے، کیونکہ حکومت کو زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں رعایا سے جبری عطیات وصول کرنے کا حق ہے[1]۔"

اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، اگر اس کی جمع شدہ رقوم کو سودی عنصر سے پاک کر دیا جائے تو یہ تمام سلسلہ مکمل طور پر مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے تجویز کردہ طریقے اور ان کی فکر کے عین مطابق ہوگا۔

۲۔ اس کا ایک معاملہ یا باہمی معاہدہ ہونا

"گروپ لائف انشورنس" کے جواز کی دوسری دلیل اس کا ایک "مالی معاملہ" یا ایک باہمی معاہدہ ہونا ہے۔ کیونکہ "گروپ لائف انشورنس" درحقیقت ہر محکمے یا ادارے میں کام کرنے والے افراد کے مابین قائم ہونے والا ایک "مالی معاملہ" یا "باہمی معاہدہ" ہے جس کے تحت ایک مقررہ مقدار میں تمام ممبران کی تنخواہوں سے رقم وضع کر کے، مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک فنڈ میں جمع کر دی جاتی ہے جسے بوقت ضرورت کسی معذور یا مرحوم کے اہل خانہ کی امداد و اعانت کے لئے صرف کیا جاتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ معاملہ یا معاہدہ کے لئے باقاعدہ تحریری اور مدون شکل میں ہونا ضروری ہے یا نہیں، ہمارے خیال میں اس کے لئے تحریری اور باقاعدہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض معاملات کو غیر تحریری اور غیر مرتب رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

---

[1] بیمہ، ص ۷۴

إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ؕ	ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر ایسے معاملے کی دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں)

اسی لیے زبانی ... کیے ہوئے عہد یا معاملے کی پابندی بھی اتنی ہی لازم ہے۔ جتنی کہ تحریری اور مرتب معاہدے یا میثاق کی پابندی ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں "عقود" "عہود" اور "مواثیق" وغیرہ کی پابندی کرنے کی تاکید کرتے ہوئے ان میں تحریری یا غیر تحریری کا فرق نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر سورۃ المائدہ میں ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ؕ	اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

سورۃ الانعام میں حکم ہے:

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوا ؕ	اور خدا کے عہد کو پورا کرو

پھر سورۃ النحل میں شدید ترین الفاظ میں اس کی تاکید فرمائی:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا ؕ	اور جب خدا سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو۔

سورۃ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل کے احکام عشرہ (TEN COMMANDS) کے جواب میں اُمت مسلمہ کو جو "احکام دوازدہ" دیے گئے۔ ان میں بھی عہد کی پابندی کو شامل فرمایا:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ؕ	اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں پرسش ہوگی۔

تو جس طرح دوسرے ملی معاملات، از قسم بیع، ہبہ، وقف، صدقہ، نکاح، طلاق وغیرہ طے ہو جانے سے طے سمجھے جاتے ہیں اور ان کی پابندی کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اسی طرح

لہ البقرہ: ۲۸۲ ؂ المائدہ: ۱ ؂ النحل۔ ۹۱ ؂ المائدہ: ۱

اس مالی معاملے یا "باہمی معاہدے" کی پابندی کی بھی تاکید کی جانی چاہیئے۔

۳- نظام معاقل پر قیاس کا اقتضاء

دور حاضر کے بعض محققین (مثلاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ وغیرہ)[1] نے گو "بیمہ" کے نظام کو مکمل طور پر "معاقل" (واحد معقلہ، بمعنی دیت، خون بہا) کا بدل یا قائم مقام قرار دیا ہے، مگر ہمیں اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں کے مابین بہت سی باتوں میں تفاوت موجود ہے[2] باایں ہمہ دونوں کا مقصد ایک ہونے کی بنا پر فقط "گروپ لائف انشورنس" کی حد تک اس پر قیاس کی گنجائش موجود ہے۔ اس موقع پر مختصر طور پر معاقل کے نظام کا جائزہ لینا مناسب ہوگا تاکہ اس کے حوالے سے بات کو آگے بڑھایا جا سکے:

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، میں مقالہ معاقل، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

[2]

دیت	بیمہ
۱- دیت صرف قتل خطا کی صورت میں واجب الادا ہوتی ہے۔	مگر بیمہ کے لئے فرد کا قتل ہونا ضروری نہیں طبعی موت مرنے یا، حادثہ ہو جانے، یا آگ وغیرہ لگ جانے کی تمام صورتوں میں ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔
۲- دیت قتل کے بعد جمع کی جاتی ہے، اس سے قبل نہیں	بیمہ کی رقم، قتل یا موت یا حادثہ سے قبل اکٹھی کی جاتی ہے۔
۳- دیت کی ادائیگی کے لئے عدالت کا فیصلہ ضروری ہے	بیمہ کے لئے عدالتی فیصلہ ضروری نہیں صرف موت کا تصدیق نامہ (CERTIFICATE) یا پولیس رپورٹ کافی ہوتی ہے۔
۴- دیت جمع کرنے کے لئے قاتل کے خاندان، قبیلے یا انکے حلیفوں یا حضرت عمر فاروق کی اصلاحات کے حوالے سے اس کے دیوان (ادارے) سے رقم اکٹھی کی جاتی ہے۔	بیمہ کے لئے ایسی کوئی پابندی نہیں۔

۵- دیت کی رقم حسب وراثت مقتول کے ورثاء میں تقسیم کی جاتی ہے بیمہ کے لئے نامزدگی (NOMINATION) ضروری ہے

کی گئی۔

امام السرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں صراحت کی ہے۔ کہ عہد نبوی میں دیتیں جمع کرنے کے لئے تین ذریعوں کو بنیاد بنایا جاتا تھا، اولاً قرابت (رشتہ داری) ثانیاً ولاء، یعنی موالات، ثالثاً حلف (یعنی قبائل کے مابین معاہدے کی بنیاد پر اتحاد) جیسا کہ بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے اور معاہدہ صلح حدیبیہ میں ان کی طرف سے شامل ہو گئے تھے۔ چنانچہ جو قبائل ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے تھے، وہ اپنے حلف (معاہدے) کی بنیاد پر دیت کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرتے تھے[1]

حضرت عمر فاروق کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس نظام میں توسیع پیدا کیا۔ اور "حلف" اور "ولاء" کو بنیاد بنا کر، انھوں نے جو نئے ادارے قائم کئے تھے، جنہیں دیوان (جمع دواوین) کہا جاتا ہے، انہیں بھی ایک "قبیلے یا خاندان" کی طرح ایک اکائی (UNIT) خیال کیا اور انہیں ایک دوسرے کی دیتیں ادا کرنے کا پابند ٹھہرالیا۔ السرخسی فرماتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب فرض العقل علی اهل الدیوان لانه اول من وضع الدیوان فجعل فیه وکان قبل ذالك علی عشیرة الرجل فی اموالهم[2]

حضرت عمر فاروق نے اہل دیوان پر دیت کی ادائیگی ضروری قرار دی، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے دیوان میں وسعت پیدا کی اور اسے عاقلہ (دیت) ادا کرنے کا پابند کیا۔ اس سے پہلے عاقلہ فقط قاتل کے خاندان پر واجب الادا ہوتی تھی۔

اس مسئلے میں حضرت عمر فاروق نے مزید توسیع یہ بھی پیدا کی کہ دیت کی بالاقساط ادائیگی کی اجازت مرحمت فرمادی، السرخسی المعرور بن سوید کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں:

فرض عمر بن الخطاب الدیة

حضرت عمر نے یہ ضروری قرار دیا کہ دیت

---

[1] السرخسی: المبسوط، ۲۰: ۱۲۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن [2] ایضاً۔ ص ۱۲۵، ۱۲۶

معاقل کا واحد معقلہ اور مادہ "عقل عقلاً" ہے جس کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ چونکہ نظامِ معاقل سے بھی خونریزی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس لئے اسے معاقل کہا جاتا ہے[1]۔ قانون شریعت میں[2] شبہ عمد " قتل خطا کی صورتوں میں مقتول کے خاندان کو خون بہایا دیت ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے[3]۔ اسی طرح اگر کسی قتل عمد میں بھی مقتول کے " ورثاء " خون بہا لینے پر آمادہ ہوجائیں تو دیت کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے[4] اور چونکہ دیت کی یہ رقم۔ (۱۰۰ اونٹ یا انکی قیمت) کی ادائیگی تنہا قاتل کے بس سے باہر ہوتی ہے لہٰذا اسی بنا پر شریعت نے قاتل کے ساتھ اس کے قبیلے اور خاندان کو بھی اس میں شامل قرار دیا ہے۔

" معاقل " کی یہ صورت اسلام سے قبل بھی موجود تھی، تاہم اسلام نے اس میں موجود افراط وتفریط کو ختم کیا اور " عدل وقسط " کی بنیاد پر امت مسلمہ میں رواج دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور آپ نے یہاں پہونچ کر مقامی باشندوں کی مدد سے جو شہری مملکت قائم کی اور اس کا باقاعدہ آئین ترتیب دیا، جو بقول " ڈاکٹر محمد حمید اللہ " دنیا کا پہلا تحریری آئین تھا[5] اس میں آپ نے حصہ اول میں مختلف مدنی قبائل کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ یہ جملہ دہرایا ہے :

یتعاقلون بینہم معاقلہم الاولی[6] | یعنی وہ حسب سابق اپنی اپنی دیتیں ادا کرتے رہیں گے۔

گویا اس " میثاق " میں دیتوں کے سابقہ طریقے کو برقرار رکھا گیا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں

---

[1] ہدایہ، ۴ : ۶۲۱۔ کتاب المعاقل۔ [2] النساء : ۹۲۔

[3] البقرہ۔ ۱۷۸ [4] The first written constitution in the war and world peace in the Law of the Islam : نیز مجید خدوری نیویارک ، ۱۹۵۵ء۔

[5] ابن ہشام سیرۃ۔ طبع (Wustenfeld) ابن سلام۔ کتاب الاموال۔

توخذ فی ثلاث سنین فنصف ¹ تین سالوں میں ادا کی جائے اور نصف دو فی سنتین وما دون الثلث فی سنة² سالوں میں، جبکہ ایک تہائی سے کم ایک سال میں۔

ان دونوں مسائل میں حنفی اور شافعی فقہا میں اختلاف ہے، احناف ان دونوں مسائل میں حضرت عمر فاروقؓ کی اصطلاحات کو قبول کرتے ہیں، مگر شوافع قبول نہیں کرتے۔³ یہ تمام تفصیل چونکہ ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے اس لئے اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

یہاں اس تمام تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "گروپ لائف انشورنس" کے جواز کے لئے اس مسئلے سے استشہاد کیا جاسکے اور چونکہ استشہاد وقیاس کے لئے دونوں کے مابین یکسانیت یا مماثلت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے یہاں بعض باتوں میں اختلاف کے باوجود دونوں کے مابین مماثلت کی وجوہ بآسانی تلاش کی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ دونوں ہی کا مقصد خاندان کی مالی امداد اور اعانت کرنا ہے۔

۲۔ دونوں میں باہمی تعاون علی الخیر والبر کا جذبہ موجود ہے۔

۳۔ دونوں کے لئے متعلقہ آدمی سمیت اس کے محکمہ یا دیوان کے لوگ اس عطیے میں حصہ ڈالتے ہیں۔

۴۔ دونوں میں قسط یا رقم کی ادائیگی لازمی ہے۔

۵۔ دونوں کی رقوم کو بالاقساط جمع کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

الغرض دونوں میں کئی باتوں میں مماثلت موجود ہے اور یہ مماثلت بجا طور پر مؤخر الذکر کو مقدم الذکر پر قیاس کرنے کی گنجائش رکھتی ہے۔

ڈاکٹر حسین حامد حسان کی رائے | ڈاکٹر حسین حامد حسان اجتماعی بیمہ پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب حکم الشریعة الاسلامیة فی عقود التامین، اردو ترجمہ بیمہ کی شرعی حیثیت، از عبدالرحیم اشرف بلوچ، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں لکھتے ہیں:

---

¹ السرخسی، المبسوط، ص ۱۲۶۔ یہ روایت مشہور محدث عبدالرزاق نے بھی اپنی کتاب المصنف میں روایت کی ہے۔ ² ایضاً ۲۰، ص ۱۲۵۔ ۱۲۶، ³ المرغینانی، ہدایہ، ۱۲: ۲۲۱ تا ۲۲۳

" یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ اجتماعی بیمہ کا کاروبار خود حکومت کرتی ہے یا اس کا انتظام و انصرام وہ اپنے کسی عام ادارے کے حوالے کر دیتی ہے اور اس کے ذریعے حکومت عوام کے بعض طبقات کو بعض خطرات سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ جیسے مزدوروں کے معذور ہو جانے، بیمار پڑ جانے اور بڑھاپے کے خلاف بیمہ کرنا۔

ہمارے نزدیک اس قسم کا بیمہ کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، ہماری اسی رائے کی تائید علمائے شریعت میں سے بیمہ پر تحقیق کرنے والے تمام محققین کرتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بیمہ میں مخالفت کی دلیل تو دھوکہ ہے اور یہ دلیل صرف معاوضہ والے معاملات تک محدود ہے، جبکہ تبرعات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں، جیسا کہ امام مالک اور آپ کے پیرو کار مجتہدین فن سے، جن کی رائے ہمارے نزدیک معتبر ہے، کا یہی مذہب ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اجتماعی بیمہ کا نظام اپنی ہیئت وصورت میں جو ہم نے فصل اوّل میں بیان کی ہے، معاوضہ والے معاملات میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس میں حکومت خود جو کچھ خرچ کرتی ہے اس کے مقابلے میں کسی معاوضے کی طالب نہیں ہوتی نہ ہی اس کے بدلے میں کسی نفع کے لئے کوشاں ہوتی ہے۔ تاکہ جو کچھ وہ ادا کرتی ہے اس سے زیادہ وہ حاصل کر سکے۔ بلکہ ہوتا اس کے برعکس ہے کہ حکومت بھی مزدوروں اور آجر حضرات کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ ادا کرتی ہے لہٰذا اس حیثیت سے اجتماعی بیمہ موضوع اختلاف اور مباحثے سے خارج ہوتا ہے۔

(ص ۵۴ - ۵۵)

احکام اقرار اور اُن کی حجیت

مولانا مبشر احمد۔ جامعہ مدنیہ لاہور

(۲)

اقرار کی شرطیں

اقرار کی شروط تو کثیر ہیں کچھ مُقر میں ہوتی ہیں کچھ مقرلہ میں اور کچھ صیغہ و الفاظ میں۔

ہم مختصراً اقرار کی اہم شرطیں ذکر کرتے ہیں۔

اولاً مُقر کو عاقل و بالغ ہونا چاہیئے فَلَا یَصِحُّ اِقْرَارُ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالسَّکْرَانِ ، بچے اور مجنون اور مدہوش کا اقرار قابل قبول نہ ہوگا۔

عَنْ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وعن الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ وَعَنِ المجنون حَتّٰی یَعْقِلَ [1]	حضرت علیؓ سے روایت ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا جاتا ہے (۱) سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو (۲) بچے سے جب تک جوان نہ ہو (۳) مجنوں سے جب تک عاقل نہ ہو۔

ہاں صبی عاقل ماذون بالتجارہ کا اقرار قابل قبول ہوگا بوجہ ضرورت کے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مقر خود مختار ہو لہٰذا جبری اقرار قابل قبول نہ ہوگا۔

عَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہ	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۸۔ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۱۰۵۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۵ شوکانی مع

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَا وَ النِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے خطا اور نسیان اٹھا لیا گیا ہے اور جو اکراہ بھی۔

ثالث تیسری شرط یہ ہے کہ مقر اپنے اقرار میں متہم نہ ہو۔ مثلاً کوئی مریض قریب المرگ اپنے کسی وارث کے لئے قرضہ کا اقرار کرتا ہے تو لوگ یا دیگر ورثا اس پر الزام لگائیں گے کہ شاید یہ اپنے اس وارث کو زیادہ دینے کے لئے اقرار کر رہا ہے اور ہمیں محروم رکھنا چاہتا ہے۔[2]

رابعاً چوتھی شرط یہ ہے کہ مقر معلوم شخص ہونا چاہئے اگر مجہول شخص ہو تو اس کا اقرار معتبر نہ ہوگا کیونکہ مجہول پر قضا و فیصلہ مشکل ہے مثلاً ایک جماعت میں سے ایک شخص نے کہا فلاں کے لئے ہم میں سے کسی ایک پر ہزار اشرفیاں ہیں تو کسی پر مال واجب نہ ہوگا۔

خامساً پانچویں شرط یہ ہے کہ مقر مجور نہ ہو۔ جیسے بیوقوف اس کا اقرار بھی صحیح نہ ہوگا۔

سادساً مقر کھری بات کرنے والا ہو مذاق یا ہزل گو نہ ہو مثلاً یوں کہے میرا گمان یہ ہے کہ شاید میں نے فلاں شخص کو اتنا اتنا مال دینا ہے یہ اقرار قبول نہ ہوگا۔ یہ اقرار واضح نہیں ہے۔

سابعاً ساتویں شرط یہ ہے کہ مُقَرٌّ لَہٗ بھی معلوم و متعین ہو مجہول نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اہل لاہور میں کسی ایک شخص کا مجھ پر ہزار روپیہ ہے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر جہالت یسیرہ ہے تو پھر اقرار صحیح ہے۔

---

۱ فتح الکبیر ج ۲ ص ۱۳۵۔ ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۵۹

۲ بلغۃ السالک ج ۲ ص ۱۸۶۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۲۳۔ القوانین الفقہیہ ص ۳۱۴

مثلاً یوں اقرار کرے کہ ان دو شخصوں میں کسی ایک کا مجھ پر ہزار روپیہ ہے تو یہ اقرار صحیح ہے پھر اس مقر سے کہا جائے گا کہ ان کو بیان کر اور متعین کر تو جس کو وہ متعین کرے گا اس کو ہزار روپیہ دے دیا جائے گا۔

نیز یہ بھی شرط ہے کہ مقر لہ محقق الوجود ہو اگر حمل کے لئے اقرار کیا جو کہ محقق الوجود نہیں ہوتا اقرار صحیح نہیں ہے[1]

ثامناً آٹھویں شرط یہ ہے کہ مقر لہ تملیک کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے جانور کے لئے اقرار کیا تو وہ صحیح نہ ہوگا۔

تاسعاً نویں شرط یہ ہے کہ مقر لہٗ اس اقرار کی تکذیب نہ کرے اگر وہ تکذیب کر دے گا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ اگر ایک مرتبہ تکذیب کر دی پھر تصدیق کر دی تب بھی اقرار باطل ہوگا۔ لیکن اس سے اقرار بالنسب۔ والحریت۔ والوقف۔ والطلاق والنکاح مستثنیٰ ہے ان چیزوں میں اگر مقر لہ ایک مرتبہ تکذیب کر دے پھر تصدیق کر دے تو اقرار درست ہو جائے۔

عاشراً دسویں شرط یہ ہے کہ اقرار عقلاً بھی مقبول ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں عورت کے حمل سے معاملہ کیا ہے یا اس سے قرضہ لیا ہے یہ اقرار کیسے مقبول ہو سکتا ہے کیونکہ عقلاً حمل سے قرضہ لینا یا معاملہ کرنا ناممکن ہے

حادی عشر گیارہویں شرط یہ ہے کہ مقر بہ مال متقوم ہو یا مثلی چیزوں میں سے ہو اگر ایسی چیز کا اقرار کیا جو عرفاً یا شرعاً مال کے حکم میں نہ آتا ہو تو وہ اقرار لازم نہ ہوگا۔

---

[1] اعلام الاعلام لابن عابدین ص ۱۸۔ نہایۃ المحتاج ج ۵ ص ۷۰۔ کشاف القناع ج ۳ ص ۳۰۵۔ المغنی ج ۵ ص ۱۵۳۔ بدائع الصنائع ج ۷، ص ۲۲۳

ثانی عشر بارہویں شرط یہ ہے کہ مُقَرّبہ مُقِر لہٗ کے قبضہ میں نہ ہو یعنی جس چیز کا اقرار کر رہا ہے وہ پہلے سے مُقِر لہٗ کے قبضہ میں ہے تو یہ اقرار لغو ہوگا، بلکہ اس کا نام اخبار ہوگا یعنی وہ خبر دے رہا ہے کہ یہ چیز فلانے کی ہے۔

ثالث عشر تیرہویں شرط یہ ہے کہ مُقَرّبہ عقلاً یا شرعاً محال بھی نہ ہو ظاہری حالت اس کے برعکس نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ زید نے مجھے جمعہ کے روز ہزار روپیہ دیا ہے حالانکہ زید تو بدھ کو ہی فوت ہوگیا تھا تو جمعہ کے روز وہ کیسے قرض دے رہا ہے ؛ یہ اقرار باطل ہوگا۔

رابع عشر چودہویں شرط یہ ہے کہ اقرار کے الفاظ جزم ویقین پر دال ہوں جن میں شک وتردد ظاہر نہ ہو مثلاً کسی نے کہا زید کو مجھے شاید دس ہزار دینے ہیں ؛ یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔

خامس عشر پندرہویں شرط یہ ہے اقرار کسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو۔ مثلاً کہا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا یا فلاں شخص آگیا تو تب مجھے زید کو دس ہزار دینا ہے اس صورت میں احناف وشوافع وزیدیہ کا مسلک یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا علم یقین نہیں ہو سکتا۔ نیز فلاں شخص کا آنا بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ اس لئے اقرار صحیح نہ ہوگا لیکن حنابلہ کے نزدیک دونوں حالتوں میں اقرار لازم ہو جائے گا، مالکیہ کے نزدیک مشیت اللہ والی صورت میں اقرار صحیح مانا جائے گا اور قدوم فلاں والی صورت میں اقرار صحیح نہ ہوگا۔

حجیت اقرار فی القانون بموجب عقل وقانون بھی اقرار حجت ہے کیونکہ اقرار اپنی مصلحت کے برعکس چیز کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا احتمال صدق، مقر راجح ہوگا احتمال کذب پر قانوناً بھی اقرار

لہ الشرح الکبیر ج ۳ ص ۳۹۷۔ تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۴۲۔ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۱۴ مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۵۵۔ شرح المحلی ج ۳ ص ۲

کو سیّد الادلہ کہا گیا ہے۔

اقرار کی قانونی شرائط

(۱) اقرار عدالت کے روبرو ہو (۲) اقرار دعویٰ کے ثبوت کے دوران ہو؛ یعنی مدعی اپنے حق پر ثبوت پیش کر رہا ہے تو مدعی علیہ نے فوراً اقرار کر لیا کہ واقعی مجھے یہ حق اس مدعی کا دینا ہے۔ (۳) اقرار واضح اور صریح الفاظ کے ساتھ ہو۔ (۴) مقر تصرف کا اہل بھی ہو یعنی عاقل بالغ ماذون التجارہ والتصرف ہو۔ (۵) مقر لہٗ کا اہل ہونا شرط نہیں لہٰذا مقر مجنون کے لئے اقرار کر سکتا ہے ان کی جانب سے ولی قبضہ کریگا۔[1]

قضاء فی الاقرار

قاضی و جج جب دیکھے کہ اقرار کی تمام شرائط موجود ہیں تو وہ بموجب اقرار مُقر لہٗ مُقر بہ کے لئے فیصلہ صادر کر دے اور مُقر کو حکم دے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری و دین سے جلدی عہدہ برآ ہو اور مقر بہ کو ادا کرے۔

اگر وہ قاضی فیصلہ نہیں کرتا تو مُضیع حق شمار ہوگا اور عند اللہ مجرم ہوگا۔

قال تعالیٰ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ [2]	اے داود علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا آپ لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کریں۔

اقرار اور شہادت میں فرق

اقرار بذات خود حجت کاملہ ہے اور حکم کے لئے مثبت و مؤکد ہے اور شہادت بذات خود حجت نہیں ہے اور نہ ہی محض شہادت سے حق ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ شہادت کے بعد قاضی اور جج کا فیصلہ و حکم ثبوت حق کے لئے ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ فیصلے سے قبل شہادت سے رجوع جائز ہے لیکن اقرار کے بعد نہ

---

[1] وسائل الاثبات ص ۲۵۳ ۔ نظریۃ الاثبات ج اول ص ۸۰۔

[2] سورۃ ص الآیۃ ۲۶

نہ فیصلے سے قبل رجوع صحیح ہے نہ بعد میں کیونکہ قضاء بالشہادۃ ظن کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اقرار یقین کی طرف منسوب ہوتا ہے لہذا اقرار ثبوت حق کے لئے نسبت شہادت کے اقوی ہوگا۔

نیز شہادت غیر کی طرف متعدی ہوتی ہے اور اقرار مقر تک محدود ہوتا اسی واسطے فقہاء نے اقرار کو حجت قاصرہ کہا ہے اور شہادت کو حجت متعدیہ[1]

عدالت میں اقرار کے بعد شہادت

سوال یہ ہے کہ جب مدعی علیہ مجلس قضا میں اقرار کرے اور مدعی پر بھی ثابت ہوجائے اور قاضی فیصلے کا ارادہ بھی کرلے تو کیا قاضی محض اقرار پر فیصلہ کرسکتا ہے یا اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ مقر کے اقرار پر دو گواہ طلب کرے اور گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کرے۔

جواب

اس مسئلے میں فقہاء کے دو قول ہیں :

قول اول :-

لَا یَحْکُمُ الْقَاضِی بِمُجَرَّدِ الْاِقْرَارِ وَیُحْضِرُ شَاھِدَیْنِ عَلَی الْمُقِرِّ وَیَحْکُمُ بِشَہَادَتِہِمَا	قاضی محض اقرار سن کر فیصلہ نہ کرے بلکہ دو گواہ طلب کرے اور ان کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرے۔

بعض مالکیہ اور حنابلہ کا قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرسکتا، قاضی کا اقرار سننا اور اس پر فیصلہ ان کے نزدیک قضا بعلم القاضی ہے اور وہ جائز نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے مقر انکاری ہوجائے یا اقرار سے رجوع کرے جب قاضی دو شخصوں کی گواہی بھی سن لے گا۔ ایک تو فائدہ یہ ہوگا مقر انکار یا رجوع نہیں کرسکے گا۔ دوسرا یہ کہ قاضی کا فیصلہ شہادۃ دشاہدین کے سبب لازم الوصول ہوگا[2]

---

[1] معین الحکام ص ۱۲۰ تکملہ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۵۔ کشاف القناع ج ۴ ص ۲۹۱

[2] المغنی ج ۹ ص ۵۴

قول ثانی | یحکم القاضی بالاقرار ولا یحضر شاهدین علیہ ویکتفی بسماعہ۔ — قاضی محض اقرار پر فیصلہ کر دے گا ، ہو گے طلب کی ضرورت نہیں ۔ اور اپنے سماع پر ہی اکتفا کرے ۔

یہ قول حنفیہ اور شافعیہ اور راجح قول حنابلہ اور بعض مالکیہ کا ہے ، ان کی دلیل یہ ہے کہ اقرار بذاتِ خود حجت ہے مزید براں یہ کہ قاضی کی مجلس میں اقرار واقع ہوا ہے ۔

نیز شہادت تو اس لئے طلب کی جاتی ہے تاکہ حق کا ثبوت ہو جائے جب قاضی نے اپنی آنکھوں سے ایک واقعہ دیکھا ہے یا اپنے کانوں سے اقرار سنا ہے تو اس کا علم شہادت سے زیادہ معتبر ہوگا ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قاضی امین ہوتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے راجح بھی یہی دوسرا قول ہے کیونکہ یہ فیصلہ بعلم القاضی نہیں بلکہ باقرار المقر ہے ۔

نیز اگر ہم قاضی پر طلب شاہدین لازمی کرتے ہیں تو پھر یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ گواہ بھی جھوٹے ہوں پھر ان پر دو اور گواہ طلب کئے جائیں اس طرح تو تسلسل لازم آجائے گا یا دور لازمی آئے گا اور وہ شرعاً باطل ہے ۔

۲۔ یہ کہ اگر ہم مجلس قاضی کے اقرار کا بھی اعتبار نہ کریں اور غیر مجلس قضاء کا بھی اعتبار نہ کریں تو پھر دونوں میں فرق کیا رہے گا ۔

اس طرح تو عدالتیں عبث ہو جائیں گی اور نزاع ختم نہیں ہو سکیں گے یہی وجہ ہے کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ رکھا جاتا ہے تاکہ عدالتیں مکمل طور پر آزادانہ فیصلے کر سکیں اور ان کا وقار اور عزت قائم رہے [۱]

۳ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر حد رجم جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا ۔ جس نے خود آپ کے سامنے اعتراف جرم کیا تھا ؛ آپ نے اس پر کوئی گواہ طلب نہیں

---

[۱] الطرق الحکمیہ ص ۱۹۳ مختصر المزنی ج ۵ ص ۳۰۶ ۔ البحر الرائق ج ۷ ص ۲۰۳ ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۰۹ ۔ المغنی ج ۹ ص ۵۲ ۔

فرمایا تھا۔

اقرار کے بعد گواہی سننا

احناف کے نزدیک اقرار سید الادلہ اور اقوی الحجج ہے اور حجت کاملہ ہے: اقرار کے بعد مُقِر پر مُقَر بہ لازم ہو جاتا ہے اور شہادت سننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ قوی حجت کے بعد ضعیف کی کیا ضرورت ہے۔

نیز بیّنہ تو منکر پر قائم کئے جاتے ہیں اور جب مدعیٰ علیہ خود مُقِر ہے تو بیّنہ بے سود ہے ہاں کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں اقرار کے بعد شہادت سننا جائز ہے۔ مثلاً حکم مُقِر سے کسی غیر کی طرف تعدّی کر رہا ہے۔

مثال نمبر ۱

یا مُقِر کے علاوہ کسی غیر شخص سے اس میں ضرر کا اندیشہ ہو ورثاء میں سے ایک وارث نے اقرار کیا کہ میت پر زید کا بھی قرض ہے تو اب بھی اس صورت میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ مُقِر وارث دوسرے ورثاء کو نقصان پہنچانے کے لئے اقرار کر رہا ہو تو اب اس اقرار کے بعد مُقَر لہٗ کے لئے جائز ہوگا کہ اپنے دین کے لئے بیّنہ پیش کرے کیونکہ یہاں فیصلہ صرف مُقِر پر نہیں ہوگا بلکہ بقیہ ورثاء کی طرف بھی تعدی ہوگا۔

مثال نمبر ۲

ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں کی طرف سے قبض دین کا وکیل ہوں اور مدعیٰ علیہ بھی اس کی وکالت کا اقرار کرتا ہے تو اب وکیل کو اپنی وکالت کے ثبوت پر بیّنہ پیش کرنا جائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مقروض وکیل کو قرضہ ادا کر دے اور قرض خواہ یعنی مؤکل انکاری ہو جائے کہ میں نے تو اس کو وکیل نہیں بنایا تھا مجھے قرضہ ادا کر دو تو اب مقروض وکیل کو ادا کرنے سے بری الذمہ نہ ہوگا اس کو دوبارہ قرضہ ادا کرنے کا ضرر اٹھانا پڑیگا۔

اور قرض خواہ یعنی مؤکل انکاری ہو جائے کہ میں نے تو اس کو وکیل نہیں بنایا تھا مجھے قرضہ ادا کرو۔ تو اب مقروض وکیل کو ادا کرنے سے بری الذمہ نہ ہوگا اس کو دوبارہ قرضہ ادا کرنے کا ضرر اٹھانا پڑیگا۔

مزید مثالوں کے لئے دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۸۰۵، الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص ۹۰۔ الاصول القضائیہ ص ۱۴۱

امام ابن تیمیہ کی ایک نادر کتاب

الرد علی المنطقیین

(۳)

تیسری بحث یہ بات تصدیق وقیاس سے متعلق ہے، اس پر بھی انھوں نے دو حیثیتوں سے بحث کی ہے، ایک سلبی اور دوسری ایجابی۔

سلبی پہلو اس میں منطقیوں کے اس اصول کی تردید کی گئی ہے کہ :-

انہ لا یعلم شئ من التصدیقات الا بالقیاس (ص۳) کسی تصدیق (یعنی مرکبات) کا علم بغیر قیاس کے ممکن نہیں۔

اس بحث کو انھوں نے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات میں پھیلایا ہے، اور ضمناً بہت سے دوسرے اسلامی مسائل کے ساتھ قرآن کے طرز استدلال اور طریق فکر پر بھی متعدد جگہ بحث کی ہے، اس سلسلہ میں ابن سینا پر تنقید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس نے الٰہیات، اور معاد وشرائع پر جو کچھ بحث کی ہے، اس کا ماخذ باطنیت اور اسماعیلیت ہے، اس وجہ سے ان مسائل میں اس نے ٹھوکر کھائی ہے اس ضمن میں اہل منطق کے اس اصول پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے، کہ متواترات اور مجربات کسی دوسرے کے لئے حجت نہیں بن سکتے، اپنے اس دعویٰ پر کہ قیاس کے ذریعہ تصدیقات کا علم حاصل نہیں ہوسکتا، انھوں نے متعدد دلیلیں دی ہیں اور قیاس کے تمام انواع واقسام پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یہاں صرف ایک دلیل کا ذکر کیا جاتا ہے، منطقیوں کا یہ قول کہ "کسی تصدیق کا بجز قیاس کے علم حاصل نہیں ہوسکتا" ایک قضیہ سالبہ ہے، جو بدیہی نہیں ہے، اور انھوں نے اس کی کوئی دلیل بھی نہیں دی ہے، حالانکہ غیر بدیہی یا دوسرے لفظوں میں نظری باتوں کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، جب انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی، تو پھر ان کے اوپر ایک دوسرے نظری اصول کو کہ "کوئی بجز قیاس

شمول کے نظری تصدیقات کا علم حاصل نہیں کر سکتا؟ کی بنیاد رکھنے کا کیا حق حاصل ہے؟
دوسری بات یہ ہے کہ تمام اہل منطق تسلیم کرتے ہیں کہ بعض تصدیقات بدیہی ہیں، اور بعض نظری، کیونکہ تمام تصدیقات نظری اس لئے نہیں ہو سکتے ہیں، کہ نظری بدیہی کا محتاج ہوتا ہے، اور جب یہ صورت ہے تو نظری اور بدیہی میں نسبتی اور اضافی فرق ہوا، اس لئے کہ ایک ہی علم بعض اشخاص کے لئے بالکل بدیہی ہوتا ہے، بعض اس کو کم یا زیادہ نظر و فکر سے حاصل کر لیتے ہیں، اور بعض اشخاص کو نظر و فکر سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

جب یہ ایک اضافی چیز ٹھہری، تو ایک ہی بات کسی کے لئے بدیہی ہو سکتی ہے اور دوسرے لئے غیر بدیہی اور نظری بن سکتی ہے، اس لئے ایسے اضافی اور غیر متعین اصول کو فکر و استدلال کی بنیاد یا وصول الی الصواب کا ذریعہ بنانا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

ارباب منطق کا دعویٰ ہے کہ "مجربات متواترات" اور حدسیات "کی افادیت اس شخص خاص کے لئے ہوتی ہے، جس نے ان ذرائع سے کوئی چیز معلوم کی ہے، ان ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو دوسروں کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا بخلاف حسیات کے جو اپنے لئے بھی دلیل بن سکتے ہیں، اور دوسروں کے سامنے بطور دلیل پیش بھی کئے جا سکتے ہیں۔ امام نے ان کے اس دعویٰ کے بعض اجزاء کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر بہت سخت تنقید کی ہے، ان کا پہلا جملہ یہ ہے کہ "یہ تقسیم و تفریق سرے سے غلط اور فاسد ہے"۔ اس لئے کہ نہ تو حسی اشیاء کے بارے میں سب لوگوں کا علم یکساں ہوتا ہے اور نہ تواتر اور تجربہ سے حاصل کی ہوئی معلومات ہی سب کے لئے یکساں مفید بن سکتی ہیں۔

مثلاً " حسیات" خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، ان کی دو قسمیں ہیں ایک خاص دوسری عام یعنی بعض حسیات ایسی ہوتی ہیں جن کے احساس میں ہر شخص یکساں شریک نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ اس میں تفاوت ہوتا ہے، مثلاً حاسہ کوئی چیز دیکھے چھوئے، چکھے یا سونگھے تو اس کے لمس و رویت اور ذوق و شم میں خالد بھی اس کے

برابر کا شریک ہو، صحیح نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی کو بھوک پیاس لگی ہے، یا وہ رنج والم میں مبتلا ہے، تو یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ دوسرا بھی اس کے اس احساس میں اس کا یکساں شریک ہو، یا دونوں کا احساس ان چیزوں کے بارے میں ایک ہو۔

ہاں بعض ایسے حسیات ضرور موجود ہیں، جن میں سارے انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں، الا یہ کہ ان کے ماخذ احساس میں فرق آگیا ہو، یا کوئی دوسرا عذر مانع ہو، مثلاً سورج اور چاند ستارے کی رویت یا کسی شہر یا بستی میں کوئی خصوص چیز مثلاً پہاڑ، چشمہ وغیرہ موجود ہو، تو اس کے دیکھنے میں سارے لوگ یکساں شریک ہوتے ہیں۔

عام حسیات کی طرح تواتر اور تجربے سے جو چیزیں معلوم ہوتی ہیں، ان میں بھی عام انسانی افراد شریک ہوتے ہیں، جس طرح کہ یا دنیا کے دوسرے مشہور شہروں کو ہر شخص نے دیکھا نہیں ہے، مگر یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ مقامات اس پردۂ زمین پر موجود ہیں، اسی طرح سمندر کو کتنے لوگوں نے دیکھا ہے، مگر کیا دنیا کا کوئی فرد بھی نہ دیکھنے کے باوجود اس کے وجود سے انکار کرسکتا ہے؟ اسی طرح انبیائے کرام کی بعثت اور ان کے ناموں سے دنیا کا ہر متمدن شخص واقف ہے اور جو لوگ واقف نہیں ہیں، وہ کسی ویرانہ میں رہتے ہوں گے، تو کیا جو لوگ ان سے واقفیت رکھتے ہیں، ان سب نے ان کو بچشم خود دیکھا ہے؟

اسی طرح ہزاروں باتوں اور سیکڑوں چیزوں کی خاصیتوں کا علم آدمی کو دوسروں کے تجربات کی بنا پر حاصل ہوتا ہے، مثلاً دواؤں کی خاصیتیں وغیرہ اسی قسم میں شمار ہیں، یعنی ان میں بھی کسی ایک کے تجربہ سے ہزاروں آدمیوں کو علم حاصل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو معلومات ان متواترات اور تجربات سے حاصل ہوتی ہیں، وہ اسی شخص تک محدود نہیں رہتی ہیں، جس نے انھیں حاصل کیا ہے، بلکہ اپنی انفرادی یا معلوماتی حیثیت میں دوسرے بھی اس کے شریک ہیں، تو پھر اہل منطق کا یہ دعویٰ بالکل ایک فریب کے سوا اور کیا ہے، کہ حسیاتی معلومات میں تو سب انسان یکساں شریک ہوتے ہیں اور تواتر و تجربہ سے حاصل کی ہوئی معلومات کی افادیت محصول

اشخاص تک محدود رہتی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات البتہ قابل لحاظ ہے، کہ جس طرح حیات کے معلوم کرنے لئے کچھ ذرائع و اسباب ہوتے ہیں، اسی طرح تواتر و تجربہ کے لئے بھی کچھ ذرائع و مسائل ہیں جب ان کو استعمال کیا جائے گا تب ہی ان سے وہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جو ہماری زندگی کے لئے مفید ہوں۔

تواتر اور تجربہ پر اصولی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد دینی حیثیت سے اس پر روشنی ڈالی ہے، اور سب سے پہلے انھوں نے یہ بتایا ہے کہ

انکار التواتر هو من اصول الکفر والالحاد (ص ۹۸) — تواتر کا انکار کفر و الحاد کی بنیاد ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام سے جو معجزات صادر ہوئے یا ان کی جو تعلیمات دنیا میں موجود ہیں، ان سب کا دارومدار تواتر[1] و روایت ہی پر تو ہے، (اس لئے اس کا انکار یا اس کو قابل اعتماد ذریعۂ علم نہ سمجھنا سارے دینی سرمایہ ہی کو ناقابل اعتماد بنانے کے مرادف ہے)

اگر کوئی شخص کسی گذشتہ واقعہ کے بارے میں یہ کہے کہ تمہارے نزدیک یہ صحیح ہے مگر میں تو اس کو صحیح نہیں سمجھتا، تو اس سے کہا جائے گا کہ جس طرح اور جہاں اس نے چاند دیکھا ہے، تم بھی وہیں دیکھو تو تم کو بھی وہ نظر آجائے گا، اب اگر وہ چاند دیکھنے کی کوشش کرے گا، تو اس کو چاند ضرور نظر آجائے گا، اگرچہ اس کو اس چاند کی خبر دینے والے کی صداقت پر یقین کامل بالکل نہ رہا ہو، دینی امور کے بارے میں عموماً فلاسفہ یہ کہدیا کرتے ہیں کہ

هذه غیر معلومة لنا (ص ۱۰) — یہ ہمارے لئے غیر معلوم چیزیں ہیں[2]

---

[1] انبیاء کی تعلیمات ہی پر کیا موقوف ہے اس وقت ماضی کا جو سرمایہ بھی دنیا کے پاس موجود ہے، اس کا سارا دارومدار اسی روایت پر ہے، اس کا انکار دنیا کی پوری تاریخ پر خط نسخ پھیر دینا ہے۔

[2] اس دور کے بہت سے ملاحدہ فلاسفہ اور سائنس داں بھی یہی فقرہ دہراتے رہتے ہیں۔

یہ بات ان کو اس لئے کہنی پڑتی ہے کہ جن وسائل کے ذریعہ وہ دینی حقائق تک پہنچ سکتے ہیں، ان کو وہ کبھی کام میں نہیں لاتے اور نہ ان کو اس کی کوئی جستجو ہی ہوتی ہے پھر جب وہ اپنی جہالت اور کوتاہی کی وجہ سے ان حقائق تک پہنچ نہیں پاتے، تو ان حقائق کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔

عدم العلم ليس علما بالعدم وعدم الوجدان لا يستلزم عدم الوجود

(ص ۱۰۰)

کسی چیز کا نہ جاننا اس کے نہ ہونے پر دلیل نہیں بن سکتا، اور نہ کسی چیز کے وجود کا عدم علم اس کے غیر موجود ہونے کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اس لئے فلاسفہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا علم نہیں ہے مگر ان کو یہ کہنے کا حق تو کسی طرح نہیں پہنچتا، کہ یہ چیز معدوم ہے، یا اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، قرآن نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ

(یونس)

جو چیز ان کے احاطۂ علم میں نہ آسکی اور نہ اس کی حقیقت ان کی سمجھ میں آئی۔ تو انکار کر بیٹھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تواتر کا انکار عقلی اور اصولی حیثیت سے بھی ایک غیر معقول بات ہے اور دینی نقطۂ نظر سے بھی تو انتہائی مہلک بات ہے۔

اس کے بعد امام نے فلاسفۂ یونان کے مشرکانہ تصورات کی بحث چھیڑی ہے، اس بحث کا آغاز اس جملے سے کیا ہے۔

شركة الفلاسفة اشنع من شرك الجاهلية

فلاسفہ کے مشرکانہ تصورات مشرکین جاہلیت کے خیالات سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عام مشرکین کم از کم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، اور اس کی مشیت و قدرت سے زمین و آسمان اور اس کائنات کے

دوسرے بڑے مذاہب پاتے ہیں، وہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ مخلوقات میں کوئی چیز اس کی ہمسر نہیں ہے اور نہ کسی مخلوق کو دوام حاصل ہے، وہ بتوں کی پوجا ان کو خدا سمجھ کر نہیں بلکہ اس تصور کے ماتحت کرتے ہیں کہ یہ خدا کے قرب و شفاعت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے مگر اس کے ساتھ ان کو مخلوق بھی سمجھتے تھے۔

خدا کے بارے میں یہ تصورات بھی بالکل باطل اور غلط ہیں مگر ان میں کم از کم خلق و قدرت کو اس کی ذات کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، لیکن فلاسفہ کے یہاں خدا کا تصور الٰہ یہ ہے۔

الواحد لا یصدر الا الواحد — ایک سے ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے

اب سوال یہ ہے کہ اس کائنات ارضی و سماوی کو کس نے بنایا تو اس کے لئے انھوں نے ایک نیا سلسلہ قائم کیا یعنی "عقول عشرہ" کی ایک نئی اصطلاح گھڑی، ان کا گمان ہے کہ خدا نے عقل اول کو پیدا کیا۔ اور جب اس کا کام ختم ہو گیا، تو عقل اول نے عقل دوم کو اسی طرح دس عقلوں تک یہ سلسلہ چلا، دسویں عقل نے ساری ارضی و سماوی مخلوق کو پیدا کیا، اس تصور میں خدا کو عقل عاشرہ سے بھی کم اختیارات دیئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ دنیا کے مشرکین کے کسی گروہ نے بھی خدا کو اس سے زیادہ بے اختیار نہیں بنایا ہے، جتنا انھوں نے اس کو بے اختیار ہی نہیں بلکہ مسلوب الاختیار بنا دیا ہے امام ابن تیمیہ نے ان کی کتابوں کے حوالے سے ان کے یہ خیالات نقل کئے ہیں کہ

ان الرب لا یفعل بمشیۃ و قدرتہ ولیس عالما بالجزئیات ولا یقدر ان یغیر العالم بل العالم فیض فاض بغیر مشیۃ وقدرتہ وعلمہ (ص ۱۰۳)	اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور قدرت سے کچھ نہیں کرتا، اور نہ وہ جزئیات کا عالم ہے وہ اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ عالم میں تغیر پیدا کرے، یہ دنیا ایک فیض دینے والے کا فیض ہے بغیر اس کی

حیثیت امقسمت الٰہیہ کے یہاں دفتر چل رہا ہے۔
یہ خیالات تو مشرکین فلاسفہ کے ہیں، مگر ان میں جو خود سلسلۂ وحی و نبوت کے قائل ہوئے
انھوں نے یہ احسان کیا کہ ملائکہ کو عقول عشرہ کی جگہ لا بٹھایا۔[1]

مختصر یہ کہ خدا کو انھوں نے انگلستان کے بادشاہ سے بھی بے اختیار بنایا ہے۔ ان مباحث کے علاوہ بہت سے مباحث ایسے ہیں جن کا کچھ نہ کچھ خلاصہ یہاں دیا جانا چاہیئے۔ مگر مضمون کے طویل ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لئے صرف بقیہ مباحث کی سرخیوں کا ترجمہ یہاں دیا جاتا ہے، جن سے ان مباحث کی نوعیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) قضایا کلیہ قیاس تمثیل سے معلوم کئے جا سکتے ہیں (۲) قیاس شمول کی حقیقت (۳) فلاسفہ کے یہاں علوم کی تین قسمیں ہیں (۴) ان کے تصورات خدا نہ تو خالق کے لئے مفید ہیں نہ مخلوق کے لئے (۵) نفس کو کمال مجرد معرفت الٰہی سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے معرفت کے ساتھ عمل صالح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پر انھوں نے بڑی لمبی بحث کی ہے (۶) انبیاء کا طریقۂ استدلال (۷) قرآن اپنے استدلال میں قیاس اولیٰ یعنی ایات اللہ کو استعمال کرتا ہے، قیاس شمول یا قیاس تمثیل سے وہ گریز کرتا ہے، اس بحث میں انھوں نے آیات اللہ اور قیاس کے فرق کو بھی واضح کیا ہے، (۸) ان کے اس قول کی قباحت کہ خدا کا علم بھی قیاس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے (۹) دلیل قیاس کے بارے میں فلاسفہ کے خیالات کی تردید (۱۰) ان کے اس خیال کی تردید کہ استدلال کے لئے دو مقدموں کا ہونا ضروری ہے (۱۱) علم منطق صرف ایک اصطلاحی فن ہے، جس کو ایک یونانی شخص نے وضع کیا (۱۲) انبیاء کے بارے میں صوفیوں

---

[1] قرآن پاک اسی لئے بار بار یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ یعنی خالق بھی وہی ہے اور کائنات کے سارے کام وہ اپنے علم و قدرت سے انجام دیتا ہے۔ حی و قیوم کی صفت بھی اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔ (ادارہ)

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں "تازگی" آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قیمت ۵ر

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول دوم، سوم چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۱۶ر

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵ر

۴۔ خطبہ نکاح جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۱ روپے،

(۵) مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین تقویٰ میں ہونی چاہیئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵ر ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیاں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵ر ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پُر درد انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی شو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔

قیمت صرف ۱؎

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اسمیں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافے کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وقت ایک دولت ہے، یہ آخری کتابچہ شائع ہو گیا ہے۔ قیمت ۲؎

شکیل احمد مہتمم مکتبہ ادارۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الرشاد مدظلہٗ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ **اسلامی فقہ حصہ اول و دوم** کئی برس سے اصل اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد اللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] دوم [illegible]

۲۔ **اسلامی قانون اجرت** اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی، ۱۱۰۰۰۶

۳۔ **تبع تابعین** اس کتاب میں انیس اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔

قیمت : [illegible]

AUGUST

1991

ماہنامہ

جامعة

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

تالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ یوپی

M.ALI.MAU

جامعۃ الرشاد

ایک [illegible]

حضرات!

جامعۃ الرشاد محض ایک عربی درسگاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے یہاں دینی علوم کی معیاری تعلیم کے ساتھ بقدر ضرورت جدید علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے فارغ ہونے والے طلبا ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بے بہرہ نہیں رہتے۔ گویا یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہے اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ یہ ادارہ بہت سے ملی کاموں کا بھی مرکز ہے نہ صرف ضلع بلکہ مشرقی اضلاع میں اس وقت جتنے ملی کام ہو رہے ہیں ان کا مرکز یہی ہے۔

تعلیم و تربیت

(۱) صرف و نحو اور عربی ادب و انشا پر شروع سے زور دیا جاتا ہے تاکہ طلبا کو عربی تقریر و تحریر پر پوری قدرت ہو جائے۔

(۲) فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر کی معیاری تعلیم تیسرے درجہ تک جاری رہتی ہے۔ یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کے لئے عربی درجات کے پہلے ابتدائی تین سالوں میں ہر طالب علم کو سورۂ حجرات سے ختم قرآن تک مع تجوید حفظ کرنا ضروری ہے (۳) جامعۃ الرشاد کا نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم و تربیت اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے تفصیل کے لئے مقاصد و خصوصیات اور نصاب تعلیم اور "جامعۃ الرشاد اکابر کی نظر میں" والے کتابچوں کا مطالعہ کریں۔

(۵) معیاری تعلیم کے ساتھ بچوں میں زیادہ سے زیادہ علم دین کا ذوق، عمل کا جذبہ، اسلامی اخلاق و کردار کی خوبی، ایمان و یقین کی کیفیت، اور دعوت دین اور اتباع سنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ

سالانہ چندہ ہندوستان سے ۱۵/۴م خصوصی معاون ۱۰۰/- قیمت فی پرچہ ۵/-	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ غیر ممالک سے : ۱۵ ڈالر امریکی 15/8

جلد ۱۸ | اگست ۱۹۹۱ء مطابق صفر المظفر ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۳۶

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات	جناب عبدالجبار احمد حسین شرارہ	۷
۳۔ احکام الاقرار اور ان کی حجیت	مولانا مبشر احمد صاحب لاہور	۱۹
۴۔ زیارت حرمین شریفین کی سعادت	مرتب	۳۲
۵۔ نئی کتابیں	"	۵۴

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

رشحات

۱۹۸۹ء کے الیکشن کے بعد سے ہندوستان میں جو غیر مستحکم سیاسی صورتحال پیدا ہوئی اس میں ۱۹۹۱ء کے الیکشن کے بعد بھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی ابظاہر سنٹر میں کانگریس کی اور یوپی میں بی جے پی کی حکومت جنتا دل کی کھچڑی حکومت سے مضبوط دکھائی دیتی ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ استحکام اپنی پانچ سالہ مدت پوری کرے گا یا نہیں؟

بہرحال اس صورتحال میں ہمیں سنجیدگی سے یہ جائزہ لینا ہے کہ اس صورتحال کے پیدا ہونے میں ہماری کیا کیا اخلاقی اور سیاسی کمزوریاں شامل رہی ہیں۔ اگر واقعی ہم نے اس پہلو پر پورے خلوص اور گہرائی کے ساتھ غور کر کے ان اسباب کا پتہ لگا لیا جو ہماری حکمت عملی کی کمی اور سیاسی بے شعوری کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں تو بڑی سیاسی بصیرت کی بات ہوگی۔

موجودہ الیکشن میں بھاجپا کی یہ حکمت عملی بہت زیادہ قابل غور اور اپنانے کے لائق ہے کہ اس نے یوپی میں اسمبلی کی ۲۱۱ سیٹوں میں ۸۵ سیٹیں وہ جیتی ہیں جنہیں ہریجنوں کی ریزرو سیٹ کہا جاتا ہے انھوں نے اپنے پسند کے ہریجن کنڈی ڈیٹ کھڑا کر کے سورنا ؤں بنیوں۔ اگروالوں اور بڑی ذات کے ہندوؤں کا ووٹ ان کی جھولی میں ڈال دیا اور انہیں کامیاب بنا دیا یہ کر کے انہوں نے منڈل کمیشن کی آواز ہی کو کمزور نہیں کیا بلکہ ہریجنوں میں مستقل طور پر اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کا راستہ دریافت کر لیا ہریجنوں اور بڑی ذات کے ہندوؤں میں منڈل کمیشن اور کانشی رام کی تحریک سے جو خلیج پیدا ہو رہی تھی اسے ایک حد تک انہوں نے پاٹ دینے کی کوشش کی ایک طرف انہوں نے اپنی مضبوط تنظیم

اور مستحکم سیاسی حیثیت کے باوجود یہ سیاسی حکمت عملی اختیار کی دوسری طرف ہمارے پاس نہ تو اپنی کوئی مضبوط تنظیم ہے اور نہ کوئی متحدہ سیاسی حکمت عملی اور نہ ہمارے عوام میں اس کا کوئی پرشور احساس ہی دکھائی دیتا ہے اس وقت ہم میں جو لوگ سیاسی میدان میں رہنمائی کے منصب پر فائز دکھائی دیتے ہیں وہ ملت کے وسیع تر مفاد کو بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے نقصان پہونچانے سے دریغ نہیں کرتے بہت افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ایک ممتاز سابق ممبر پارلیمنٹ جن سے ہم نے بہت سی توقعات قائم کی تھیں جو پچھلے الیکشن میں ہار گئے تھے اس الیکشن میں کچھ ممتاز لوگوں نے جنتا دل کے ذمہ داروں پر زور ڈال کر بہار سے انھیں ٹکٹ اس صورت میں دلوایا کہ وہ ایک دوسرے مقامی ممبر کو ٹکٹ دے چکے تھے مگر آپ جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلا کارنامہ یہ انجام دیتے ہیں کہ کشمیری مسلمان جو چالیس برس کے ظلم و جور سے اکتا کر تشدد پر آمادہ ہو گئے ہیں ان کے خلاف دونوں ہاتھوں سے اشتہار اچھالتے ہوئے پارلیمنٹ میں داخل ہوتے ہیں۔

چالیس برس سے جو کشمیریوں کا سیاسی استحصال ہو رہا ہے ان کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، معاشی حیثیت سے ان کو مفلوج بنانے کے جو جتن کئے جا رہے ہیں ان صاحب کو یہ چیزیں یاد نہیں آئیں مگر اپنے کو سیکولر ظاہر کرنے کے لئے کشمیریوں کی مذمت کی یہ سطحی بلکہ بچکانہ حرکت کر بیٹھے لیکن اس سے وہ مسلمانوں کو تو چھوڑیئے عام ہندوؤں کی نگاہوں میں ہی نہیں بلکہ فرقہ پرستوں کی نگاہوں میں بھی شاید بے وزن ہو گئے ہوں گے۔

اسی طرح بعض دوسرے حضرات نے بھی اپنے ذاتی سیاسی مفاد کے لئے ملت کے وسیع مفاد کو نظر انداز کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اس وقت جس سیاسی صورتحال سے ہم دوچار ہیں وہ ہماری بے شعوری اور اتحاد اور حکمت عملی کی کمی کا نتیجہ ہے۔ یہ ناموافق حالات بھی اگر ہمارے سوچنے کے انداز میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں لا سکے تو پھر ہم کو اس سے زیادہ خراب حالات کے لئے

تیار رہنا چاہیئے۔

موجودہ سفر حج کے موقع پر وہاں جو چند اہل علم سے گفتگو کا موقع ملا اس میں سب سے اہم موضوع گفتگو ذرائع ابلاغ رہا، وہاں یہ بات بھی علم میں آئی کہ اس وقت پوری دنیا میں ذرائع ابلاغ پر صرف ۹ سے ۱۰ مسلمان نوجوانوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہے جب کہ یہودیوں اور مغربی ملکوں نے اس کے لئے کھیپ کے کھیپ افراد تیار کر رکھے ہیں اور پوری دنیا کی نیوز ایجنسیوں پر ان کا قبضہ ہے اس کے برخلاف مسلمانوں کے پاس ذرائع ابلاغ اور نیوز ایجنسی صفر کے برابر ہے۔ حالانکہ مہلک سے مہلک اسلحے اس وقت وہ کام نہیں کر پاتے جو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہودی اور مغربی حکومتیں لے لیتی ہیں، ابھی پچھلی خلیج کی جنگ میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ایسا ماحول امریکہ اور اس کے حواریوں نے بنایا کہ سعودی حکومت ان کی فوجیں بلانے پر مجبور ہوئی اور صدام کی زمینی جنگ کی ماہری پبلکن گارڈ ایک دن بھی بھرپور مقابلہ کئے بغیر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی۔ اسی طرح ہندوستان میں آپ دیکھیں کہ سارے اہم اخبارات اور ذرائع ابلاغ پر قبضہ غیر مسلموں کا ہے۔ ایسا صرف آزادی کے بعد ہی نہیں ہوا ہے بلکہ آزادی سے پہلے بھی اس پر انہیں کا قبضہ رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے میں نیشنل پریس کا سب سے بڑا حصہ رہا ہے۔ انگریزی کا مشہور اخبار ٹائمس آف انڈیا یہاں ۱۸۳۶ء سے یعنی ڈیڑھ سو برس سے نکل رہا ہے، اور ہم آج تک ایک بھی قابل ذکر اخبار انگریزی یا ہندی میں نہ نکال سکے ہمارے ذرائع ابلاغ نئی دنیا، اخبار نو اور بلٹز جیسے سطحی اور مفاد پرست اخبار بنے ہوئے ہیں اردو کے دوسرے اخبارات کا حال بھی یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کے مفادات کی ترجمانی کے لئے نکل رہے ہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ نہ صرف ہم اپنی زیادہ سے زیادہ توجہ اس طرف مبذول کریں بلکہ اپنی پوری توانائی اس میدان کو سر کرنے میں صرف کرنے کا پروگرام بنالیں۔

جن جن ملکوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں ہیں ان کے لئے یہ کام قدرے آسان ہے بشرطیکہ اس کی اہمیت کو وہ لوگ محسوس کریں البتہ ہندوستان کے

مسلمان اس پوزیشن میں تو نہیں ہیں مگر بحمد اللہ ہمارے خواص کی ایک بڑی تعداد کو اس کا احساس ہے اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کا یہ واحد پروگرام ہونا چاہئے کہ وہ ذرائع ابلاغ کی جو صورتیں یہاں ممکن ہوں وہ سب اختیار کریں۔

ذرائع ابلاغ کی طاقت کے بارے میں اوپر جو اشارات کئے گئے ہیں اگر وہ ایک حقیقت ہے تو ہم تمام مسلمان جماعتوں کے ذمہ داروں۔ اہل ثروت مسلمانوں اور علماء سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ شخصی، جماعتی اور مسلکی عصبیت کو قربان کرکے اس محاذ پر اپنی ساری طاقت لگا دیں، یہ کسی ایک جماعت کسی ایک مسلک یا کچھ شخصیتوں کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا مسئلہ ہے۔

غیر مسلم اخبارات ہر روز سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بناتے رہتے ہیں، اور ہم ہیں کہ سفید کو بھی سفید ثابت نہیں کرپا رہے ہیں۔ بابری مسجد کا مسئلہ اور بہت سے دیگر مسائل اس کی زندہ مثال ہیں۔

ذرائع ابلاغ کے سلسلہ میں تفصیل سے گفتگو اس لئے نہیں کی گئی ہے کہ اس سے آپ کی معلومات میں کچھ اضافہ ہوگا بلکہ اپنی بہت سی کمیوں کے ساتھ اس کمی کے سلسلہ میں بھی اپنی بے چارگی اور کچھ نہ کرپانے کی قلب و دماغ میں جو بے چینی ہے اس کا اظہار دوسروں سے اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے دل میں یہ بات اتار دے اور وہ ملت کی اس ضرورت کو پورا کردیں۔

اس سے پہلے ایک معیاری، ہندی اور انگریزی اخبار نکالنے کے سلسلہ میں کئی کوششیں ہو چکی ہیں ابھی چند سال پہلے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ اور محترم سید حامد صاحب کے ذریعہ یہ کوشش بڑے اہتمام سے شروع ہوئی تھی مگر شاید ملت کے افراد کی بے حسی دیکھ کر وہ بھی مایوس ہوگئے اور وہ تحریک سرد پڑ گئی۔

ایک طرف ملت کے افراد کی بے حسی کا یہ حال ہے کہ پورے ہندوستان سے دو کروڑ روپے وہ ملت کے اس اہم کام کے لئے فراہم نہ کرسکے اور دوسری طرف ایجیٹیشنی محاذ پران کی شاہ خرچی کا یہ حال ہے کہ ہمارے ایک ضلع سے اٹھنے والے غیر مسلم

امیدواروں نے بمبئی میں کاروبار کرنے والے چند مسلمان مالداروں سے دو ماہ پہلے ۱۵ سے ۲۰ لاکھ روپے اپنے الیکشن لڑنے کیلئے حاصل کرلئے اور یہی لوگ بڑے فخریہ انداز میں دوسروں سے اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اسی سے آپ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی ملّی بے شعوری کا اندازہ کرلیں۔ ع

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

کیا پورے ہندوستان میں چار سو اہل ثروت مسلمان ایسے نہیں ہیں جو ۵۰ ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک اس اہم ملّی کام کے لئے فراہم کرسکیں؟ یقیناً ایسے افراد ہیں جو شخصی انفرادی کاموں میں اس سے بھی بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں، یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم ان کے اندر اجتماعی ملّی ضرورتوں کا پورا احساس نہ پیدا کرسکے، بہرحال ہم کو مایوس نہ ہونا چاہئیے اور اس کوشش کو آگے بڑھانا چاہیئے۔ راقم الحروف بھی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں پورا عملی تعاون کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی ٥

یہ صحیح ہے کہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اندر بڑے بڑے سرمایہ دار کم ہیں مگر پھر بھی مسلمانوں کے اندر بھی ایسے سیکڑوں کاروباری گھرانے ہیں جو چاہیں تو وہ اپنا سرمایہ اس کاروبار میں لگا سکتے ہیں اور ان شاءاللہ یہ گھاٹے کا کاروبار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ ملّی احساسات کے ساتھ اس کا رشتہ جوڑے رہیں۔

بقیہ : قرآن پاک میں قرآن مقطعات

باعث تائید و تقویت ہیں، البتہ حروف کی تعداد کا علم اور ان کے ناموں کا نطق پڑھے لکھے لوگوں کی خصوصیت ہے، لہذا ظاہر ہے کہ یہ مخالفین کے افواہ و اتہام کو مضبوط کرے گی، پھر ایک سوال اور اٹھتا ہے کہ آخر کیوں آدھے ہی حرف کے ناموں پر اکتفا کیا گیا؟ اگر حروف کے اسماء (حروف مقطعات) لانے کا یہی مقصد ہے جو ذکر ہوا تو کس قدر بعید از عقل بات ہے۔

عبد الجبار احمد حسین شرارہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات

کا اردو ترجمہ

محمد اقبال انصاری ندوی، بدر جمال اعظمی

(۶)

دسویں رائے:

حروف مقطعات قرآن کریم کے اعجاز کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

علماء و محققین کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی وہ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں وہ اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ قرآن مجید بھی انھیں حروف پر مشتمل ہے جن حروف پر کلام عرب مشتمل ہوا کرتا ہے، اگر پھر بھی اہل عرب اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں تو یہ قرآن کریم کے اعجاز کا بین ثبوت ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا بلکہ اس خدا کا کلام ہے جو تمام کائنات کا خالق، زبردست قوت والا اور ہر شے پر قادر ہے۔

اس رائے کو امام رازیؒ نے دسویں قول میں پیش کیا ہے[۱] اور لکھا ہے کہ مبرد بھی اسی کا قائل ہے، امام طوسیؒ نے اس رائے کی نسبت محمد بن بحر اصفہانی کی طرف کی ہے[۲] ابن کثیرؒ نے اس رائے کا ذکر کیا ہے[۳] زمخشریؒ نے ابن کثیر کی تائید کی ہے

[۱] مفاتیح الغیب ۔۔۔۔۔۔۔ کے بعد کے صفحات، نیز ۔۔۔ الجامع الاحکام القرآن ۱/۱۵۵
[۲] التبیان ۱/۲۰۱، اسی طرح دیکھئے مجمع البیان ۱/۷۱ [۳] تفسیر القرآن العظیم ۱/۲۶، نیز البرہان الزرکشی ۱/۱۶۵ [۴] الکشاف ۱/۲۰ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز البرہان فی اعجاز القرآن الزملکانی ص ۵۷۔

اور بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے نیز عبدالجبار معتزلی نے بھی اس رائے کا ذکر کیا ہے
اور تفسیر منار[۲] میں ہے کہ "بعض محققین اور علماء لغت مثلاً فراء، قطرب اور مبرد نے
اور بعض علماء حدیث مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ مزی وغیرہ نے حروف مقطعات
کو قرآن کریم کا اعجاز بتایا ہے۔ اس رائے کی طرف مفسر محدثین میں سے سید اسماعیل صدر[۳]
اور سید قطب[۴] گئے ہیں اور محترمہ ڈاکٹر بنت الشاطی[۵] نے بڑی تفصیل سے اس کے بیان
اور توجیہ پر گفتگو کی ہے۔

اس رائے کے حاملین کے دلائل اور ان سے مباحثہ :

علامہ زمخشری[۶] نے ذکر کیا ہے کہ حروف مقطعات منظم طور پر گنتی کی طرح آئے ہیں۔
یعنی ان لوگوں کو بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے کا کام کرتے ہیں۔ جو قرآن کریم اور اس کے حیرت انگیز
نظم کو چیلنج کرتے ہیں، نیز ایسے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ یہ قرآن جس کی تلاوت
ان کے سامنے کی جا رہی ہے، اور جس کی مثال پیش کرنے سے وہ سب کے سب قاصر
ہیں، انھیں حروف سے مرکب ہے، جن سے دوسرے تمام کلام مرکب ہوا کرتے ہیں،
تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے صرف اسی لئے قاصر
ہیں کہ در حقیقت یہ قرآن انسانی کلام ہے ہی نہیں۔

علامہ زمخشری[۷] حروف مقطعات کو اعجاز قرآنی کا مظہر بتانے کے بعد پُر زور انداز
میں کہتے ہیں کہ غور و تدبر کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات حروف تہجی
کے نصف حروف، ۲۹ سورتوں میں آئے ہیں اس بات کو علامہ زمخشری[۸] نے تفصیل

---

۱ متشابہ القرآن / ۱: ۱۱ ۲ المنار / ۱: ۱۲۲ ۳ محاضرات فی تفسیر القرآن / ص / ۱۰۱، منشورات
دار الاضواء ۴ فی ظلال القرآن / ۱: ۳۸، عبد الرحیم فودہ نے بھی اپنی ایک کتاب میں جو معانی
قرآن کے موضوع پر ہے سید قطب کا نام لئے بغیر وہی ساری باتیں لکھی ہیں جو سید قطب نے لکھی ہیں۔
۵ اعجاز بیانی / ص ۱۲۶۔ اور اس کے بعد کے صفحات۔ ۶ الکشاف / ۱: ۲۰، دار المعرفۃ سے
بعد کے صفحات ۷ الکشاف ۸ الکشاف۔

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۵۴/
خصوصی معاون ۱۰۰/
قیمت
فی پرچہ ۵/

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/8

جلد ۱۸ | اگست ۱۹۹۱ء مطابق : صفر المظفر ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۳۶

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات	جناب عبدالجبار احمد حسین شرارہ	۷
۳۔ احکام الاقرار اور ان کی حجیت	مولانا مبشر احمد صاحب لاہور	۱۹
۴۔ زیارت حرمین شریفین کی سعادت	مرتب	۳۲
۵۔ نئی کتابیں	”	۵۴

منیجر توسیع اشاعت مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی	کتابت :- خورشید اکرم خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؐ

رشحات

۱۹۸۹ء کے الیکشن کے بعد سے ہندوستان میں جو غیر مستحکم سیاسی صورتحال پیدا ہوئی اس میں ۱۹۹۱ء کے الیکشن کے بعد بھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی، بظاہر سنٹر میں کانگریس کی اور یوپی میں بی جے پی کی حکومت جنتا دل کی کھچڑی حکومت سے مضبوط دکھائی دیتی ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ استحکام اپنی پانچ سالہ مدت پوری کرے گا یا نہیں ؟

بہرحال اس صورتحال میں ہمیں سنجیدگی سے یہ جائزہ لینا ہے کہ اس صورتحال کے پیدا ہونے میں ہماری کیا کیا اخلاقی اور سیاسی کمزوریاں شامل رہی ہیں۔ اگر واقعی ہم نے اس پہلو پر پورے خلوص اور گہرائی کے ساتھ غور کر کے ان اسباب کا پتہ لگا لیا، جو ہماری حکمت عملی کی کمی اور سیاسی بے شعوری کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں تو بڑی سیاسی بصیرت کی بات ہوگی۔

موجودہ الیکشن میں بھاجپا کی یہ حکمت عملی بہت زیادہ قابل غور اور اپنانے کے لائق ہے کہ اس نے یوپی میں اسمبلی کی ۲۱۱ سیٹوں میں ۵۸ سیٹیں وہ جیتی ہیں جنہیں ہریجنوں کی ریزرو سیٹ کہا جاتا ہے انھوں نے اپنے پسند کے ہریجن کنڈی ڈیٹ کھڑا کر کے سوناروں بنیوں۔ اگروالوں اور بڑی ذات کے ہندوؤں کا ووٹ ان کی جھولی میں ڈال دیا اور انہیں کامیاب بنا دیا یہ کر کے انہوں نے منڈل کمیشن کی آواز ہی کو کمزور نہیں کیا بلکہ ہریجنوں میں مستقل طور پر اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنے کا راستہ دریافت کر لیا، ہریجنوں اور بڑی ذات کے ہندوؤں میں منڈل کمیشن اور کانشی رام کی تحریک سے جو خلیج پیدا ہو رہی تھی اسے ایک حد تک انہوں نے پاٹ دینے کی کوشش کی ایک طرف انہوں نے اپنی مضبوط تنظیم

اور مستحکم سیاسی حیثیت کے باوجود یہ سیاسی حکمت عملی اختیار کی دوسری طرف ہمارے پاس نہ تو اپنی کوئی مضبوط تنظیم ہے اور نہ کوئی متحدہ سیاسی حکمت عملی ہے اور نہ ہمارے خواص میں اس کا کوئی پرشور احساس ہی دکھائی دیتا ہے اس وقت ہم ہیں جو لوگ سیاسی میدان میں رہنمائی کے منصب پر فائز دکھائی دیتے ہیں وہ ملت کے وسیع تر مفاد کو بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے نقصان پہونچانے سے دریغ نہیں کرتے بہت افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ایک ممتاز سابق ممبر پارلیمنٹ جن سے ہم نے بہت سی توقعات قائم کی تھیں جو پچھلے الیکشن میں ہار گئے تھے اس الیکشن میں کچھ ممتاز لوگوں نے جنتا دل کے ذمہ داروں پر زور ڈال کر بہار سے انھیں ٹکٹ اس صورت میں دلوایا کہ وہ ایک دوسرے مقامی ممبر کو ٹکٹ دے چکے تھے، مگر آپ جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلا کارنامہ یہ انجام دیتے ہیں کہ کشمیری مسلمان جو چالیس برس کے ظلم و جور سے اکتا کر تشدد پر آمادہ ہو گئے ہیں ان کے خلاف دونوں ہاتھوں سے اشتہار اُچھالتے ہوئے پارلیمنٹ میں داخل ہوتے ہیں۔

چالیس برس سے جو کشمیریوں کا سیاسی استحصال ہو رہا ہے ان کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، معاشی حیثیت سے ان کو مفلوج بنانے کے جو جتن کئے جا رہے ہیں ان صاحب کو یہ چیزیں یاد نہیں آئیں مگر اپنے کو سیکولر ظاہر کرنے کرنے کے لئے کشمیریوں کی مذمت کی یہ سطحی بلکہ بچکانہ حرکت کر بیٹھے لیکن اس سے وہ مسلمانوں کو تو چھوڑ یئے عام ہندوؤں کی نگاہوں میں ہی نہیں بلکہ فرقہ پرستوں کی نگاہوں میں بھی شاید بے وزن ہو گئے ہوں گے۔

اسی طرح بعض دوسرے حضرات نے بھی اپنے ذاتی سیاسی مفاد کے لئے ملت کے وسیع مفاد کو نظر انداز کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اس وقت جس سیاسی صورتحال سے ہم دوچار ہیں وہ ہماری بے شعوری اور اتحاد اور حکمت عملی کی کمی کا نتیجہ ہے۔ یہ ناموافق حالات بھی اگر ہمارے سوچنے کے انداز میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں لا سکے تو پھر ہم کو اس سے زیادہ خراب حالات کے لئے۔

تیار رہنا چاہئے ۔

موجودہ سفر حج کے موقع پر وہاں جو چند اہل علم سے گفتگو کا موقع ملا اس میں سب سے اہم موضوع گفتگو ذرائع ابلاغ رہا، وہاں یہ بات بھی علم میں آئی کہ اس وقت پوری دنیا میں ذرائع ابلاغ پر صرف ۹ ــــ ۱۰ مسلمان نوجوانوں نے پی۔ایچ۔ڈی کی ہے جب کہ یہودیوں اور مغربی ملکوں نے اس کے لئے کھیپ کے کھیپ افراد تیار کر رکھے ہیں اور پوری دنیا کی نیوز ایجنسیوں پر ان کا قبضہ ہے اس کے برخلاف مسلمانوں کے پاس ذرائع ابلاغ اور نیوز ایجنسی صفر کے برابر ہے ۔حالانکہ مہلک سے مہلک اسلحے اس وقت وہ کام نہیں کر پاتے جو ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہودی اور مغربی حکومتیں لے لیتی ہیں ابھی پچھلی خلیج کی جنگ میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ایسا ماحول امریکہ اور اس کے حواریوں نے بنایا کہ سعودی حکومت ان کی فوجیں بلانے پر مجبور ہوئی اور صدام کی زمینی جنگ کی ماہری پبلکن گارڈ ایک دن بھی بھر پور مقابلہ کئے بغیر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئی ۔اسی طرح ہندوستان میں آپ دیکھیں کہ سارے اہم اخبارات اور ذرائع ابلاغ پر قبضہ غیر مسلموں کا ہے۔ ایسا صرف آزادی کے بعد ہی نہیں ہوا ہے بلکہ آزادی سے پہلے بھی اس پر انہیں کا قبضہ رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے میں نیشنل پریس کا سب سے بڑا حصہ رہا ہے۔ انگریزی کا مشہور اخبار ٹائمس آف انڈیا یہاں ۱۸۳۸ء سے یعنی ڈیڑھ سو برس سے نکل رہا ہے، اور ہم آج تک ایک بھی قابل ذکر اخبار انگریزی یا ہندی میں نہ نکال سکے ہمارے ذرائع ابلاغ نئی دنیا، اخبار نو اور بلٹز جیسے سطحی اور مفاد پرست اخبار بنے ہوئے ہیں اردو کے دوسرے اخبارات کا حال بھی یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی سیاسی پارٹی کے مفادات کی ترجمانی کے لئے نکل رہے ہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ نہ صرف ہم اپنی زیادہ سے زیادہ توجہ اس طرف مبذول کریں بلکہ اپنی پوری توانائی اس میدان کو سر کرنے میں صرف کرنے کا پروگرام بنالیں۔

جن جن ملکوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں ہیں ان کے لئے یہ کام قدرے آسان ہے بشرطیکہ اس کی اہمیت کو وہ لوگ محسوس کرلیں البتہ ہندوستان کے

مسلمان اس پوزیشن میں تو نہیں ہیں مگر بحمد اللہ ہمارے خواص کی ایک بڑی تعداد کو اس کا احساس ہے اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کا یہ واحد پروگرام ہونا چاہئے کہ وہ ذرائع ابلاغ کی جو صورتیں یہاں ممکن ہوں وہ سب اختیار کریں۔

ذرائع ابلاغ کی طاقت کے بارے میں اوپر جو اشارات کئے گئے ہیں اگر وہ ایک حقیقت ہے تو ہم تمام مسلمان جماعتوں کے ذمہ داروں۔ اہل ثروت مسلمانوں اور علماء سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ شخصی، جماعتی اور مسلکی عصبیت کو قربان کرکے اس محاذ پر اپنی ساری طاقت لگادیں، یہ کسی ایک جماعت کسی ایک مسلک یا کچھ شخصیتوں کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا مسئلہ ہے۔

غیر مسلم اخبارات ہر روز سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بناتے رہتے ہیں، اور ہم ہیں کہ سفید کو بھی سفید ثابت نہیں کرپارہے ہیں۔ بابری مسجد کا مسئلہ اور بہت سے دیگر مسائل اس کی زندہ مثال ہیں۔

ذرائع ابلاغ کے سلسلہ میں تفصیل سے گفتگو اس لئے نہیں کی گئی ہے کہ اس سے آپ کی معلومات میں کچھ اضافہ ہوگا بلکہ اپنی بہت سی کمیوں کے ساتھ اس کمی کے سلسلہ میں بھی اپنی بے چارگی اور کچھ نہ کرپانے کی قلب ودماغ میں جو بے چینی ہے اس کا اظہار دوسروں سے اس لئے کیا جارہا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے دل میں یہ بات اتار دے اور وہ ملت کی اس ضرورت کو پورا کردیں۔

اس سے پہلے ایک معیاری، ہندی اور انگریزی اخبار نکالنے کے سلسلہ میں کئی کوششیں ہوچکی ہیں ابھی چند سال پہلے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور محترم سید حامد صاحب کے ذریعہ یہ کوشش بڑے اہتمام سے شروع ہوئی تھی مگر شاید ملت کے افراد کی بے حسی دیکھ کر وہ بھی مایوس ہوگئے اور وہ تحریک سرد پڑگئی۔

ایک طرف ملت کے افراد کی بے حسی کا یہ حال ہے کہ پورے ہندوستان سے وہ دو کروڑ روپے وہ ملت کے اس اہم کام کے لئے فراہم نہ کرسکے اور دوسری طرف الیکشنی محاذ پران کی شاہ خرچی کا یہ حال ہے کہ ہمارے ایک ضلع سے اٹھنے والے ایک غیر مسلم

امیدواروں نے بمبئی میں کاروبار کرنے والے چند مسلمان مالداروں سے دو ماہ پہلے ۱۵ – ۲۰ لاکھ روپے اپنے الیکشن لڑنے کیلئے حاصل کرلئے اور یہی لوگ بڑے فخریہ انداز میں دوسروں سے اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اسی سے آپ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی ملّی بے شعوری کا اندازہ کرلیں۔ ع

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

کیا پورے ہندوستان میں چار سو اہل ثروت مسلمان ایسے نہیں ہیں جو ۵۰ ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک اس اہم ملّی کام کے لئے فراہم کرسکیں؟ یقیناً ایسے افراد ہیں جو شخصی انفرادی کاموں میں اس سے بھی بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں، یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم ان کے اندر اجتماعی ملّی ضرورتوں کا پورا احساس نہ پیدا کرسکے، بہرحال ہم کو مایوس نہ ہونا چاہیئے اور اس کوشش کو آگے بڑھانا چاہیئے۔ راقم الحروف بھی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں پورا عملی تعاون کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللّٰھمّ وفّقنا لما تحبّ وترضیٰ ہ

یہ صحیح ہے کہ غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اندر بڑے بڑے سرمایہ دار کم ہیں مگر پھر بھی مسلمانوں کے اندر بھی ایسے سیکڑوں کاروباری گھرانے ہیں جو چاہیں تو وہ اپنا سرمایہ اس کاروبار میں لگا سکتے ہیں اور ان شاء اللہ یہ گھاٹے کا کاروبار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ ملّی احساسات کے ساتھ اس کارشتہ جوڑے رہیں۔

بقیہ : قرآن پاک میں قرآن مقطعات

باعث تائید وتقویت ہیں، البتہ حروف کی تعداد کا علم اور ان کے ناموں کا نطق پڑھے لکھے لوگوں کی خصوصیت ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ مخاطبین کے افادہ و اہتمام کو مضبوط کرے گی، پھر ایک سوال اور اٹھتا ہے کہ آخر کیوں آدھے ہی حروف کے ناموں پر اکتفا کیا گیا؟ اگر حروف کے اسماء (حروف مقطعات) لانے کا یہی مقصد ہے جو ذکر ہوا تو کس قدر بعید از عقل بات ہے۔

عبدالجبار محمد حسین شرارہ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ

محمد اقبال انصاری ندوی، بدر جمال اعظمی

(۶)

چھٹویں رائے:

حروف مقطعات قرآن کریم کے اعجاز کی طرف اشارہ کرتے ہیں :-

علماء و محققین کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی وہ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں وہ اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ قرآن مجید بھی انھیں حروف پر مشتمل ہے جن حروف پر کلام عرب مشتمل ہوا کرتا ہے، اگر پھر بھی اہل عرب اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں تو یہ قرآن کریم کے اعجاز کا بین ثبوت ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا بلکہ اس خدا کا کلام ہے جو تمام کائنات کا خالق، زبردست قوت والا اور ہر شے پر قادر ہے۔

اس رائے کو امام رازیؒ نے دسویں قول میں پیش کیا ہے[1] اور لکھا ہے کہ مبرد بھی اسی کا قائل ہے، امام طوسیؒ نے اس رائے کی نسبت محمد بن بحر اصفہانی کی طرف کی ہے[2] ابن کثیرؒ نے اس رائے کا ذکر کیا ہے[3] زمخشریؒ نے ابن کثیر کی تائید کی ہے[4]

---

[1] مفاتیح الغیب ۲/۵ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز ملاحظہ ہو الجامع لاحکام القرآن ۱/۱۵۵

[2] التبیان ۱/۲۰۱، اور رجوع کیجئے مجمع البیان ۱/۳۴ [3] تفسیر القرآن العظیم ۱/۳۶، نیز البرہان الزرکشی ۱/۱۶۵ [4] الکشاف ۱/۲۶ اور اس کے بعد کے صفحات، نیز البرہان فی اعجاز القرآن الزملکانی ص ۵۶۔

اور بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔[1] نیز عبدالجبار معتزلی[2] نے بھی اس رائے کا ذکر کیا ہے، اور تفسیر منار[3] میں ہے کہ "بعض محققین اور علماء لغت مثلاً فراء، قطرب اور مبرد نے اور بعض علماء حدیث مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ مزی وغیرہ نے حروف مقطعات کو قرآن کریم کا اعجاز بتایا ہے۔ اس رائے کی طرف مفسر محدثین میں سے سید اسماعیل صدر[4] اور سید قطب[5] گئے ہیں اور محترمہ ڈاکٹر بنت الشاطی[6] نے بڑی تفصیل سے اس کے بیان اور توجیہ پر گفتگو کی ہے۔

اس رائے کے حاملین کے دلائل اور ان سے مباحثہ :

علامہ زمخشری[7] نے ذکر کیا ہے کہ حروف مقطعات منظم طور پر گنتی کی طرح آئے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کو بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے کا کام کرتے ہیں۔ جو قرآن کریم اور اس کے حیرت انگیز نظم کو چیلنج کرتے ہیں، نیز ایسے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ یہ قرآن جس کی تلاوت ان کے سامنے کی جارہی ہے، اور جس کی مثال پیش کرنے سے وہ سب کے سب عاجز ہیں، انھیں حروف سے مرکب ہے، جن سے دوسرے تمام کلام مرکب ہوا کرتے ہیں، تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے صرف اسی لئے قاصر ہیں کہ درحقیقت یہ قرآن انسانی کلام ہے ہی نہیں۔

علامہ زمخشری[8] حروف مقطعات کو اعجاز قرآنی کا مظہر بتانے کے بعد پرزور انداز میں کہتے ہیں کہ غور و تدبر کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات حروف تہجی کے نصف حروف، ۲۹ سورتوں میں آئے ہیں اس بات کو علامہ زمخشری[9] نے تفصیل

---

[1] متشابہ القرآن /۱: ۱۷۱ [2] المنار/۱: ۱۲۳ [3] محاضرات فی تفسیر القرآن /ص/۱۰۱/ منشورات دارالاضواء [4] فی ظلال القرآن /۱: ۳۰، عبدالرحیم فودہ نے بھی اپنی ایک کتاب میں جو معانی قرآن کے موضوع پر ہے سید قطب کا نام لئے بغیر وہی ساری باتیں لکھی ہیں جو سید قطب نے لکھی ہیں۔
[5] اعجاز بیانی /ص ۱۲۶ اور اس کے بعد کے صفحات۔ [6] الکشاف /۱: ۲۰، الاتقان ص ۲۱ اور اس کے بعد کے صفحات۔ [7] الکشاف [8] الکشاف

سے بیان کرتے ہوئے اس بات کی طرف لوٹتے ہیں کہ "جب کلمات اور ان کی ترکیب کا استقرار کیا جائے تو وہ حروف جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان معدود جنس میں ذکر نہیں کیا بلکہ حروف کے مقابلے میں مغلوب ہیں اور یہ معلوم ہے کہ کسی چیز کے غالب حصے کا حکم کل کا ہوا کرتا ہے، یہ بات قرآن مجید کے عجائب واختصار میں داخل ہے گویا اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو وہ حروف گنائے ہیں جن سے ان کے کلام کی ترکیب ہوتی ہے تاکہ ان پر قرآن کا اعجاز اور اس کی حجیت ثابت ولازم ہو جائے۔

علامہ زمخشری کی ان باتوں کو جسے وہ اپنی رائے کی تائید میں لائے ہیں اور جن سے وہ اپنے موقف کی صحت کا استدلال کرتے ہیں، علامہ شوکانی کے درج ذیل بیان سے بڑی آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے، علامہ شوکانی[1] لکھتے ہیں :

"اس نکتہ سنجی سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ یہ ایسی خلاف عقل باتیں ہیں جسے کوئی بھی سننے والا سمجھنے سے قاصر ہے، چہ جائیکہ انھیں قرآن کے اعجاز کا درجہ دیا جائے، اور مستوجب حجت قرار دیا جائے۔ اور نہ ہی کسی صاحب علم نے دورِ جاہلیت کے کسی فرد سے روایت کی ہے کہ اس نے حروف مقطعات کے بعض حصے کو سمجھ لیا ہے کل حصے کو سمجھنا تو دور کی بات ہے۔

حروف مقطعات کا نصف حصہ ان حروف تہجی پر مشتمل ہونا جن سے عربی زبان مرکب ہے اور پھر اس کا نصف کا ان اوصاف سے متصف حروف کے کئی نصف پر مشتمل ہونا بالکل عبث بات ہے جس سے نہ تو عہد جاہلیت کے کسی فرد کو کوئی فائدہ ہوا اور نہ عہد اسلامی کے کسی فرد کو، اور نہ ہی کسی ماننے والے کو اور نہ کسی انکاری کو اور نہ کسی مسلمان کو اور نہ کسی مخالف اسلام کو اور نہ ہی یہ اس قابل ہے کہ اسے مقاصد میں شمار کیا جائے۔"

درج بالا عبارت جسے ہم نے امام شوکانی سے نقل کیا ہے، علامہ زمخشری اور ان کے متبعین کے موقف کے خلاف قوی دلیل اور منطقی حجت ہے۔

---

[1] فتح القدیر ۱/ : ۱۸ — ۱۹

امام شوکانی کے قول کے ساتھ نواب صدیق حسن خاںؒ کے بیان کو بھی شامل کر لیجیے، وہ فرماتے ہیں:

۱۔ "اس سلسلے میں علامہ زمخشری نے لغتِ عرب کی طرف رجوع کرتے ہوئے حروف مقطعات کی جو تفسیر کی ہے وہ سراسر کذب بیانی پر مبنی ہے، کیونکہ اہل عرب حروف مقطعات کے قبیل کی کوئی چیز اپنی زبان میں استعمال نہیں کرتے تھے اور اگر انھوں نے اس طرح کی کوئی بات اہل عرب سے سنی ہے تو غالباً وہ خود اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکے۔"[1]

۲۔ محترمہ ڈاکٹر بنت الشاطی نے ایک دوسری دلیل پیش کی ہے جس میں انھوں نے ملاحظات رازی کے اس نکتے پر تکیہ کیا ہے کہ حروف مقطعات کے بعد قرآن کریم کا ذکر آیا ہے، پھر ان کی رائے ہے کہ ابن کثیر کی پیروی بھی زیادہ مناسب ہے کہ ہر وہ سورہ جو حروف مقطعات سے شروع کی گئی اس میں لازماً قرآن کے غلبے اور اعجاز کا ذکر آیا ہے پھر اس خیال کو اور وسعت[2] دے کر وہ ان تمام سورتوں کو جن میں حروف مقطعات آئے ہیں ایک ہی منہج کی متبع بتاتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ ان سورتوں کی ترتیب نزول کے مطابق ہے، اس طرح کی بات ان سے پہلے کسی نے نہیں کہی، پھر طویل تفصیل اور نصوص کی تحلیل کے بعد آخر میں کہتی ہیں:-

سورتوں میں وارد حروف مقطعات اور ان کے سیاق کی ترتیب کے کامل استقرار کے بعد درج ذیل نتائج تک ہماری رسائی ہوتی ہے۔

اُ۔ حروف مقطعات کی ابتدا، اوائل وحی سے سورۂ قلم سے ہو جاتی ہے یہ حروف مقطعات حرفوں کے اسرار کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ پھر مکی عہد کے وسط میں ان کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اسی زمانے میں سورۂ ق

---

[1] فتح البیان / ۱ [2] اعجاز بیانی / ص ۱۲۶۔ اور اس کے بعد کے صفحات
[3] ایضاً

سے سورۂ قصص تک کی سورتیں نازل ہوئیں، سورۂ ق کی نزولی ترتیب ۳۴ ہے اور سورۂ قصص کی ۴۹ یہی وہ زمانہ ہے جب قرآن میں کفار سے جدل ومباحثہ پورے عروج پر تھا، انھیں حالات میں قرآن کریم نے انھیں چیلنج کیا کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ قرآن جیسی کوئی کتاب پیش کریں، یا اس کی ایک سورہ ہی کے مثل کوئی سورہ لائیں یہاں تک کہ مدنی دور شروع ہوا، جس میں سورۂ بقرہ کا نزول ہوا، اور جدل ومباحثے کا دور ختم ہوا، اور جب وہ قرآن کریم کی ایک سورہ کی بھی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے تو قرآن کریم کے اعجاز کی حجت ان پر قائم ہوگئی۔

(ب) حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں سے کوئی ایسی سورۃ نہیں جس میں قرآن کریم کے لئے حجت اور اس کے آسمانی کتاب ہونے پر دلیل نہ ہو، اور ان لوگوں کے دعووں کی تردید نہ ہو، جنہوں نے قرآن کے سلسلے میں مجادلے کی روش اپنا رکھی تھی، ان سورتوں میں مجادلین کے موقف کو ان گذشتہ قوموں کے موقف کے مثل بتایا گیا جنہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑایا جس کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کی مستحق ہوئیں۔

(ج) اکثر سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں، اس دور میں نازل ہوئیں جب مشرکین کی ہٹ دھرمی اپنی انتہا کو پہونچ چکی تھی، اور وہ کھلے بندوں دعوٰی قرآنی کو جعل سازی، جادوگری، شاعری اور کہانت کہنے لگے تھے، اس وقت قرآن کریم نے چیلنج کے ساتھ ان کا سامنا کیا، ایسے تمام لوگوں سے اور ان جنوں سے جو ان کے پشت پناہ بنے ہوئے تھے مطالبہ کیا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن کو اپنی طرف سے گڑھا ہے تو تم اس جیسی کوئی ایک سورہ یا دس سورتیں یا قرآن جیسی کوئی کتاب اپنی طرف سے پیش کرو لیکن یہ سب کے سب قرآن جیسی ایک سورہ بھی پیش کرنے سے عاجز رہے، حالانکہ قرآن کریم خود انھیں کی اپنی زبان واضح عربی میں نازل ہوا تھا، اور اس کے الفاظ خود ان کی اپنی زبان کے الفاظ ہیں، اور اس کے حروف، انھیں کے حروف تہجی کے حروف ہیں یہ وہ حروف ہیں جو الگ الگ کرکے پڑھے جائیں، یا مفرد یا

مرکب شکل میں پڑھے جائیں تو کسی طرح کی معجزانہ شان اپنے اندر نہیں رکھتے لیکن جونہی قرآن کریم میں انہوں نے اپنی جگہ لی ان کا اعجاز نکھر کر سامنے آگیا، یہ ہے محترمہ بنت الشاطی کے فکر و تدبر اور مطالعے کا نتیجہ و خلاصہ انھوں نے زمخشری کی رائے پر بہت سے عمدہ ملاحظات اور دلچسپ نکتوں کا اضافہ کیا ہے لیکن مجموعی حیثیت سے ان کے اس نتیجۂ فکر سے قرآن کے اعجاز پر کوئی ٹھوس دلیل قائم نہیں کی جاسکتی سلئے کہ:-

(۱) جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ امام شوکانی[1] نے لکھا ہے کہ:-
اسے کوئی بھی سننے والا سمجھ نہ سکے گا اور نہ اس کی عقل اسے قبول کرے گی، چہ جائیکہ اسے معجزہ اور حجت کا درجہ دیا جائے، اس پر مستزاد یہ کہ یہ بیان اپنی طوالت کے باعث اس قابل نہیں کہ کوئی سننے والا تمام حروف مقطعات کو سنے بغیر اس کا احاطہ کر سکے۔

(۲) ڈاکٹر بنت الشاطی[2] نے ان خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے جو حروف مقطعات کی تفسیر کے سلسلے میں پیش کئے گئے ہیں لکھا ہے کہ:-

"اہل عرب کے لئے ناممکن تھا کہ وہ سمجھ سکیں کہ حروف مقطعات سے اسم اعظم کی ترکیب ہوتی ہے، یا کسی فرشتے کا نام بنتا ہے، کیونکہ یہ بات ان کے لئے مخفی راز تھی، اور نہ ہی ان سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ابجد کے حساب کو سمجھ سکیں گے، جس طرح ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سورۂ ق میں وارد حرف ق کے عدد کو گن سکیں گے، اور سورۂ ص میں خصومت کی جگہوں کا احاطہ کر سکیں گے۔"

اس صورت حال میں عہد جاہلیت کے عربوں کے لئے یہ سمجھنا کوئی آسان کام نہ تھا کہ حروف مقطعات ان کے لئے چیلنج اور دعوتِ مناظرہ کا درجہ رکھتے ہیں اور قرآن میں ان حروف کی کثرت کی وجہ ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور ہٹ دھرمی

---

[1] فتح القدیر ۱/ ۱۹۰ [2] اعجاز بیانی / ص ۱۳۶ اور اس کے بعد کے صفحات

ہے اور پھر یہ تصور کتنا مضحکہ خیز ہے کہ قرآن میں حروف مقطعات بار بار اس لئے آئے ہیں کہ دشمنان اسلام کو معلوم ہو جائے کہ قرآن کریم انھیں حروف سے مرکب ہے لہذا تمہارے اندر اگر طاقت ہے تو اس کے مثل پیش کرو۔

کیا یہ بات ان سے اوجھل تھی؟ اور کیا وہ اس حد تک جاہل تھے، کہ انھیں یہ بھی پتہ نہ تھا کہ قرآن کریم انھیں حروف سے مرکب ہے جن حروف سے ان کے کلام مرکب ہوتے ہیں۔ کیا قرآن نے انھیں صراحت کے ساتھ بتا نہیں دیا تھا کہ " بلسان عربي مبين[1] " (قرآن کریم خالص عربی زبان میں نازل کیا گیا) پھر اس معمہ اور رمز کی کیا ضرورت ؟

۳۔ ڈاکٹر بنت الشاطی کا یہ تصور کہ قرآن کریم کی ان سورتوں کا پیہم آنا جن میں حروف مقطعات کے اسرار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور ان سورتوں میں حروف مقطعات کا کثرت سے آنا جو اس وقت نازل ہوئیں جب مشرکین کی سرکشی حد سے تجاوز کر چکی تھی، آیتوں اور سورتوں کی ترتیب پر مبنی ہے، حالانکہ سورتوں کی ترتیب کوئی مجمع علیہ مسئلہ نہیں ہے[2]، لہذا ڈاکٹر بنت الشاطی کے نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ طباطبائی[3] نے اس رائے کا ذکر کرتے ہوئے اس پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ " یہ مفہوم حروف مقطعات کے اصل معنی سے بہت بعید ہے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر میرا اندازہ یہی ہے کہ درج بالا ساری باتیں صرف اجتہاد اور قیاس ہیں، کسی معتبر روایت کی تائید انھیں حاصل نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شلتوت کے بیان پر ہم اپنی اس تردیدی گفتگو کو ختم کر دیں، شیخ[4] فرماتے ہیں :۔

---

[1] سورۃ النحل آیت ۱۰۳ [2] تاریخ القرآن / عبد اللہ الزنجانی، نیز رجوع فرمائیں (علوم القرآن کے سلسلے میں دو مقدمے) از آرتھر جفری ص ۲۹ [3] المیزان / ج ۱۸ [4] تفسیر القرآن / ص ۶۳، ۶۴

اس رائے کی اساس دو قضیوں پر ہے جنہیں قرآن کریم کے سلسلے میں جاہلی عرب کے موقف اور حروف مقطعات کے مزاج کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔

پہلا قضیہ | حروف مقطعات انھیں حروف تہجی سے بنے ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے اور جن سے ان کے کلام اور قرآن کی تالیف ہوئی۔

دوسرا قضیہ | اس کے باوجود وہ اس کی نظیر لانے سے عاجز رہے۔ عرب اچھی طرح جانتے تھے کہ جو قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے پڑھتے ہیں وہ ان کے معروف حروف تہجی سے بنا ہے، اس کی نظیر پیش کرنے سے ان کا قاصر و عاجز رہنا تو وہ اسے بھی جانتے تھے اور تاریخ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ دونوں قضیوں کا معاملہ رمز کے بروئے کار لانے کا محتاج ہو اور وہ بھی ایسا رمز جو نہ توضیح طور پر منقول ہو اور نہ عقل ہی اسے قبول کرے۔ عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی حروف مقطعات کو قرآن کریم کے اعجاز پر دلالت کرنے والا بتایا ہے لیکن ان کے نزدیک اعجاز کی وجہ دوسری ہے، لہٰذا جوہریؒ نے لکھا ہے کہ "حروف مقطعات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر حیرت انگیز معجزہ اور دلیل ہیں۔[1]

پھر علامہ زمخشریؒ کی رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ: "حروف مقطعات حروف تہجی کی جنس کے نصف ناموں کی تکمیل کرتے ہیں"[2] اور اس رائے کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں[3]۔

"اس رائے پر حیرت و تعجب ہے آخر کس طرح حروف ہجائیہ نصف کیے گئے، اور پھر ان کی قسموں مہموس و شدید کو بھی نصف کیا گیا۔ دنیا میں کہیں بھی عہد نبوی میں کسی نے ان قسموں کو نہیں پڑھا تھا۔ اور جب ان قسموں کا ظہور ہوا تو حروف مقطعات ان کے نصف سے مطابق ہو گئے، یہ بات تو عقل

---

[1] الجواہر / ۶۱۲ [2] الکشاف / ص، ۷ اور اس کے بعد کے صفحات

[3] الجواہر / ۱۲، اور اس کے بعد کے صفحات

کے لئے ایک انوکھی مثال فراہم کرتی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ یہ چیز سیکھنے سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے۔"

جوہری کی درج بالا رائے اس سے کچھ مختلف نہیں ہے جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا اور اس پر بحث بھی کی، لیکن جوہری اس سے بہت آگے بڑھکر ایک دوسرے نہج سے کہتے ہیں کہ حروف مقطعات اپنی وضع کی وجہ سے قرآن کریم کے اعجاز پر دلیل ہیں، وہ کہتے ہیں[1]:۔

"اللہ تعالیٰ نے عالم کو منظم، محکم اور مناسب بنایا ہے، اور آسمانی کتاب جب دنیا کے نظام کے مطابق، اس کی جدت کے موافق اور اس کے نہج سے ہم آہنگ ہے تو یہی چیز اس کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے۔ اور جب کوئی نام نہاد آسمانی کتاب، دنیا کے نہج سے مختلف، اس کے کام سے متأخر اور اس کے قوانین سے منحرف ہو تو یقیناً یہ کتاب من گھڑت، متأثر، منقول اور جھوٹی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ (اگر قرآن کریم خدا کی کتاب نہ ہوتا تو
لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا " اس میں زبردست تضاد پایا جاتا۔)

پھر اس رائے کی وضاحت کرتے ہوئے بعض تفصیلات کا ذکر کرتے ہیں[2]:

عالم مشاہد کا عدد ۲۸ ہے، ہر ہاتھ کے مفاصل کا عدد ۱۴ ہے، انسان کی ریڑھ کے مہرے صلب کے نیچے ۱۴ ہیں، اور صلب کے اوپر بھی ۱۴ ہیں، گائے، اونٹ گدھے اور درندے اور تمام ایسے حیوانات جو اپنے بچے جنتے اور انھیں دودھ پلاتے ہیں۔ یعنی تام الخلقت حیوانات کی ریڑھ کے مہرے صلب کے پیچھے ۱۴، اور بدن کے اگلے حصے میں ۱۴ ہیں، پرندوں کے شہپروں میں جن پر پرواز کا دارومدار ہے ۱۴ بیرونی پر ہوتے ہیں۔ عربی زبان کے حروف تہجی کی تعداد ۲۸ ہے، ۱۴ شمسی حروف (جن میں لام تعریف کا ادغام ہوتا ہے) اور ۱۴ قمری حروف (جن میں ادغام نہیں ہوتا) اور قلم سے لکھے جانے والے حروف میں ۱۴ نقطوں والے

[1] الجواہر [2] ایضاً [3] الجواہر

اور ۱۴ بے نقطہ ہیں۔ موجودات جس کا عدد ۲۸ ہے اس کی دو قسمیں ہیں اور ہر قسم ۱۴ پر مشتمل ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں عربی حروف دو قسم کے آئے ہیں جن میں سے ۱۴ سورتوں کے آغاز میں منطوق ہیں، اور دوسری قسم ایسے حروف کی ہے جو سورتوں کے آغاز میں منطوق نہیں ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے میرے بندو! بیشک منازلِ قمر ۲۸ ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں، اور دونوں ہتھیلیوں کے جوڑ ۲۸ ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اے میرے بندو! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ قرآن میری طرف سے نازل ہوا، کیونکہ میں نے اس کے حروف کو بالکل اسی طرح مرتب کیا جس طرح چاند کی منزلیں، انسانی اور حیوانی جسم اور حروف بھی مرتب کئے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان جیسے کسی دوسرے بشر کی یہ مجال اور طاقت نہیں کہ اس ترتیب اور نظام کو بروئے کار لا سکے، اور ان اعداد کو اس نظام کے موافق بنا سکے جسے میں نے وضع کیا، اور ان قوانین کے مطابق کر سکے جو میری ایجاد ہیں، اور اس کو اختیار کر سکے جو میرا خاصہ رہا ہے۔

درحقیقت قرآن میں نے نازل کیا اور حروف مقطعات کو میں نے سورتوں کے آغاز میں رکھ دیا، تاکہ اسکے ذریعے تم اس حقیقت تک پہونچ سکو، اور جان لو کہ میں نے زمین و آسمان اور تمام موجودات کو یونہی نہیں پیدا کیا، بلکہ کائنات اور وحی میں نظام کا تناسب رکھا، یہ کتاب عظیم تا قیامت باقی رہے گی اور اس کے ساتھ اس کی زبان بھی دنیا کی آخری نسل تک زندہ رہے گی۔

یہ طویل کلام جسے ہم نے نقل کیا۔ اگر اپنے مضمون کے اعتبار سے صحیح بھی ہو تو قرآن کریم میں مذکورہ حروف مقطعات اس پر قطعاً دلالت نہیں کرتے، جیسا کہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مضمون حروف مقطعات میں پنہاں ہے، یا یہ کہ حروف مقطعات اس معنی کے لئے وضع کئے گئے ہیں، کیونکہ کسی بھی طرح کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل اس کی تائید نہیں کرتی، رہی نقلی دلیل تو ظاہر ہے اس طرح کی کوئی چیز کہیں وارد نہیں ہوئی، اور رہی عقلی دلیل تو یہ بھی واضح ہے کہ اس طرح کے علوم و معارف بہت بعد کی ایجاد ہیں جیسا کہ

سب کو معلوم ہے کہ حروف کی قسمیں بہت بعد میں متعین کی گئیں اور ان کے ظواہر جن کی طرف جوہری نے اشارہ کیا ہے بہت بعد کی دریافت ہیں کس قدر غیر منطقی بات ہوگی کہ قرآن کریم اہل عرب سے ایسے حروف مقطعات اور ایسے صیغوں کے ذریعے خطاب کرے جن کے معنی کئی صدی کے بعد سمجھے جا سکیں، یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے جاہلی دور کے عرب سے غیر عربی زبان میں خطاب کیا جائے، اگر بالفرض جوہری کی رائے مان لی جائے تو قرآن کریم ضرور اہل عرب سے ان پر اپنی حجت قائم کرتے وقت اس کی صراحت یا اس کی طرف اشارہ کرتا کہ یہ مفہوم رب العالمین کی طرف سے ہے ظاہر ہے ایسی کوئی بات قرآن کریم میں موجود نہیں ہے، اور وہ یہ بھی دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ ان علوم و معارف کی مثال ہے جن کی طرف قرآن کریم نے اشارہ تو کیا ہے لیکن اس کا انکشاف کئی صدیوں بعد ہوا، کیونکہ یہ مضمون آیت سے سمجھنا ممکن تھا حالانکہ حروف مقطعات ایسے نہیں ہیں۔

" حروف مقطعات قرآن کریم کے اعجاز پر دلالت کرتے ہیں" اس مسئلے کی ایک کڑی علامہ زمخشری کا وہ قول بھی ہے جسے انھوں نے وجہ سوم میں ذکر کیا ہے کہ:

" نفس حروف کی ادائیگی میں تمام عرب خواہ وہ اُمّی ہوں یا اہل کتاب سب برابر تھے، لیکن حروف کے ناموں کو وہی ادا کر سکتا تھا جو ان میں سے لکھنا پڑھنا جانتا رہا ہو اور اہل کتاب سے اس کے تعلقات رہے ہوں اور ان سے لکھنا پڑھنا سیکھا ہو۔ ایک اُمّی کی ذات سے حروف کے اسماء کی ادائیگی اسی طرح حیرت انگیز بلکہ مستبعد ہے جس طرح اس سے لکھنا پڑھنا مستبعد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝	اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے، کہ ایسی حالت میں یہ حق ناشناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔
(عنکبوت/۴۸)	

ؒ محاضرات فی تفسیر القرآن از سید اسماعیل صدر ملاحظہ فرمائیں۔

لہذا ایک اُمّی شخص سے جس نے اہل علم سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، حروف مقطعات سے نطق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جو قرآن میں مذکورہ واقعات کا ہے جن کا قریش اور قریش کے ہم مذہب لوگوں کو کچھ بھی علم نہ تھا، یعنی یہ وحی کے ذریعے آپ کو معلوم ہوئے، اور آپ کی نبوت کی صداقت پر گواہ ہیں، اس رائے کا امام رازی نے سترہویں قول میں ذکر کیا ہے اور زرکشی نے بھی اسے ذکر کیا ہے، اور زملکانی نے اس مفہوم کو ایک دوسرے ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔

اس رائے کی کوئی بھی معتبر روایت تصدیق نہیں کرتی اور نہ کوئی قابل قبول منطقی حجت ہی اس کے حق میں ہے، اس لئے کہ نہایت واضح اور صاف طریقے سے قرآن کریم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل و براہین پیش کردیئے ہیں تاکہ پوری حجت قائم ہو جائے، پھر قرآن کریم ہی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کی تصریح کردی اور بار بار اس حقیقت کو واضح کردیا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ٥ (عنکبوت / ۴۸)	اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔

اور آپ کے مخالفین کی اس تہمت کی تردید کردی کہ آپ پڑھے لکھے تھے، پھر الٹی بات کا ہم کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف کے اسماء کا نطق اس لئے فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہے؟ کیا یہ خیال آپ کے مخالفین کی اس تہمت کو اور مضبوط نہ کرے گا کہ آپ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، نیز اس موقع پر حروف مقطعات کو قرآن کریم میں مذکور حکایات ماضیہ پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہ قیاس مع الفارق ہوگا،

کیونکہ ... [illegible] ... کے لئے

---

۱ مفاتیح الغیب / ۲:۱، ۲ البرہان فی علوم القرآن / ۱: ۱۷۶، ۳ البرہان الکاشف عن اعجاز القرآن / ۵۷ — ۵۸

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

احکام اقرار اور انکی حجیت

مولانا مبشر احمد۔ جامعہ مدنیہ لاہور

(۳)

اقسام اقرار اقرار کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) اقرار بسیط (۲) اقرار موصوف (۳) اقرار مرکب

قسم اوّل اقرار بسیط اس کا دوسرا نام اقرار کامل بھی ہے وہ یہ ہے کہ بعینہٖ انہیں الفاظ کے ساتھ حق کا اقرار کرے جن کے ساتھ مدعی نے دعویٰ کیا ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے۔

مثلاً ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ زید نے مجھ سے دو ہزار روپے قرض لئے تھے ایک سال کی مدت کے لئے زید جواب میں کہتا ہے واقعی میں نے اس سے دو ہزار روپے ایک سال کی مدت کے لیے قرض لئے تھے۔

اس قسم کا حکم تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس قسم میں تجزّی وتعدیل جائز نہیں یعنی مُقر کے اقرار کے مطابق فیصلہ صادر کرنا ضروری ہے

قسم ثانی اقرار موصوف وہ یہ ہے کہ مدعی جن شرائط اور اوصاف کے ساتھ اپنے حق کا دعویٰ کرتا ہے مقر ان شرائط واوصاف میں کچھ تبدیلی کرکے اقرار کرتا ہے۔

مثلاً زید دعویٰ کرتا ہے کہ بکر کو میں نے دو ہزار روپے قرض دیئے تھے دو سال کی مدت کے لئے اب وہ مدت مکمل ہو چکی ہے: بکر کہتا ہے کہ دو ہزار روپے میں نے قرض لئے تھے تین سال کی مدت کے لئے ابھی مدت مکمل نہیں

ہوئی، یا زید دعویٰ کرتا ہے میں نے بکر کو قرض دیا تھا بغیر کسی شرط کے بکر کہتا ہے نہیں شرائط بھی مقرر ہوئی تھیں۔

اس قسم کا حکم اقرار موصوف میں فقہاء کے دو قول ہیں اوّل یہ ہے کہ اقرار موصوف میں تجزّی و تعدیل جائز نہیں ہے یعنی جن اوصاف کے ساتھ مقر اقرار کرے گا وہ قبول کرنا ہوگا یا رد کرنا ہوگا کیونکہ دعویٰ میں مدت کا ذکر تھا اور مدعیٰ علیہ بھی مدت کا اقراری ہے صرف کمی زیادتی کا فرق ہے یعنی مدعی کم مدت کا دعویٰ کرتا ہے اور مدعیٰ علیہ زیادہ مدت کا اقرار کرتا ہے: مگر مدت تو دونوں میں موجود ہے۔

اس جھگڑے کو ختم کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مدت و اجل پر گواہ قائم کر دیئے جائیں اگر گواہ نہیں ہیں تو مقر کے اقرار کے مطابق قبول کرو: ھکذا نقل ابن القیم عن ایاس وقال ھذا ایضًا من احسن القضاء[1]

یہ مذہب شوافع۔ بعض مالکیہ و بعض حنابلہ و ظاہریہ کا ہے۔

قول ثانی اقرار موصوف میں تجزّی جائز ہے یعنی قاضی کو اختیار ہے کہ اقرار کے ایک جزء کو قبول کرے اور دوسرے کو نہ کرے یعنی جب اس نے دین کا اقرار کر لیا تو اجل اور مدت میں کیوں تبدیلی کرتا ہے اس کو بھی مدعی کے دعویٰ کے مطابق تسلیم کرے اگر وہ مدعی کے دعویٰ کے مطابق تسلیم نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ وہ اقرار سے راہ فرار اختیار کر رہا ہے لہٰذا قاضی اسے اس قسم کی حیلہ سازیوں کی اجازت نہ دے۔

یہ مذہب حنفیہ اور شافعیہ: و بعض مالکیہ و امامیہ و زیدیہ کا ہے۔[2]

قسم ثالث، اقرار مرکب وہ یہ ہے کہ ایک شخص اقرار کرے ایک واقعہ کے ساتھ۔ پھر اس کے ساتھ دوسرا واقعہ بھی ملا دے۔ مثلاً اقرار کیا دین کا۔ پھر کہا میں نے وہ ادا کر دیا تھا: دیکھو ایک مرتبہ اقرار

---

۱ طرق الاثبات الشرعیہ ص ۳۳۱

۲ تکملہ فتح القدیر ج ۶ ص ۲۹۷۔ المہذب ج ۲ ص ۳۵۱۔ رد المحتار ج ۵ ص ۵۹۵

پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا میں نے ادا کر دیا۔

اقرار مرکب کا حکم

اس قسم میں بھی دو قول ہے۔ اصحاب الظواہر و بعض الشافعیہ و بعض الحنابلہ کا قول کریں تو کل کریں رد کریں تو کل کریں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اقرار جملہ واحدہ ہوتا ہے اقرار میں تبعیض کو قبول نہیں کیا جا سکتا: کیونکہ وہ کلام واحد ہوتا ہے لَایَجُوْزُ الْاَخْذُ بِبَعْضِہٖ دُوْنَ بَعْضٍ کہ ہم کچھ حصے پر عمل کریں اور کچھ پر نہ کریں یہ جائز نہیں۔

دوسرا قول

احناف۔ شوافع کا قول راجح۔ بعض حنابلہ و مالکیہ کا ہے کہ اقرار مرکب میں تبعیض علی المقر جائز ہے یعنی قاضی یا مقرلہ کو اختیار ہے کہ اس کے اقرار کے ایک حصہ کو قبول کریں اور دوسرے کو نہ کریں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ مُقِر نے دو باتیں علیحدہ علیحدہ کیں ہیں پہلی اقرار ہے دوسری دعویٰ ہے لہذا مقر بہ تو اس پر لازم ہو جائے گا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے شواہد و براہین و بینہ پیش کرنے ہوں گے۔[۱]

راجح بات

علماء متاخرین نے کہا ہے اقرار خواہ مرکب ہو یا موصوف ہو کسی میں بھی تجزی تبعیض نہیں کرنی چاہیئے۔ یعنی مُقر کی آدھی بات کو تو قبول کر لیں اور آدھی کو رد کر دیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اقرار کو جب حجت کاملہ مان لیا گیا ہے تو اب یہ کیسے مناسب ہوگا کہ ہم مقر کو اقرار کی سزا دیں اس طرح کہ جو چیز اس کے نقصان میں ہے وہ ہم لاگو نافذ کر دیں اور جو چیز اس کے نفع کی وہ ہم چھوڑ دیں: ہمیں اس کے اقرار پر اعتماد کرنا ہوگا۔ ورنہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ لوگ کذب و انکار حق پر مجبور ہو جائیں گے۔[۲]

---

[۱] تکملہ فتح القدیر ج ۷ ص ۲۹۶۔ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۵۹۴

[۲] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۶۳۔ قانون اثبات المصری ص ۱۰۱، قانون بینات السوری ص ۱۹۵

قانونی اقرار کی قسمیں

قانونی اقرار کی دو قسمیں ہیں؛ (۱) قضائی رسمی (۲) غیر قضائی۔

اقرار قضائی رسمی میں دو شرطیں ہیں۔

۱۔ جب قضیہ چل رہا ہے تو اس مدت کے دوران اقرار کیا جائے۔

۲۔ اقرار عدالت کے سامنے ہو۔

اقرار غیر قضائی جس میں یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں۔

اقرار غیر قضائی حجت کاملہ ہوتی ہے نزاع ختم ہو جاتا ہے مدعی کو اثبات کی ضرورت نہیں رہتی؛ قاضی پر مواخذہ مقر لازمی ہو جاتا ہے اقرار غیر قضائی جو عدالت کے روبرو نہ ہو تو وہ حجت قویہ نہیں ہوتا تو اس میں مدعی کو اثبات کے لئے شہادت پیش کرنی پڑتی ہے[1]

وہ حقوق جو اقرار کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں

تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اقرار کے ساتھ جمیع حقوق ثابت ہوتے ہیں۔ خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد بدنی ہوں یا مالی۔ علمی ہوں یا دینی؛ سرکاری ہوں یا نجی؛ فوجی ہوں یا دیوانی اقرار مقید ہو یا مطلق۔ مجہول ہو یا معین۔ خاص ہو یا عام؛ تبرع ہو یا معاوضۃً غرضیکہ جمیع حالات قضیہ مثلاً نکاح طلاق۔ نفقہ۔ نسب۔ رضاعت۔ عدت۔ رجعت۔ اقرار سے ثابت ہو جاتے ہیں۔

قاعدہ کلیہ

فکل ما یجوز الانتفاع بہ و یختص بفرد او بجماعۃ یجوز الاقرار بہ و اثباتہ اما م

ہر وہ چیز جس سے منتفع ہونا جائز ہے خواہ وہ فرد کے ساتھ خاص ہو یا جماعت کے ساتھ اس کا اقرار کرنا بھی جائز ہے اور

---

[1] بخاری ص ۱۱۵، مسلم ج ۱ ص ۱۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳، ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۰۰

القضاء بالاقرار وايضا كل حق يلتزم به الشخص لا عن انا بالتصرف الارادی كالمعاملات والنكاح واما بحكم شرعی كالالتزام بالنفقة الشرعية والنسب وضمان المتلفات وتعويض الاضرار	فیصلہ کے وقت اس کو اقرار کے ساتھ ثابت کرنا۔ نیز ہر وہ حق جس کے سبب ایک شخص دوسرے کیلئے لازم بنتا ہے خواہ وہ تصرف ارادی ہو جیسے معاملات اور نکاح وغیرہ یا حکم شرعی ہو جیسے نفقہ شرعیہ نسب۔ جنایات کی ضمان اور نقصانوں کا معاوضہ ان سب کو اقرار سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

فقہاء نے اپنے قواعد و ضوابط کے تحت بے شمار جزئیات و مفردات نقل کی ہیں۔ جن کا ضبط کرنا اس مختصر مقالے میں قارئین کو مشقت میں ڈالنا ہے: ہم آپ کے سامنے صرف تین مثالیں زیب قرطاس کرتے ہیں۔ (۱) اقرار بالنسب (۲) اقرار فی مرض الموت (۳) اقرار بالکتابت۔

اقرار بالنسب

شریعت غرّا دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم پر بے پایاں عنایت ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر شعبہ کے لئے ہدایات و قواعد و احکام وضع کئے ہیں پھر ان میں سے بعض موضوعات کو جن میں انسانیت کے لئے فوائد کثیرہ مضمر تھے خصوصیت کے ساتھ بالتفصیل ذکر کئے ہیں خواہ وہ افرادی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے تھے یا اجتماعی زندگی کے ساتھ مثلاً اسی حفظ انساب ہی کو لے لیجئے کہ اس میں ہر اس طریقہ کو حجت قرار دیا جس سے نسب کا ثبوت ہوتا تھا اور اس طریقہ کو رد کر دیا جس سے نسب میں ذرہ بھر بھی شک و تردد کی راہ نکلتی تھی شریعت اسلامیہ نے نسب کو بہت بلند مقام دیا ہے کیونکہ اس سے خاندانوں کی تنظیم و افراد کی حفاظت ہوتی ہے آپس میں روابط کی توثیق ہوتی ہے۔ اجتماعی تکافل و تعاون کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔

اسی بنا پر نسب سے انکار کو کبیرہ گناہ کہا ہے اور اس کے مرتکب پر سخت وعید فرمائی ہے۔

۱۔ عن سعدؓ وابی بکرۃؓ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادعی ابا فی الاسلام یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔ ؎

حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عمداً غیر شخص کو اپنا باپ بناتا ہے (نسب بدلتا ہے) اس پر جنت حرام ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاترغبوا عن اٰبائکم فمن رغب عن ابیہ فھو کفر۔

اپنے آباء (انساب) سے اعراض نہ کرو جو شخص اپنے باپ سے اعراض کرتا ہے وہ کفر کا کام کرتا ہے۔ دیکھا نسب و خاندان کی تبدیلی پر کتنی سخت تہدید وعید ہے جس کو ہم معمولی کام سمجھ کر میراثی سے قریشی اور سیّد کہلانے لگتے ہیں۔

اقرار نسبی کی قسمیں

اقرار بالنسب کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) اقرار بالنسب المباشر (۲) اقرار بالنسب غیر المباشر:

اوّل سے مراد ہے ابوۃ و امومۃ اور ولد کا اقرار کرنا؛ اور ثانی سے مراد ہے والدین اور ولد کے علاوہ دوسرے اقرباء مثلاً بھائی بھتیجے۔ چچے۔ چچازاد بھائی: اجداد و اولادِ اجداد کا اقرار کرنا۔

اقرار بالنسب المباشر میں مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف ولد کا اقرار کر سکتا ہے یعنی یہ کہہ سکتا ہے فلانا میرا بیٹا ہے اور اس کا نام استلحاق ہوتا ہے لیکن جمہورِ فقہا کے نزدیک والدین اور ولد اور زوجہ کا اقرار بھی کیا جا سکتا ہے اور عورت صرف والدین اور وَلَد کا اقرار کر سکتی ہے شوہر کا اقرار نہیں کر سکتی، اور اس اقرار کا نام نسب اصلی یا اقرار بالوارث رکھا جاتا ہے اور نسب غیر مباشر کے اقرار کو نسب فرعی کا نام دیا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک عورت اپنے خاوند کا اقرار بھی

؎ بخاری شرح سندھی ص ۱۱۵

کرسکتی ہے۔[1]

اقرار بالنسب المباشر کی شرطیں

اس کی بہت سی شرطیں ہیں: بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ:

شروط متفق علیہ

(۱) شرط: جہالۃ النسب: وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا باپ ہے یا میری ماں ہے تو ان کا نسب مجہول ہونا چاہئے کسی کو ان کا نسب صحیح معلوم نہ ہوا کہ یہ کون ہیں کہاں پیدا ہوئے؛ کیونکہ اگر ان کی جگہ کا علم ہو جائے تو پھر وہ معلوم النسب شمار ہوں گے۔

۲۔ شرط

یہ ہے کہ جس رشتہ کا اقرار کیا جا رہا ہے وہ عقلاً و عرفاً ممکن بھی ہو: مثلاً ایک شخص کسی مجہول النسب کے باپ ہونے کا یا بیٹے ہونے کا اقرار کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ یہ شخص میرا باپ ہے یا میرا بیٹا ہے: اگر کوئی چھوٹی عمر والا کہتا ہے کہ بڑی عمر والا میرا بیٹا ہے تو کیسے مانا جا سکتا ہے کہ باپ کی عمر چھوٹی ہے اور بیٹے کی بڑی۔

حد بلوغت

احناف کے نزدیک اقل مدت سن بلوغ کی مرد کے لئے بارہ سال ہے اور حمل کی اقل مدت نصف سال ہے لہذا کوئی مرد ساڑھے بارہ برس کی عمر میں کسی کے باپ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

اور عورت کے لئے اقل مدت بلوغت کی ۹ سال ہے و نصف سال حمل کی مدت ہے تو کوئی عورت ساڑھے نو سال میں ماں ہونے کا دعوی کر سکتی ہے؛ عند الشوافع والحنابلہ اقل مدت سن بلوغ کی مرد کے لئے دس سال اور عورت کے لئے ۹ سال: اقل مدت حمل کی نصف سال تو اس طرح مرد ساڑھے دس سال کی عمر میں اور عورت ساڑھے نو سال کی عمر میں ابوۃ و امومۃ کا دعوی کر سکتے

---

[1] مبسوط ج ۱۷، ص ۱۱۸۔ بدائع الصنائع ج ۷، ص ۲۲۸۔ بلغۃ السالک ج ۲ ص ۱۸۰۔

ہیں۔ لیکن زیادہ راجح قول یہ ہے کہ طبائع و اماکن کے اختلاف کے سبب سن بلوغ میں فرق پیدا ہو سکتا ہے تو ڈاکٹروں اطباء و ماہرین طبعیات کا مشورہ اس میں ضروری ہونا چاہیئے

۲۔ شرط یہ ہے کہ مُقَرّ لہٗ بھی اس اقرار کی تصدیق کرے یعنی مُقِر نے جب کسی کے بارے میں کہا یہ میرا بیٹا ہے یا میرا باپ ہے تو مقر لہ بھی تصدیق کرے کہ واقعی اس نے سچ کہا ہے کیونکہ باپ یا بیٹا ہونے سے اس پر حقوق مالیہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔

نیز حصول تصدیق کے لئے وقت معین کی شرط بھی نہیں ہے اگر مقر کی وفات کے بعد بھی تصدیق کرے گا تو قبول کیا جاوے گا۔ [۱]

ہاں اگر مقر لہ صغیر السن ہے اور ہے بھی غیر ممیّز تو بھی اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے نہ فی الحال اور نہ بعد البلوغ کیونکہ انساب میں احتیاط کی ضرورت ہے اور بچہ ثبوت نسب کا محتاج ہے شوافع نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر بعد البلوغ بھی وہ تکذیب کر دے گا تو اس کا نسب باطل نہ ہوگا۔

احناف نے صغیر السن الممیّز کی عمر سات سال بتائی ہے یعنی سات سال کا بچہ سمجھدار ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق و تکذیب قبول ہوگی اس سے قبل اس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ مکلف عاقل بالغ کی تصدیق کا اعتبار ہے غلام ممیّز قبل البلوغ کی تصدیق کافی نہیں ہے۔[۲]

قواعد شرعیہ کے اعتبار سے جمہور کے قول کو راجح کیا گیا ہے کیونکہ بچہ قبل البلوغ مکلف نہیں ہوتا لہٰذا اس کے کسی تصرف کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رُفِعَ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں

---

[۱] المبسوط ج ۱۰ ص ۹۸ [۲] شرح المحلی المنہاج ج ۳ ص ۱۴

اَلْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یَعْقِلَ ۔

تین سے قلم اٹھا لی گئی ہے سونے سے جب تک بیدار ہو۔ (۱) بچے سے جب تک بالغ نہ ہو (۲) مجنون سے جب تک عاقل نہ ہو۔[1]

۴۔ شرط تصدیق الزوج : عورت اگر بچے کا اقرار کرتی ہے خواہ متزوجہ ہو یا معتدہ ہو۔ یعنی وہ کہتی ہے کہ یہ میرا بچہ میرے خاوند سے ہی ہے۔ تو اب اس میں شرط ہوگا کہ اس کا خاوند تصدیق کرے کہ واقعی میرے نطفے سے ہے۔

وَالْاِقْرَارُ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ فَلَا تَصِحُّ اِقْرَارُ الزَّوْجَةِ اِلَّا بِتَصْدِیْقِ الزَّوْجِ فَاِذَا کَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَلَا یَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهَا اِلَّا بِاِثْبَاتِ الْوِلَادَةِ بِالشَّهَادَةِ الشَّرْعِیَّةِ وَاَقَلُّهَا اَرْبَعُ نِسْوَةٍ عِنْدَ الشَّافِعِیَّةِ وَالْاِمَامِیَّةِ وَالظَّاهِرِیَّةِ وَامْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ وَالزَّیْدِیَّةِ وَاثْنَتَانِ عِنْدَ الْمَالِکِیَّةِ ۔

اقرار حجت قاصرہ ہے لہٰذا زوجہ کا اقرار بغیر تصدیق شوہر صحیح نہ ہوگا : پس جب خاوند تکذیب کرے گا تو نسب ثابت نہ ہوگا جب تک شہادت شرعیہ کے ذریعہ ثبوت ولادت پیش نہ کیا جاوے گا : امامیہ اور ظاہریہ اور شوافع کے نزدیک[a] ایک عورت کی گواہی ہے اور مالکیہ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ہے[2] ہاں اگر مرد بچہ کا اقرار کرے تو اس میں تصدیق زوجہ شرط نہیں ہے۔

[a] کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت ضروری ہے

۵۔ شرط مرد اگر کسی کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا والد ہے یا بیٹا ہے تو اس میں شرط ہوگا کہ سبب صحیح بیان کرے یعنی ثبوت نکاح پیش کرے[3]

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸ تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۶۸۵

[2] مبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۰۔ حاشیہ ابن عابدین ج ۵ ص ۶۱۱، بحر الرائق ج ، ص ۲۵۵ وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۵ ۔ [3] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۶

شروط مختلف فیہ | یعنی وہ شرائط جن میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

شرط اول حیاۃ المقرلہ | یعنی اقرار کے وقت مقرلہ کا زندہ ہونا۔

قول اول | احناف اور مالکیہ کے نزدیک اقرار کے وقت مقرلہ کا زندہ ہونا شرط ہے[1]۔

انہوں نے دلیل (۱) یہ پیش کی ہے کہ انسان ثبوت نسب کا محتاج ہے زندگی میں نہ کہ مرنے کے بعد، کیونکہ حکم اقرار محل کو چاہتا ہے اور میت محل نہیں ہے۔

۲۔ نیز وراثت نسب کی فرع ہے جب اصل ہی ثابت نہیں تو فرع کیسے ثابت ہوگی۔

۳۔ اقرار بعد الموت استحقاق ترکہ کے لئے ہے لہذا یہ صورۃً تو اقرار ہوگا حقیقۃً دعویٰ ہوگا اور فیصلہ محض دعویٰ پر دے دیا جائے گا تو اس طرح وہ لوگوں کے خون اور مال کے دعویٰ کرنے لگیں گے۔ اس لئے مدعی کے لئے بینہ اور مدعیٰ علیہ کے لئے یمین ضروری ہے۔

۴۔ اقرار بالنسب میں مقرلہ کی تصدیق ضروری ہوتی ہے اور میت تو تصدیق نہیں کرسکتا[2]۔

قول ثانی | شوافع اور حنابلہ اور امامیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک مُقرلہٗ کا وقت اقرار زندہ ہونا شرط نہیں ہے: ان کے نزدیک اقرار بالنسب صحیح ہے خواہ مقرلہ زندہ ہو یا مردہ، قبل الموت چھوٹا ہو یا بڑا۔

قول ثالث | بعض شوافع اور امامیہ کا ہے کہ اگر مُقرلہٗ بڑا ہے تو وقت اقرار زندہ ہونا شرط نہیں ہے۔

ان تینوں قولوں میں دوسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

لِاَنَّ النَّسَبَ شَرَفٌ لِلْاِنْسَانِ فِیْ حَیَاتِہٖ وَبَعْدَ مَمَاتِہٖ۔ — انسان خواہ زندہ ہو یا مردہ نسب اس کے لئے ایک شرف ہے کیونکہ انسان کی تکریم یا توہین نسب پر محمول ہوتی ہے جس کی خود

---

[1] شرح الکبیر ج ۳ ص ۴۱۲۔ مغنی ج ۲ ص ۲۵۹

[2] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۶۔ المبسوط ج ۱۷ ص ۱۵۸

[3] شرائع اسلام ج ۲ ص ۱۱۵، وسائل الاثبات ج اول ص ۲۷۷

مرنے کے بعد بھی ہوتی ہے۔ اسلئے مُقِرلہ کیلئے بوقت اقرار زندہ ہونا شرط نہیں ہونا چاہیئے۔

شرط ثانی عدم المنازعت

کسی شخص نے اقرار کیا کہ یہ وَلَدِ صغیر میرا لڑکا ہے تو اس اقرار میں حنابلہ اور حنفیہ اور امامیہ کی شرط یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص مقابلے میں منازِع اور مُدّعی نہ ہو۔ کیونکہ مقابلے میں کوئی دوسرا شخص منازع اور مدعی کھڑا ہو جائے گا تو یہ صُورت اقرار کی نہ رہے گی بلکہ دعویٰ کی شکل بن جائے گی۔

تو مقر کو دوسرے پر بغیر بَیِّنَہ اور ثبوت کے ترجیح نہ دی جائے گی: امامیہ کہتے ہیں کہ اگر بَیِّنَہ نہ ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے گی کیونکہ ہر امر مشکل کا حل قرعہ اندازی ہے: شوافع فرماتے ہیں اگر یہ تنازع عاقل بالغ لڑکے کے بارے میں پیدا ہوا ہے تو پھر وہ لڑکا ان دونوں میں سے جس کی تصدیق کر دے گا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر دونوں کی تصدیق کرے یا کسی کی بھی تصدیق نہ کرے تو پھر قیافہ لگانے والوں پر پیش کیا جائے گا: وہ جس کی تصدیق کر دیں گے اس کو ترجیح دی جائے گی: اور اگر یہ جھگڑا نابالغ لڑکے کے بارے میں پیدا ہوا تو اب بغیر بَیِّنَہ کے نسب ثابت نہ ہو گا اور اگر بَیِّنَہ نہ ہوں تو پھر جس نے پہلے دعویٰ کیا ہے اس کو ترجیح دی جائے گی اور اگر پھر بھی تنازع ختم نہ ہو تو وہ لڑکا بعد البلوغ جس کی تصدیق کر دے گا اس کا نسب ثابت ہو جائے گا[۱]

اقرار بالنسب المباشر کا حکم

یہ اقرار بالنسب المباشر صحیح ثابت ہو جائے اور اس کی تمام شروط موجود ہوں: تو اس پر ثبوت نسب کے احکام (یعنی وراثت اور نفقہ اور حرمت) وغیرہ نافذ کر دیئے جائیں گے اور اس اقرار کے ساتھ جو نسب ثابت ہو گا وہ ایسے ہو گا جیسے نسب بالفراش ثابت

---

[۱] حاشیہ قلیوبی علی شرح المحلی ج ۳ ص ۳ وسائل الاثبات ج اول ص ۰۰۲، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۲۶۰

ہوتا ہے بلکہ اقرار کے ساتھ جو نسب ثابت ہوگا بعد میں اس کی نفی قبول نہ ہوگی؛ بخلاف نسب بالفراش کے کہ اس میں نفی اور لعان جائز ہوتا ہے ہاں شوافع اور بعض حنابلہ کا ایک دوسرا قول ہے کہ اگر مُقَرلَہ مقر کی نفی اور رجوع کی تصدیق کردے تو رجوع ثابت ہو جائیگا۔

جمہور فقہاء کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ انّہٗ قال مَنْ اَقَرَّ لوَلَدٍ طُرفَةَ عين فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَنْفِيَهٗ۔

یعنی جو شخص کسی بچے کا اقرار کرتا ہے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تو اس کو جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی نفی کرے۔ کیونکہ اگر نفی و رجوع کو قبول کر لیا جائے تو انساب کھلونا بن جائیں گے ہر شخص رجوع کی عادت بنالے گا اور اقرار مزاق بن جائے گا؛ اور وہ جائز نہیں ہے۔[1]

اقرار بالنسب غیر المباشر کی شرائط

شرط اول: یہ ہے کہ مُقَرلَہ مقر کی تصدیق کرے جبکہ زندہ ہو:

یعنی ایک شخص نے اقرار کیا کہ زید میرا حقیقی بھائی ہے یا بھتیجا ہے یا چچا زاد بھائی ہے وغیرہ وغیرہ تو زید بھی اس کے قول کی تصدیق کرے۔

شرط دوم

یہ ہے کہ مُقِر وارث ہو: غیر وارث کسی کو اپنے نسب کے ساتھ ملحق نہیں کرسکتا؛ پھر اس میں فقہاء کا اختلاف کہ جمیع ورثاء کا اقرار ضروری ہے یا بعض کا کافی ہے۔

احناف اور مالکیہ اور امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ غیر پدر ثبوت نسب کی اساس و بنیاد شہادۃ ہے لہٰذا ورثا جو نسب کا اقرار کررہے ہیں ان کا نصاب شہادت کو پہنچنا ضروری ہے اور وہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔

نیز ان گواہوں میں عدالت بھی شرط ہوگی۔ اگر وہ گواہ عادل نہیں ہیں تو ان کا اقرار باطل ہو جائے گا اور شوافع و حنابلہ کہتے ہیں نصاب شہادت شرط نہیں

---

[1] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۷۹

بلکہ جمیع ورثاء کا اقرار وتصدیق ہے کیونکہ میت کے تمام حقوق کے حقدار تمام ورثاء برابر برابر ہوتے ہیں، بعض اقرار کریں اور بعض انکار کریں تو نسب ثابت نہ ہوگا۔[1]

ہاں اگر میت کا وارث ہی ایک ہے نصاب کے برابر نہیں ہے وہ ایک وارث جمیع ترکہ کا مالک بنتا ہے تو اگر وہ کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرتا ہے تو احناف اور مالکیہ کہتے ہیں نسب تو ثابت نہ ہوگا حق وراثت ثابت ہوجائے گا اس کی علت یہ ہوگی کہ وہ ایک شخص جو جمیع مال کا مالک ہے گویا کہ وہ اپنے مال سے دوسرے کے حق کا اقرار کررہا ہے لہذا یہ اقرار بالمال ہوگا نہ کہ اقرار بالنسب۔

اور حنابلہ اور شوافع اور امام ابویوسفؒ وغیرہ کہتے ہیں نسب بھی ثابت ہوجائے گا۔ اور حقوق مالیہ بھی۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَامُسَاعَاةَ فی الاسلام۔	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں اِدِّعَاءُ الاَنسَابُ نہیں ہے یعنی کسی شخص کو اپنے نسب کے ساتھ لمحق کرنا۔[2]

دوسری دلیل جس طرح وارث کو نفی نسب اور لعان کا حق نہیں اسی طرح اس کے اقرار سے نسب بھی ثابت نہ ہوگا۔[2]

شوافع وحنابلہ وغیرہ کی دلیل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے ایک غلام میں جھگڑا کیا سعد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا بھتیجہ ہے یعنی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے میرے

---

[1] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۲۹ [2] ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۶ - البخاری المستدرک ج ۲ ص ۳۴۲

[2] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۸۲

(باقی صفحہ ۳۳)

ایک بار پھر زیارت حرمین کی سعادت ملی

کہاں ہم اور کہاں یہ حج و عمرہ ❖ خداوندا یہ تیری مہربانی

مجیب اللہ ندوی

سفر حج کی سعادت سے پہلے جب کسی کے بارے میں یہ علم ہوتا کہ وہ سفر حج پر جا رہا ہے تو دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی اور آنکھیں نم آلود ہو جاتیں اور پھر اندر سے دل مسوس کر رہ جاتا اس لئے کہ اپنی ذاتی آمدنی تو کبھی اس قابل نہیں ہوئی کہ حج و عمرہ کے سعادت کی توقع کرتا مگر خداوند قدوس کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے تین بار اس بے بضاعتی کے باوجود اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور کیا۔

۱۹۶۸ء کی بات ہے کہ راقم الحروف ملیشیا کے تین مہینے کے سفر پر تھا جب وہاں سے واپسی ہوئی تو علم ہوا کہ چند ہفتے بعد مجھے سفر حج پر جانا ہے۔ صورت یہ ہوئی کہ ہمارے شہر کے دو مشہور وکیل جناب محمد رفیع صاحب مرحوم اور محمد شفیع صاحب مرحوم نے اسی سال حج کا ارادہ کیا اور دونوں بھائیوں نے طے کیا کہ احقر کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں، چنانچہ میں نے جس دوکان سے پاسپورٹ کا فوٹو کھنچوایا تھا انہوں نے نگیٹو سے فوٹو لیا اور میری طرف سے خود درخواست بھیجکر منظوری لے لی اور بحمد اللہ تینوں آدمیوں کی درخواستیں منظور ہو گئیں سفر کے سارے اخراجات محمد رفیع صاحب مرحوم نے ادا کئے ہم لوگ اعظم گڑھ سے فروری ۱۹۶۹ء میں پانی کے جہاز سے روانہ ہوئے اور بحمد اللہ اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے چونکہ حج کے بعد تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا ہوا تھا اس لئے والدین اور دوسرے بیشتر اعزہ واقارب کی طرف سے عمرہ کرنے کا موقع ملا اور تمام مقامات مقدسہ کے ساتھ غار حرا اور غار ثور تک پہونچ کر دو رکعت نماز پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

دوسری بار میرے چھوٹے لڑکے عزیزم محمد عارف مجیب سلمہٗ جو مدینہ یونیورسٹی سے فارغ

جو کمرد میں پنکھے کام کرنے لگے تھے اپنے ذرائع سے مجھے اور اپنی والدہ دونوں کو بلایا بحمد اللہ اس سفر میں حرمین کی زیارت کے ساتھ عامر صاحب نے جامعۃ الرشاد کے لئے آٹھ دس ہزار ریال کی کتابیں بھی خرید کر مدرسہ کو دیں وہاں کتابوں کا خریدنا تو آسان ہوتا ہے مگر ان کا ہندستان تک پہونچانا حد درجہ مشکل ہوتا ہے۔ اگر کارگو سے دلی یا بمبئی بھیجا جائے تو اس کا وقت سے وصول کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے اس لئے کہ عموماً کتابیں ڈمرج کی نذر ہو جاتی ہیں مگر عزیزم محمد عامر نے انہیں رابطۂ اسلامی کے ذریعہ اعظم گڈھ تک پہونچا دیا۔ یہ ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔

تیسری بار یہ سعادت رابطۂ اسلامی کے ذریعے ملی جس کا واسطہ برادرم ڈاکٹر منظور عالم صاحب بنے۔ ۵ رجون ۱۹۹۱ء کو سعودی سفارت خانہ کا خط ملا کہ آپ کو رابطہ اسلامی کی طرف سے ۸ رجون ۱۹۹۱ء کو حج کے لئے جانا ہے خط پڑھکر تردد کے ساتھ دو وجہ سے تعجب بھی ہوا ایک تو یہ کہ میں اپنے کو اس حیثیت میں نہیں پاتا تھا کہ کسی بڑے ادارے کی طرف سے بلایا جاؤں، دوسرے یہ کہ خلیجی جنگ کے دوران راقم الحروف حکومت کے امریکی فوجیوں کے بلانے کے خلاف لکھتا رہا تھا مگر ڈاکٹر صاحب نے ممتاز لوگوں کی جو فہرست رابطہ کو دی اس میں اپنے حسن ظن کی بنا پر احقر کو بھی شامل کر لیا۔ اور چونکہ وقت کم تھا اس لئے انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو کے ذمہ داروں نے مظفر حسین غزالی صاحب کو بھیجکر میرا پاسپورٹ منگایا اور ویزا اور ٹکٹ وغیرہ کا انتظام خود کیا۔

بہرحال ۱۵ رجولائی ۱۹۹۱ء کو دس بجے رات میں ہم لوگ جدہ پہونچے اور ایک گھنٹہ بعد رابطہ کی جو منیٰ میں عمارت ہے اس میں لے جائے گئے جہاں دنیا کے مختلف ملکوں کے چیدہ نمائندے مقیم تھے دیگر ملکوں کے اور خاص طور پر پاکستان کے بہت سے علماء سے ملاقات کا موقع ملا جس کا موقع اس سے پہلے دونوں مبارک سفروں میں اتنا زیادہ نہ مل سکا تھا خود ہندستان کے بہت سے علماء سے یہاں پر پہلی بار ملاقات کا موقع ملا۔ ہندستان سے میرے ہم سفر مولانا ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا حکیم صاحب بستوی، مولانا معین الباری صاحب بنگال، ڈاکٹر ممتاز احمد بنگلور، مفتی عبدالرحمن صاحب

مدراس پروفیسر محمد مقیم صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ظفر یاب جیلانی صاحب لکھنؤ تھے۔

ادارۂ رابطۂ اسلامی دعوت وارشاد کے میدان میں جو کام انجام دے رہا ہے اس سے بحمد للہ کسی قدر پہلے سے واقفیت تھی مگر یہاں آکر اس کے کاموں کی ہمہ گیری کا مزید اندازہ ہوا پھر اس نے مہمان نوازی کا جو اعلیٰ معیار پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اس میں رابطے کے ذمہ داروں کے ساتھ مختلف یونیورسٹیوں کے نوجوان طلبہ کی رضا کارانہ خدمت کو بڑا دخل ہے انہوں نے رات دن ایک کرکے مہمانوں کی نہایت خندہ پیشانی سے خدمت کی اور ہر طرح کی سہولت بہم پہونچائی۔

عام طور پر منیٰ میں حجاج ۸ رذی الحجہ کو جاتے ہیں اور احرام کے علاوہ اسی تاریخ سے دوسرے ارکان حج کی ابتدا ہو جاتی ہے مگر ہم لوگ ۴ ر ہی ذی الحجہ سے منیٰ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اور یہیں سے روزانہ حرم جانے کی سعادت حاصل ہوتی رہی جس کا انتظام رابطہ کی طرف سے تھا۔

حج میں تین طرح کے احرام باندھنے کی اجازت ہے، افراد، تمتع اور قران دلی میں آپس میں مشورہ ہوتا رہا کہ کون سا احرام باندھا جائے راقم الحروف اور بعض دوسرے علماء اور رفقائے سفر نے تمتع کو ترجیح دی جسے تقریباً سبھی نے قبول کرلیا اور دلی ایرپورٹ ہی سے سب نے عمرہ کا احرام باندھ لیا، ہم لوگ ۴ رذو الحجہ کو منیٰ پہونچ گئے تھے، پہونچنے کے بعد جونہی غسل وغیرہ سے فارغ ہوئے رابطہ کی گاڑی عمرہ کرانے کے لئے تیار تھی چنانچہ ہم لوگ ۱۱ بجے دن میں حرم پاک پہونچے اور سب نے ساتھ عمرہ کیا اور پھر حلق کراکے احرام کھول دیا گیا۔ رابطہ کی عمارت چونکہ مسجد خیف سے بالکل قریب تھی اس لئے عموماً فجر ظہر اور عصر کی نماز مسجد خیف میں یا رابطہ کی عمارت کے بڑے ہال میں جہیں نماز کا پورا اہتمام تھا ادا کرنے کی سعادت ملتی رہی اور روزانہ ۵½ بجے رابطہ کی گاڑی سے ہم لوگ حرم چلے جاتے اور مغرب وعشاء کی نماز وہیں ادا ہوتی پھر ۹½ بجے شب میں گاڑی پھر واپس ہم لوگوں کو قیام گاہ پر لاتی، بحمد اللہ تین چار روز کی مدت میں جس سے جتنا بنا اس نے طواف کیا اور تلاوت قرآن اور دعا وغیرہ کا اہتمام کیا۔ مجمع کی کثرت بلکہ اژدحام کی وجہ سے ہم لوگوں کو حجر اسود کو بوسہ دینے، ملتزم سے چمٹنے اور میزاب رحمت تک

پہونچنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور دل میں یہ حسرت لیکر ہی واپس آنا پڑا
مگر بحمداللہ حرم مبارک کی روحانی فضا میں چند قطرے آنسو
بہانے کی توفیق ضرور ملی، راقم الحروف کی زبان پہ یہ شعر ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ان تبدیلی کے ساتھ بار بار آتا رہا ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ حج و عمرہ
خداوندا یہ تیری مہربانی

کبھی اس کو اس طرح پڑھتا ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ کعبۃ اللہ
میرے مولیٰ یہ تیری مہربانی

بعض ساتھی خاص طور پر مولانا عتیق احمد بستوی صاحب اس شعر کو دہراتے رہے ؎

خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب در پہ تیرے ہاتھ پھیلائے ہوئے

پہلے حج میں یہ خیال دامنگیر رہا کہ حج و عمرہ کے ارکان اور حرمین شریفین کا پورا حق ادا نہیں ہوا اگر اللہ نے دوبارہ توفیق دی تو وہ کمی پوری کی جائے گی مگر دوبارہ اس سے زیادہ کمی کا احساس رہا پھر تیسری بار بھی یہی صورت رہی اس لئے زبان پر بار بار رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا ہی کا ورد رہا۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

۴۔۵ روز اس طرح گذر گئے کہ معلوم ہی نہ ہوا جو لوگ مکہ سے منیٰ آتے ہیں ان کو ۸ ر ذوالحجہ کا انتظار رہتا ہے۔ اور آٹھ کی صبح کو حجاج پیدل اور سواریوں سے بڑے والہانہ انداز سے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں مگر ہم لوگوں کو یہ کیف موقع اس لئے میسر نہیں آیا کہ ہم لوگ پہلے ہی سے منیٰ میں مقیم تھے۔

۷ ر ذوالحجہ سے منیٰ کی رونق بڑھنے لگی اور ۸ ر ذی الحجہ کی صبح سے وہاں کی آبادی جو بڑھنی شروع ہوئی تو دوپہر تک وہاں تل رکھنے کی جگہ باقی نہیں رہی مسجد خیف رابطہ کی عمارت کے سامنے ہے مگر اب وہاں جاکر نماز پڑھنا مشکل ہوگیا، اور نمازیں اب رابطہ کی عمارت کے ہال میں پڑھی جانے لگیں منیٰ میں لاکھ کے مجمع میں مشکل سے دو حصہ آبادی کو خیمے اور عمارتیں میسر ہیں بقیہ لاکھوں آدمی کھلے میدان میں جہاں

سایہ مل گیا اس کے اندر نہیں ورنہ ایک چادر تان کر دھوپ و گرمی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بوڑھے بچے خوش و خرم پڑے نظر آرہے تھے یہ منظر دیکھ کر قلب کو تکلیف بھی محسوس ہوتی تھی اور ان کے عاشقانہ جذبہ شوق پر رشک بھی آتا تھا ۱۹۶۱ء میں جب پہلی جانا ہوا تو منیٰ میں مشکل سے دو چار عمارتیں تھیں اور وہ بھی اسنسان ۱۹۶۵ء میں جانا ہوا تو کچھ اور عمارتیں بن گئیں مگر ادھر چار پانچ سال کے اندر منیٰ کے بیشتر حصہ پر عمارتیں بن گئی ہیں عمارتوں کے بن جانے سے خیموں کا وہ طویل سلسلہ اب بڑی حد تک کم ہو گیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ خیموں کے ذریعہ چار پانچ دن تک احرام کی حالت میں حجاج جس طرح صحرا کی فطری زندگی سے ہم کنار ہو جایا کرتے تھے اب عمارتوں میں ٹھہرنے کے بعد اس کیفیت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آسائشیں حج کی روح سے میل نہیں کھاتیں عرفات میں اور مزدلفہ میں کسی حد تک حج کی یہ کیفیت اب بھی نمایاں رہتی ہے مگر دیکھئے کب تک یہ باقی رہتی ہے۔

آج ۹ ذوالحجہ ہے آج صبح ہی سے عرفات جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں ہیں حج کا سب سے بڑا رکن آج ہی ادا ہونے والا ہے دوسرے ارکان کی ادائیگی میں گنجائش بھی ہے اور اس کی تلافی بھی ہے مگر میدان عرفات میں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب کے درمیان اگر آپ نہ پہونچیں خواہ چند لمحے کے لئے تو آپ کی ساری محنت اور سارا پیسہ بیکار چلا جائے گا منیٰ سے میدان عرفات ۹ کلو میٹر ہے جتنے آدمی سواریوں سے جاتے ہیں اس سے زیادہ پیدل چلتے نظر آتے ہیں۔ منیٰ میں رات گذار کر صبح صادق کے بعد عرفات جانے کا حکم ہے مگر کچھ لوگ ناواقفیت کی بناء پر اور کچھ مسجد نمرہ میں نماز پڑھنے کے ارادے سے رات ہی سے وہاں پہونچنا شروع کر دیتے ہیں مسجد نمرہ بہت وسیع کر دی گئی ہے اور اس کے سامنے حکومت نے اس سے زیادہ طویل شیڈ ڈلا دیا ہے مگر ۹ بجے دن کے بعد مسجد اور شیڈ میں تل رکھنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

ہم لوگوں کے لئے رابطہ کی طرف سے خیمے لگے تھے اور خیموں کے ایک کنارے ایک بڑے خیمے میں مسجد بنائی گئی تھی تاکہ مسجد نمرہ تک نہ پہونچنے کی صورت میں یہاں

نمازادا کی جاسکے۔ عام طور پر عرفات میں دوپہر تک کا وقت وہاں پہونچنے اور پھر دوسری ضروریات اور انتظامات میں چلا جاتا ہے۔ بحمد اللہ ہم لوگ ۱۰ بجے وہاں پہونچ گئے عام طور پر ہمارے ساتھی باوضو تھے اس لئے جاتے ہی نفل اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے پھر تھوڑی دیر آرام کر کے ظہر کے نماز کی تیاری شروع کر دی گئی عرفات میں ظہر اور عصر کا نماز قصر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ہوتی ہے نماز عصر کے بعد امام کا خطبہ ہوتا ہے اور پھر سب لوگ ذکر و دعا و تلاوت وغیرہ میں لگ جاتے ہیں، یہ سلسلہ مغرب تک جاری رہتا ہے تو میل کے اس میدان میں ذکر و دعا تلاوتِ قرآن اور گریہ و بکا کے علاوہ کم ہی کوئی دوسری آواز سنائی دیگی، چند گھنٹے کا یہ سماں اتنا رقت انگیز دل گداز اور ایمان افروز ہوتا ہے کہ سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل بھی موم ہوجاتا ہے، آدمی جی بھر کے پوری آہ و زاری کے ساتھ دعا کرتا ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ نماز عصر کے بعد کھڑے ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور غروب آفتاب تک مشغول رہے۔ واستقبل القبلة فلم يزل واقفاً حتى غربت الشمس وذهبت الصفرة۔ البتہ عام طور پر عربوں میں بلند آواز سے اجتماعی دعا کا جو رواج ہے وہ سنت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ حضرات نماز کے بعد اجتماعی دعا تو نہیں مانگتے جبکہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے مگر اس موقع پر اجتماعی دعا بڑے اہتمام سے کرتے ہیں۔

یہ منظر بھی زندگی میں بڑا عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے کہ عرفات ہی میں سورج غروب ہوجاتا ہے مگر نماز مغرب یہاں نہ پڑھنے کا حکم ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج نماز مغرب کی چھٹی ہے مگر چھٹی نہیں بلکہ اسے مزدلفہ پہونچ کر مغرب و عشاء ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، معلوم ہوا کہ دین کے سارے اعمال کی اصل روح ظاہری ارکان کی ادائیگی نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل ہے وہ جس کو چاہیں مقدم کر دیں اور جس کو چاہیں مؤخر کر دیں، پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم میں تقدیم و تاخیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا منصب ہے اور اس کی رضا کس وقت کس عمل کی بجا آوری میں ہے اس کا علم بھی ہمیں حضور ہی کے ذریعہ ہوا۔ جو لوگ حدیث کو نہ مان کر قرآن پر عمل کا دعویٰ

کرتے ہیں ان سے کوئی پوچھے کہ حج کے یہ ارکان وہ قرآن کے کس حکم کے مطابق ادا کرتے ہیں اور کس طرح ادا کرتے ہیں۔

مزدلفہ کی رات بڑی فضیلت کی رات ہے اس کا ایک ایک لمحہ شب قدر کی فضیلت رکھتا ہے مگر اس رات کا پورا حق ادا نہ ہوسکا عام طور پر لوگ مزدلفہ سے صبح صادق کے بعد ہی فجر کی نماز اول وقت میں پڑھکر روانہ ہونا شروع کردیتے ہیں اور غیر ذمہ دار ڈرائیور اس میں اور زیادہ جلدی کرتے ہیں مگر حدود مزدلفہ سے اسفار یعنی خوب اجالا ہوجانے کے بعد نکلنا مسنون ہے چنانچہ رابطہ کی طرف سے جتنی گاڑیاں آئی تھیں ان پر اکثر ساتھی طلوع صبح صادق کے بعد ہی سے جانا شروع ہوگئے مگر ہمارے دس بارہ ساتھی جانے میں تاخیر کر رہے تھے کہ حدود مزدلفہ سے نکلنے تک طلوع آفتاب ہوجائے چنانچہ ساری گاڑیاں چلی گئیں ایک گاڑی جو ہم لوگوں کے لئے باقی تھی اس کے پاس پہونچے تو اس پر دوسرے حجاج قبضہ کئے ہوئے بیٹھے تھے ڈرائیور اور رابطہ کے دو نوجوان ذرا تیز انداز میں ان سے گاڑی خالی کرنے کے لئے کہہ رہے تھے بیٹھنے والے ظاہر ہے کہ اتنی آسانی سے کیسے اتر سکتے تھے ہم لوگوں نے ڈرائیور سے کہا کہ آپ لوگ ان سے زبردستی نہ کریں بلکہ ان کو منیٰ تک پہونچا دیں ہم لوگ پیدل چلے جائیں گے، خدمت گار نوجوانوں نے دوسری گاڑی کے انتظام کے لئے کہا مگر ہم نے منع کردیا، اس موقع پر مولوی عبدالرحمان صاحب سلفی مدنی نے پیدل چلنے پر اور زیادہ ابھارا چنانچہ ہم لوگ خراماں خراماں وہاں سے پیدل چل پڑے ہم ہم لوگوں کی طرح ہزاروں، لاکھوں آدمی ایک ہی لباس میں ذکر و دعا کرتے ہوئے اور لبیک لبیک کی آواز بلند کرتے ہوئے چل رہے تھے ۵ کلومیٹر کا یہ راستہ سوا گھنٹہ میں ہم لوگ طے کرکے اپنی قیام گاہ پر پہونچ گئے آج ذوالحجہ کی دس تاریخ ہے حاجیوں کے لئے آج کا دن سب سے مشغول ترین دن ہوتا ہے، رمی کرنا ہے، قربانی کرنی ہے اور حلق کرانا ہے اور پھر مکہ مکرمہ جاکر طواف زیارت کرنا ہے قیام گاہ پر پہونچنے کے بعد ناشتہ کیا گیا کچھ دیر آرام کیا گیا اور پھر وضو کرکے سب لوگ رمی کیلئے روانہ ہوگئے

قربانی کے جانور کی قیمت ہم جیسے کمزور لوگ راجحی بینک میں جمع کر چکے تھے اس لئے اس طرف سے اطمینان ہوگیا تھا اس لئے ۹ بجے کے قریب رمی کے لئے روانہ ہوئے اور پھر وہاں سے فارغ ہوکر حلق کرایا گیا اور ۱۱ بجے تک ہم لوگ واپس آگئے اور پھر نہا دھو کر احرام اتار دیا گیا اور اپنے روزمرہ کے لباس پہنے گئے۔ صبح سے مسلسل پیدل چلنے اور رمی کی دقت برداشت کرنے کے بعد راقم الحروف کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آج ہی طواف زیارت کرے اس لئے اس کے بجائے اگلے دن کیا اللہ کو طواف کا ارادہ کیا تھا مگر رابطہ کی گاڑی طواف زیارت کے لئے مہمانوں کو پہونچانے کے لئے تیار تھی، اب مجھے متخلفین میں رہ جانا اچھا نہیں لگا اس لئے میں بھی سوار ہوگیا۔ اور مکہ جاکر طواف زیارت کی سعادت بھی اسی دن حاصل کرلی گئی لیکن مجمع بہت زیادہ تھا اس لئے طواف میں اتنی دیر لگی کہ ظہر کی اذان ہوگئی۔ بہرحال فارغ ہوکر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھنے اور آب زمزم پینے کے بعد ظہر کی نماز پڑھی گئی اور بعد نماز ظہر پھر سعی کی گئی ۳ ½ بجے دن میں پھر منیٰ واپسی ہوئی، ان فرائض واجبات کی ادائیگی کے بعد ایک غیر معمولی مسرت اور دل ودماغ کو بے پناہ سکون محسوس ہوا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اپنا پورا وجود اس وقت شکر وسپاس بن گیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ، رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ دل کی گہرائیوں سے بار بار زبان پر آتا رہا۔

اب ۱۱/۱۲ ذی الحجہ دو دن منیٰ میں صرف ایک کام رہ گیا ہے وہ تینوں جمروں کی رمی، دس کو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے اور ظہر سے پہلے اور ۱۱/۱۲ کی رمی کا وقت ظہر کی نماز کے بعد ہے اس لئے اس میں غیر معمولی اژدحام ہوتا ہے گو کہ حکومت نے جمرات کے میدان کو بہت وسیع کردیا ہے۔ اور ساتھ ہی اوپر چھت بھی بنادی ہے تاکہ نیچے اوپر دونوں جگہ سے رمی کی جاسکے مگر اس کا وقت زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے اس لئے پوری بیس پچیس لاکھ اس محدود وقت

ہے اس لئے تمام انتظامات کے باوجود رمی کرنا آسان نہیں ہوتا خاص طور پر ان جوشیلے لوگوں کی وجہ سے جو کنکریوں کے ساتھ جوتا چپل پھینکنا ہی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ شیطان کو گالی بھی بکتے جاتے ہیں۔

بحمد اللہ ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو رمی کے ساتھ روزانہ حرم جانے اور طواف کرنے اور مغرب، وعشاء کی نماز وہاں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۱۲ کو رابطہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ ۱۳ ذوالحجہ کو صبح سات بجے مدینہ منورہ جانا ہے اس لئے آپ لوگ غروب سے پہلے منیٰ چھوڑ دیں، ورنہ پھر ۱۳ کی رمی کرنی ضروری ہوگی اور اس کا وقت صبح کو نہیں ملے گا، منیٰ چھوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ غروب سے پہلے مکہ چلے جائیں اور پھر غروب کے بعد واپس آجائیں، مگر ۱۳ کی رمی سے بچنے کا یہ حیلہ پسند نہیں آیا، اس لئے راقم الحروف اور بعض دوستوں نے کہا کہ انشاء اللہ ہم لوگ ۱۳ کو فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد جمرات پر پہنچ کر رمی کرلیں گے اور سامان درست ہے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی فوراً مدینہ کے لیے گاڑی پر سوار ہو جائیں گے کچھ دوستوں نے منیٰ چھوڑنے کے حیلہ پر عمل کرنے کی کوشش کی، مگر ان کی گاڑی، ہزاروں گاڑیوں اور لاکھوں پیدل جانے والوں کے اژدحام کی وجہ سے مکہ تک نہ پہونچ سکی بلکہ گھنٹوں وہ حدود منیٰ ہی محبوس رہے، ناچار واپس مدینہ آگئے اور صبح کو ہمارے ساتھ سب نے رمی کی اور اطمینان سے مدینہ روانہ ہوئے۔

زیارت مدینہ منوّرہ

مدینہ منوّرہ کی حاضری، مسجد نبویؐ کی نماز اور گنبدِ خضرا کا دیدار گو حج کے ارکان و فرائض میں داخل نہیں ہے لیکن اگر کوئی قصداً ان سعادتوں سے محروم چلا آیا تو اس کے بارے میں بلا مبالغہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ آبِ حیوان کے کنارے پہنچ کر ابدی زندگی سے محروم چلا آیا۔

"غور کیجئے یہ اسلام کی دولت اگر ہم کو نہ ملی ہوتی تو کیا ہم دنیا کی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی نعمت سے محروم نہ رہتے" نہ تو خالق کو پہچانتے اور نہ

اس کے حقوق کا علم ہوتا، نہ مخلوق کی حیثیت سے ہم واقف ہوتے، نہ اس کے حقوق کو جانتے پھر کیا ہم میں اور بے عقل جانوروں میں کوئی فرق ہوتا؟ پھر یہ دولت ہمیں کیسے ملی؟ یہ روشنی ہم نے کہاں سے پائی؟ اس نعمت سے ہمارا دامن کیسے مالا مال ہوا؟ ان سب باتوں کا جواب صرف ایک ہے، یہ ساری سعادتیں ہم کو خدا کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن طفیل سے ملیں، ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، گو آپ کا جسم اطہر پردۂ خاک میں چھپا ہوا ہے اور ہماری ظاہری آنکھیں آپؐ کو قیامت سے پہلے نہ دیکھ سکیں گی مگر آپ وہاں جائیں گے تو حضورؐ کے معنوی وجود کی شہادت وہاں کا ایک ایک ذرہ دے گا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھتے تھے، یہاں آرام فرماتے تھے، یہاں نماز پڑھتے تھے، یہاں وضو فرماتے تھے، یہاں آپؐ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، یہاں بیٹھ کر وفود سے باتیں کرتے تھے، اس مقام پر وحی آتی تھی، اس مقام پر ہجرت کے بعد آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ یہ خندق ہے جس کے ذریعہ آپؐ نے دولتِ اسلام کی حفاظت کی تھی، جو لوگ اس نورِ مجسّم پر خاک ڈالنے آئے تھے، ان کے منہ خود خاک آلود ہو گئے، یہ مسجدِ قبا ہے جہاں آپؐ نے سب سے پہلی نماز پڑھی، یہ مسجد القبلتین ہے جہاں آپؐ نے قبلہ بدلا، یہ مسجد نبویؐ ہے جو اپنی موجودہ شان و شوکت کے لحاظ سے دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ ابتدا میں اس کی دیواریں کچی اینٹوں اور چٹانوں سے بنائی گئی تھیں۔ چھت کھجور کی پتیوں سے بنائی گئی تھی، جس کی تعمیر میں بذاتِ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ لیا تھا، فرش چھرّیوں کا تھا، جب آپؐ اور صحابہؓ سجدہ کرتے تو انکی مقدس پیشانیوں پر چھرّیاں لگ جاتی تھیں اور بارش میں نم آلود ہو جاتی تھیں۔ اسی مسجد کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ اس کی بنیادیں خالص خدا کے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ یہ اس دنیا میں کسی نبی کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی آخری مسجد ہے۔ گویا۔

زِ خاکش بے صور رُوید معانی

کا پورا منظر سامنے سامنے آجائے گا غرض یہ ہے کہ مسجد نبویؐ کی زیارت کرنے، مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے اور روضۂ اقدس کا نظارہ کرنے، مواجہ شریف پر درود و سلام کا

ہدیہ پیش کرکے آپ کی آنکھیں اس منبع سعادت کو دیکھیں گی۔ جہاں سے آفتاب اسلام کی شعاعیں بلند ہوئیں اور پھر سارا عالم اُن سے جگمگا اُٹھا، ہزاروں درود وسلام ہو یاں ذات گرامی پر جس کے ذریعہ ہمیں یہ سب کچھ ملا۔

رابطے کی طرف سے صرف چوبیس گھنٹے کے لئے مدینہ منورہ لے جایا گیا تھا مگر اس دیارِ پاک میں پہونچ کر آتی جا۔ واپس ہو جانا قلب کو شاق گذر رہا تھا اس لئے راقم الحروف کے علاوہ میرے تین دوسرے رفقائے سفر مفتی ظفیر الدین صاحب مولانا عتیق احمد بستوی اور پروفیسر محمد مقیم صاحب نے یہ طے کیا کہ ہم اپنا پاسپورٹ لے لیں اور رابطہ کی گاڑی چھوڑ دیں۔ اور دو چار دن مزید ٹھہر کر پھر اپنی سواری سے جدہ واپس ہوں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہم لوگوں نے پاسپورٹ لے لیا اور اپنا سامان عزیزی محمد عامر سلمہ کی قیام گاہ پر بھیج دیا گیا اور ہم لوگ وہاں منتقل ہو گئے عزیزی محمد عامر تو موجود نہیں تھے مگر ان کے دفتر کے محمد اختر اور محمد احمد نے پوری خدمت کی اور ان کی غیر موجودگی محسوس نہیں ہونے دی۔

بحمد اللہ مدینے کی روانگی کے وقت ہی سے زبان پر درود وسلام کا ورد شروع ہوگیا تھا وہاں پہونچ کر اس میں ایک والہانہ پن پیدا ہوگیا کئی سال بعد مسجد نبوی میں حاضری کی سعادت اور اس نعمت عظمیٰ کو زندگی میں ایک بار پھر پاکر آنکھیں مسرت سے نم آلود ہوگئیں، ہم لوگ مدینہ منورہ پہونچے تو عصر کا آخری وقت ہو رہا تھا اس لئے نماز عصر قیام گاہ ہی پر پڑھی گئی پھر نہا دھو کر کپڑے بدلے گئے اور مغرب کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں حاضری ہوئی نماز بعد کچھ دیر ٹھہر کر ریاض الجنۃ میں دو رکعت نماز پڑھی گئی پھر روضۂ مبارک اور مواجہ شریف پر حاضری ہوئی مواجہ شریف پر پہونچ کر ہر مومن کے دل میں ایک خاص مست ایک خاص ولولہ اور شوق بے پایاں موجزن ہونے لگتا ہے بس فرق یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ وہاں پہونچ کر ظاہری طور پر بے قابو ہو جاتے ہیں اور عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں اور جن لوگوں کو خدا نے کچھ علم دین دیا ہے ان کے لئے ایسا کرنے میں بارگاہ رسالت کا ادب مانع ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے کو قابو میں رکھتے ہیں مگر ان کے دلوں میں بھی عوام سے کم تپ نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ بھی باطنی طور پر امجد حیدرآبادی مرحوم

سکے ہم زبان ہو جاتے ہیں ۔

محمد جو ملجائیں کیا کیا کریں ، ہم ✻ خدا کی قسم اک تماشہ کریں ، ہم
کبھی ان کو سینے سے اپنے لگائیں ✻ کبھی لیں بلائیں کبھی دیں دعائیں
خدا کی قسم ایک تماشا کریں ہم

راقم الحروف کو اس سے پہلے اور اس حاضری کے موقع پر بار بار بارگاہ رسالت کے مواجہ شریف میں درود و سلام پیش کرنے کا موقع ملا ہے مگر کبھی بھی بھر پور طور پر آنکھیں مواجہ شریف کی طرف نہیں اٹھیں اور نہ دیر تک ٹھہرنے کی ہمت ہوئی ۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی کہہ رہا ہے اے سراپا قصور، ادب نا آشناس تجھے بارگاہ رسالت میں حاضری کی جرآت کیسے ہو رہی ہے ۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ بے اندازہ گناہوں کے بوجھ کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ میں آ رہا ہے عزت بخاری نے غالباً حیرت واستعجاب کی اسی کیفیت میں یہ شعر کہا تھا ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

عوام مواجہ شریف کے سامنے بھکر بے تابانہ جالیوں سے پٹنے اور انھیں چومنے کی جو کوششیں کرتے ہیں وہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت محبت کی بناء پر کرتے ہیں اس لئے میرے نزدیک ان پر ملامت نہیں کی جا سکتی، یہ صحیح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے کچھ اداب ہوتے ہیں مگر محبت کبھی کبھی جب وارفتگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو اس وقت عوام تو عوام خواص بھی غیر ارادی طور پر اس کے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں گنہ گار سے گنہگار مومن کے دل میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بہت ہوتی ہے اور یہ محبت غائبانہ ہوتی ہے اور جب اسے زندگی میں ایک بار روضہ مبارک پر حاضری کا موقع ملتا ہے تو اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت آب میں براہ راست حاضر ہو رہا ہے ظاہر ہے کہ اس حالت میں اس پر بے خودی سی طاری ہو جاتی ہوگی اور اس سے اس وقت وہ حرکتیں صادر ہوتی ہوں گی جو شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہیں مگر ان کو اس میں معذور سمجھنا چاہیئے ۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ انہی وجوہ سے غایت احتیاط میں یہ فرمایا ہے کہ دُعا روضہ سے ہٹ کر کی جائے تاکہ توحیدِ خالص کی نازک دستیاں ذرہ بھر بھی مجروح نہ ہونے پائیں۔

مدینہ میں ہم لوگ جب تک رہے جناب نیازالدین صاحب (الہ آبادی) ہم لوگوں کی خبر گیری کرتے رہے اور انھیں کی کوشش سے ہندستان کے کئی درجن اہل علم سے یکجائی ملاقات جناب ڈاکٹر منہاج الدین صاحب کے مکان پر ہوئی جسیں تقریباً ۳۰-۴۰ پڑھے لکھے دیندار اور ملت کے لئے دردمندی رکھنے والے حضرات شریک ہوئے ابتدا میں راقم الحروف نے کچھ باتیں عرض کیں اس کے بعد جناب محمد مقیم صاحب نے بڑی تفصیل سے حالات حاضرہ پر روشنی ڈالی اختتام مجلس پر ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف سے شاندار ضیافت ہوئی اور یہ مجلس خیر تقریباً ۱۱ ½ بجے رات میں اختتام پذیر ہوئی کئی حضرات نے الرشاد کی خریداری بھی قبول فرمائی۔ ان حضرات سے مل کر نہ صرف انتہائی خوشی ہوئی بلکہ اس سرزمینِ پاک پر دوبارہ ملاقات کی خواہش دلوں میں لے کر ہم لوگ واپس ہوئے۔ بارگاہِ قدس میں دعا ہے کہ وہ اسے پورا فرمائے، آمین

ہمارے بیشتر رفقاء جدہ میں بھی دو دن ٹھہرنا چاہتے تھے اس لئے ۲۹ رجون ۱۹۹۱ء کو ہم لوگوں نے مدینہ منورہ سے جدہ کے لئے آٹھ بجے صبح روانہ ہونے کا پروگرام بنالیا وہاں کے سرکاری اسپتال کے ڈاکٹر زبیر صاحب سے عزیزی عامر کے قریبی تعلقات ہیں ان کو دیر سے میرے آنے کا علم ہوا تو انہوں نے ۲۸ کی شام کو فون کیا کہ صبح کو چائے آپ لوگ ہمارے ساتھ پئیں۔ مگر رات میں جب مدینہ جانے کا پروگرام بنا تو ان کے یہاں جانے کی دعوت یاد نہیں رہی اور ہم لوگ صبح گاڑی پر سوار ہوگئے ابھی چند ہی قدم گاڑی چلی تھی کہ وہ اپنی گاڑی سے کر آگئے ان کو دیکھ کر بڑی شرمندگی ہوئی اور میں نے غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے معذرت کی، جی تو چاہتا تھا کہ کچھ دیر رک کر ان کے یہاں حاضری دی جائے مگر کرایہ کی گاڑی تھی اور سامان وغیرہ اس میں رکھا جاچکا تھا چونکہ عام طور پر یہاں کے ڈرائیور کسی اخلاقی اپیل پر کان دھرنے والے نہیں ہوتے اس لئے معذرت کرکے ہم لوگ روانہ ہوگئے۔

مدینہ سے جدہ کا فاصلہ تقریباً ۴۲۵ کلومیٹر ہے، درمیان میں ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روکی اس نے اور ہم لوگوں نے چائے وغیرہ پی اور اس نے گاڑی وغیرہ چیک کرائی، اس طرح آدھ گھنٹہ رک کر ہم لوگ جدہ کے لئے روانہ ہوئے تقریباً ایک بجے یعنی ۵ گھنٹے کے اندر ہم لوگ جدہ پہنچ گئے، مدینے سے عزیزم احمد کو آسانی کے لئے ساتھ لے لیا گیا تھا اس لئے آسانی سے انہوں نے عامر سلمہٗ کے جدہ کی قیام گاہ اور آفس جوہر بلڈنگ میں پہنچا دیا،

وہاں کے آفس وغیرہ کے ذمہ دار وسیم صاحب ہیں مگر وہ چونکہ تنہا تھے اس لئے عزیزی احمد کے آنے کی وجہ سے ان کو بھی ہم لوگوں کی خاطر مدارات میں بڑی آسانی ہوئی۔

جدہ میں دو دن کے قیام کے درمیان متعدد حضرات سے ملاقات ہوئی خاص طور پر جناب نجات اللہ صدیقی صاحب جو عبدالعزیز یونیورسٹی کے شعبۂ معاشیات میں ہیں اور جناب جلیل اصغر صاحب جو پہلے یونیورسٹی سے متعلق تھے اب دوسرے شعبہ میں کام کرتے ہیں کی ملاقات سے بے حد خوشی ہوئی۔ نجات اللہ صاحب سے کئی گھنٹے قومی و بین الاقوامی مسائل پر گفتگو ہوئی نجات اللہ صاحب نے عبدالعزیز یونیورسٹی سے نکلنے والی عربی اور انگریزی کی ایک میگزین بھی عنایت کی جس میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر بڑے قیمتی مضامین ہیں ان شاء اللہ ان میں سے بہت سے مضامین کا ترجمہ آئندہ الرشاد میں آئے گا،

جلیل اصغر صاحب کا تعارف ہم لوگوں سے محمد مقیم صاحب کے ذریعہ ہوا،[۲] کام سے فرصت پانے کے بعد دو دن تقریباً ہم لوگوں کے ساتھ ہی رہے اور ہر طرح کا اخلاق صرف کیا' آخر میں ہم سب رفقاء کی شاندار دعوت کی اور پھر اپنی گاڑی سے ہم سب کو ایئرپورٹ پہنچایا، میں نے روانہ ہوتے وقت ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ شکریہ کا پورا حق اس وقت ادا ہوگا جب آپ کے والد محترم حکیم شفیع یونس صاحب سے بھی آپ کی سعادت مندی کا ذکر کردوں افسوس ہے کہ واپسی میں دلی میں زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا اور یہ فرض باقی رہ گیا۔ ان شاء اللہ جلد ہی اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

۵ ۱۰۵ آئی جلد ادارہ ہیرے

فریضۂ حج اور سعودی حکومت کے بارے میں کچھ ذاتی تاثرات اور مشورے

(۱) ۱۹۶۹ء میں جب پہلی حج میں جانے کی سعادت ملی تو اس وقت ہندوستان کے زیادہ تر حجاج پانی ہی کے جہاز سے سفر کرتے تھے ہوائی جہاز کا سفر اتنا عام نہیں ہوا تھا پانی کے جہاز سے جانے میں مسافر خانہ سے لے کر جہاز کے جدہ پہونچنے تک تقریباً ۱۰ اور ۱۲ روز کا موقع ملتا تھا۔ تبلیغی جماعت کے افراد اور وہ علماء جو حج کو تشریف لے جاتے ان کے وعظ و نصیحت اور ان کی عملی کوشش سے عام حجاج کرام بھی موٹے موٹے ارکان حج سے واقف ہو جاتے تھے اور ان کو بہت سی دعائیں یاد ہو جاتی تھیں مگر اب حجاج کرام کی اکثریت ہوائی جہاز سے جانے لگی ہے اس لئے یہ موقع کم لوگوں کو مل پاتا ہے۔

جدہ ریڈیو سے نصار رفیع صاحب انٹرویو کے لئے آئے تو وہ بار بار یہ سوال کرتے رہے کہ حجاج کرام کو ارکان حج سے واقف کرانے کے لئے آپ لوگوں نے کیا کوشش کی اور اس کے لئے کہیں کوئی کیمپ وغیرہ لگایا یا نہیں طاہر ہے جواب نفی میں تھا مگر ان کے سوال اور پھر مشاہدہ کے بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ ہر ضلع بلکہ ہر بڑے قصبات میں اس کی ضرورت ہے کہ ایک ہفتہ کے لئے حج کو جانے والے حجاج کو جمع کر کے ان کو ارکان حج بتانے کی کوشش کی جائے معلمین رسمی طور پر ارکان حج کی ادائیگی کے لئے جو کچھ کرتے ہیں وہ بالکل اس لئے ناکافی ہے کہ عام حجاج خالی الذہن ہوتے ہیں اور رسمی طور پر ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

۲۔ حج کے ارکان کی ادائیگی کے لئے نہ تو عالم ہونا شرط ہے اور نہ اردو میں لکھی گئی کتابوں کے پڑھ لینے سے اس کا پورا حق ادا ہو سکتا ہے، یہ عبادت سراپا عشق و محبت کے ہونے کے ساتھ بالکل عملی چیز ہے، یاد ہے کہ جب پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ تو ہمارے رفقاء سفر نے معلم کے ساتھ جا کر شام ہی کو عمرہ کا طواف اور سعی کی راقم الحروف کو بخار آگیا اس لئے شام کو حرم نہ جا سکا اور صبح کو فجر بعد جانے لگا تو رفقائے سفر نے کہا کہ معلم کو ساتھ لے لیجئے میں نے کہا کہ معلم کی ضرورت مجھے نہیں ہے چنانچہ جب حرم پہنچا تو

سارے آداب بھول گیا اور استیلام کے بعد اب شبہ پیدا ہو گیا کہ اپنے داہنے سے طواف شروع کروں یا حجر اسود کے داہنے سے دیکھ رہا تھا کہ لوگ طواف کر رہے ہیں، مگر پھر بھی عقل جیسے گم ہو گئی تھی اور علم کا سارا غرور پاش پاش ہو گیا کئی منٹ کے بعد حواس درست ہوئے تو پھر طواف شروع کیا ہمارے رفقاء میں کتابوں کے پڑھنے اور مسائل کے جاننے کے اعتبار سے سب سے زیادہ تیاری محمد رفیع مرحوم نے کی تھی مگر جب وہ سعی کرنے لگے تو چودہ چکر لگا بیٹھے یعنی صفا سے مروہ ایک چکر ہوتا ہے اور انہوں نے صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کو ایک چکر سمجھا اس سفر میں بھی ہمارے رفقاء میں دو حضرات جن میں ایک ۲۶ برس سے فتویٰ دینے کا کام کر رہے ہیں اور دوسرے کئی برس سے فقہ کی کتابیں پڑھا رہے ہیں مگر اس کے باوجود انھوں نے بھی وہی چودہ چکر والی غلطی کی، غرض کہنے کی یہ ہے کہ جس طرح نماز کی ادائیگی کا پورا حق صرف کتاب میں پڑھنے نہیں ادا ہو سکتا اسی طرح ارکان حج کی ادائیگی جو سراپا عملی چیز ہے اس کا پورا حق سکھلائے اور بتائے بغیر ادا نہیں ہو سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ کی حکمت یہی ہے اس لئے علماء حضرات جو حج میں جانے والے ہوں اور عربی مدارس کے ذمہ داروں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے مدرسہ میں ایک ہفتہ کا ایک ٹریننگ کیمپ کھول کر جانے والے حجاج کو گھر سے روانہ ہونے سے لے کر حج سے واپسی تک کے ارکان و آداب ان کو بتانے کی کوشش کریں انشاءاللہ راقم الحروف بھی اس سلسلہ میں پہل کرے گا اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ناواقف ہندوستان اور افریقہ کے بعض ملکوں کے حجاج دیکھنے میں آئے۔

۳ــــ جہاں تک حج کے انتظامات کا تعلق ہے سعودی حکومت نے مقامات حج پر بہتر سے بہتر انتظامات کرنے کی کوشش کی ہے۔ خاص کر قربان گاہ کا انتظام تو مثالی کر دیا گیا ہے اسی طرح رمی اور سعی کرنے میں بھی کافی سہولت ہو گئی ہے عرفات کے میدان میں نیم کے ہزاروں درخت لگا دینے سے بھی حجاج کرام کو بڑا آرام ملتا ہے صرف دن بھر کے لئے ۲۰ ــ ۲۲ لاکھ آدمیوں کے ٹھہرنے پیشاب پاخانہ کرنے اور

نہلانے دھونے کا انتظام کرنا آسان کام نہیں ہے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کی کوئی حکومت بھی اتنی خوش اسلوبی سے اتنے بڑے پیمانہ پر یہ انتظامات نہیں کرسکتی مگر پھر بھی اس سال میدان عرفات بعض حصے میں استعمال کے پانی کی اور پینے کے ٹھنڈے پانی کے جو پیکٹ تقسیم ہوا کرتے تھے اس میں کسی قدر کمی محسوس ہوئی۔ ممکن ہے اس میں عملہ کی کوتاہی رہی ہو۔

۴۔ اگر سعودی حکومت حج کے سلسلہ میں چند اصلاحات کرلیتی تو باہر سے آنے والے حجاج کے اخراجات میں بھی کمی ہو جاتی اور ان کو زیادہ سہولت ملتی اور ان کے حج کی کیفیت میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ وہ یہ ہیں:

(الف) راقم الحروف کے نزدیک معلمین کے لئے منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں ٹھہرانے اور ان کے حقِ محنت کے لئے جو فیس مقرر ہے وہ بہت زیادہ ہے اس میں کمی ہونی چاہیئے اور اس سلسلہ میں ان کی کوتاہیوں پر حکومت کو پوری نظر رکھنی چاہئے۔

(ب) اس سے پہلے حجاج کرام خود معلمین طے کرتے تھے اور مکان اور قیام گاہ کے انتخاب میں وہ آزاد ہوا کرتے تھے اس لئے معلمین کو ان کو زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کرنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے گھر تک آکر اپنی خدمات پیش کرتے تھے اور بمبئی سے جدہ تک ان کے نمائندے موجود رہتے تھے اب حکومت نے ان کے لئے کوٹہ مقرر کر دیا ہے کہ فلاں جگہ کے اتنے حاجی فلاں معلم کے پاس جائیں گے اور جگہ کے انتخاب میں بھی وہ آزاد نہیں ہیں اس لئے معلمین ڈیڑھ ہزار دو ہزار ریال تک ایک چارپائی کی جگہ کا کرایہ وصول کرتے ہیں اور بالکل لاپرواہی کے ساتھ راقم الحروف نے کئی جگہ حجاج کرام کو معلمین سے اور معلمین کو حجاج کرام کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھا اور شکایت کرتے بھی اس لئے حکومت ان کے لئے حجاج کا کوٹہ تو مقرر کردے کہ اتنے حجاج سے زیادہ وہ اپنے پاس نہ رکھیں مگر معلم کے انتخاب میں اور قیام گاہ کے انتخاب میں ان کو آزاد رکھا جائے یا پھر حکومت کرایہ طے کر دے کہ اس سے زیادہ معلمین کرایہ وصول نہ کریں مثلاً مکہ میں قیام

کے لئے کرایہ ۳۰۰ ریال سے ۴۰۰ ریال تک اور مدینہ منورہ میں زیادہ سے زیادہ ۵۰ ریال سے سو ریال تک مقرر کر دے ۔

(ج) جدہ میں اترنے کے بعد بسا اوقات ۸ سے ۱۰ گھنٹے تک حجاج کرام کسٹم کے حال میں بے یار و مددگار پڑے رہتے ہیں ان کو بسا اوقات ایک پیالی چائے بھی نصیب نہیں ہوتی اسی طرح کسٹم ہال سے نکلنے کے بعد بھی ان کو گھنٹوں پریشان ہونا پڑتا ہے اسمیں بھی اصلاح کی ضرورت ہے تاکہ وہ جلد سے جلد مکہ پہونچکر حرم پاک کی زیارت اور طواف وغیرہ سے فارغ ہو جائیں جس کا شوق لے کر وہ لمبے لمبے سفر کر کے یہاں آتے ہیں ۔

(د) سعودی حکومت نے حرم پاک اور مسجد نبوی کی توسیع کا مثالی کام کیا ہے اور اس پر انہوں نے کھربوں روپے خرچ کئے ہیں لیکن جس طرح حکومت نے پانی کے جہاز سے آنے والوں کے لئے جدہ میں مدینۃ الحجاج بنا دیا ہے اگر وہ مکہ اور مدینہ میں بھی ایسا انتظام کر دیتی اور اس کا ایک معقول کرایہ خود حجاج سے لیتی تو یہ بہت بڑا کار خیر ہوتا اور اگر حرم کے ارد گرد مدینۃ الحجاج کی عمارتیں بن جاتیں تو حج کی کیفیت میں اس سے اضافہ ہو جاتا اور حرم کے قریب کے ماحول میں بھی زیادہ پاکیزگی پیدا ہو جاتی اور حجاج کا ایک دو دن وقت جو اس میں ضائع ہو جاتا ہے اس سے ان کو نجات مل جاتی ۔

(ہ) منیٰ میں جس تیزی سے عمارتیں بن رہی ہیں حکومت کو اس میں بھی روک لگانے کی ضرورت ہے تاکہ حج کا وہ پر مشقت فطری ماحول باقی رہے جو حج کی روح کا تقاضہ ہے یوں تو آرام و آسائش بذات خود قوموں کی زندگی کے لئے سم قاتل ہے مگر خاص طور پر حج میں غیر فطری اور مصنوعی آسائشیں تو بالکل مناسب نہیں ہیں ۔

اس لئے اگر منیٰ کے اکثر حصہ میں عمارتیں بن گئیں تو منیٰ کے قیام کے درمیان ہم اس فطری زندگی سے محروم رہیں گے جو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سادہ زندگی اور ان کے مبارک حج کی یاد دلاتی ہے ۔

اوپر حج اور حجاج سے متعلق جو باتیں عرض کی گئی ہیں ان کے بارے میں بحمداللہ ہم کسی دو انفسی اور اس عجب میں مبتلا نہیں ہیں کہ وہ لامحالہ حکومت ہی تک پہونچ جائیں گی اور ان پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدین النصیحة ثلثاً قلنا لمن قال لله ولکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم

(مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے لئے تین بار فرمایا۔ دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے (صحابہ نے) کہا کہ یا رسول اللہ کس کے ساتھ خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ اس کی کتاب کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مسلمان حکمرانوں اور عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

بحمدللہ اسی جذبہ کے تحت اوپر چند باتیں عرض کی گئی اور اسی جذبہ کے تحت عرب ملکوں کی سیاسی صورتحال سے متعلق چند باتیں اور عرض کی جا رہی ہیں۔

ا۔ صدام نے کویت پر حملہ کر کے جو عظیم غلطی کی تھی اس کے نتیجے میں نہ صرف اسے سزا ملی بلکہ اس کا اثر ہے کہ عراق کے بے گناہ عوام فقر و فاقہ سے دوچار ہیں اور اتنا ہی نہیں پورے مشرق وسطی کی سیاسی و معاشی صورتحال پر پڑ رہا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس وقت سلامتی کونسل جس طرح امریکہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے اور وہ جو غیر انسانی فیصلے کر رہی ہے وہ انتہائی قابل مذمت ہیں، عراق کے بغل میں اسرائیل ہے جو چالیس برس سے ہر طرح کے ظلم و جور کو روا کئے ہوئے ہے جس کے نتیجہ میں لاکھوں فلسطینی دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ان کی زندگی میدان تیہہ کی زندگی بن گئی ہے۔ مگر سلامتی کونسل کے ناخداؤں نے اس کے خلاف ریزولیشن پاس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا اور وہ بھی مذمت کے ریزولیشن کو امریکہ ہمیشہ ویٹو کرتا رہا اور یہ سب اور عرب ملکوں کے سربراہ دم سادھے رہے آج عراق کے ایک ایک کیل کانٹے کا حساب لیا

جارہا ہے اور اسرائیل کے ایٹمی پلان اور اسلحہ سازی پر کوئی گرفت نہیں ہے افسوس ہے کہ اس کھلے ہوئے جارحانہ اور جانبدارانہ طرز عمل پر کوئی عرب ملک آواز نہیں اٹھا رہا ہے؟ اور نہ تو کسی حکومت کا کوئی بیان سامنے آیا اور نہ وہاں کے اخبارات اس کو کوئی اہمیت دے رہے ہیں۔ اس وقت سب سے زیادہ قابل مذمت طرز عمل ترکی اور مصر کا ہے ان ملکوں نے اپنی پچھلی تاریخ ہی کو نہیں بھلایا بلکہ مفاد کیلئے اسلامی غیرت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

۲۔ خلیج کے ممالک پر پہلے ہی سے امریکہ کا سیاسی تسلط رہا ہے مگر اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ممالک امریکہ اور اس کے حواریوں کی فوجی چھاؤنی بن کر رہ جائیں گے اور اور معاشرتی اور اقتصادی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ شاید ذہنی اعتبار سے بھی پہلے سے زیادہ ان کے سامنے سپر انداز ہوتے نظر آرہے ہیں، اس سلسلہ میں بہت سے واقعات راقم الحروف کے علم میں آئے ہیں مگر ان کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔

پچھلے مہینے میں امریکہ کی منصوبہ بندی کی جو حیرت انگیز اور عبرت انگیز رپورٹ رسالہ میں شائع کی گئی ہے کاش مشرق وسطیٰ کے مسلمان ممالک کے سربراہ اس پر سنجیدگی سے غور کرتے اور موجودہ دنیا کی سیاسی تبدیلیوں سے کوئی سبق لیتے اور اپنے ملک کو ان فتنوں کی آماجگاہ بننے سے روکتے۔

۳۔ خلیج کے عرب ملکوں میں دولت کی ریل پیل کی وجہ سے خواص و عوام انتہائی آرام پسند بلکہ عیش پرست بن گئے ہیں اور عام طور پر وہاں کے عوام سیاسی شعور سے خالی نظر آتے ہیں جس کے بارے میں راقم الحروف کئی بار لکھ چکا ہے کہ کسی ملک کے عوام و خواص کی سیاسی بے شعوری اس ملک کے لئے نیک فال نہیں کہی جا سکتی۔

خیال تھا کہ خلیج کی اس جنگ کے بعد اس میں کچھ تبدیلی آئے گی مگر اب بھی خود کوشی اور خود اعتمادی کے جذبات اور سیاسی شعور کے کوئی آثار وہاں نظر نہیں آرہے ہیں، بلکہ اب امریکہ نوازی اور مغرب اعتمادی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا ہے معلوم ہوا کہ کئی ملک نے اپنے دستخط سے کچھ اصلاحات شاہ کے دربار میں پیش کی تھیں مگر اسے آداب شاہی

کے خلاف قرار دیکر نظر انداز کر دیا گیا۔

۴۔ سارے مسلمان ملکوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ امریکہ اور ان کے حواریوں نے ایشیا اور خاص طور پر مشرقی وسطی کے لئے جو شیطانی منصوبہ بندی کر رکھی ہے اس میں اخلاق وسچائی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ان کی دوستی ان کی دشمنی سے بھی زیادہ مہلک ہے وہ آپ کے دوست اسی وقت تک ہیں جب تک وہ آپ کو معاشی اور سیاسی طور پر مفید سمجھتے ہیں مگر جوں ہی ان کا مفاد باقی نہیں رہے گا' آپ سے وہ دوبارہ صلیبی جنگ چھیڑ دیں گے یا پھر آپ کو اقتدار سے محروم کر دیں گے۔ ان پر آپ کا انحصار جتنا زیادہ کم ہوگا آپ کے ملک کے مستقبل کے لئے یہ چیز اتنی ہی زیادہ نیک فال ثابت ہوگی۔

۵۔ اس جنگ کے بعد سعودی حکومت پر امریکہ کے اثرات مزید بڑھ جانے کی وجہ سے اس نے عراق کے علاوہ قریب قریب تمام اسلامی ملکوں سے اپنے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی خاص طور پر ایران سے اس کے تعلقات کا بہتر ہونا اسلامی ملکوں کے اتحاد کے لئے ایک اچھی صورت نظر آنے لگی ہے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ تعلقات کی اس استواری کو امریکہ اور مغربی طاقتیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرلیں' اس لئے کہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف اب بھی کوئی آواز سنائی دیتی ہے تو ایران ہی کی سرزمین سے چنانچہ اس سال حج کے زمانہ میں بھی ایرانیوں نے حسب دستور جو مظاہرے کئے تھے ان میں امریکہ اور اسرائیل ہی کو ہدف بنایا گیا تھا اس لئے گمان ہوتا ہے کہ کہیں امریکہ اپنے سیاسی مفاد کے لئے دونوں ملکوں سے دوستی کرا کے کوئی سیاسی کھیل تو نہیں کھیل رہا ہے۔ خدائے تعالیٰ ہم کو ان دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھے۔ خاص طور پر سعودی عربیہ کو اس لئے کہ دو وجہ سے اس کی محبت ہر مومن کے ایمان کا جز ہے ایک اس لئے کہ اسی سرزمین میں حرمین شریفین جو ہماری اسلامی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرزمین کو یہ کہکر پاک فرمایا تھا اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب مگر حضور کے اس ارشاد کے خلاف وہاں کوئی چیز نظر آتی ہے

تو اس سے ہر مسلمان کی ایمانی حس کو ٹھیس پہنچتی ہے۔
۹۔ خلیج کی جنگ کے ختم ہوتے ہی صدر بش نے فلسطینیوں کے مسئلے کے حل کے لئے کچھ سرگرمی دکھائی تھی مگر پھر یہ مسئلہ نہ صرف سرد مہری کا شکار ہو گیا بلکہ عراق و لبنان میں مزید ان کا عرصۂ زندگی تنگ کیا جا رہا ہے شام نے جنگ کے دوران امریکہ نوازی کا پورا ثبوت دیا مگر گولان کی پہاڑیوں سے ایک انچ بھی امریکہ اسرائیل کو نہیں ہٹا سکا اب امریکہ کے صدر کا الکشن قریب ہے اس لئے شاید کچھ دن اس مسئلے کے سردخانہ میں پڑے رہنے کا امکان ہے۔

عرب ملکوں سے متعلق یہ چند باتیں موجودہ سفر کے نتیجہ میں زبان قلم پر آگئی ہیں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اَللّٰھُمَّ ارنا الحق حقاً وَرزُقنا اتّباعہ وَ اَرِنا الباطلاً وَرزُقنا اجتنا بہٖ ٥

بقیہ : احکام الاقرار اور ان کی حجّیت :

باپ کی باندی سے پیدا ہوا ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غور سے قیافہ لگایا تو اس کی شکل عتبہ کے مشابہ تھی آپ نے فرمایا ھو لک یا عبد اے عبد بن زمعہ وہ تیرا بھائی ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے اعتراف کی بنا پر اس کو اس کا بھائی بنا دیا تو معلوم ہوا نصاب شہادۃ ضروری نہیں ہے وارث کے اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شکل تو عتبہ سے ملتی تھی اور آپ نے فیصلہ عبد بن زمعہ کے حق میں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ الْحَجَرُ ، یعنی ولد صاحب فراش (حقیقی خاوند) کا ہوتا ہے۔
اور زانی کے لئے پتھر ہے عتبہ چونکہ عاہر تھا اس لئے اس کے حق میں فیصلہ نہ ہوا

نئی کتابیں

سیرت حضرت عائشہ صدیقہ

از محمد سلیمان ابن عبدالشکور صفحات ۲۹۸ کتابت وطباعت بہتر۔ ناشر: دعوۃ الاسلام سینٹر، ۴ یم ۷ اسٹریٹ چارمینار روڈ، کراس بنگلور ۵۶۰۰۵۱

ابن الشکور صاحب صحابۂ کرام و صحابیات کی سیرت سے متعلق کئی کتابیں لکھ چکے ہیں یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر حضرت الاستاد سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح سیر الصحابہ کا جو تحقیقی سیٹ دارالمصنفین نے تیار کیا ہے اس سے بہتر اب تک کوئی دوسرا ادارہ یا اشخاص تیار نہیں کر سکے ہیں۔

مصنف نے اس کتاب میں سیرت نگاری کے عام انداز سے ہٹ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مدنی زندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے ازدواجی تعلقات کے سلسلہ میں خود حضرت عائشہؓ کے زبان سے بیان کردہ روایتوں اور واقعات کو بغیر کسی اضافہ کے درج کردیئے ہیں جس سے براہ راست معلومات کا ذخیرہ ضرور جمع ہوگیا ہے مگر بعض واقعات کے پس منظر اور پیش منظر کو نہ بیان کیا جائے تو اس میں بعض قابل اعتراض پہلو پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی کئی جگہ کھٹک پیدا ہوتی ہے مجموعی حیثیت سے کتاب عام پڑھے لکھے لوگوں کیلئے مفید اور معلومات افزا ہے۔

مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی

صفحات ۱۴۰، کتابت وطباعت عمدہ مرتبہ: نور محمد فلاحی و محمد اسمٰعیل فلاحی

مولانا ابواللیث ندوی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک ربع صدی سے زیادہ جماعت اسلامی کی امارت کا فرض انجام دیا اس مدت میں بڑی سخت سے سخت آزمائشیں آئیں مگر کبھی نہیں کہ وہ اور ان کے رفقاء ان حالات میں ثابت قدم رہے بلکہ جماعت

کی تحریک کو بھی برابر آگے بڑھاتے رہے جماعت اسلامی کی امارت ذمہ داری کے ساتھ وہ تمام ملی تحریکوں میں بھی برابر کے شریک رہے اور اپنی اعتدال پسندانہ روش ہر دائرے سے لوگوں کو ہمیشہ متاثر کرتے رہے۔

ماہنامہ زندگی کے پرچوں میں ان کی بہت سی تحریریں یادگاریں اب بھی محفوظ ہیں، ان کے انتقال کے بعد ان پر جن لوگوں نے اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں ان سب کو اس مجموعہ میں جمع کر دیا گیا ہے جو ان کی ظاہری شخصیت کو سمجھنے کے لئے بڑی حد تک کافی ہے۔ مگر ان کی صفائی باطن اور دنیا کی جاہ وحشمت سے بے نیازی کی پوری تصویر ابھی سامنے نہیں آسکی ہے۔

مولانا مفتی مرتضیٰ حسین صاحب حالات اور کارنامے

از مولانا معشوق احمد مظاہری صفحات ۱۴۴، کتابت وطباعت عمدہ اور ٹائٹل دیدہ زیب ناشر مولانا محمد مطلب صاحب ناظم مدرسہ حمیدیہ دودھارا ضلع بستی۔

مشرقی اضلاع میں اعظم گڈھ، جونپور اور غازی پور کے بعد مردم خیزی میں ضلع بستی بھی ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس کا اثر ہے کہ بستی کا کوئی چھوٹا بڑا گاؤں ایسا نہیں ہوگا جہاں کوئی مکتب یا عربی مدرسہ نہ ہو، دینی تعلیم کا یہ رجحان فیض ہے ان برگزیدہ ملکے مخلص اثر کا جو اس کے گاؤں گاؤں پھیلے ہوئے ہیں۔ انہی برگزیدہ شخصیتوں میں ایک مولانا مفتی مرتضیٰ صاحب مرحوم بھی تھے ان کا سلسلہ تعلیم وتعلم اور رشد وہدایت اس سلسلۃ الذہب سے جڑ جاتا ہے جو حضرت سید احمد شہید اور اسمٰعیل شہیدؒ کے طفیل میں پورے ہندوستان میں پھیلا۔ مرتب کتاب لائق ستائش ہیں کہ انہوں نے علمائے بستی کے ایک گل سرسبد کی علمی دینی اور ملی خدمت سے عام لوگوں کو آگاہ کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں کتنے گوہر شب تاب ایسے ہیں جو اپنے کو گوشہ گمنامی میں رکھ کر ہزاروں دلوں کو روشنی بخش گئے ہیں،

امید ہے کہ یہ کتاب اہل علم میں نہ صرف شوق سے پڑھی جائے گی بلکہ اس سے ایک بصیرت اور جذبۂ عمل حاصل ہوگا۔

زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟
حصہ دوم

از: مولانا محمد شہاب الدین ندوی صفحات ۲۵۵
کتابت و طباعت اعلیٰ، ناشر فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ ۱۵
واسرلی۔ بنگلور ۵۶۰۰۰۵۔ قیمت ۳۰ روپے

مولانا شہاب الدین ندوی، ملک کے معروف عالم اور مصنف ہیں، بنگلور میں فرقانیہ اکیڈمی کے نام سے انھوں نے جو ادارہ قائم کیا ہے وہ اب تک دو درجن سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے ان کا خاص موضوع قرآنیات ہے اور اس سلسلہ میں ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اس کتاب کو بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی سمجھنا چاہئے۔

اس کتاب میں انھوں نے تحقیقی انداز میں جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم، مصارف زکوٰۃ اور خاص طور پر فی سبیل اللہ کے مصرف پر بڑی لمبی بحث کی ہے مگر اس وقت جو لوگ فی سبیل اللہ میں وسعت پیدا کرنے کے درپے ہیں ان کا مقصد کیا ہے؟ وہ فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ کو لے کر اپنے اداروں کو چلانا چاہتے ہیں اور ان کو اس پر انشراح ہے تو وہ ضرور لیا کریں مگر جمہور ائمہ نے فی سبیل اللہ کا جو مفہوم سمجھا ہے اور اس پر جو لوگ عمل پیرا ہیں ان پر تنقید کرنی اور اپنے سمجھے ہوئے مفہوم کو اس طرح پیش کرنا کہ سارے ائمہ اور مجتہدین اور فقہاء نے آج تک قرآن و حدیث کے بہت سے گوشوں کو سمجھا ہی نہیں، یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، افسوس ہے کہ آجکل یہ وبا بہت پھیل رہی ہے حضرت سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن و حدیث نئے نئے نکتے اور ان کے حکیمانہ پہلو پیدا ہوتے رہیں گے اور اس میں اپنی تحقیق کی خوب جولانی دکھائیے، مگر استنباط مسائل میں جمہور محدثین اور فقہاء نے جو رائے دے دی ہے اس سے بالکلیہ انحراف کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

بہرحال مصنف نے اس موضوع پر بہت اچھا مواد اکٹھا کر دیا ہے اور کتاب اہل علم کے مطالعہ کے لائق ہے۔

ماہنامہ

جامعۃ

SEP.
1991

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڈھ مئو

M.ALI.MAU

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/8

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۵۰/۔
خصوصی معاون ۱۰۰/۔
قیمت
فی پرچہ ۵/۔

جلد ۱۸ ستمبر ۱۹۹۱ء مطابق صفر، ربیع الاول ۱۴۱۲ھ شمارہ ۳

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات	جناب عبد الجبار احمد حسین شرارہ	۷
۳۔ احکام الاقرار اور ان کی حجیت	مولانا مبشر احمد صاحب لاہور	۱۴
۴۔ کسبِ حلال اور کسبِ حرام	محمد سعد صدیقی صاحب کاندھلوی پاکستان	۲۲
۵۔ دیباچہ	مرتب	۳۴

منیجر توسیع اشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ندوی

کتابت:
خورشید اکرم خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپواکر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

اس وقت پوری دنیا میں مسلمان سیاسی طور پر جتنے بے وزن ہوگئے ہیں اس سے پہلے اتنے بے وزن شاید کبھی نہ تھے آج ہر مسلمان حکومت اپنی خیر منانے میں لگی ہوئی ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر حکومت امریکہ کا طوقِ زریں اپنے گلے میں ڈال لینے میں فخر محسوس کر رہی ہے نہ قذافی کی ہیکڑی کہیں نظر آ رہی ہے اور نہ شام کی ملحدانہ بڑ سنائی دے رہی ہے، نہ تو ایران کے اسلامی حکومت کے نعرہ میں اب کوئی زور دکھا رہا ہے، اس وقت سارے ممالک امریکہ کے انا ولا غیری کی آواز میں آواز ملا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے اس صورت حال کے بدلنے کی کوئی صورت پیدا فرما دے، ورنہ حالات بہت سنگین دکھائی دے رہے ہیں، اقبال کی زبان میں کہ "غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر" کا منظر ہر طرف دکھائی دے رہا ہے۔

یہی صورتحال مسلمانوں کی ہندستان میں بھی ہے، یوں تو آزادی کے بعد ہی سے حکومت کی طرف سے ہماری سیاسی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، اور خود ہم نے بھی اپنے سیاسی وزن کے لئے کوئی متحد کوشش نہیں کی اب تو یہ چیز اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ گئی ہے مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اب بھی اس کا کوئی پر شعور احساس دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ عام آدمیوں کو جانے دیجئے خواص اور علماء کی اکثریت میں بھی اس کی کوئی گہری فکرمندی نظر نہیں آ رہی ہے الا ماشاء اللہ۔

یہ بات اس لئے عرض کی جا رہی ہے کہ اگر یہ احساس ہوتا تو ہم اس صورتحال سے نکلنے کی کوشش کرتے، ہماری صفوں میں آج بھی وہی انتشار ہے جو اس سے پہلے تھا، ہمارا معاشرہ اب بھی دینی و اخلاقی قدروں کو اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ پامال کر رہا ہے جتنا

اس سے پہلے کتا تھا آج مسلمانوں کی ایک بستی ایک محلہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں بھائی چارہ کا کوئی ماحول نظر آتا ہو بلکہ ہر جگہ جھگڑے لڑائی مقدمہ بازی قتل و غارتگری کا دورہ دورہ دکھائی دیتا ہے، بدگمانی، بے اعتمادی اور رشک و حسد ہماری فطرت میں داخل ہو چکا ہے بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اس وقت دو آدمی کا دل بھی ایک دوسرے سے ملا ہوا نظر نہیں آتا، خواص کی صفوں میں بھی یہی صورت حال ہے اور عوام کی صفوں میں بھی۔

شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ نے جو فیصلہ کیا تھا اس کو ہم نے مسلم پرسنل لا کے لئے چیلنج سمجھا اور اس کے خلاف پورے ہندستان کے مسلمانوں نے آواز اٹھائی اور اس میں بری بھلی تبدیلی ہوگئی، مگر اس کا کیا علاج ہے کہ مسلمانوں نے آج بھی فوجداری دفعہ ۱۲۵ کے تحت ہزاروں مقدمات عدالت میں داخل کر رکھے ہیں پارلیمنٹ میں قانون آرہا ہے کہ مسجدوں، قبرستانوں اور دوسرے مذہبی مقامات کی جو حیثیت ۱۹۴۷ء سے کے بعد تھی وہ باقی رہے یہ قانون ضرور پاس ہونا چاہئے مگر کیا اس قانون کے پاس ہونے کے بعد مسجدوں اور قبرستانوں وغیرہ کی حفاظت ہو جائے گی؟ کیا محض یہ قانون اس کی حفاظت کا ضامن بن جائے گا یا ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔؟

اگر ہم ان کی حفاظت کے لئے آمادہ نہ ہوں تو کیا قانون کے ہوتے ہوئے بھی ان کی حفاظت ہو جائے گی؟

ضرورت ہے کہ معاشرہ کے افراد کے اندر زیادہ سے زیادہ ملی احساس اور سیاسی شعور بیدار ہو ان کے اندر اعتماد، اتحاد اور حسن ظن کی فضا پیدا ہو اور وہ اس حدیث نبوی کے مصداق بنیں ۔

المومنون کرجل واحد ان اشتکیٰ عینہ اشتکیٰ کلہ وان اشتکیٰ راسہ اشتکیٰ کلہ (مسلم) مسلمان آپس میں ایک جسم کے مانند ہیں جسم کے ایک حصہ یعنی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے اگر سر میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ ہم ایک جسم بننے کے بجائے نہ جانے کتنے جماعتی، مسلکی اور طبقاتی خانوں میں بٹے ہوئے ہیں اور آپس میں تنفر بڑھتا ہی جارہا ہے ہر شخص دوسرے کے اہم سے اہم کام کو بھی بدنیتی پر محمول کر رہا ہے۔ اس فضا میں تبدیلی نہ تو دعوت و تبلیغ کی کوششیں لا پارہی ہیں اور نہ علماء کے مواعظ کا اس پر کوئی اثر دکھائی دے رہا ہے اور نہ مدارس کی فضا اس میں کوئی مؤثر بن رہی ہے اور نہ بڑی بڑی کانفرنسیں اس میں ہلچل پیدا کر پا رہی ہیں۔ آج ہمارے رہنماؤں علماء اور مسلمانوں کے اہل دانش کے لئے سب سے زیادہ سوچنے ہی نہیں بلکہ پریشانی اور بے چینی کی بات یہی ہے۔

ہم کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ہماری بربادی کے جو خارجی عوامل ہیں ان کا مقابلہ ہم اسی وقت کر سکتے ہیں جب معاشرہ کے بگاڑ کے جو داخلی عوامل ہیں ان کو کسی حد تک درست کر لیا جائے داخلی بگاڑ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، ملت کے جسم کو کبھی ایسا صحت مند اور قوی نہ ہونے دے گا کہ وہ خارجی عوامل کو اپنے اوپر اثر انداز نہ ہونے دے ان کا مقابلہ کرنا تو دور کی بات ہے۔

۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ اگست کو چوتھا فقہی سیمنار مدرسہ سبیل السلام حیدرآباد میں منعقد ہوا الحمد للہ اس سیمنار میں نہ صرف پورے ہندستان کے علماء و فقہاء کی معتد بہ تعداد شریک ہوئی بلکہ بنگلہ دیش پاکستان، مصر اور سعودی عربیہ کے بھی کئی ممتاز علماء اس میں شریک ہوئے۔

ابتدائی دو سیمنار ہمدرد نگر تغلق آباد دلی کے کنونشن ہال میں منعقد ہوئے اور قیام اس کے گیسٹ ہاؤس میں رہا مگر ادھر دو سیمنار مدرسہ کی فضا میں ہوئے ہیں تیسرا سیمنار مدرسہ سبیل الرشاد بنگلور میں منعقد ہوا تھا جس کا ذکر الرشاد کے صفحات میں آچکا ہے۔

اور چوتھا سیمنار عروس البلاد حیدرآباد کے مدرسہ سبیل السلام کے زیر اہتمام ہوا۔

مدرسہ سبیل السلام حیدرآباد کی اصل آبادی سے دس بارہ کلومیٹر کی دوری پر پہاڑیوں کے دامن میں ایک پرفضا مقام پر واقع ہے اس کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہے لیکن ظاہر و معنوی دونوں حیثیت سے اس نے کافی ترقی کی ہے گو کمیت میں وہاں کے بعض مدرسے اس سے بڑھے ہوئے ہیں مگر کیفیت میں بحمد اللہ بعض قدیم مدرسوں کے وہ ہم عنان بن گیا ہے

خاص طور پر فقہ اسلامی پر اس وقت جتنا کام وہاں ہو رہا ہے اتنا ہندوستان کے بڑے بڑے مدرسوں میں بھی نہیں ہو رہا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ مدرسہ کو با صلاحیت نوجوانوں کی ایک ٹیم مل گئی ہے، جن کے سرخیل عزیزم گرامی خالد سیف اللہ رحمانی ہیں۔

دو بار، حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا مگر آزادی سے پہلے کے حیدرآباد کا تصور کرکے قلب پر ایک حسرت و غم کی کیفیت ہی لے کر لوٹا۔ البتہ دو چار اچھے مدرسوں کے قیام کی وجہ سے امید ہے کہ دوبارہ وہاں دینی و علمی فضا قائم ہو جائیگی اور اتحاد المسلمین کی سیاسی کوششوں سے مسلمانوں کا سیاسی وقار بھی کسی حد تک بحال ہو جائے گا۔

اس سیمنار میں تین مسئلے زیر بحث تھے (۱) دو ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلے میں تفاضل اور نسیئہ (۲) ہندوستان کے فرقہ وارانہ حالات میں انشورنس کی اجازت پر غور (۳) ہندوستان میں اسلامی بینکنگ کے امکانات پر غور۔

تیسرے سیمنار میں دو ملکوں کی کرنسیوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ چونکہ دو ملک کی کرنسیاں دو جنس ہیں اس لئے اس میں تفاضل جائز ہے، البتہ اس میں نسیئہ (ادھار) کا ذکر صراحتاً نہیں تھا، اس لئے جدید اور اسلامی معاشیات کے ایک ماہر جناب نجات اللہ صدیقی صاحب نے یہ فیصلہ پڑھکر محترم مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کو لکھا کہ شاید اس فیصلہ میں نسیئہ کا لفظ رہ گیا ہے اور اس میں نسیئہ صحیح نہیں ہے، قاضی صاحب موصوف نے مولانا تقی عثمانی صاحب کو لکھا کہ اس میں آپ کی رائے کیا ہے؟ انہوں نے فقہ کے ایک جزیہ سے استدلال کرتے ہوئے جواز کی رائے ظاہر کی، قاضی صاحب موصوف نے اس پر تمام علماء کو ایک استفسار بھیجکر سب کی رائے معلوم کی، اس سلسلہ میں تقریباً ۶۵ علماء کی رائے مولانا تقی عثمانی صاحب کی رائے کی موافقت میں آئی اور پندرہ بیس علماء کی رائے نجات اللہ صدیقی صاحب کی رائے کے موافق آئی، راقم الحروف بھی نجات اللہ صدیقی صاحب کی رائے سے متفق تھا، اس میں پورے دن بحث ہوئی پھر ایک کمیٹی بنا دی گئی کہ وہ اس سلسلے

(۲) جواز اور عدم جواز پر بحث

میں اپنی تجویز پیش کرے، راقم الحروف بھی اس کمیٹی میں تھا، کئی گھنٹے کے ردوکد کے بعد مولانا تقی عثمانی صاحب کی ایما سے ان کی رائے میں قدرے تبدیلی کے ساتھ تجویز پاس ہوئی، تجویز کے الفاظ اس وقت سامنے نہیں ہیں مگر یہ قید لگی ہوئی ہے کہ ضرورت شدیدہ کے تحت ہی اس پر عمل کیا جائے۔

دوسرے مسئلہ میں اسی رائے پر سیمینار کے شرکاء پہنچے تھے جس رائے کا اظہار آج سے ۲۵ برس پہلے تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کر چکی تھی مگر تجویز پڑھے جانے سے پہلے انشورنس کے ایک ماہر نے یہ بتایا کہ فسادات میں جو جانی نقصان ہوتا ہے انشورنس کمپنی اس کی قانونی طور پر ذمہ دار نہیں ہوتی، پھر انشورنس کے ایک ذمہ دار نے بتایا کہ جنرل انشورنس کے تحت یہ چیز آسکتی ہے۔ ان رایوں کے بعد تجویز روک دی گئی اور اس پر مزید غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی، کمیٹی کا فیصلہ اگلے سیمینار میں پیش ہوگا۔

تیسرا مسئلہ یعنی ہندوستان میں اسلامی بینکنگ کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کی تفصیل ریزرو بینک کے ایک ذمہ دار جناب حسیب صاحب نے پیش کی، جس سے اندازہ ہوا کہ اس میں کچھ قانونی دقتیں ہیں مگر ان کے دور کرنے کے ذرائع پر غور کیا جا رہا ہے ممکن ہے کہ اگلے سیمینار میں اس پر کوئی آخری تجویز لائی جا سکے،

سیمینار کے آخر میں مولانا تقی عثمانی اور انس زرقا وغیرہ نے ہندوستان کے علماء کی ان کوششوں کو بڑے اچھے اور موثر انداز میں سراہا، مولانا تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ ذرائع کا جہاں تک تعلق ہے وہ پاکستان میں زیادہ ہی ہیں، مگر بے سروسامانی کے باوجود ہندوستان کے علماء کی یہ علمی و فقہی کوشش ہمارے لئے باعث رشک باعث تقلید ہی نہیں بلکہ باعث شرم ہے،" موصوف نے خاکساری میں جو الفاظ ہندوستانی علماء کے بارے میں فرمائے اس نے ہماری ذمہ داریوں کو نہ صرف بڑھایا بلکہ صنفی ہو گراں بہاریکارڈ اگلے سیمینار کے لئے کئی مدرسوں کی طرف سے پیش کش تھی مگر قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند کے تحت اگلا سیمینار جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ جیسے چھوٹے ادارے میں ہونا طے پایا، اللہ تعالیٰ اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ یہ سیمینار امید ہے کہ شوال کے آخری ہفتہ میں ہوسکے گا۔

۱۳ر اگست کو بعد نماز ظہر سمینار کا علمی پروگرام ختم ہوگیا' اسی روز رات میں حیدرآباد شہر میں جلسۂ عام کا پروگرام تھا اور جلسۂ عام کے بعد تمام مندوبین کا کھانا جناب عبدالحفیظ صاحب اڈیٹر رہگذر کے یہاں تھا، بحمد اللہ جلسۂ عام کامیاب رہا، جلسہ کے بعد تمام مندوبین جناب عبدالحفیظ صاحب کے دولت کدہ پر لے جائے گئے' حیدرآباد کی روایت کے مطابق انھوں نے کھانے کا اعلیٰ درجہ کا انتظام کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت کے ساتھ علمی ذوق سے بھی نوازا ہے' ان کے پیشِ نظر تاریخ ہند کی نئی ترتیب کا ایک بڑا منصوبہ ہے خدا کرے وہ پورا ہو' ان سب سے بڑھکر انھوں نے دلِ دردمند کے ساتھ سیاسی شعور اور ملی غیرت و حمیت بھی پائی ہے، جس کا اظہار وہ اپنے پرچہ اور دوسرے طریقوں سے کرتے رہتے ہیں،

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ۱۳ر اگست ۱۹۹۱ء کو سارے پروگرام ختم ہوگئے اور ہم لوگوں کی واپسی کا ٹکٹ ۱۴ر اگست کو تھا اس لئے خیال ہوا کہ وہاں کے کچھ اور اداروں کو بھی دیکھ لیا جائے چنانچہ راقم الحروف اور مولانا افضال الحق قاسمی صاحب ۱۴ر اگست کی صبح کو مدرسہ رحمانیہ منتقل ہوگئے جو قلب شہر میں واقع ہے اور مدرسہ نظامیہ کے بعد یہاں کا سب سے قدیم مدرسہ ہے' یہ مدرسہ کمیت کے اعتبار سے بہت بڑا نہیں ہے مگر بچوں کی تعلیم و تربیت کے نظام کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی۔ مدرسہ کے صدر مدرس صاحب اور ناظم صاحب مدرسہ نے بڑا اخلاق صرف کیا اور ہر طرح کا آرام پہنچایا، ناظم مدرسہ موصوف کی گاڑی سے ۱۴ر اگست کو بعد نماز عصر دو گھنٹے کے لئے ہم لوگ دارالعلوم حیدرآباد گئے' اس نے تھوڑی مدت میں ظاہری طور پر کافی ترقی کرلی ہے، وہاں سے بعد نماز مغرب ہم لوگ محترم جمیل صاحب کے مکان ادم کاٹج آگئے جہاں قاضی صاحب اور انس زرقاء صاحب کا پروگرام تھا، قاضی صاحب نے راقم الحروف سے بھی کچھ کہنے کے لئے فرمایا، جس کی تعمیل کی گئی،

پرچہ پریس جا رہا تھا کہ دعوت دعوت کا تازہ شمارہ ملا، اس میں مولانا احمد علی قاسمی صاحب جو ایک فرد ادارہ کے مسند نشین بنے ہوئے ہیں انھوں نے اسمیں امارت شرعیہ کے ذمہ دار کی حیثیت سے کانگریس اور راجیو گاندھی کی قصیدہ خوانی پر جو کچھ لکھا ہے یہ سوچ کر انتہائی افسوس ہوا کہ ملت کے ذمہ دار لوگ بھی تھوڑے سے مفاد کیلئے کتنی نیچی سطح تک اتر سکتے ہیں، ایک مشترکہ ادارہ کے ذمہ دار کو اس عامیانہ انداز میں ایک فریق بن کر کسی بھی سیاسی جماعت کی نہ تو حمایت کرنا ہی مناسب تھا اور نہ اپنے کچھ۔

(بقیہ: صفحہ ۳۵ پر)

عبدالجبار احمد حسین شراۃ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ

محمد اقبال انصاری ندوی، بدر جمال اعظمی

دسویں رائے :-

حروف مقطعات سورہ میں انھیں حروف کی کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں

بعض حضرات کا خیال ہے کہ کچھ سورتوں میں حروف مقطعات لانے کی غرض یہ بتانا ہے کہ سورہ کے کلمات میں یہی حروف کثرت سے آئے ہیں اور اسے وہ قرآن کریم کے اعجاز کے لئے دلیل سمجھتے ہیں۔ اس کا ذکر علامہ زرکشی[1] نے کیا ہے اور اسی سے ملتی جلتی بات کی طرف طباطبائی[2] نے بھی اشارہ کیا ہے اور الیکٹرانک کمپیوٹر کے ذریعے حساب لگا کر ڈاکٹر رشاد خلیفہ[3] نے اس خیال کو بڑی وسعت دی ہے۔

اس رائے والوں کے دلائل اور ان سے مذاکرہ :

اس رائے کے حاملین اپنی رائے پر درج ذیل دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ علامہ زرکشی[4] نے ذکر کیا ہے کہ: تناسب اسی کا متقاضی ہے، جس کی وضاحت وہ

۱۔ البرہان فی علوم القرآن/ : ص ۱۶۹ اور اس کے بعد کے صفحے ۲۔ المیزان/ ۱۸: ۸

۳۔ مجلۃ الاسلام/ طرابلس/ شمارہ ۲۳ سنہ ۱۹۸۳ء ص ۲۰ — ۲۹

۴۔ البرہان فی علوم القرآن/ ۱: ۱۶۹

وہ یوں کرتے ہیں:۔

"حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں غور کیجئے تو پوری سورہ بنیادی طور پر انھیں حروف پر مبنی ہوگی، مثلاً (قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ) پس یہ سورہ قاف سے بنے کلمات پر مبنی ہے، یعنی اس سورہ میں قرآن یا خلق کا ذکر بار بار آیا ہے، اسی طرح کلمۂ قول کی تکرار بار بار ہوئی ہے۔ علامہ زرکشیؒ نے کچھ دوسرے کلمات کا بھی ذکر کیا ہے جو حرف ق پر مشتمل ہیں، اور پھر انہوں نے بتایا ہے کہ یہاں ایک دوسرا سِر یہ بھی موجود ہے کہ سورہ کے تمام معانی حروف قاف میں پائی جانے والی شدت، جہر اور قلقلے سے ہم آہنگ ہیں۔۔۔۔۔۔ پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر سورۂ ن میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کے تمام فواصل نون ہی کے وزن پر ہیں، مزید برآں یہ سورہ ایسے الفاظ پر بھی مشتمل ہے جن میں حرف نون آیا ہے۔[1]

محترمہ ڈاکٹر بنت الشاطیؒ نے علامہ زرکشی کے ان خیالات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارے لئے یہ تصور کر لینا کوئی آسان بات نہیں ہے کہ عرب سورۂ ق میں حرف قاف کا شمار کرنے لگیں گے یا سورہ ص میں مواقع خصومت کا احصاء کرنے لگیں گے اور علامہ زرکشی کا یہ فرمانا کہ سورہ نون کے تمام فواصل نون کے وزن پر ہیں صحیح نہیں کیونکہ سورۂ ق کے فواصل میں "یکتبون"، "صالحین" اور "متین" وغیرہ کے ساتھ "عظیم"، "زنیم" اور "رحیم" وغیرہ بھی آئے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا لحاظ ہر حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورہ میں نہیں کیا گیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ زرکشی نے اس حقیقت کو تاڑ لیا اسی لئے تاویل و تخریج کا راستہ اختیار کیا، یہاں تک کہ انھیں بعید اشارات کا سہارا لینا پڑا۔[2]

۲۔ علامہ طباطبائیؒ[3] نے ذکر کیا ہے کہ حروف مقطعات اور ان سے شروع ہونے والی

---

[1] البرہان/ ۱: ۱۶۹ [2] اعجاز بیانی/ ص ۱۳۲

[3] المیزان/ ۱۸: ۶ اور اس کے بعد کے صفحات

سورتوں کے مضامین کے درمیان خاص ربط کا اندازہ ممکن ہے مثلاً سورۂ اعراف جو "المص" سے شروع ہوئی ہے اپنے مضمون میں "میم" اور "صاد" کے مضامین کی جامع ہے۔

علامہ طباطبائی کا خیال ہے کہ وہ سورتیں جو "حم" سے یا "الر" سے شروع ہوتی ہیں ان کے مضامین یکساں ہیں اسی لئے ان حروف سے افتتاح کے سلسلے میں بھی ان میں یکسانیت اور اشتراک ہے۔[1]

ہم ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا بعض دوسری سورتوں میں مضامین کا یہ تشابہ یا اشتراک موجود نہیں؟ پھر کیوں نہ ان سورتوں کا آغاز ایسے حروف سے کیا گیا جو ان مضامین کے مناسب ہوں۔ اور یہ تصور کر لینا ہمارے لئے سخت مشکل ہے کہ کوئی عرب اس بات کا ادراک کر لے اور پھر حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں کا استقرار کر لے اور مضامین کی جانچ پڑتال کر کے ایک طویل سیاحت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مضامین میں تشابہ ہے پس مناسب ہوا کہ سورہ سے پہلے ایسے حروف لائے جائیں جو ان مضامین کی طرف اشارہ کریں۔

میں کہتا ہوں کہ نہایت آسانی سے اس رائے کے بعد اور انحراف کو سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے ذکر کیا ہے کہ اس رائے تک پہنچنے کے لئے ان حروف کے شمار کے سلسلے میں جن سے سورہ کے کلمات بنے ہیں۔ ایک نیا طریقہ ایجاد ہو چکا ہے اور وہ ہے ترقی یافتہ الیکٹرانک کمپیوٹر۔

عظیم جدوجہد اور طویل مدت کے بعد ہر سورہ کے حروف مقطعات اور ان کے حروف کے عدد کے مابین تعلق کے سلسلے میں کچھ دلکش حقائق کا پتہ چلا ہے اور یہ نتائج جیسا کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ صاحب کی رائے ہے کہ قرآن کریم کے ہر حرف اور ہر کلمے کا ایسا دقیق حساب نکل ہو چکا ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ان چیزوں میں سے ہیں جو قرآن کے معجزہ

---

[1] المیزان / ۱۸ : ۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

[2] مجلۃ العلم / ص ۳۰ – ۳۱ ، نیز ملاحظہ ہو "ماذا تعرف عن القرآن / محمد مسلادی مطبوعہ ۱۹۷۸ء۔

ہونے کی تائید کرتے ہیں۔

ہم ان سے ہر ایک موصوف سے سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر یہی معنی اور مراد مقصود ہے تو پھر بعض سورتوں کو چھوڑ کر بعض ہی کی کیا تخصیص ہے۔ تمام سورتوں میں لازماً حروف مقطعات آنا چاہئے تھا

پھر کیا قرآن کریم اس حد تک اس بات کا خواہاں ہے کہ اس کی ۲۹ سورتیں حروف مقطعات کے ذریعے شروع ہوں تاکہ کہا جا سکے کہ سورۂ ق یا ن یا الٓمٓ وغیرہ کے ذریعے شروع کی گئی کیونکہ سورہ کے الفاظ میں یہ حروف بہ نسبت اور حرفوں کے زیادہ آئے ہیں۔

اس رائے کے حاملین کو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے قرآن کریم کے اعجاز کی دلیل سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم نے مسئلہ اعجاز کے سلسلے میں روشن دلیل اور ثابت شدہ برہان پر اعتماد کیا ہے، خصوصاً ان اشیاء میں جن میں عربوں سے بلا واسطہ خطاب ہے، پھر قرآنی چیلنج کی دعوت واضح اور صریح صیغوں پر قائم اور سربلند ہوتی ہے۔[1] ان ساری باتوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس رائے کی تائید کوئی معتبر روایت بھی نہیں کرتی بلکہ یہ رائے صرف تخمین و قیاس پر مبنی ہے۔

گیارھویں رائے : ـــــــــــــــ

ہر حرف، کثیر معانی پر دلالت کرتا ہے

اس رائے کی طرف علامہ طبریؒ گئے ہیں، اور ان تمام راؤں میں جسے انھوں نے پیش کر کے مباحثہ کیا ہے، اسی رائے کو ٹھیک سمجھا ہے، سب سے پہلے اس رائے کو ربیع بن انس نے اٹھایا، اگرچہ انھوں نے اسے تین ہی ... معنوں میں منحصر کیا ہے جیسا کہ امام طبری نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے[2] اور اسی رائے کو ابن فارسؒ نے بھی اختیار

---

[1] الاعجاز فی دراسات السابقین / عبدالکریم الخطیب / ص ۱۲۷ اور اس کے بعد کے صفحات

[2] جامع البیان / ۱ / ۹۳ [3] البرہان / ۱ : ۱۶۵

کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم علامہ طبریؒ کا قول یہاں نقل کر دیں۔

"میرے نزدیک حروف مقطعات (جنہیں حروف معجم بھی کہتے ہیں) کی تاویل میں راجح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں الگ الگ حروف بنایا، ایک کو دوسرے سے جوڑا نہیں جیسا کہ تمام کلام متصل الحروف ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بول کر ان میں سے ہر حرف کے ذریعے کثیر معنی بتانے کا ارادہ فرمایا، صرف ایک ہی معنی بتانا اسے مقصود نہ تھا۔۔۔۔"

وہ بطور دلیل درج ذیل باتیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ جیسے یہ جائز ہے کہ ایک کلمہ بہت سے مفہوم و معنی پر مشتمل ہو، مثلاً اہل عرب لوگوں کی جماعت کو بھی "اُمّت" کہتے ہیں، زمانے میں سے ایک مدت کو بھی امت کہتے ہیں، اللہ کے عبادت گذار اور فرمانبردار بندے کو بھی امت کہتے ہیں، اور دین کو بھی امت کہتے ہیں ۔۔۔۔۔ کلام عرب میں اور بھی الفاظ ہیں جو کثیر معانی پر مشتمل ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول (الم، المر، المص) وغیرہ حروف معجم جنہیں اوائل سورہ کے فواتح کہتے ہیں، ان میں کا ہر حرف مختلف ایسے معانی پر دلالت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات اور ان اقوال پر مشتمل ہیں جنہیں ہم نے مفسرین سے نقل کیا ہے۔"

علامہ طبری کی اس دلیل کی علامہ ابن کثیرؒ نے تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"امت کا جو لفظ قرآن کریم میں آیا ہے وہ الفاظ مشترکہ میں سے ہے جو موقع اور سیاق کلام کی مناسبت سے الگ الگ معنی دیتا ہے۔ اسے امکان کے وقت معانی کے مجموعہ پر محمول کرنا، علماء اصول کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے ۔۔۔ پھر لفظ "امت" پورے کلام کے سیاق

---

۱ جامع البیان / ۹۳ ۲ ایضاً

۳ تفسیر القرآن العظیم ۱/ ۶۶ اور اس کے بعد کے صفحات

میں اپنے تمام معانی پر دلالت وضعی کی وجہ سے دلالت کرتا ہے۔ رہی حرف واحد کی کسی پر دلالت تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تقدیراً یا اضماراً، وضع کے ذریعے یا بغیر وضع بلا کسی ترجیح کے کسی دوسرے اسم پر بھی دلالت کرے۔ پس یہ ان چیزوں میں سے جو صرف توقیف ہی کے ذریعے سمجھی جا سکتی ہے، حالانکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مجمع علیہ نہیں کہ کوئی ایک حکم لگایا جا سکے۔

اور ایک حرف بول کر پورے کلمہ کو مراد لینے کی صحت پر جو شواہد پیش کئے گئے تو وہاں سیاق میں خود ایسی چیز موجود ہے جو مراد کلمے کے محذوف حروف پر دلالت کرتی ہے، مگر یہاں مسئلہ اس سے مختلف ہے۔

اس سے آگے بڑھکر ہم یہ بھی کہیں گے کہ علامہ طبری نے خود دوسروں کے مزعومہ معانی کو پیش کر کے بحث کی ہے اور انھیں ضعیف قرار دیا ہے اور بعض کو دلائل سے غلط ثابت کیا ہے، ان دلائل کو اس سے پہلے ہم نقل کر چکے ہیں، پھر کیسے انھوں نے اپنے لئے ان معانی پر حرف کی دلالت کو جائز کر لیا۔

۲- علامہ طبری نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے یا اس میں سے کسی شے کے ذریعے ایک ایسے معنیٰ[۱] پر دلالت مراد لیتا جس کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی گنجائش نہ ہوتی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے لوگوں کے لئے واضح فرما دیتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی لئے قرآن کو نازل فرمایا تھا کہ وہ لوگوں پر مختلف فیہ چیزوں کو واضح فرما دیں، اب جب کہ اللہ کے رسول نے کسی ایک معنی کو واضح اور متعین نہیں کیا تو اس سے ہر وہ معنی مراد لیا جا سکتا ہے جس کا وہ محتمل ہو، کیونکہ ایسا کرنا عقلاً مستحیل نہیں جیسے کثیر معانی کا اجتماع کسی ایک کلام کے ایک کلمہ کے اندر مستحیل نہیں۔

۱۔ جامع البیان/ ۱: ۹۳ اور اس کے بعد کے صفحات

علامہ طبری کی رائے غلط ہے کیونکہ :

۱۔ اگر ان کی مستدل بدلیل کو صحیح مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر وہ چیز جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر بیان نہ فرمایا ہو، یا ہمارے نزدیک اس چیز کے سلسلے میں کوئی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث کے ذریعے ثابت نہ ہو، اور اس میں وجہ تاویل موجود ہو، اور وہ تاویل مستعمل کے درجے میں نہ ہو تو اسے اللہ کی مراد سمجھنا چاہیے، حالانکہ ایسا سمجھنا باطل ہے، کیونکہ اس طرح تمام باطنی اور دور از کار عجیب و غریب تاویلات کو صحیح ماننا پڑے گا، جبکہ اسے کوئی بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ علامہ طبری نے خود اس طرح کی بہت سی آراء کا تعاقب کیا ہے، فرماتے ہیں : " یہ رائے جملہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے موقف سے ہٹی ہوئی ہے اس لئے غلط اور فاسد ہے"۔ جب طے ہو گیا کہ تاویل کے یہ بعض وجوہ فاسد ہیں تو کیسے ان تاویلات اور اس کے علاوہ بعض دوسری تاویلات بہ ہر حرف کی دلالت کو صحیح مان لیا جائے ؟

۲۔ بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف مقطعات کی تشریح نہیں فرمائی، کیونکہ دوسرے تمام واضح امور کی طرح اس کی تشریح کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا نزول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی لئے تو کیا تھا کہ آپ مختلف فیہ اور غیر واضح مسائل کو لوگوں کے سامنے صاف اور واضح کر دیں جیسا کہ علامہ طبری نے صراحت کی ہے کہ "کہیں بھی نہیں آیا ہے کہ حروف مقطعات کے سلسلے میں صحابہ کے درمیان کوئی اختلاف رہا ہو، کسی روایت سے بھی ایسا ثابت نہیں ہے۔

۳۔ حروف مقطعات کے سلسلے میں کہنا کہ اس میں ہر حرف کثیر اور مختلف معانی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ایک کلمہ مثلاً کلمہ "امت" کی دلالت کثیر معانی پر ہوتی ہے، قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ کلمہ کی دلالت وضع، سیاق اور قرینے کے تحت ہوتی ہے، اور حروف مقطعات

لہ جامع البیان / ۱ : ۹۲ اور اس کے بعد کے صفحات

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

احکام اقرار اور انکی حجیت

مولانا مبشر احمد - جامعہ مدنیہ لاہور

(۴)

اقرار فی مرض الموت

یعنی آدمی اتنا بیمار ہوا کہ اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کرسکتا اور غالب گمان یہی ہو کہ اس کا تندرست ہونا محال ہے بالآخر وہ مرگیا: اس مرض میں اگر کوئی مریض اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کو صحیح کہا گیا ہے خواہ وہ کسی وارث کے حق کا اقرار کرتا ہے یا غیر وارث حق کا۔

کیونکہ اقرار کی حجیت اور مشروعیت اور حکمت و محاسن پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ اسلئے ہر عاقل بالغ آزاد کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے اس کو اپنے نفس اور مال پر ولایت کاملہ ہے۔

لیکن فقہا کا اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ مریض کسی غیر وارث کے لئے اقرار کرے تو وہ صحیح اور لازم ہوگا یا نہیں:

قول اول

جمہور فقہاء اور صحابہ اور تابعین کا قول یہ ہے کہ تندرست اور مریض کے اقرار بغیر الوارث میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں حالتوں کا اقرار صحیح اور لازم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک آدمی اپنے وارث پر کسی اجنبی شخص کو ترجیح دے۔

پھر جمہور فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اقرار جمیع ترکہ سے ادا کیا جاوے گا۔

اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ثلث ترکہ سے ادا کیا جاوے گا۔ یہ عند الاحناف و الحنابلہ ہے۔ دوسرے قول والوں کی دلیل یہ ہے کہ اقرار المریض بغیر الوارث محض تبرع اور وصیت ہے اور تبرع اور وصیت ثلث ترکہ سے ادا کی جاتی ہے۔

قول ثانی بعض حنابلہ کا قول ہے کہ غیر وارث کے لئے مریض کا اقرار غیر صحیح ہے کیونکہ اس میں تہمت کا شبہ ہے شاید وارث کو محروم رکھنا چاہتا ہو لہذا اس کے اقوال و تصرف پر حجر کیا جاوے گا ورثاء کے حق کی رعایت کرتے ہوئے۔

قول مختار : ان دونوں قولوں میں مختار قول جمہور فقہاء و صحابہ کا ہے[1]

اقرار المریض لوارث اگر مریض اپنی مرض وفات میں کسی وارث کے لئے اقرار کرتا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل احناف و بعض شوافع و حنابلہ کا قول یہ ہے کہ اقرار تو صحیح ہے مگر وہ موقوف ہوگا غرباء اور ورثاء کی تصدیق پر اگر وہ تصدیق کر دیں گے تو لازم ہوگا اور اگر وہ تکذیب کر دیں گے تو باطل ہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ مُقِر مدیون ہو اور اس کے دیگر ورثاء بھی موجود ہوں بصورت دیگر اقرار لازم ہوگا، اور یہ اقرار وصیت سمجھا جاوے گا۔

قول ثانی جمہور شوافع اور مالکیہ وغیرہ کا ہے کہ وارث کے لئے اقرار مریض صحیح اور لازم ہے خواہ مقروض ہو یا نہ ہو: دیگر ورثاء ہوں یا نہ ہوں۔

دلیل قول اوّل

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ ولا اقرارَ لَہٗ بالدَّین ۔ — وارث کے لئے وصیت بھی نہیں ہے اقرار دین بھی نہیں ہے[2]

---

[1] وسائل الاثبات ج اول ص ۲۹۸ [2] نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۱۱ ۔ وسائل الاثبات ج ا ص ۲۹۹

روی عن سیدنا عمرو ابنہ رضی اللہ عنہما قالا اِذَا اَقَرَّ الْمَرِیْضُ لِوَارِثِہٖ لَمْ یَجُزْ وَاِذَا اَقَرَّ لِاَجْنَبِیٍّ جَازَ۔

حضرت عمرؓ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مریض وارث کے لئے اقرار کرے تو جائز نہیں اور جب اجنبی اقرار کرے تو جائز ہے۔

۳۔ حضرت عمرؓ کی روایت پر تمام صحابہ کا اجماع بھی منقول ہے کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

۴۔ اقرار مریض کو وصیت پر قیاس کیا گیا ہے جب وارث کے لئے وصیت جائز ہے تو اقرار کیسے جائز ہو گا۔ نیز اقرار مریض کسی وارث کے لئے عند الموت اسا پر تہمت کبیرہ ہوگی: کیونکہ تمام ورثہ کا ترکہ میں برابر کا حق ہوتا۔

دلیل قول ثانی اقرار کے قاعدے واضح ہوتا ہے کہ اقرار مریض اور اقرار صحیح میں کوئی فرق نہیں ہے (۲) اگر مریض مرض الموت میں کسی کے وارث ہونے کا اقرار کر سکتا ہے تو اقرار للوارث بھی کر سکتا ہے۔ (۳) جب غیر وارث کے لئے اقرار کر سکتا ہے تو وارث کے لئے بطریق اولیٰ کر سکتا ہے۔

اقرار دین اگر مریض حالت مرض میں اقرار کرتا ہے کہ میں نے کسی کا قرض دینا ہے جو مجھ پر حالت مرض میں لازم ہوا ہے تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے کہ آیا حالتِ صحت اور حالت مرض کا قرض برابر ہوتا ہے یا نہیں۔

قول اول حنفیہ اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ دین مرض کمزور ہوتا ہے دین صحت سے لہٰذا ادائیگی کے وقت دین صحت کو مقدم کیا جاوے گا اور دینِ مرض کو مؤخر[1]:

ان کی دلیل یہ ہے کہ مریض کی ذمہ داری حالت مرض میں کمزور ہو چکی ہے تو اس کو تبرع و محاباۃ سے منع کر دیا جاوے گا۔ کیونکہ مریض کے مال کے ساتھ غرباء کے

---

[1] تکملہ فتح القدیر ج۷ ص ۹۔ تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۵

حق متعلق ہو جاتا ہے لہٰذا مریض مفلس مجور کے مشابہ ہوگا۔ تو پہلے دیونِ صحت ادا کئے جاویں گے اگر ترکہ میں کچھ بچ جاوے تو پھر دیونِ مرض ادا کئے جاویں گے۔

ہاں ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ جو اشیاء مرض میں خریدی ہیں ان کی مثلی قیمت ادا کر سکتا ہے نیز وہ قرضہ جو حالت مرض میں برہان سے ثابت ہو وہ بھی دیونِ صحت کے برابر ہوگا۔

قول ثانی دیون مرض مساوی ہوتے ہیں دیون صحت کے یہ شوافع ومالکیہ کا مذہب ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اقرار فی المرض بھی حجت شرعیہ ہے اور دیون صحت و دیون مرض کا محل ایک ہی ہے اور وہ دونوں ایک ہی قوۃ (یعنی اقرار) سے ثابت ہیں لہٰذا ایک دائن کو دوسرے دائن پر فضیلت نہ ہوگی۔ چونکہ مریض اپنی ذمہ داری سے عہدہ برار ہونا چاہتا ہے کہ کہیں میں مر جاؤں اور کسی کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے اس لئے وہ اقرار کر رہا ہے لہٰذا اس کا اقرار قابل قبول ہوگا۔[1]

ان دونوں قولوں میں ظاہرًا تو قول ثانی کو ترجیح دی گئی ہے مگر قانونًا قول اول یعنی احناف کے قول کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔[2]

اقرار بالکتابت یعنی دوسرے کے حق کی تحریرًا خبر دینا: بشرطیکہ تحریر واضح و مرتب ہو۔ ۲۔ تحریر اس دور کے قانون کے مطابق ہو۔

فقہار کا اختلاف تحریری اقرار کے ساتھ ثبوت حق میں فقہار کے تین قول ہیں۔
قول اول: اقرار بالکتابت کے ساتھ حقوق ثابت نہیں ہوتے خواہ اس پر گواہ بھی موجود ہوں یہ قول جمہور متقدمین احناف وابن عابدین وخیر الدین الرملی کا ہے۔[3]

---

[1] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۰۴ [2] وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۰۲

[3] معین الحکام ص ۱۲۲۔ الاشباہ والنظائر ص ۲۰۳

قول ثانی: تحریری اقرار کے ساتھ حقوق ثابت ہوجاتے ہیں خواہ گواہ موجود ہوں یا نہ ہوں یہ قول مالکیہ اور حنابلہ اور بعض متاخرین احناف کا ہے۔

قول ثالث: گواہ موجود ہوں تو اقرار بالکتابت سے حقوق ثابت ہوں گے اور اگر گواہ موجود نہ ہوں تو حقوق ثابت نہ ہوں گے یہ قول شوافع اور بعض احناف اور بعض مالکیہ کا ہے۔

استدلال قول اول اصحاب قول اول نے استدلال کیا ہے اس بات سے کہ تحریریں عام طور پر ملتی جلتی ہوتی ہیں ہوسکتا ہے جعلی تحریر ہو اور گواہ بھی جھوٹے ہوں اس لئے جس میں احتمال پیدا ہوجائے اس میں استدلال ساقط ہوجاتا ہے۔

لیکن فقہاءؒ نے اس استدلال کو رد کردیا ہے کیونکہ احتمال و شک تو ہر صورت میں واقع ہونا ممکن ہے پھر تو کوئی صورت ثبوت حق کی باقی نہ رہے گی۔

استدلال قول ثانی اصحاب قول ثانی نے استدلال کیا ہے اس بات سے کہ اقرار بالکتابت سے ثبوت حقوق اقوی ہے بنسبت اقرار بالالفاظ کے کیونکہ کاتب اپنی تحریر سے قبل غور و فکر کرتا ہے اور بہت سوچ بچار کے بعد تحریر کرکے دیتا ہے بخلاف لفظ کے کہ اس میں خطاء و لغزش و نسیان و سبقتِ لسان بھی ہوسکتا ہے اس کے باوجود اقرار باللفظ کو معتبر مانا گیا ہے تو اقرار بالکتابت بطریق اولیٰ معتبر ہوگا۔ اور حجت ہوگا۔

استدلال قول ثالث اصحاب قول ثالث نے اس میں شہادۃ کی شرط زیادہ کی ہے کیونکہ شہادۃ سے احتمال تزویر و تشابہ خطوط رفع ہوجاتا ہے ہاں یہ ضرور ہوگا کہ گواہ عادل ہوں[1]۔

فیصلہ اقرار بالکتابت کے حق و حجت ہونے پر کتاب و سنت میں شواہد موجود ہیں۔

---

[1] معین الحکام ص ۱۲۳ - الاشباہ والنظائر ج ص ۲۴۰ - وسائل الاثبات ج ۱ ص ۲۱۱

۱۔ کتاب اللہ ۔ قرآن مجید میں ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ۔	اے اہل ایمان جب تم آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ (بقرہ آیت ۲۸۲)

۲۔ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَہٗ شَیْءٌ یُرِیْدُ اَنْ یُّوْصِیَ فِیْہِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ۔	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ کسی مسلمان کا حق ہو اور کوئی اس کے سلسلے میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے اپنے پاس لکھ کر رکھ لے۔

اگر کتاب و تحریر معتمد و معتبر نہ ہوتی تو شارع علیہ السلام کتابت کا حکم نہ دیتے۔

قیاس مقروض اقرار حقوق کا محتاج ہوتا ہے اور عام طور پر شہر سے دور ہونے کی وجہ سے کوئی گواہ بھی نہیں ملتا اس لئے وہ تحریر کر کے دے دیتا ہے یا اپنے رجسٹر میں تحریر کر کے رکھ لیتا ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ اگر تحریر کو معتبر نہ سمجھا جاوے تو اس طرح بہت سے حقوق کی تضییع ہو جائے گی اسی بنا پر فقہا کا یہ قول مشہور ہے۔

الکتاب کالخطاب :

(۲) قول ہے۔ اَلْاِقْرَارُ بِالْکِتَابَۃِ کَالْاِقْرَارِ بِاللِّسَانِ۔

یعنی اقرار بالکتابت بھی اقرار باللسان کی طرح ہے۔

خلاصہ موجودہ دور میں تحریری ثبوت کو قانوناً و سیاسۃً زیادہ اہمیت حاصل ہے بنسبت قولی ثبوت کے یہ اس ترقی کے دور میں ایسے کمپیوٹر سسٹم آچکے ہیں جو تحریر کی پہچان کر لیتے ہیں نیز جب گواہ موجود ہوں تو جعلی تحریر کا احتمال ختم و رفع ہو جاتا ہے اس لئے اقرار بالکتابت بھی صحیح اور لازم و نافذ ہوگا۔[1]

---

[1] وسائل الاثبات ص ۳۱۴

چند مسائل اقرار

مسئلہ نمبر ۱: ایک شخص نے اقرار کیا کہ لِفُلَانٍ عَلَیَّ مَالٌ فلاں شخص کا میں نے مال دینا ہے اب مقر کو کہا جائے گا مال کی وضاحت کرو کتنا ہے اور کیا ہے تو جو بھی وہ وضاحت کرے گا تھوڑا یا زیادہ اس کو تسلیم کر لیا جاوے گا: لیکن ایک درہم سے کم کی تصدیق نہ کی جاوے گی۔ کیونکہ عرفاً ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہا جاتا اور اگر مقر نے مَالٌ عَظِیْمٌ کہا تو پھر کم ازکم دو صد دراہم ہوں گے۔ کیونکہ مال عظیم مقدار نصاب کو کہا جاتا ہے۔

اور ایک قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ کم ازکم دس دراہم ہوں گے: کیونکہ نصاب سرقہ جس پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہ دس درہم ہیں۔

اور اگر مَالٌ عَظِیْمٌ مِنَ الدَّنَانِیْرِ کہا تو بیس دینار ہوں اِمن الابل کہا تو پچیس اونٹ مراد ہوں گے۔

مسئلہ نمبر ۲: ایک شخص اقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی کسی چیز کو مستثنیٰ کر لیتا ہے تو یہ اقرار درست ہے مثلاً کہتا ہے لَهٗ عَلَیَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِیْنَارًا: کہ میں نے اس کے سو درہم دینے ہیں مگر ایک دینار تو اب مقر پر سو درہم لازم ہوں گے مگر ایک دینار کی قیمت منہا کی جائے گی۔

اور اگر اقرار کے ساتھ لفظ انشاء اللہ کہہ دیتا ہے تو اقرار لازم نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۳: ایک شخص نے کہا هٰذِهِ الدَّارُ لِفُلَانٍ وَالْبِنَاءُ لِیْ هَا: یہ گھر فلانے کا ہے مگر اس کی عمارت میری ہے تو اب مقرلہ کو عمارت سمیت گھر ملے گا کیونکہ گھر بغیر عمارت کے نہیں ہوتا جیسے کہ انگوٹھی بغیر نگینہ کے نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر ۴: ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے فلانے شخص کو شراب یا خنزیر کی قیمت دینی ہے ایک ہزار روپیہ، تو اب مقر کے ذمہ ایک ہزار روپیہ تو لازم ہوگا مگر اس کی تفسیر کو قبول نہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ ثمن شراب و ثمن خنزیر واجب نہیں ہوتے تو مقر یہ تفسیر کر کے اپنے آپ کو بری کرنا چاہتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۵: حالت مرض میں اگر قرضوں کا اقرار کیا تو حالت صحت کے قرضہ کو پہلے ادا کیا جاوے گا اور دیون مرض کو بعد میں۔

مسئلہ ۶: مریض حالت مرض میں بعض قرض خواہوں کا قرض ادا کر دیتا ہے اور بعض کا نہیں کرتا یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بعض کو بعض پر ترجیح دی گئی ہے حالانکہ سب قرض خواہ برابر کے حقدار تھے۔ ہاں اگر حالت مرض میں کوئی قرضہ لینا ہے یا کوئی چیز خریدی ہے تو وہ ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۷: مریض پر کسی کا قرضہ نہیں ہے وہ حالت مرض میں کسی کے لئے اقرار کرتا ہے تو یہ اقرار صحیح اور لازم ہوگا اور مُقرلہ کو ورثہ پر مقدم کیا جاوے گا۔

مسئلہ نمبر ۸: ایک شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دیتا ہے پھر اس کے لئے قرض کا اقرار کرتا ہے پھر مر گیا اب بیوی کو میراث اور قرض میں جو کم ہوگا دے گا۔

مسئلہ نمبر ۹: وارث کے لئے اقرار جائز نہیں ہاں اگر بقیہ ورثا تصدیق کر دیں تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰: ایک شخص کسی کے لئے اقرار کرتا ہے کہ یہ میرے والدین ہیں یا بیٹے ہیں یا بیوی ہے یا مولیٰ ہے تو اقرار جائز ہے۔

اور اگر والدین اور وَلَد کے علاوہ کسی اور کا اقرار کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے فلاں شخص میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو وہ اقرار صحیح نہ ہوگا اگر مقرلہ کے علاوہ کوئی اور وارث قریبی یا دور کا موجود ہو تو مقرلہ سے وہ مقدم ہوگا اور اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو تو پھر مقرلہ مقدم ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

ہدایہ ج ۳ ص ۲۴۰

کسبِ حلال اور کسبِ حرام

جناب محمد سعد صدیقی ریسرچ آفیسر قائد اعظم لائبریری
پاکستان

الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمت
والنور اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔
صدق اللہ العظیم ٥

خالق کائنات ، مدبر ارض و سموٰت ، خالق الحب والنباتات ، مکوّنِ جمادات و حیوانات اور موجد انسان و جنات اس کائنات ارضی و سماوی میں جس قدر مخلوقات تخلیق و تکوین فرمائی ہیں ، ان کی تمام انواع میں اضداد کا ایک عالم پایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سموات کی تخلیق کی تو زمینوں کو بھی پیدا فرمایا اسی طرح بلندی کو بھی تخلیق کیا اور پستی کی بھی تکوین فرمائی ، اللہ تعالیٰ نے انوار بھی پیدا کئے اور ظلمات بھی بنائے ، دن اور رات ، خشکی و تری ، حرارت و برودت کی صورت میں ایک عالم اضداد بنایا۔

انسانی صفات و خصوصیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اضداد کی ایک دنیا تخلیق فرمائی ۔ ہدایت و گمراہی ، دیانت و خیانت ، تقویٰ و فجور ، محبت و نفرت دوستی و عداوت ، بغض و اخوت ، خیرخواہی و بدخواہی ، اطاعت و نافرمانی ، تکبر و تواضع اور عزت و ذلت جیسی اضداد تخلیق فرمائیں۔ کیونکہ انسان کے تخلیقی عناصر میں خیر و شر دونوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرمائی ۔ انسانی جسم میں ایک جانب اس کا نفس جو شر اور برائی کو قبول کرتا ہے اور انسان کو برائی ، معصیت اور نافرمانی

پر آمادہ کرتا تو دوسری جانب اس میں جوہر لطیف روح کو رکھ دیا گیا جو خیر و فلاح کا منبع و سرچشمہ ہے۔ انسان کی فوز و فلاح اور اس کی کامیابی و ترقی اس بات میں منحصر ہے کہ وہ روح کے تقاضوں کو سمجھے، انھیں پیدا کرے اور مرضیاتِ روح پر چل کر خیر و فلاح اور سعادت دارین کو حاصل کرنے والا بن جائے۔

انسان کو نفس کے ان تقاضوں سے بچانے اور اس کی روح کو جلا و ترقی دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور رسالت اور صحف و کتب کے نزول کا سلسلہ شروع کیا گیا جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر مختلف مراحل طے کرتا ہوا خاتم الانبیاء امام الرسل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے عروج و کمال کو پہونچا اور نزول قرآن کریم نے کتب و صحف کے سلسلۂ نزول کو معراج و کمال عطا کیا قرآن کریم نے کتابی صورت میں اور نبی کریم نے اپنی عملی زندگی کی شکل میں انسان کے لئے ایک ضابطۂ حیات اور ایک طریقۂ زندگی کی رہنمائی کی جس میں اس انسان کو کچھ امور بطور فرض و واجب عائد کئے گئے اور اس کے بالمقابل کچھ امور کی صراحۃً اور تاکید ممانعت کر دی گئی جبکہ کچھ امور میں انسان کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو انھیں اختیار کرے اور چاہے تو ترک کر دے۔ یہی تین بنیادی اور اساسی چیزیں ہیں جو احکام شریعت میں کارفرما نظر آتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا نبی کریمؐ نے احادیث مبارکہ میں جن چیزوں کو منع فرما دیا۔ وہ ممنوع و حرام کے قبیل سے ہیں اور جن چیزوں کا اختیار دے دیا وہ مباح و حلال کی فہرست میں شامل ہیں۔ کسب و عمل میں یہ نظریہ شریعت اسلامی کے بنیادی اور اساسی عوامل میں سے ہے اور اس کے بغیر انسان اپنے دعویٰ ایمان میں کمال صدق حاصل نہیں کر سکتا۔

احکامِ ربانی ہوں یا تعلیماتِ نبویؐ حلال و حرام کی ان بنیادوں سے مقصد بندہ اور افراد امت میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ایسے جذبات پیدا کرنا ہے کہ جن کی بنا پر وہ بے چون و چگون اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و

فرمانبرداری کرتا رہے اور اس سلسلہ میں نفس کی خواہشات حائل ہوں نہ شیطانی وساوس معاشرتی عوامل مانع ہوں نہ اقتصادی مجبوریاں رکاوٹ بنیں۔ یہی اطاعت و فرمانبرداری ہماری اخروی فلاح کی ضامن ہے اور دنیاوی سکون و اطمینان کا سبب بھی کسب حلال وکسب حرام پر بحث کی ابتداء سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاح شریعت میں حرام وحلال کے مفہوم پر غور کر لیا جائے۔

حرام کی تعریف: علامہ خضری بک حرام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

الحرام ما اشعر بالعقوبۃ علی فعلہ[1] — حرام وہ ہے جس کے ارتکاب پر شریعت نے کوئی سزا متعین کی ہو۔

یعنی جس فعلِ شنیع کے ارتکاب پر شریعت نے اس دنیا کے اندر کوئی حد متعین کی یا آخرت کی کوئی سزا قرآن یا حدیث نبوی سے ثابت ہوتی ہو۔ وہ فعل اور اس کا ارتکاب حرام میں داخل ہوگا۔ قدیم ماہرین اصول فقہ قرآن کریم پر بحث کرتے ہوئے خاص کے دو اقسام بیان کرتے ہیں۔

(الف): امر، (ب): نہی

مذکورہ بالا دونوں میں وجوب قطعیت کے معنی پائے جاتے ہیں، اول الذکر میں کسی فعل کے کرنے کو واجب قرار دیا جاتا ہے جب کہ مؤخر الذکر میں کسی فعل کے ارتکاب سے منع کر دیا جاتا ہے اور یہی ممانعت بعض شرائط کے ساتھ حرام کی صورت اختیار کر جاتی ہے، چنانچہ ملا جیون نہی کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لفظ وضع لمعنی معلوم وهو التحریم[2] — نہی کا لفظ ایک مخصوص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور وہ تحریم ہے۔

معلوم ہوا کہ شارع جس چیز سے ممانعت فرمادیں اس کے اندر عقلاً اور شرعاً کوئی خرابی ہوگی اور یہ مضرت وخرابی اس کے اندر اصلاً پائی جاتی ہوگی یا کسی عارض کی بنا پر پیدا ہوگئی ہوگی۔

ابن حزم حرام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حرام: هو ما طلب الشارع الكف عنه على وجه الحتم والالزام فيكون تاركه مأجوراً مطيعاً، وفاعله آثماً عاصياً۔

حرام وہ حکم ہے جس کے ذریعہ شارع کسی کام سے حتمی اور لازمی طور پر ترک جانے کو طلب کرے پس اس کام کو چھوڑنے والا مطیع کہلائے گا اور بدلہ سے نوازا جائے گا جبکہ مرتکب گنہگار اور نافرمان کہلائے گا۔

اب حرام کی یہ تعریف گذشتہ تعریف کے مقابلہ میں وسیع تر محسوس ہوتی ہے کہ جس میں تارک حرام کے لئے اجر و ثواب کا بھی ذکر ہے اور مرتکب حرام کے لئے گنہگار اور نافرمان کا نام تجویز کیا گیا ہے۔

ثبوت حرمت کی شرائط

ثبوتِ حرمت کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ خضری لکھتے ہیں:

ما ثبت قطعاً وهو نصوص الكتاب والسنة المتواترة والاجماع۔

(جو کسی نص قطعی یعنی کتاب اللہ، سنتِ متواترہ یا اجماعِ امت سے ثابت ہو)

الفاظ حرمت

قرآن وسنت میں کسی چیز کو حرام کرنے کے لئے حسب ذیل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

الف: تحریم۔ اس مادہ سے کوئی بھی صیغہ استعمال کیا جائے۔ مثلاً

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ" تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں

ب: حلال کی نفی۔ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفسه

کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لئے مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں۔

ج: ایسے حتمی انداز میں ممانعت کی جائے کہ جو تحریم پر دلالت کرے۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ

تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے (بالکل) کنارہ کش رہو اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔

ز۔ کسی چیز کو نجس اور ناپاک قرار دے دیا جائے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ؎

شراب، جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو۔

ح۔ کسی کام پر کوئی حد متعین کر دی جائے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ؎

اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ۔

ط۔ کسی کام پر آخرت کے کسی عذاب یا غضب الٰہی کی وعید دی جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ؎

بلاشبہ جو لوگ یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتے (برتتے) ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہوں گے۔

ی۔ عدم قبولیت شہادت۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا۔ ؎

اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے گی۔

یعنی ان کا جرم اس قدر سنگین ہے کہ وہ اہلیت شہادت سے محروم کر دیے گئے۔

درج بالا الفاظ کے ذریعے سے جس چیز کی ممانعت کی جائے وہ شریعت میں حرام قرار دی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام فرض کے مقابلہ میں سب سے ادنیٰ ہے۔

طرح فرض کا تارک گنہگار اور منکر کافر ہوتا ہے، حرام کا مرتکب گنہگار اور حرمت کا منکر کافر ہوتا ہے۔

حرام کے اقسام

احکام شریعت میں جن اشیا کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ حرام لذاتہ۔ ایسی اشیا یا ایسے امور جن کو شریعت نے ہمیشہ کے لئے ان کے کسی ذاتی ضرر و فساد کی بنا پر حرام قرار دے دیا ہو اور ان کی یہ حرمت کسی عارض کی بنا پر نہ ہو۔

مثلاً مردار کا کھانا یا اس کا فروخت کرنا، شراب پینا یا اس کا فروخت کرنا۔

اس نوع کا حکم یہ ہے کہ ایسے حرام کا ارتکاب کسی مسلمان کے لئے جائز و حلال نہیں اور ایسے مرتکب حرام پر حد کی صورت میں حد نافذ کی جائے گی اور عذاب آخرت کی صورت میں وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ لیکن شارع نے پانچ مواقع پر اس حرام کو بقدر ضرورت حلال کیا ہے اور صرف ان پانچ صورتوں میں یہ امور ضرورت پورا کرنے کی حد تک حلال و جائز ہوں گے۔

۱۔ حفاظتِ دین ۲۔ حفاظتِ نفس ۳۔ حفاظت عقل ۴۔ حفاظتِ نسل
۵۔ حفاظتِ مال

مثلاً حالت اضطرار میں جب بھوک یا پیاس سے ہلاکت کا اندیشہ و خوف ہو تو مردار کھانا یا شراب پینا حلال اور جائز ہو جاتا ہے لیکن یہ چیز مدنظر رہے کہ کسی حرام کو حلال کرنے کا اختیار صرف شارع یعنی اللہ تعالیٰ کو ہے۔ قرآن کریم کی صراحت کے بغیر کوئی شخص اپنے اجتہاد و قیاس سے کسی حرام کو مصلحت استحسان یا ماحول و معاشرہ کی ضرورت یا کثرت کی بنا پر جائز و حلال نہیں کر سکتا۔ اسی طرح معاشرہ میں کسی حرام کے ارتکاب کی کثرت اس کی حرمت کو ختم کرتی ہے اور نہ ہی اس کے ارتکاب پر گناہ میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ البتہ ماحول و معاشرہ میں کسی حرام کی کثرت کے باوجود کسی شخص کے اس حرام سے بچنے کی فضیلت اور اس پر اجر و ثواب کی زیادتی کی امید ضرور کی جا سکتی ہے۔

ب۔ حرام لغیرہ حرام کی دوسری قسم وہ اشیاء یا امور ہیں جو بذاتہ تو حلال، جائز مستحسن یا پسندیدہ ہیں لیکن حرام کے ساتھ مل جانے یا کسی عبادت میں روکاوٹ بننے کی بنا پر حرام ہو جاتے ہیں اور اس عارض کے ختم ہو جانے پر پھر اپنی اصلی حالت و کیفیت پر لوٹ جاتے ہیں۔ مثلاً ارض مغصوبہ میں نماز یا اوقات مکروہ میں نماز عید کے دن روزہ یا جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت۔ یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے مستحق، پسندیدہ ہیں جیسے نماز اور روزہ حلال و جائز ہیں مثلاً خرید و فروخت لیکن مقام یا وقت کی وجہ سے یہ امور حرام ہو گئے ہیں اور اس مقام اور وقت کی تبدیلی کے بعد پھر مستحسن یا جائز ہو جائینگے۔

فقہا کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ ان عارضات کی بنا پر یہ تمام امور حرام ہیں اور ان سے کسب و اکتساب بھی حرام۔ جب کہ بعض فقہاء کے نزدیک ان عارضات کی موجودگی میں ان افعال کا ارتکاب نا جائز ہے لیکن بالفعل مؤثر ہے یعنی اگر کوئی ارض مغصوب میں نماز ادا کرے تو اگرچہ وہ گنہگار رہے لیکن نماز کی فرضیت اس سے ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر کوئی شخص اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے تو گنہگار رہے لیکن معاملۂ بیع منعقد ہو جائے گا۔

حلال کی تعریف

حرام کے مقابلہ میں لفظ حلال ہے جو مباح کا مترادف ہے۔ مباح کی تعریف کرتے ہوئے علامہ خضری بک لکھتے ہیں۔

ان المباح من حیث ھو مباح لا یکون مطلوبۃ فعلہ ولا اجتنابہ	مباح وہ امر ہے کہ شریعت میں جس کا ترک کرنا یا سرانجام دینا مطلوب نہ ہو۔

امام شوکانی نے اس سے زیادہ مفصل اور جامع تعریف کی ہے۔

المباح: ھو ما خیر الشارع المکلف بین فعلہ وترکہ ولا مدح ولا ذمہ علی الفعل والترک ویقال لہ الحلال[۱۳]	مباح وہ امر ہے کہ جس میں شارع نے انسان کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس کے کرنے پر کوئی تعریف ہے نہ ترک پر کوئی مذمت اور اسی کو حلال کہا جاتا ہے۔

یعنی مباح یا حلال وہ امور ہیں کہ جن کے بارے میں شریعت نے یہ حق دے دیا ہے کہ انسان اپنی فطری ضروریات کو حاصل کرنے اور جبلی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ان مباح اور حلال اشیاء و امور سے استفادہ کر سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ امور مباح اور حلال پر عمل کرنے والا شخص اپنے آپ کو کسی مدح اور خراج تحسین کا مستحق نہ سمجھے دین و شریعت کی جانب سے جو فرائض و واجبات اس پر عائد ہیں ان کو سرانجام دیتے رہنا اور جن امور سے شارع نے منع کر دیا، ان سے بچتے رہنا اللہ کے نزدیک قابل مدح و ستائش ہے۔

الفاظ اباحت قرآن کریم کی آیات اور نبی کریمؐ کی احادیث میں جن الفاظ کے ذریعہ کسی چیز یا کسی کام کو جائز و حلال کہا جاتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

الف : لفظ حلال کی تصریح ہو۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ وطعامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ [۱]	آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں، ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

ب : اثم (گناہ) کی نفی۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ [۲]
پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت) سے تجاوز کرنے والا تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں)

ج : نفی حرج۔ نفی حرج دو الفاظ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ نفی جناح اور نفی حرج۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِہٖ مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَآءِ اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ [۳]	اور تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) کے بارہ میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادہ نکاح کو) پوشیدہ رکھو۔
لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا	نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے

عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

نہ لنگڑے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں کچھ مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے (جن میں بی بی اور اولاد کے گھر بھی آگئے) کھانا کھا لیا کرو یا اپنے باپ کے گھر سے)

د- صیغہ امر: صیغہ امر (حکم کا صیغہ) اپنی اصلی وضع کے اعتبار سے تو وجوب کے لئے مستعمل ہے لیکن بعض اوقات کسی قرینہ کی بنا پر اس کو وجوب کی بجائے اباحت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ ... ...

اور جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو۔

یہاں زمین میں پھیل جانے کا حکم اباحت کے لئے کہ اذان جمعہ کی وجہ سے جو دیگر مساعی منقطع ہو گئی تھیں اب نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد وہ جائز و حلال ہو گئی ہیں۔ ان سے انسان متمتع و مستفید ہو سکتا ہے۔

ھ- استصحاب: انسانی منافع کے لئے استعمال والی اشیاء خواہ وہ ماکولات ہوں یا مشروبات، جمادات ہوں یا حیوانات، دراصل انسان کے لئے مباح و حلال ہیں صرف وہ اشیاء حرام ہیں جن کی حرمت کی صراحت شارع (قرآن کریم یا نبی کریمؐ) نے کی ہے۔

کیونکہ قرآن کریم نے ان تمام اشیاء کی تسخیر انسانی منفعت کے لئے بتائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ... ...

اور (اسی طرح) جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں، ان سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر بنا دیا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۔ وہ (ذات پاک ایسی ہے) جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب)۔

ان دونوں آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اشیاء میں دراصل اباحت وجواز ہے حرمت کے لئے شارع کی صراحت ضروری ہے کیونکہ انسان کے لئے مسخر کئے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے فائدہ و منفعت کے لئے ہر چیز تخلیق کی گئی ہے اور ظاہر ہے استفادہ اباحت کے بغیر ممکن نہیں۔

حلال وحرام کی اساس: انسانی زندگی اور شرعی احکام و اوامر پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ حلال و حرام کو تین بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ ماکولات ومشروبات: احکام شریعت نے بعض کھانے اور بعض پینے کی چیزوں کو حرام اور نجس قرار دیا ہے۔ اور ان ماکولات ومشروبات میں بھی حرمت بالذات اور حرمت بالغیر کی تفسیر کار فرما نظر آتی ہے مثلاً خنزیر کا گوشت شراب اور دم مسفوح (وہ خون جو ذبح کرتے وقت جانور کی شہ رگ سے یا انسانی زخم سے جاری ہوتا ہے) حرام بالذات اور مردار ایسے ہی نذر و نیاز کا مذبوح جس میں شرک کا شائبہ ہو یا نجس پانی حرام بالغیر کی قسم میں شمار ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اپنی اصل کے اعتبار سے تو جائز ہیں لیکن مردار ہونے غلط نیت سے ذبح ہونے یا نجاست مل جانے کی بنا پر حرام ہو گئے۔

ب۔ خانگی ومعاشرتی معاملات: مسلمان کی زندگی کے معاشرتی یا خانگی معاملات جن کا تعلق اس کی ازدواجی زندگی سے ہے مثلاً زنا سے اجتناب محرمات (جن سے نکاح حرام ہے) سے نکاح نہ کرنا، نکاح، طلاق اور اولاد سے متعلقہ دیگر مسائل کے علاوہ معاشرتی زندگی کے مسائل جن میں رسوم ورواج، کھیل کود اور معاشرتی تعلقات شامل ہیں ان سے متعلق احکام حرام یا حلال کی فہرست میں داخل وشامل ہیں۔

ج۔ کسب معاش سے متعلق: انسان اپنی زندگی میں کسب معاش اور ضروریات زندگی کے حصول کے لئے مختلف معاملات لوگوں سے کرتا ہے یہ تمام

معاملات بھی از روئے شریعت یا تو مباح و حلال ہوتے ہیں اور یا حرام و ممنوع کسی بھی حرام و ممنوع معاملہ میں شریک دونوں فریق مساوی طور پر گنہگار اور قصد کی صورت میں حد کے مستحق اور عذاب کے مستوجب ہوتے ہیں اور اس معاملہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے منافع اور فوائد بھی حرام ہوتے ہیں ہمارے موضوع کا تقاضا ہے کہ حلال و حرام کی اس بنیاد و اساس پر توجہ کو زیادہ تر مرکوز رکھا جائے اور مقدم الذکر دو بنیادوں کی جانب صرف اشارات کئے جائیں۔

بنی نوع انسان کی ذہنی اور فکری تربیت اور عملی اصلاح کے لئے اور انہیں مرضیات الٰہی کے تابع اور منہیات ربانی سے روکنے کے لئے ہدایات و احکام ربانی کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ حضرت عیسیٰ کی بعثت تک ایک مرحلہ کی تکمیل کرتا ہے اسے سلسلہ نبوت کے اولین مرحلہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس اولین مرحلہ میں جس قدر بھی انبیاءؑ علیہم السلام کو نبوت عطا کی گئی، جس قدر رسل مبعوث ہوئے اور صحف و کتب کی جو بھی تعداد نازل ہوئی ا احکام و اوامر کے اعتبار سے وقتی اور نزول کے اعتبار محدود اقوام و علاقہ کے لئے تھے لیکن نبی کریم کی بعثت و نبوت اور قرآن کریم کا نزول قصر نبوت کی تکمیل اور ضابطہ ہائے حیات کے اتمام کی تعبیر ہے۔ آپؐ کی نبوت و رسالت وقتی تھی اور نہ ہی قرآن کریم کی مخاطب کوئی ایک خاص قوم تھی بلکہ آپؐ کی نبوت و رسالت عالمگیر تھی اور قرآن کریم کا مخاطب دور نبوت سے قیامت تک پیدا ہونے والا ہر شخص ہے خواہ وہ کسی خطۂ ارض میں پیدا ہونے والا ہو کسی بھی قوم، قبیلہ، خاندان اور ملک سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم کی ابتداءً نازل ہونے والی آیات میں مخاطب بناتے وقت کسی قوم کی تخصیص نہیں کی گئی۔ ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ ؕ ل‍ه   اے چادر اوڑھنے والے کھڑا ہو جا اور ڈرائے

انداز کے حکم میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ صرف قریش کو ڈراؤ عرب اس کے مخاطب ہیں یا موجودہ دور کے تمام انسان، یہ انداز اس قدر عام ہونا چاہیئے کہ قیامت تک آنے والا ہر شخص آپ کے پیغام کا مخاطب، آپؐ کے احکام کا محکوم آپ کے اوامر کا مامور آپ‌

کی منہیات سے روکنے والا اور آپ کے اسوۂ مبارکہ کا متبع ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم کے احکام ہوں یا نبوی تعلیمات، ان کا انداز اسلوب جزئی ہونے کی بجائے کلی رہا۔ انسانی زندگی میں پیش آنے والے ہر ہر مسئلہ کے لئے جزوی حکم دینے کی بجائے اصول وکلیات کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی گئی اور مجتہدینِ امت کو دعوت دے دی گئی کہ وہ اپنے دور کے مسائل، اپنے زمانہ کی حوائج اور اپنے لوگوں کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے، ان اصول وکلیات کی روشنی میں احکام متعین کریں حدود الٰہی کی نشاندہی کر دی گئی اور اس سے تجاوز پر سخت سزا کی وعید سنا دی گئی۔ اب یہ مجتہدینِ امت کا کام ہے کہ وہ ان حدود کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے، اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن حکیم اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کریں یہی وجہ ہے کہ مصادر قانون اسلامی میں قرآن وسنت کے بعد اجماع وقیاس اور استحسان ومصلحت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ ابن حزم نے احکام شرع کی علتیں، حکمتیں اور بنیادیں معلوم کرنے کو بدعت قرار دیا ہے، اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں:

"فأخبر تعالیٰ ان البحث عن علة مرادہ تعالیٰ ضلال"[۲۲]

پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ کی مراد علت سے بحث گمراہی ہے۔

اس ضمن میں ابن حزم کا بنیادی استدلال حضرت آدمؑ کے واقعہ سے ہے جس کی دو جہتوں سے ابن حزم استدلال کرتے ہیں۔

الف۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا، ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان کی کہ میں آدم سے بہتر ہوں کہ میری تخلیق آگ سے اور آدم کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے چنانچہ اس قیاس کی بنا پر مجھ پر سجدہ کرنا لازم نہ تھا، یعنی ابلیس نے اللہ کے حکم کی علت ثابت کر کے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔

ب۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو جنت میں رہنے کی اجازت دی اور ایک مخصوص درخت کھانے سے ممانعت فرما دی، حضرت آدمؑ نے ابلیس کے وسوسہ سے متاثر ہو کر وہ درخت اس بنا پر کھالیا کہ اس کے کھانے سے وہ جنت میں ہمیشہ رہنے

والے ہو جائیں گے اور اس طرح علت وسبب کی تلاش میں حضرت آدم علیہ السلام بھی اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے جس پر انھیں بعد میں ندامت کا اظہار کرنا پڑا ابن حزم کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل ہے جس کی تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ علت کی تلاش کو مطلقاً بدعت وگمراہی قرار دینا صحیح نہیں بلکہ جو دلائل اس حق میں ابن حزم نے دیئے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عین حکم الٰہی کی تعمیل وتکمیل کے لئے علت تلاش کرنا، اسباب معلوم کرنا یا اس کی حکمتوں پر بحث کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن ان علل، اسباب اور حکمتیں تعمیل حکم کی بنیاد بنانا جائز نہیں بلکہ تعمیل کی بنیاد محض حکم الٰہی ہونا چاہیے لیکن ایک غیر منصوص چیز کا حکم معلوم کرنے کے لئے اس کو کسی منصوص حکم پر قیاس کرنا ہوتا ہے اور اس قیاس کے لئے اصل حکم کی علتِ صحیحہ کا معلوم ہونا ضروری ہے اس کے بغیر انسان کسی حکم جدید کی تلاش سے قاصر ہے اور یہ بات دین اسلام کی ہمہ گیری اور اس کے دوام کے خلاف ہے۔

احکام اسلام کا یہ ہمہ گیر اسلوب حلال وحرام کے احکام میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔

بقیہ ۱۵ :- قرآن پاک میں حروف مقطعات :-

میں کوئی وضع کوئی سیاق اور کوئی قرینہ موجود نہیں ہے محض عدم استحالہ مطلب برآری کے لئے کافی نہیں۔

لہٰذا واضح ہو گیا کہ اس سلسلے میں علامہ طبری کا موقف جادۂ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔

بقیہ ۱۰ :- اشارات

سیاسی مفاد کے لئے ایک ذمہ دار ادارہ کی مخالفت اس انداز میں مناسب تھی واقعی اصولی بات ہوتو ضرور کہی جائے۔ مگر انھوں نے امارت شرعیہ کے معاملہ کو فوراً ہی جضاؤں کی مذمت اور کانگریس کی سیاسی حمایت سے جوڑ دیا۔

بات چاہے بے سلیقہ ہو کلیم ۔۔۔ بات کرنے کا سلیقہ چاہئے

فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

کا

دیباچہ

استاذ محترم مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ کی مذکورہ کتاب آج سے چند سال پہلے مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوئی تھی اب اسے دوبارہ نظرثانی اور مزید اضافے کے ساتھ دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد سے شائع کیا جارہا ہے، کتاب کے تعارف کے لئے طبع اول کا اس کا دیباچہ الرشاد کے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

محمد نعیم صدیقی، ندوی

اسلامی شریعت کا دائرۂ کار زندگی کے کسی ایک گوشے یا ایک زمانے تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت پوری انسانی زندگی کو محیط ہے اور اس میں انسانی زندگی کی روحانی اور مادی دونوں طرح کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت ہے حتیٰ کہ موجودہ دور کے پیچیدہ سیاسی ومعاشی مسائل کے حل کے ساتھ اس مشینی دور کے انسان کی ذہنی بے چینی دور کرنے کا پورا سامان بھی اسی کے دامنِ رحمت میں موجود ہے مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ اس کا پورا عملی نمونہ نہ تو افراد کی زندگی میں دکھائی دیتا ہے اور نہ کوئی ایسی اجتماعی طاقت موجود ہے جو زندگی کے ہر گوشے میں ہمہ گیر طور پر اسلامی شریعت کا مظاہرہ کر رہی ہو اور نہ ہی ضرورت کے مطابق دنیا کی ہر زبان اور انسانوں کے ہر طبقے کے لحاظ سے اسلامی لٹریچر موجود ہے۔ بخلاف اس کے موجودہ دور کے اکثر وبیشتر نظامِ حیات عملی طور پر اس دنیا میں اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے پیچھے علم وفن اور فلسفہ وسائنس کی بے پناہ طاقت کے ساتھ سیاسی قوت بھی موجود ہے۔ اس لئے اسلامی شریعت کے بارے میں صرف اس کے نہ ماننے والوں ہی کے ذہنوں میں نہیں بلکہ اس کے ماننے والوں کے

ذہنوں میں بھی بے شمار شکوک وشبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں ہم ان کو فقہی زبان
میں جتنا برا بھلا چاہیں کہہ لیں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذہنی ناآسودگی میں بڑی حد تک
حق بجانب ہیں ان میں کچھ لوگ تو اپنی اباحیت پسندی، ترقی پسندی یا مرعوبیت کی وجہ سے
اس صورت حال کو پسند کرتے ہیں مگر ملت کے بے شمار افراد جن کے دلوں میں اسلامی
شریعت کی عزت وحرمت بھی ہے اور علاوہ اس پکار بند بھی ہیں وہ بھی اس صورتحال سے
بے چین ہیں اور ان کی یہ بے چینی مسلمانوں کے مسلکی اور جزئی اختلافات اور ذہنی اور عملی پراگندگی
کو دیکھ کر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے ان کی خواہش ہے کہ اس دور جدید میں علمی اعتبار سے بھی شریعت
کی ہمہ گیری اور موجودہ دور کے نئے مسائل کے حل کرنے کی کوششیں ان کے سامنے آئیں
اور انفرادی اور اجتماعی طور پر بھی اس کے عملی نمونے موجود ہوں ان کی یہ خواہش اپنی ذات کی
حیثیت سے بھی ہے اور باشندگان ملک اور پوری دنیا کی حیثیت سے بھی آذاتی
حیثیت سے ان کی خواہش اس لئے ہے کہ اس سے ان کے قلب کو اسلامی شریعت
کے بارے میں مزید اطمینان ہوگا اور باشندگان ملک اور دوسرے بندگان خدا کی حیثیت
سے وہ چاہتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے بارے میں کم از کم ایسا لٹریچر موجود ہو جسے وہ پورے
انشراح قلب کے ساتھ ان کے سامنے پیش کر سکیں گویا اس وقت دو طرح کی ضرورتیں
ملت کو درپیش ہیں ایک تو شریعت کا عملی نمونہ دوسرے علمی طور پر اس کی برتری ثابت کرنے
کے لئے لٹریچر یہ لٹریچر بھی دو طرح کا ہونا چاہئے ایک تو ان مسلمانوں کو مزید اطمینان بخشنے کے لئے
جن کے دلوں میں شریعت کا احترام باقی ہے دوسرے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شکوک
وشبہات ہیں یا وہ سرے سے اسلامی شریعت سے واقف نہیں ہیں گویا یہ ایک ایسا جدید علم
کلام ہو جسمیں مختلف طبقات کے ذہن کو سامنے رکھا گیا ہو اسی طرح اسلامی قانون پر ایسا
لٹریچر تیار کیا جائے جسمیں اسلامی عقائد وعبادات کی حکیمانہ توضیح کے ساتھ اسلام کے سیاسی
معاشی اور معاشرتی نظریات کی صاف ستھری تعبیر کی جائے اور ساتھ ہی موجودہ دور کے
ان نئے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل سے اسلام کی موافقت یا مخالفت پر بھی
مفصل بحث ہو جو دور جدید کے معاشرے کی پیداوار ہیں اور اسلامی فقہ کی ترتیب اس

اس ڈھنگ سے کی جائے جس طرح موجودہ دور کی قانون کی کتابیں ہوتی ہیں یعنی فروعی انداز کے بجائے موضوعی اعتبار سے دفعہ وار اس کو مرتب کیا جائے تاکہ اس سے فائدہ اٹھانے میں آسانی ہو۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کام کسی ایک فرد یا کسی ایک ادارے کا نہیں ہے اور مسلمانوں کے موجودہ ذہنی اضمحلال اور انتشار کے دور میں جب تک کسی حکومت کا سہارا نہ ہو یہ کام ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی ایسا بڑا ادارہ قائم کیا جاسکے جس کے ذریعہ تمام علمی اور عملی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکے اور ان کے لئے باصلاحیت افراد مہیا کئے جاسکیں جن کی اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت ہے اس لئے راقم الحروف کے نزدیک اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جو باصلاحیت افراد ملت میں موجود ہیں اور جو ادارے اس وقت اسلامی لٹریچر تیار کرنے کا کام کسی حد تک انجام دے رہے ہیں ان کے اندر یہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر اس سلسلے کا کوئی کام اپنے ذمہ لے لیں اور ان میں کچھ ایسا ربط ہو کہ کوئی کام دوبارہ سہ بارہ نہ ہونے پائے، راقم الحروف نے اپنی کم مائیگی کے باوجود اپنے ذمے فقہ اسلامی کی نئی ترتیب اور اجتہاد و استنباط کے مسائل پر اصولی لٹریچر کی تیاری کا کام لیا ہے اسی سلسلے کی ایک کڑی اسلامی فقہ ہے جو دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے دوسری کڑی "اجتہاد و تبدیلی احکام" ہے اور اسی کی ایک کڑی ـــ "فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل" ہے جسے پڑھے لکھے طبقے کے ذہن کو سامنے رکھ مرتب کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض مضامین معارف اعظم گڈھ میں شائع ہو چکے ہیں جنہیں نظر ثانی اور ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ یہاں پیش کیا جا رہا ہے اور کچھ نئے مضامین بھی ہیں ان میں فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ والا حصہ جو شیخ مصطفیٰ زرقا کی کتاب "الفقہ فی ثوبہ الجدید" کے ایک حصہ کا خلاصہ ہے اس میں مصنف موصوف نے فقہ کو فروعی انداز کے بجائے موضوعی انداز پر مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، اس کتاب میں ایک حصہ "فقہ اسلامی کا دائرہ کار" ہے جس میں شریعت اسلامی اور اس کی حیثیت، اجتہاد کے حدود اور دائرہ کار کے بارے میں موجودہ دور کے بے شمار شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور مثبت طور پر موجودہ دور کے بہت سے مسائل کی اسلامی نقطۂ نظر سے توضیح کی گئی ہے۔ ان مضامین میں نہ تو معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ ضد و ہٹ دھرمی

کی راہ اختیار کی گئی ہے بلکہ واقعی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ان مسائل پر گفتگو کی گئی ہے" عموم بلوی اور فساد زمانہ" میں حقیقت پسندانہ انداز میں بعض مسائل پر علماء کو رائے قائم کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

البتہ راقم الحروف موجودہ منصوص احکام میں نفی حرج والے احکام سے تخصیص اور اجتہادی مسائل میں تبدیلی احکام کے وقت مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ضروری سمجھتا ہے ایک ان ممالک کے مسلمان جہاں وہ تنہا دستور سازی کی پوزیشن میں ہیں دوسرے وہ ممالک جہاں خود مسلمان تنہا دستور سازی کی پوزیشن میں نہیں ہیں ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ہندستانی مسلمان تو دستور سازی میں شریک ہیں اسی طرح بعض دوسرے ممالک میں بھی ایسا ہے مگر راقم الحروف کے نزدیک دستور سازی کی پوزیشن میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اتنی اکثریت ہو کہ وہ اسلامی دستور بنانا چاہیں تو ان کے لئے کوئی خارجی مانع موجود نہ ہوں اور دستور سازی کی پوزیشن میں نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کسی سیکولر اسٹیٹ میں اقلیت کی حیثیت دستور سازی میں شریک ہوں پہلے قسم کے مسلمانوں کے لئے بین الاقوامی معاملات کے علاوہ کم ہی ایسی مجبوری پیش آسکتی ہے جہاں ان کو منصوص احکام میں کسی نئی تخصیص یا اجتہادی احکام میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش آئے بشرطیکہ حکمراں طبقے کا ذہن اسلامی شریعت کے بارے میں صاف ہو لیکن دوسرے قسم کے مسلمانوں کے لئے جیسا کہ خود ہندستان میں ہے ان کو بے شمار معاملات میں اجتہادی احکام ہی میں نہیں بلکہ منصوص احکام میں بھی" عموم بلوی یا فساد زمانہ" کی وجہ سے نفی حرج والے احکام کے پیش نظر تخصیص سے کام لینا پڑے گا مثال کے لئے ہندوستانی علماء کے نزدیک فوٹو کھنچوانا حرام ہے مگر حج اور غیر ملکی سفر میں کسی قانونی مجبوری کے پیش نظر اس حکم میں انہیں تخصیص سے کام لینا پڑا اسی طرح جبری انشورنس کے سلسلہ میں نفی حرج کے تحت فتوی دینا پڑا۔

اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ عموم بلوی یا فساد زمانہ یا نفی حرج جس میں انفرادی اور اجتماعی مجبوری بھی شامل ہے کے تحت اس طرح کے احکام میں تخصیص سے کام لے کر جواز کا فتوی نہیں بلکہ عارضی استعمال کی اجازت دینی چاہئے مقصد یہ ہے کہ ان کی حرمت اور کراہت کو حلت اور جواز میں تبدیل نہ کیا جائے بلکہ رفع حرج کے تحت اس کی اجازت یا اباحت ہونی چاہئے اسی طرح دوسرے مسائل میں بھی یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے، مثلاً ہندستان میں

فسادات کے پیش نظر علماء کے ایک طبقے نے زمین اور املاک کے بیمہ کی اجازت دی ہے حالانکہ
اس میں سود قمار دونوں ہے [۴۴] راقم الحروف کے نزدیک ایسا کرنا اور کہنا اس لئے ضروری ہے
کہ اسلامی شریعت نے حلت اور حرمت کی جو حدیں قائم کی ہیں۔ ذہنی طور پر ان کی اہمیت
ذہنوں میں باقی رہے اور اگر کسی مجبوری کے تحت ہمیں ان میں سے کوئی حد توڑنی پڑے تو
اس کی شناعت اور گھناؤنا پن ہمارے ذہنوں سے محو نہ ہونے پائے اس صورت
میں اس سے نکلنے کا امکان باقی رہے گا اور اگر اسے ہم جائز سمجھ لیں گے تو پھر اس سے باہر
نکلنے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ جیسا کہ عرب ملکوں میں فوٹو پردہ اور داڑھی کے سلسلے میں
ذہن بن گیا ہے کہ یہ چیزیں اب ان کے یہاں قابل تبدیل یا قابل بحث رہی نہیں گئی ہیں
یا تمام مسلمانوں کا پرسنل لا تک شریعت پر عمل درآمد کو محدود کر لینا اسی قبیل کی چیز ہے یعنی لوگ
اس پر مطمئن ہو گئے ہیں۔ اسی طرح بیع الوفا ایک مخصوص طبقہ اور مقام کا مسئلہ تھا مگر اس فرق
کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اب فقہ کا ایک مستقل جزء بن گیا ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگ اسے
دو عملی تصور کریں یا اس کو ذہنی کشمکش کی ایک مستقل مصیبت قرار دیں مگر قوموں کی زندگی میں
ایسے وقت آتے ہیں جب ان کو بہت سی چیزیں اضطراری طور پر اختیار کرنی پڑتی ہیں لیکن
اگر ان کا ذہن ان سے مطمئن نہ ہو تو ان سے وہ چھٹکارا حاصل کر لیتی ہیں اور اگر وہ مطمئن ہو جائیں
تو امتیازی حیثیت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے، عہد نبوی میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔
ہمارے فقہاء نے ایسے معاملات کے لئے کتاب وسنت کی روشنی میں قواعد
کلیہ وضع کئے ہیں کہ ضرورت شدیدہ کی سہولت دائمی صورت اختیار نہ کرنے پائے
اسی لئے انہوں نے ایسے موقع پر جواز کے بجائے اباحت اور تیسیر (آسانی) کا لفظ استعمال
کیا ہے مثلاً الضرورات تبیح المحظورات یا اذا ضاق الامر اتسع ۔ میں
سمجھتا ہوں کہ اس نازک فرق کو ملحوظ رکھ کر عاجز کی اس رائے پر غور کیا جائے گا

اس کتاب کا موضوع اصلاً تو ان اصولوں کی وضاحت ہے جن کی بنیاد پر جدید مسائل حل
کئے جا سکتے ہیں مگر ضمناً ان چند جدید مسائل کا ذکر بھی مختصراً کر دیا گیا جنہیں ان اصولوں کے پیش نظر
علماء نے اپنی رائے دی ہے۔

مجیب اللہ ندوی، جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ
۱۸ ربیع الاول [illegible] ۹ مارچ [illegible]

۴۴ اس لئے اس کی بابت [illegible] کی اجازت نہیں ہونی چاہئے

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۵؍ ر

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے یہ سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے، پورے سٹ کی قیمت ۱۶

(۳) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵؍

۴۔ خطبۂ نکاح جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۱؍ روپے،

(۵) مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیے مسلمانوں میں جو پیشے کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہو گئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے بسیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵؍ ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لیے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے قیمت صرف ۵؍ ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لیے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں | اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیے۔ قیمت صرف ۳/

۸۔ عبادت و خدمت | اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے قیمت آٹھ آنے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں | اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں ان کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری | عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلۂ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں ان کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اس میں اجتہاد کی حیثیت | یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافے کے بعد اسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہٗ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی، اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ وقت ایک ضرورت ہے۔ قیمت ۵۰/۔

یہ آخری کتابچہ اور ریاض الحدیث کے نام سے حدیث کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے قیمت ۲۰ روپے

شکیل احمد مہتمم کتب دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الیٰ شاہ مدظلہٗ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد للہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نکلی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ۔/۶۵ دوم ۔/۶۵

۲۔ اسلامی قانون اجرت اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ تبع تابعین اس کتاب میں انیس اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت : ۔/۲۵

۴ـــ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ۹۲ نوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں، قیمت ۱۵/-

یہ دونوں کتابیں دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵ـــ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن وسنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت: چالیس روپے

۶ـــ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت: ۲۵/-

۷ـــ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: ۶۵/-

۸ـــ فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے اُن کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی ہے، قیمت: ۲۰/-

---

□ شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

ہنامہ

جامعۃ

OTC.
1991

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڑھ، یوپی



سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۴۵/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت
فی پرچہ ۵/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ

جامعۃ الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/ $

جلد ۱۸ | اکتوبر ۱۹۹۱ء مطابق : ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ | شمارہ ۳۸

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات	جناب عبدالجبار احمد حسین شرارہ	۷
۳۔ اسلامی قانون میں قرآن کی حجیت	" مولانا مبشر احمد صاحب، لاہور	۱۶
۴۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	" مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، لکھنؤ	۳۰
۵۔ اسلام اور مسئلہ جنس	" مسعود سعید الاعظمی	۳۵
۶۔ دین کے بنیادی مسائل یا فروعی؟	ماخوذ " البلاغ " کراچی	۴۰
۷۔ الرشاد کی ڈاک	مرتب	۴۳
۸۔ نئی کتابیں	" رضی الاسلام ندوی علی گڈھ	۴۷

مجلس ادارت

• مجیب اللہ ندوی (مرتب) • ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی
• ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (علیگ) • بدر جمال اعظمی

منیجر توسیع و اشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

کتابت :- خورشید اکرم خان

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

رشحات

آج سے چند سال پہلے مشرق وسطیٰ اور ساؤتھ افریقہ کی عیسائی مشنریوں کے پادریوں، وظائف اور کارکنوں کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی یہ میٹنگ یہ جائزہ لینے کے لئے بلائی گئی تھی کہ عیسائیت کا مسلمانوں میں اثر و نفوذ کتنا ہوا میٹنگ میں ایک پادری نے افریقہ کے سب سے بڑے ذمہ دار پادری زویمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کے اثر و نفوذ کے سلسلے میں عیسائی مشنریوں کی ساری کوششیں بے کار گئیں اور بے شمار دولت برباد ہوئی اس کی ذمہ داری زویمر پر آتی ہے کہ ان کی کوششوں سے چند مسلمان بھی عیسائی نہیں ہو سکے، زویمر بڑی خاموشی سے اپنے اوپر تنقید سنتا رہا جب مقرر اپنی پرجوش تقریر ختم کر چکا تو زویمر اٹھا اور اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ ؎

"میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے پیش نظر کبھی بھی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا پروگرام نہیں رہا۔ اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے ہمارے پیش نظر صرف یہ بات رہی کہ مسلمانوں کو اسلام کے احکام اور اسلامی تہذیب سے کتنا دور کیا جائے یا کم از کم ان کے تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر تشکیک پیدا کی جائے" تو آپ اس نظریہ سے ہمارے کاموں کا جائزہ لیں تو آپ پائیں گے کہ ہم نے اس میں بڑی حد تک کامیابی پائی ہے۔"

یہ ایک سادہ واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ہمارے لئے ایک داستانِ عبرت چھپی ہوئی ہے آج مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے جتنے اسلامی ممالک ہیں آپ ان پر نظر ڈالیں تو اسلام آپ کو چند افراد کی انفرادی زندگیوں میں یا کچھ دیر کے لئے مسجدوں میں تو ضرور نظر آئے گا مگر زندگی کے دوسرے تمام شعبوں میں وہ اسلام کے بجائے مغرب کی راہنمائی لینے میں فخر محسوس کرتے ہیں یہ ممالک اپنی سیاست، معیشت، تعلیم، معاشرہ کی زندگی اور سب سے بڑھ کر نماز تک میں اسلام سے راہنمائی لینے کے بجائے ارادی یا غیر ارادی طور پر مغرب کی ...

حاصل کر رہے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ بعض ملک تو مغربی تہذیب کی برائیوں کو اپنانے میں مغربی ملکوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں سعودی عربیہ کے ایک وزیر سے ایک مغربی نامہ نگار نے یہ سوال کیا کہ آپ مغربی تہذیب کے فروغ اور قبول کرنے میں کیوں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا ایک شخص کی موت کا انتظار ہے ان کا اشارہ تھا محترم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف شاید وزیر نے یہ جواب اس لئے دیا کہ بالکل ظاہری طور پر ان کے ملک میں مغربی تہذیب کا رنگ علماء اور خاص طور پر شیخ ابن باز کی وجہ سے نمایاں نہیں ہو سکا ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اسکولوں کی تعلیم و تربیت ذرائع ابلاغ کے پروگرام اور وہاں کی تمام معاشرتی زندگی سب مغربی تہذیب میں ڈوبی ہوئی ہے۔

ندیم نے جو یہ بات کہی تھی کہ ہم نے ان کو اسلامی احکام سے دور کرنے اور ان کے تعلیم یافتہ طبقہ میں تشکیک کا ذہن پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے تو یہ صرف شام، مصر اور عراق اور لیبیا وغیرہ ہی پر صادق نہیں آرہا ہے بلکہ سعودی عربیہ پر بھی وہ صادق ہونی شروع ہوگئی ہے اللہ تعالیٰ اسے ان شرور سے محفوظ رکھے ——— آمین

انڈین آئل کارپوریشن کے ڈائرکٹر دورائی سوامی کو اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہوئے ۸ جون کو اغوا کرلیا گیا تھا۔ ۴۰ دن کے بعد جب وہ ۲۱ اگست کو رہا ہوکر نئی دلی کے ہوائی اڈہ پہنچے تو ملکی اور غیر ملکی نامہ نگاروں کے لئے سب سے زیادہ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ ان کے چہرے پر فکر و پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے بلکہ وہ پوری طرح ہشاش بشاش نظر آرہے تھے نامہ نگاروں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اغوا کنندگان نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہیں اغوا تو کیا مگر اس پوری مدت میں انھوں نے ان کے ساتھ نہ کوئی بدسلوکی کی اور نہ کوئی جسمانی اور ذہنی تکلیف دی غذا کے ساتھ دودھ اور پھل سے بھی میری پذیرائی کرتے رہے مارنے کی دھمکی اور اعضا کاٹنے وغیرہ کی بے بنیاد خبریں میں نے ہندوستان کے اخبارات میں پڑھیں۔

انھوں نے اپنے بیان میں بڑی حد تک کشمیری نوجوانوں کی جذبات کی وکالت کی

چنانچہ آج ہندوستان کے اخبارات نے ان کی باتوں کا بلیک آؤٹ کر رکھا ہے۔

کشمیر کے نوجوانوں کے بارے میں ایک تجربہ کار آفیسر نے جو باتیں کہیں ہیں کاش ہندوستان کی حکومت اس پر غور کرتی اور ستر برس کے جبر و تشدد کے بعد بکھرتے ہوئے روس کی صورتحال سے وہ کچھ سبق لیتی۔

اس سے پہلے راقم الحروف عرض کر چکا ہے کہ وہ کشمیری جس کا چالیس برس سے سیاسی و معاشی اور اخلاقی استحصال ہوتا رہا ہے اب تک کیوں خاموش تماشائی بنا رہا وہ نہ شیخ عبداللہ کی ۲۲ برس کی گرفتاری پر بپھرا اور نہ بخشی غلام محمد اور غلام صادق کے غلامانہ دور میں وہ مشتعل ہوا آج وہ کیوں اتنا جذباتی بن گیا ہے کہ آزادی سے کم پر وہ کسی دوسری چیز پر راضی نہیں ہے نہ تو یہ کہ کشمیر کے مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے کہ اب دہشت پسندوں کا زور ٹوٹ رہا ہے اور نہ پاکستان پر اس مسئلہ کی ذمہ داری ڈال کر یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

سابقہ مرکزی حکومت نے جگموہن جیسے بدنام زمانہ ظالم فرقہ پرست کو کشمیر بھیج کر کشمیریوں کی بستیاں کی بستیاں اجاڑ کر انکی جان و مال اور عزت و آبرو سے جو کھلواڑ کیا جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اس نے آگ پر تیل کا کام کیا حکومت کو یہ سلسلہ بند کر کے ان سے گفتگو کرنی چاہیئے اور روس کے حالیہ واقعات سے سبق لے کر کھلے ذہن سے ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اب تک کی مرکزی حکومتوں کا طرز عمل پنجاب اور آسام کے سلسلہ میں نرم گوشہ کا رہا ہے اور کشمیریوں کے سلسلہ میں جبر و تشدد کا مگر سوچ لینا چاہیئے کہ جبر و تشدد سے جسم کو محبوس کیا جا سکتا ہے مگر خیالات نہیں بدلے جا سکتے۔

اس وقت مختلف حلقوں اور جماعتوں کی طرف سے مختلف معاشرتی خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی ہے یہ بات بڑی خوش آئند ہے مگر یہ کام اس سے زیادہ وسیع پیمانہ پر اور منظم انداز میں کرنے کی ضرورت ہے اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے بہت سی دینی خامیوں کے ساتھ دو بنیادی خرابیاں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جن کی اصلاح کی کوشش اس وقت بڑے وسیع پیمانہ میں کرنے کی ضرورت ہے ایک تو شادی بیاہ کی فضول خرچیاں اور جہیز وغیرہ کے بڑے بڑے مطالبات دوسرے آپسی جھگڑوں کی وجہ سے مسلمانوں کا بیشمار

دولت پولیس اور عدالتوں میں مقدمات کے ذریعہ برباد ہو رہی ہے اور یہ چیز دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ان دونوں کاموں کی ذمہ داری دو وجہ سے مسلم پرسنل لا بورڈ کو اپنے ذمہ لینی چاہئے ایک اس لئے کہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ قابل قبول مشترکہ پلیٹ فارم اب تک وہی ہے ؛ دوسرے مسلم پرسنل لا کی حفاظت اور اس کو قانونی حیثیت دینے کی اجتماعی کوشش اس کے بنیادی مقاصد میں ہے اور وہ کر بھی رہا ہے، لیکن ظاہر ہے جب تک مسلم پرسنل لا کو مسلمان معاشرہ میں قابل قبول نہ بنایا جائے اس وقت تک ہماری کوشش ادھوری ہی نہیں بلکہ شاید بے نتیجہ رہے گی۔ بحمد للہ ضلع اعظم گڑھ اور ضلع مئو میں ان کاموں کے لئے تحفظ شریعت ایکشن کمیٹی پہلے سے موجود ہے وہ اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ کام کرتی رہی ہے، انشاء اللہ بورڈ کے پروگراموں میں اس کے کارکن پورا تعاون کریں گے۔

ہندوستان میں اس وقت جو لوگ اتباعِ کتاب وسنت کا اپنے کو سب سے بڑا دعویدار سمجھتے ہیں، ان سے عرض ہے کہ کتاب وسنت کا اتباع چند مسائل تک محدود نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے پوری زندگی میں پھیلنا چاہئے، خاص طور پر اتباع سنت میں سب سے زیادہ اہمیت اخلاق کو حاصل ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، مگر بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عمومی طور پر اہل حدیث حضرات اور ان کے رسالے اور پرچے اتباع سنت کے اس پہلو کو ہمیشہ پامال کرتے رہتے ہیں؛ غور کیجئے کہ یہ کوئی اخلاق ہے کہ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے شیخ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبندیوں کا گرو گھنٹال کہیں (ترجمان ۱۶ تا ۲۹ مئی) اللہ والوں کو برا بھلا کہیں، کتاب وسنت میں تو کافروں کے بتوں کو بھی برا بھلا کہنے سے روکا گیا ہے، کیا کتاب وسنت کے ماننے والوں کی یہی زبان ہوتی ہے؟ ۔ زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے قلم بگڑا

اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ ہے کہ ضلع بستی کے ایک گاؤں شیو گنیا میں بہ کچھ غریب مسلمان رہتے ہیں جہاں کوئی مسجد نہیں ہے، موضع دریا آباد کے ایک اہلحدیث عالم

مولوی عبدالباری صاحب یجودبی میں مبعوث ہیں وہ اس گاؤں میں گئے اور گاؤں والوں سے کہا کہ اگر تم لوگ چاہو تو میں مسجد بنوا دوں مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل حدیث مسلک اختیار کرلو گاؤں والے بولے کہ مولوی صاحب مسجد بنانا ثواب کا کام ہے آپ مسجد بنوا دیجئے ہم لوگ اس میں نماز پڑھیں گے مگر آپ کی شرط پر تو ہم مسجد بنوانے کے لئے تیار نہیں ہیں، چنانچہ وہ وہاں سے واپس چلے آئے یہ حضرات ائمہ اربعہ کے مسلک کو بھی فرقہ پرستی قرار دیتے ہیں لیکن اتباع سنت کا دعوی کرنے والے لوگوں سے سوال ہے کہ کیا ایک فرقہ بننے کی اس سے بھی بڑی کوئی مثال ہوسکتی ہے ؟

ضرورت تھی کہ اس وقت مسلمانوں کے مختلف طبقات کو جوڑا جائے ان میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا کرکے مشترکہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے نہ کہ اس طرح کی باتیں کرکے آپس میں مزید دوری اور انتشار پیدا کیا جائے۔

عبدالجبار احمد حسین شراره کی ایک عربی کتاب
(آٹھویں قسط)

قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ

— محمد اقبال انصاری ندوی بدر جمال اعظمی

تیسری فصل

حروف مقطعات سورتوں کے فواتح ہیں:

علماء کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ حروف مقطعات سورتوں کے فواتح ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بعض سورتوں کا آغاز فرمایا ہے۔

اس رائے کو امام طبریؒ نے ذکر کیا ہے[1] اس سلسلے میں وہ بہت سی ایسی روایات لائے ہیں جن کی سند ایک بڑے تابعی مجاہد بن جبیرؒ پر منتہی ہوتی ہے۔ اور علامہ طوسیؒ نے کہا ہے کہ "مجاہدؒ نے کہا ہے کہ "حروف مقطعات ایسے حروف ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام کا آغاز فرمایا ہے۔[2] اور ابن کثیرؒ نے سفیان ثوریؒ سے نقل کیا ہے، انھوں نے ابی نجیح سے سنا ہے اور انھوں نے مجاہد سے" کہ الم، المص اور ص فواتح سورہ ہیں جن سے اللہ نے اپنے پاک کلام کا آغاز فرمایا ہے۔ اور امام ابن کثیرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اسی طرح کی رائے اور دوسرے علماء کی بھی ہے لیکن انھوں نے ان کے نام کا ذکر نہیں کیا۔[3] اور امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ابن المنذر

---

۱ جامع البیان جلد اول ص ۸۸ اور اس کے بعد کے صفحات ۲ التبیان ۱/ ۴۷:

۳ تفسیر القرآن العظیم ۱/ ۳۶: ۴ الدر المنثور ۱/ ۲۳: اور الاتقان بھی ملاحظہ ہو ۲/ ۱۰:

اور ابن ابی حاتم★ نے حسن★ سے اخراج کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ الٓمٓ، طٰسٓمٓ فواتح ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کا آغاز کیا ہے۔ اور علماء کے کلام سے واضح ہے کہ حروف مقطعات کے سورتوں کے فواتح ہونے پر سب کا اتفاق ہے، جس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حروف مقطعات کو فواتح کے نام سے پکارنا عموماً ہر جگہ رائج اور متداول ہے، لیکن علماء کی ایک بڑی تعداد اسی حد پر نہ رکی، بلکہ وہ اپنے متکلمانہ رنگ اور مفسرانہ رخ پر بہہ نکلے اور حروف مقطعات کو ایک ایسا میدان بنا دیا جس میں اپنے افکار کے گھوڑے دوڑاتے پھرے، اور اپنی اپنی فہم کے اکھاڑے قائم کئے، اور مختلف خبروں کو جمع کرنے میں اپنی مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ کیا، جیسا کہ ان کا مزاج قرآن کے ہر اس امر کے سلسلے میں رہا ہے جو اشارۃً یا اختصاراً وارد ہوئے ہوں۔

آراء کے میدان میں طویل سیاحت اور سنجیدہ مذاکرے کے بعد میں اس رائے پر آکر ٹھہرا اور مطمئن ہوا کہ حروف مقطعات صرف فواتح ہیں اسی کو عقل پسند اور قبول کرتی ہے کیونکہ اسے سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی دور از کار تدابیر و تلفیات کا سہارا لینا پڑتا ہے، اس رائے کو اپنانے کے بعد بہت سی ایسی روایات و اقوال سے بھی نجات مل جاتی ہے جو نہایت عجیب و غریب اور منطقی و عقلی اعتبار سے غیر معتبر ہیں۔

اب ہم اللہ کی مدد اور توفیق سے ان نقلی اور عقلی دلائل کا ذکر کرتے ہیں جو ہماری اس اختیار کردہ رائے کے لئے تائید و تقویت کا باعث ہیں، درحقیقت انھیں دلائل کی روشنی میں ہم ساری رایوں کو چھوڑ کر اس ایک رائے کی طرف مائل ہوئے اور اسے اپنایا

★ ابن ابی حاتم کا پورا نام عبدالرحمن بن محمد ابی حاتم تمیمی رازی ہے آپ کتاب "علل الحدیث" کے مصنف ہیں ۳۲۷ھ میں وفات ہوئی۔

★ حسن کا پورا نام ابوسعید حسن بن یسار البصری ہے سنہ ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی، ایک بڑے تابعی اور تفسیر کے امام تھے۔

میری رائے کی صحت پر دلائل:

(۱) بہت سی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف مقطعات قرآن کریم کی بعض سورتوں کے افتتاح کے طور پر لائے گئے ہیں تاکہ حروف مقطعات کے امتیاز سے قرآن کریم کا افتتاح مخصوص ہو جائے اور اس سے قرآن کریم کے کتاب موعود ہونے کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود ہے۔ علامہ بحرانی[۲] نے ابن بابویہ قمی سے ایک روایت نقل کی ہے جس کی اسناد حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتی ہے "جب قریش اور یہود نے قرآن کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے جسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (الٓمٓ ذلک الکتاب...) یعنی بیشک یہ قرآن جس کا آغاز الف لام میم سے ہوا وہی کتاب ہے، جس کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاءؑ کو دی گئی تھی، اور بنی اسرائیل کو بتا دیا گیا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عنقریب ہم آپ پر ایک عربی کتاب نازل کریں گے۔ علامہ بحرانی ایک روایت اور لائے ہیں جس کی سند امام ابوعبداللہ جعفر صادق تک پہونچتی ہے جس کا متن یہ ہے: "اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اور ان کے بعد دوسرے بہت سے انبیاءؑ کو بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تاکہ وہ سرزمین مکہ میں مبعوث ہونیوالے امی نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، جو مدینہ منورہ ہجرت کریں گے اور ایک ایسی کتاب لیکر آئیں گے جس کی بعض سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوں گی ......"

مذکورہ باتوں سے واضح ہو گیا کہ حروف مقطعات کی غرض بعض سورتوں کو ان حروف کے ذریعے شروع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں، اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا مقصد اس

۱۔ ملاحظہ ہو تفسیر نسفی ۱/۱۱، التبیان/طوسی ۱/۵۱، صفوۃ التفسیر ۱/۴۹

۲۔ البرہان فی تفسیر القرآن ۱/۳۴ اور اس کے بعد کے صفحات ۳۔ ایضاً

کے پیچھے نہیں ہے۔ ہم نے مشہور تابعی مجاہد بن جبر[1] کا جو قول ابھی اوپر نقل کیا ہے، وہ بھی ان دونوں روایتوں[2] کی توثیق و تائید کرتا ہے، ظاہر ہے کہ مجاہد بن جبر کو تفسیر کے میدان میں جو مقام حاصل ہے وہ کس قدر بلند ہے۔ لوگوں نے موصوف سے جو اور بہت سے دوسرے اقوال نقل کئے ہیں اس سے ہماری رائے پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ مذکورہ قول متعدد طرق سے مروی ہے، جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں۔

نیز حسن بصری کا بھی قول ان دونوں روایتوں کا موید ہے، اور عبد اللہ شبر[3] نے اللہ تعالیٰ کے قول "ذلك الكتاب" کی جو تفسیر کی ہے وہ بھی ہماری رائے کے لئے تقویت کا باعث ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ "یہ کتاب یعنی قرآن کریم جس کی ابتدا الٓم سے ہوئی وہی کتاب ہے جس کی خبر حضرت موسیٰؑ اور ان کے بعد کے انبیاءؑ کو دی گئی تھی، اور انھوں نے بنی اسرائیل تک یہ بات پہنچادی تھی۔

(۲) قرآن کریم کا نظم کلام عرب کے نظم سے مختلف ہے، اسی طرح اس کے خطاب کرنے کا انداز عربوں کی مالوف ترتیب سے جداگانہ ہے اس کا اپنا ایک مخصوص اسلوب ہے جو عربوں کے عام اسلوب سے ممتاز ہے اس خیال کو علامہ باقلانی نے پیش کیا ہے اور امام سیوطی کی منقولات کی بنیاد پر قاضی عیاض کی بھی یہی رائے ہے، وہ نظم قرآن کی نظیر کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی کے بس میں نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے

---

[1] امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "مقدمہ فی اصول التفسیر" ص۱۵ میں لکھا ہے کہ مجاہد بن جبر تفسیر میں خدا کی ایک نشانی تھے .... اور انھوں نے نقل کیا ہے کہ سفیان ثوری نے فرمایا کہ: اگر مجاہد کی کوئی تفسیر تمہیں پہنچے تو اس پر بھروسہ کرو، مقدمہ فی اصول التفسیر کے محقق نے لکھا ہے کہ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال جلد۳ ص ۹ ۳۹ میں یحیی القطان کا قول نقل کیا ہے کہ "مجاہد کی امامت اور ان کے اقوال کا بطور سند پیش کرنے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ ان کی وفات سنہ۱۰۴ھ میں ہوئی۔

[2] یہ دونوں روایتیں حروف مقطعات کی تفسیر کے موقع پر مذکورہ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قول "ذلك الكتاب" کی تفسیر کے ضمن میں آئی ہیں میری توجہ ادھر ہوئی، اور اپنی رائے کے سلسلے میں ان پر اعتماد کیا۔ [3] ۔ تفسیر شبر ص۱۳ (الطبعۃ المصریۃ)

کہ وہ کسی بھی نوعیت سے قرآن کے مماثل کوئی کلام پیش کر سکے، وہ کہتے کہ عرب کے لوگ نثر، نظم، سجع، رجز اور شعر غرضیکہ تمام اصناف کلام پر بخوبی قادر تھے لیکن قرآن کی مثال لانے سے وہ عاجز رہے۔ اس کی تائید قرآن کے چیلنج سے بھی ہوتی ہے، جب قرآن نے اہل عرب کو چیلنج کیا کہ وہ اس جیسا کوئی کلام پیش کریں، اور اپنے بے مثال اسلوب کے ذریعے ان سے مناظرہ کیا تو وہ عاجز رہ گئے۔[1]

قرآن کریم کے اسالیب کلام عرب کے اسالیب سے مختلف ہونے میں کسی بحث و کلام کے محتاج نہیں، دورِ جاہلیت کے ادباء[2] بھی اس سے واقف تھے، اور ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ چکی تھی۔ پس قرآن کریم کی بعض سورتوں کا حروف مقطعات سے شروع ہونا، اسالیب عرب سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ وہ اپنے مختلف النوع خطبات کو الگ ہی ڈھنگ سے شروع کرتے تھے۔ حروف مقطعات کے ذریعے قرآن کریم ان کے مروجہ کلام سے ممتاز ہوتا ہے،[3] حروف مقطعات کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ عربی حروف ہی ہیں جن سے اہل عرب کا کلام مرکب ہے۔

(۳) قرآن کریم کلام عرب کی صنفوں ـــ شعر و نثر ـــ سے مختلف ہے، یہی خیال ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بھی ہے، وہ لکھتے ہیں: "قرآن کریم نہ تو شعر ہے، کیونکہ وہ شعر کے قیود سے آزاد ہے۔ اور نہ ہی نثر ہے، کیونکہ کچھ ایسی خاص قیود کا پابند ہے جو دوسرے نثری کلام میں نہیں پائی جاتیں۔[4] ایک مستشرق نے لکھا ہے کہ "قرآن خالص عربی زبان کی مثال ہے، اس نے

بقیہ حاشیہ:-
۷ اعجاز القرآن جو اتقان کے حاشیے پر چھپی ہے، جلد ۲ ص ۵۵ ۸ ایضاً جلد ۲ ص ۱۱۸

۱ تطور دراسات اعجاز القرآن واثرہا فی البلاغۃ العربیۃ / ڈاکٹر عمر ملا خویش ص ۱۱، ۲۱ اور بعد کے صفحات، مطبوعہ امت پریس بغداد ۱۹۷۲ء

۲ تفسیر القرآن الکریم / شیخ محمود شلتوت / ص ۶۲ ۳ ایضاً

۴ فی الشعر الجاہلی / ص ۱۶

۵ اثر القرآن فی تطور النقد الادبی / ڈاکٹر محمد زغلول سلام / ص ۳۶۲

اسے شعر اور نثر کے درمیان کی چیز بتائی ہے، جبکہ جرمنی مستشرق یوہان فک[1] کی رائے ہے کہ قرآن کی زبان شعراء عرب کی زبان سے بہت حد تک مختلف ہے، ایک قدیم لغوی نمونہ ہونے کی حیثیت سے یہ زبان ایک منفرد شکل پیش کرتا ہے جسے دوسرے لغوی نمونے پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ ڈاکٹر سید احمد خلیل[2] نے بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر لی ہے کہتے ہیں: "اُن دنوں عربوں کے یہاں کوئی ثقافتی چشمہ نہ تھا جس سے وہ اپنی زبان میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرتے جب انھوں نے قرآن کی آیتیں سنیں تو ششدر رہ گئے، اس میں انھیں عجیب فنی قدروں کا احساس ہوا، جہاں تک ان کی رسائی ناممکن تھی، انھیں فنی قدروں میں قرآن کریم کی ادبی صورت گری بھی تھی۔

جب قرآن کریم کا یہ امتیاز ایک حقیقت ثابتہ ہے، اور وہ اپنے جملوں اور عبارتوں کے آخر کے لحاظ سے شعر، نثر مسجوع و مرسل ... غرضیکہ کلام کی ساری قسموں سے خارج ہے، تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ابن خلدون[3] کہتا ہے کہ: آیتوں کا فصل ایسے وقفوں پر ہوتا ہے جہاں ذوق سلیم خود انتہاء کلام کی شہادت دیتا ہے، پھر کلام اس کے بعد والی دوسری آیت میں پھیرا جاتا ہے جس میں سجع یا قافیہ کا کوئی التزام نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہے تو آخر کیوں قرآن اپنی سورتوں اور آیتوں کی ابتداء کے اعتبار سے کلام عرب سے الگ اور ممتاز نہیں ہو سکتا۔ اس طرح قرآن کریم کی حروف

---

[1] العربیۃ، دراسات فی اللغۃ واللہجات والاسالیب / ترجمہ عبدالحلیم النجار / ص ۴ ــــ ۵

[2] دراسات فی القرآن / ص ۲۵، [3] مقدمۃ ابن خلدون / فصل فی انقسام الکلام الی فنی النظم والنثر، نیز ملاحظہ ہو جو کچھ ابن ہاشم نے ولید کے موقف کے بارے میں لکھا ہے کہ جب اس نے قرآن سنا تو حیران رہ گیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حم .... پڑھ رہے تھے وہ کچھ نہ طے کر پایا کہ قرآن کریم کو شعر کہے یا کاہنوں کا منتر سمجھے۔

السیرۃ النبویۃ / القسم الاول / ص ۲۷۰، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن / جلد اول ص ۳ اور جلد ۱۸، ص ۳۴۰

مقطعات کے ذریعے ابتدا قرآن کے اس امتیاز کی ایک پونٹی ہے جس کے ذریعے فی الجملہ قرآن پہچانا گیا، اور یہ چیز اس کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اس سے خالی ہیں۔

(۴) ہمیں معلوم ہے کہ ہر زبان کے ادباء کلام کے اصناف کو مکمل اور مرغوب بنانے کے سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا اہل عرب کے لئے جیسا کہ جاحظ کہتا ہے۔

"تمام امتوں پر بلاغت کی اصناف میں فضیلت حاصل تھی، کلام کا حسن عجیب دلفریب رونق، سلیقہ اور وہ نقاشی یا صورت گری جو دوسری زبان کے شعراء کو بہت کم مل سکی ان کی فضیلت پر سچے گواہ ہیں۔ اور چونکہ حسن ابتداء بلاغت کی ایک قسم ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے بتایا ہے، اور شعر میں مکمل خوبصورتی اور دلکشی ان مطلعوں[۳] میں مرکوز ہوتی ہے جن سے قصائد کا آغاز کیا جاتا ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مطالع کو دلکش بنانے کے لئے شعراء اپنی پوری قوتِ تعبیر صرف کرتے ہیں تاکہ ان کے قصائد کو یک گونہ امتیازی شان حاصل ہو جائے، قرآن کریم نے بھی انھیں چیلنج کے ساتھ للکارا، اپنی باتوں اور خطاب کے انداز کو لے کر انھیں مقابلہ کی دعوت دی، اگر یہ ساری باتیں حقیقت ہیں تو مناسب ہوا کہ قرآن کریم کلام کے ایسے آغاز کے سلسلے میں انھیں مقابلہ کی دعوت دے جس سے وہ مانوس نہیں تھے، اس میں کہیں زیادہ حجت اور امتیاز پایا جائے گا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بتا دیں کہ علامہ سیوطی[۴] نے اشارہ کیا ہے کہ حروف مقطعات شیریں پر مغز نازک اور سلیس الفاظ میں داخل ہیں جن سے ادباء اپنے کلام کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو میزان / ۱۸: ۶ (حمعسق) کی تفسیر سورۂ شوریٰ

[۲] البیان والتبیین / ۳ : ۲۹

[۳] القاضی الجرجانی، الادیب الناقد، ڈاکٹر محمود سمرۃ / ص ۱۸۱ [۴] الاتقان / ۲: ۱۰۶

لہذا قرآن کریم ممتاز اور منفرد ہوتے ہوئے بھی عرب فصحاء کے اسلوب پر نازل ہوا۔[۱]

(۵) اگر عربی نظم و نثر میں ادوات استفتاح کا استعمال عام ہے، جیسے اَلا اور اَیا وغیرہ تو حروف مقطعات مثلاً الٓمٓ، طٰسٓ وغیرہ کو قرآن کریم کے لئے مخصوص قسم کے ادوات استفتاح ماننے میں قرآن کی وجاہت اور شان ہے۔ اس رائے کا ذکر علامہ باقوری[۲] نے کیا ہے اور اسی کی طرف علامہ طباطبائی[۳] نے بھی اشارہ کیا ہے۔

حروف مقطعات[۴] کو ادوات استفتاح مان لینا مناسب بھی ہے، کیونکہ یہ نہایت موزوں، بلیغ اور مکمل طور سے قرآن میں آئے ہیں۔

شاید کچھ لوگوں[۵] کو یہ اشکال ہو کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا، اور عرب اپنے کلام کے آغاز کے لئے مخصوص اور جانے پہچانے ادوات استعمال کرتے تھے جو وہ نہیں ہیں جنہیں قرآن نے استعمال کیا ہے اور یہ بعید از قیاس ہے کہ قرآن ایسے ادوات کی ایجاد کرے جو ان کے یہاں معروف نہ تھے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم عربی طرز ادا سے خارج نہیں ہے تو اس کا اطلاق تراکیب اور اسالیب بلاغت پر ہوتا ہے۔ ابن خلدون[۶] نے

۱۔ مقدمۂ ابن خلدون/ فصل علوم القرآن من التفسیر و القراءات، ۲۔ مع القرآن/ ص ۹۹

۳۔ المیزان/ ۱۸: ۶ ۴۔ الاتقان/ ۲: ۱۰۶، نیز ملاحظہ ہو "البرهان فی علوم القرآن" زرکشی ۱۸۲/۱ زرکشی نے لکھا ہے کہ خواتم اپنے حسن میں فواتح کی طرح ہیں۔

۵۔ حول فواتح بعض سور القرآن/ ڈاکٹر رمضان عبدالتواب/ انھوں نے ان لوگوں کی تردید میں لکھا ہے جن کا خیال ہے کہ حروف مقطعات ادوات تنبیہ ہیں۔

۶۔ مقدمۂ ابن خلدون/ ص ۷۰۰/ مطبوعہ بہیہ۔ پروفیسر ڈاکٹر یعقوب باحسین نے ابن خلدون کے کلام کی توجیہ یوں کی ہے کہ "اس سے مقصود پوری بات سمجھنا ہے" نیز ملاحظہ ہو مجلہ افرات فی التفسیر اور کلیۃ الآداب/ بصرہ یونیورسٹی ۱۹۶۹ء اور قرآن مجید پر نوٹ، محمود شلتاوی/ ص ۵۱۹، مطبوعہ دار الشعب پریس۔

کہا ہے کہ: "قرآن عرب کی زبان اور ان کے اسالیب بلاغت کے مطابق نازل ہوا، تمام عرب قرآن کو بخوبی سمجھتے تھے، اور اس کے الفاظ مفردہ اور تراکیب کے معانی کو جانتے تھے۔"[1]

لیکن دوسرے پہلو سے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن اپنے نظام کے سلسلے میں کلام عرب سے مختلف ہے، ورنہ اس کی کوئی ایسی امتیازی خصوصیت نہ ہوتی جو اعجازی حد تک پہونچی ہوئی ہوتی۔

اسی کی طرف قاضی عیاض[2] نے بھی اشارہ کیا ہے، اور علامہ باقلانی[3] نے بھی لکھا ہے کہ "اپنے متعدد پہلو اور مختلف طرق کے باوجود قرآن کریم کا نظام تمام کلام عرب کے معروف نظام سے الگ ہے، اور ان کے جانے پہچانے طرز خطاب سے جدا ہے۔۔۔"

قرآن کریم کی یہی امتیازی شان ہمیں یہ کہنے کا حق دیتی ہے کہ وہ کچھ ایسی خصوصیات سے مختص ہے جو تراکیب و عبارات کے لحاظ سے اسے عربی اللسان ہونے سے خارج نہیں کرتیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ حروف مقطعات کو قرآن کریم کے مخصوص ادوات استفتاح سمجھنا، اس کے معروف عربی کلام ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ حروف مقطعات وہی حروف تہجی ہیں جن سے کلام عرب مرکب ہے، جیسا کہ شیخ شلتوت[4] اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ (جاری)

---

[1] الاتقان / السیوطی / ۲ : ۱۲۲

[2] اعجاز القرآن، مطبوعہ برحاشیہ اتقان / ۱ : ۵۵، [3] تفسیر القرآن الکریم۔

بقیہ :- اسلام اور مسئلہ جنس

ہیجان انگیز کپڑے پہن کر رقص گاہوں اور سینما ہالوں کی زینت نہیں بنتیں ؛ اور کیا ہماری سوسائٹی میں وہ تمام فواحش اور بدفعلیاں نہیں ہوتیں جو کسی مغربی تہذیب کا خاصہ ہیں! یہ سوالیہ نشانات ہیں جن کے جواب ہم اپنے معاشرہ، اپنی سوسائٹی، اپنے پڑوس اور شاید خود اپنے گھر میں پا سکتے ہیں!

اسلامی قانون میں قرائن کی حجیت

قسط نمبر ۱ — مولانا مبشر احمد صاحب جامعہ مدنیہ لاہور

ثبوت کے کچھ ذرائع متفق علیہ ہیں مثلاً شہادت، اقرار، یمین، نکول وغیرہ کچھ مختلف فیہ ہیں انہی میں ایک ظاہری قرائن کی بنا پر کوئی قاضی فیصلہ کرے یا نہ کرے البتہ قرائن کا استعمال اسی وقت صحیح ہے جب دوسرے ذرائع ثبوت نہ ہوں اس مضمون میں تمام پہلوؤں پر اچھی بحث کی گئی ہے۔

قرائن کے لغوی معنی

قرائن جمع ہے قَرِینَۃٌ کی بروزن فَعِیلَۃٌ بمعنی المتصل ہونا: یُقَالُ قَرَنْتُ الشَّیْئَ بِالشَّیْئِ وَصَلْتُہٗ بِہٖ: میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملایا۔ وَہِیَ الْاَمْرُ الدَّالُ عَلَی الشَّیْئِ مِنْ غَیْرِ اِسْتِعْمَالٍ فِیْہِ بَلْ بِمُجَرَّدِ الْمُقَارَنَۃِ وَالْمُصَاحَبَۃِ: قرینہ وہ امر ہے جو کسی چیز پر دلالت کرے جس میں وہ الفاظ استعمال نہ ہو۔ بلکہ محض اس کا اس کے ساتھ اتصال اور مصاحبت و مقارنت ہو۔[1]

قرائن کی اصطلاحی تعریف

عَرَّفَ الْفُقَہَاءُ اَلْقَرِیْنَۃَ بِمَعْنَی الْاَمَارَۃِ وَہِیَ مَا یَلْزَمُ مِنَ الْعِلْمِ بِہٖ الظَّنُّ بِوُجُوْدِ الْمَدْلُوْلِ: فقہاء نے قرینہ کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ قرینہ بمعنی امارۃ و علامت ہے جس کے علم سے وجود مدلول کا ظنی علم حاصل ہوتا ہے جیسے بادل کو دیکھ کر بارش کا علم حاصل ہوتا ہے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم حاصل ہوتا ہے یعنی بادل اور دھواں وجود مطر اور وجود نار پر دال ہوتے ہیں۔

لیکن فقہاء کی یہ تعریف تعریف بالمرادف ہے نہ کہ تعریف کاملہ؛ تو معلوم

---

[1] وسائل الاثبات ص ۴۸۸

ہوا کہ قرائن وہ (علامات) امارات معلومہ ہیں جو امور مجہولہ پر دلالت کریں۔

استاد مصطفیٰ الزرقا، قرینہ کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اَلْقَرِیْنَۃُ کُلُّ اَمَارَۃٍ ظَاھِرَۃٍ تُقَارِنُ شَیْئًا خَفِیًّا فَتَدُلُّ عَلَیْہِ۔ — قرینہ ہر وہ ظاہری علامت ہے جو کسی خفیہ چیز سے ملی ہو اور اس پر دلالت کرے[1]۔

علامہ سید فتح اللہ زید رحمۃ اللہ علیہ قرینہ کی تعریف کرتے ہیں:

ھِیَ الْاَمَارَۃُ الَّتِیْ نَصَّ عَلَیْہِ الشَّارِعُ اَوِ اسْتَنْبَطَھَا اَئِمَّۃُ الشَّرِیْعَۃِ بِاِجْتِھَادِھِمْ الخ — قرینہ اس علامت کو کہتے ہیں جس کو شارع علیہ السلام نے بیان کیا ہو یا ائمہ شریعت نے اجتہاد و استنباط کیا ہو[2]۔

علامہ جرجانی نے کہا ہے:

اَلْقَرِیْنَۃُ فِی الْاِصْطِلَاحِ اَمْرٌ یُشِیْرُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ۔ — یعنی قرینہ اصطلاح میں اس امر کو کہتے ہیں جو مطلوب و مقصود کی طرف اشارہ کرے[3]۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک سب سے مختار تعریف استاد مصطفیٰ الزرقا کی ہے[4]۔

شرائط قرینہ

اَنْ یُوْجَدَ اَمْرٌ ظَاھِرٌ وَمَعْرُوْفٌ وَثَابِتٌ: — یعنی جس قرینہ کو ہم استدلال کی بنیاد بنا رہے ہیں وہ معروف ہو اور ثابت اور ظاہر ہو۔

کالْغَیْمِ لِلْمَطَرِ: جیسے بادل بارش کے لئے معروف اور ظاہر قرینہ ہے۔

(۲) ان توجد الصلۃ بین الامر — یعنی اس امر ظاہری اور قرینہ کے

---

[1] وسائل الاثبات ص ۴۸۹ [2] حجیت القرائن ص ۸

[3] التعریفات للجرجانی ص ۱۱۷ [4] وسائل الاثبات ص ۴۹۱

الظاهر الثابت والقرينة التی اخذت منه فی عملية الاستنباط والاستنتاج

(یعنی متصل حالی یا قالی موجود ہو اتصال نقلی و معنوی پایا جائے قرینہ سے مراد وہ قرینہ ہے جس سے ہم استنباط واستنتاج کر رہے یعنی نتیجہ نکال رہے ہیں)

ولٰکِنْ يشترط اَنْ تكونَ العَلَاقَةُ قَوِيةً بَيْنَهُمَا۔

اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ تعلق قوی و مضبوط ہو محض وہم و خیال و علاقہ ضعیفہ نہ ہو ورنہ اس کو استدلال کی بنیاد نہیں بنایا جاسکے گا۔[1]

اس بنا پر قرائن کی دو قسمیں بن جاتی ہیں :

۱۔ قرائن قویّہ ۲۔ قرائن ضعیفہ

کیونکہ قرائن کی دلالت مدلولات پر قوۃ وضعف کے اعتبار سے متفاوت ہوتی رہتی ہے بعض اوقات قوت میں درجہ قطعیہ کو پہونچ جاتی ہے۔ اور قرینہ قاطعہ ہوجاتا ہے اور کبھی اتنی کمزور ہوتی ہے کہ محض احتمال کے حد تک رہ جاتی ہے تو قرینہ ضعیفہ بن جاتا ہے۔[2]

قضا میں قرائن ضعیفہ سے اثبات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قرینہ قویہ کا اعتبار ہوتا ہے جو مفید ظن قوی ہو اور راجح ہو زیادہ تر قرائن ان امور باطنہ میں مؤثر ہوتے ہیں جن پر اطلاع پانا متعذر ہوتا ہے لہذا دلائل کو ان کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے اور انہیں دلائل و قرائن پر احکام کا وجود و عدم مربوط ہوتا ہے جیسے آلِ قتل کا استعمال دلیل ہے قصدِ قتل پر۔

دوسری مثال مثالُ متاعِ البیت ہے۔ اس مثال کی وضاحت یوں ہے کہ زوجین نے گھر کے سامان میں اختلاف کیا اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ سامان میرا ہے لیکن گواہ نہ پیش کرسکے اب اس تنازع و اختلاف کا فیصلہ قرائن سے

۱۔ وسائل الاثبات ص ۴۹۰ ۲۔ المدخل الفقہی العام ج ۲ ص ۹۲۰، وسائل ص ۴۹۰

مطابق ہوگا۔ کہ وہ سامان جو مردوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً پگڑی اور کتابیں اور تلوار وہ مردوں کو دیا جائے گا۔ اور وہ سامان جو عورتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ عورتوں کو دیا جائے گا مثلاً زیورات زنانہ لباس و کپڑے وغیرہ۔

کیونکہ قرینہ اور عرف عام اس پر دال ہے کہ مردوں کو مردانہ چیزیں ملنی چاہئیں اور عورتوں کو زنانہ اشیاء۔ یہاں قبضہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ یہی قول احناف و مالکیہ وغیرہ کا ہے [۱]

سوال: وہ سامان جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے مناسب ہوتا ہے اور دونوں کے استعمال میں آتا ہے اس کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا جیسے برتن اور زمین اور صندوقیں و چارپائیاں وغیرہ۔

جواب: احناف و مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے سامان کے بارے میں مردوں کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ عرف عام میں بیت۔ بیت الرجل یعنی مرد کا گھر ہی کہلاتا ہے۔ اور عورت تو خاوند کے ماتحت ہوتی ہے اور قبضہ قرینہ و دلیل ظاہر یہ ہے مالک کے لئے لیکن حنابلہ اور دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسی اشیاء کو دونوں میں مشترکہ تقسیم کیا جاوے گا کیونکہ قبضہ دونوں کا ہوتا ہے۔

راجح قول: اس مسئلے میں احناف کے قول کو راجح قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں تین قرینے جمع ہو گئے ہیں۔ (۱) قبضہ (۲) صلاحیت (۳) عرف عام معادت الناس۔ یعنی لوگوں کا رواج۔

شوافع کا مذہب: اس مسئلے میں شوافع اور امامیہ اور ظاہریہ کا قول یہ ہے کہ گھر کے جملہ متاع کو نصف نصف تقسیم کیا جاوے گا کیونکہ قبضہ سب سے بڑا قرینہ ہوتا ہے ملکیت کے لئے۔

---

[۱] احکام الشرعیہ ص: ۲۰۹ و سبل الاثبات ص: ۱۹۴

نسبت کے اعتبار سے قرینہ کی تقسیم

نسبت کے اعتبار سے قرائن کی دو قسمیں ہیں: (۱) قرینہ عقلیہ (۲) قرینہ عرفیہ۔ کیونکہ قرینہ اور مدلولات کے درمیان نسبت کبھی عقلی ہوتی ہے اور کبھی عرفی۔

قرینہ عقلیہ کی تعریف

فالقرآئن العقلیۃ ھی التی تکون النسبۃ بَیْنَھَا وَبَیْنَ مدلولاتھا ثابتۃ یَسْتَنْتِجُھَا العقل دائما کوجود المسروقات عند المتھم بالسَّرِقَۃِ ووجود الجراح فی جسم المیت دلالۃً علیٰ قتلہٖ بٰالۃ حادۃٍ۔

قرائن عقلیہ وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق مدلولات کے مابین ثابت ہو اور عقل ان سے نتیجہ نکالے۔ جیسے ایک شخص پر چوری کی تہمت لگی اور اس کے بعد مسروقہ چیز اس سے برآمد ہو گئی اور میت کے جسم پر زخم دلالت کرتے ہیں کہ اس کو کسی دھاردار آلہ سے قتل کیا گیا ہے۔

قرینہ عرفیہ کی تعریف

والقرائن العرفیۃ ھی التی تکون النسبۃ بینھا وبین مدلولاتھا قائمۃ علی عرف او عادۃ الخ

قرائن عرفیہ وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق مدلولات کے ساتھ عرف عام یا عادت اور رسم ورواج کی بنا پر قائم ہو۔

یعنی لوگوں کا رواج اور عادت کی تبدیلی سے اس کی دلالت بھی بدل جائے مثلاً ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ گوشت نہیں کھاؤں گا اب اگر وہ مچھلی کھا لیتا ہے تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف عام اور لوگوں کی عادت میں مچھلی پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ میں نے مچھلی کا گوشت کھایا بلکہ کہا جاتا ہے میں نے مچھلی کھائی یا مچھلی پکائی۔ اسی طرح کوئی شخص کوئی سامان خریدتا ہے بغیر قیمت مقرر کرنے کے تو اس سے مراد وہ ریٹ ہوتا ہے جو بازار میں مستعمل۔

ہے اور عمل رہا ہے اسی طرح کوئی مسلمان عید الضحیٰ کے روز یا اس سے ایک دو روز قبل بکری خرید کر گھر لے جائے تو یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ وہ قربانی کے لئے خریدا ہے۔

مصادر و ماٰخذ کے اعتبار سے قرائن کی تقسیم

مصادر اور ماٰخذ کے اعتبار سے قرائن کی تین قسمیں ہیں :

(۱) قرائن نقلیہ (۲) قرائن فقہیہ (۳) قرائن قضائیہ۔

قرائن نقلیہ وہ ہیں جن پر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے کوئی نص وارد ہوئی ہو اور شارع نے اسے کسی معین چیز پر علامت بنایا ہو۔ جیسے قصہ یوسف علیہ السلام میں خون کو قتل پر قرینہ بنایا گیا ہے۔

وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ — یعنی اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے۔ (سورۃ یوسف آیت ۱۸)

۲۔ کپڑے کا پھٹنا سچائی و صحت پر قرینہ بنایا گیا ہے۔

إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ — اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹا ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف سچا اور زلیخا جھوٹی ہے۔

۳۔ ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ — یعنی ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ (سورۃ النحل آیت ۱۶)

۴۔ کنواری لڑکی سے اجازتِ نکاح لیتے وقت اس کے خاموش رہنے کو رضا کی علامت بنایا گیا ہے۔

۵۔ عورت کا خاوند کے بستر پر سونا کو علامت بنایا گیا ہے بچے کی خاوند

کی طرف نسبت کی۔ وہ بچہ اس کا بنیا متصور ہوگا۔ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاش۔

۹۔ وہ اعمال جن کو مومن اور منافق اور کافر کے درمیان فرق و تمیز کی علامات قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب قرائن نصیہ کہتے ہیں۔

دوسری قسم کی قرائن فقہیہ قرائن فقہیہ وہ ہیں جنہیں فقہائے کرام نے مستنبط کیا ہو اور انہیں دوسرے امور پر دلائل بنایا ہو۔ اور قاضی ان قرائن کی بنیاد پر فیصلے کرے۔

تیسری قسم قرائن قضائیہ قرائن قضائیہ وہ ہیں جنہیں قاضیوں نے وضع کیا ہو کیونکہ بعض قاضی و جج ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں احکام شرعیہ میں ملکہ تامہ حاصل ہوتا ہے وہ اپنی فطانت و ذہانت اور فراست سے ایسی علامات کا استخراج کر لیتے ہیں کہ جن پر دعاوی میں استدلال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اس وقت قبول ہوں گے جبکہ وہ قرائن قواعد شرعیہ و ضوابط فقہیہ کے مطابق ہوں [1]

ایک واقعہ قاضی ایاس کا ایک واقعہ کتب ادب میں مذکور ہے کہ دو شخص ایک کمبل کا جھگڑا لے کر قاضی ایاس کے پاس آئے ایک نے کہا کہ میں نے نہر کے کنارے اپنا کمبل اتار کر رکھا اور نہانے لگا یہ شخص آیا اس نے بھی اپنا کمبل اتار کر میرے کمبل کے پاس رکھ دیا اور نہانے لگا۔ اور یہ جلدی جلدی نہا کر نہر سے نکلا اور میرا کمبل اٹھا کر جانے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا ہے اب یہ کہتا ہے کہ یہ میرا کمبل ہے قاضی نے پوچھا تیرے کمبل کا کیا رنگ تھا اس نے کہا میرے کمبل کا رنگ سرخ ہے اور اس کے کمبل کا رنگ سیاہ ہے۔ قاضی ایاس نے کنگھا منگوایا اور دونوں کے سروں پر پھیرا جس کے سر سے سرخ بال نکلا اس کو سرخ کمبل دے دیا اور جس کے سر سے سیاہ بال نکلا اس

---

[1] وسائل الاثبات ص ۶۹۵

کو میاؤ مکمل دے دیا۔ اس قسم کے ذہین وفطین قاضی بھی ہوتے ہیں جو اپنی ذکاوت سے ایسے قرائن تلاش کر لیتے، حق فیصلے تک پہنچ جاتے اور صحیح وغلط میں تمیز کر لیتے ہیں۔[1]

قرائن کی حجیت قضاء وفیصلے کے لئے سب سے اہم ثبوت تو شہادت اور اقرار اور قسم اور تحریر ہے لیکن جب ان دلائل میں سے کوئی نہ ہو تو پھر دوسرے وسائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ان وسائل کا نام قرائن اور قیافہ ہے ان وسائل کو اصل ثبوت یعنی شہادت واقرار وغیرہ کے قائم مقام سمجھ کر دعووں میں مدد لی جاتی ہے اور فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہاکرام کا قرائن کی مشروعیت میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

قول اول جَوَازُ الْقَضَاءِ بِالْقَرَائِنِ یعنی قرائن کے ساتھ قضا وفیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ قول حنابلہ میں سے ابن تیمیہ وابن القیم کا ہے اور احناف میں سے ...... اور ابن العرس۔ اور زیلعی۔ اور ابن عابدین کا ہے اور مالکیہ میں سے ابن فرحون۔ اور عبدالمنعم بن الفرس کا ہے۔[2]

قول ثانی مَنْعُ الْقَضَاءِ بِالْقَرَائِنِ۔ قرائن کے ساتھ قضاء وفیصلہ منع اور ناجائز ہے۔ یہ قول خیر الرملی اور ابن نجیم اور صاحب تکملہ ردالمحتار کا ہے۔[3]

مجوّزین کے دلائل قرائن کے ساتھ قضاء اور فیصلے کی مشروعیت اور حجیت پر کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ دونوں سے ثبوت موجود ہے۔

دلیل اول وَجَاءُوْا عَلٰی قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ۔ (سورۂ یوسف ۱۸) اور ان کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے۔

---

[1] نفحۃ العرب ص ۲۴۰

[2] تبصرۃ الحکام ج ۲ ص ۲۰۲ الطرق الحکمیہ ص ۴ معین الحکام ص ۱۶۱ وسائل الاثبات ص ۵۰۱

[3] تکملہ ردالمحتار ج ۱ ص ۳۴۰، البحر الرائق ج ۷، ص ۲۰۵

وجہ دلالت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قمیص پر خون کو اپنی سچائی کی دلیل بنایا اور کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ کپڑے کا خون میں لت پت ہونا قرینہ تھا قتل کا۔

۲۔ اسی بات سے یعقوب علیہ السلام نے ان کے کاذب ہونے کی دلیل پکڑی اور کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھاجاتا تو قمیص بھی پھٹ جاتی۔ اور فرمایا کان الذئب حلیماً یا کل یوسف ولا یخرق قمیصہ۔ بھیڑیا کتنا بردبار اور مہربان تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا مگر قمیص کو خراش تک بھی نہ دی۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۰	بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے سو صبر ہی اچھا ہے۔ اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے۔
(سورۃ یوسف آیت ۱۸)	

تو یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے صحیح وسالم ہونے کو قرینہ بنایا اِخوان یوسف کے کاذب ہونے پر ڈاکٹر المصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں :

فالاٰیۃ دلیل علی مشروعیۃ القرائن وجواز الاعتماد فی القضاء۔	یہ آیت قرائن کی مشروعیت پر دلیل ہے اور قضا میں ان پر اعتماد کرنا جائز ہے[۱]۔

وقال القرطبی استدل العلماء بھذہ الاٰیۃ فی اعمال الامارات فی مسائل الفقہ الخ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسائل فقہیہ میں علامات (قرائن) کا عمل دخل ہوتا ہے لہذا قاضی اور جج پر لازم ہوتا ہے کہ امارات وعلامات (قرائن) میں سے جو زیادہ راجح قرینہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے قصۂ یوسف میں دو قرینوں (یعنی قمیص کا خون سے آلودہ ہونا اور قمیص کا صحیح سالم ہونا) میں سے دوسرے قرینے کو راجح قرار دیتے ہوئے اِخوان یوسف کے کاذب ہونے

۱۔ وسائل الاثبات ص ۵۰۲

کا فیصلہ دیا۔[1]

دلیل ثانی

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۔[2]

اور اس (عورت) کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ ان کا پیراہن اگر آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ (حضرت یوسف) سچے۔ سو جب اس (عزیز مصر) نے ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا بیشک یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ بیشک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے۔

وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑے کے پھٹنے کو دلیل اور قرینہ بنایا ہے ان دونوں میں سے ایک کے صدق پر۔ اور کپڑے کے پھٹنے کو علامت وسبب بنایا گیا ہے قضا وحکم کے لئے وَهٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى مَشْرُوْعِيَّةِ الْقَرَائِنِ ۔ یہ قرائن کی مشروعیت وحجیت پر دلیل ہے اگر قرائن حجت نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ قمیص کے پھٹنے کو دونوں کے صدق وکذب پر دلیل نہ بناتا۔

ایک سوال اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو تم نے دو دلیلیں پیش کی ہیں وہ تو سابقہ شریعتوں کی باتیں ہیں وہ ہمارے لئے کیسے حجت ہو سکتی ہیں؟

جواب علماء اصول نے سابقہ شرائع کی باتوں کو ہمارے لئے بھی قابل حجت

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۳۱۶۳ [2] سورۃ یوسف آیت ۲۶ — ۲۷

[3] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷۰ تفسیر الطبری ج ۱۲ ص ۱۹۵

بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ جب وہ ہماری شریعت کے اصول و قواعد کے مناسب اور مطابق ہوں تو ہمارے لئے بھی قابل تقلید ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے (حضرت) نوحؑ کو دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے۔

نیز ان باتوں کو قرآن مجید میں ذکر کرنا ہماری راہنمائی کے لئے ہے مگر قرآن مجید ہمارے لئے مشعل راہ ہے اس لئے ہم ان باتوں سے اپنے قواعد و ضوابط وضع کر سکتے ہیں۔[1]

دلیل ثالث

وَعَلٰمٰتٍ وَّبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ [2]

اور اللہ نے بنائیں) علامتیں اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔

وجہ دلالت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مادی چیزوں کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان علامات کو دیکھ کر بھی تم ہدایت و راہ حق پا سکتے ہو یا ان چیزوں کو دیکھ کر تم اپنا دنیاوی راستہ متعین کر سکتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے عَلٰمٰتٍ سے مراد پہاڑ نہریں۔ ہوائیں وغیرہ مراد ہیں اور نجوم ستاروں کو کہتے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی آیات قرآن میں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ قرائن یعنی علامات اور امارات ہمارے دعوؤں اور فیصلوں میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں اور حجت بن سکتے ہیں۔[3]

قرائن کی حجیت پر احادیث سے دلائل

دلیل اول عن ابی هریرة رضی — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] کتاب الاحکام للآمدی ج ۳ ص ۱۹۰

[2] سورۃ النحل آیت ۱۶ [3] وسائل الاثبات ص ۵۰۳

اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ علیہ وسلَّمَ قَالَ لَا تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَامَرَ وَلَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللہِ فَکَیْفَ اِذْنُھَا قَالَ اَنْ تَسْکُتَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عند مسلم والنسائی عن ابن عباس اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِھَا مِنْ وَلِیِّھَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْذَنُ وَاِذْنُھَا صُمَاتُھَا۔[۱]

ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کے اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جاوے اسی طرح باکرہ (یعنی کنواری بالغہ) عورت کا نکاح نہ کیا جاوے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔ پس کو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کنواری کی اجازت کیسے ہوگی تو آپ نے فرمایا اس کا خاموش رہنا بھی اجازت ہے۔

اور مسلم و نسائی کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ بالغہ عورت اپنے نکاح کے معاملے میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی بھی اس کی حقدار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جاوے اور اس کی اجازت خاموش رہنا ہے۔

وجہ دلالت | وجہ دلالت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری لڑکی کے خاموش رہنے کو علامت بنایا ہے اس کی رضا پر

وَالصُّمَاتُ اَیِ السُّکُوْتُ قَرِیْنَۃٌ ولہذا لِکَ یَجُوْزُ الاعتماد عَلَی الْقَرَائِنِ

"اور خاموشی قرینہ ہے اسی بناء پر قرائن پر اعتماد کرنا جائز ہے"

ابن فرحون فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قرائن کی حجیت پر اقوی دلیل ہے۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا فِیْ دَابَّۃٍ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص ایک جانور کا جھگڑا لے کر

۱۔ بخاری ج ۲ ص ۱۰۳، مسلم ۵ ا ص ۲۰۹، ترمذی ج ۲ ص ۲۲۰

وَلَیسَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَیِّنَۃٌ فَقَضٰی بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بَیْنَھُمَا نِصْفَیْنِ[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی کے پاس گواہ نہ تھے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا جانور تقسیم فرما دیا۔

وجہ دلالت | وجہ دلالت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان نصف نصف کا فیصلہ عصا اور فرمایا ان کے قبضے کی بنا پر:

وَالْیَدُ قَرِیْنَۃٌ وَعَلَامَۃٌ علی الْمِلْکِ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی مَشْرُوْعِیَّۃِ الْقَرِیْنَۃِ[2]

قبضہ ملک کی علامت و قرینہ ہوتا ہے اور یہ قرائن کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

دلیل سوم

فقال رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا رَاَیْتُمُ الشَّابَ یَرْتَادُ الْمَسَاجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہ بالایمان[3]

ارشاد فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی نوجوان کو مسجد میں آتا جاتا دیکھو تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔

وجہ دلالت | مساجد میں آنے جانے کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

دلیل چہارم

اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثَۃٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ[4]

منافق کی تین علامتیں ہیں جب بولے جھوٹ بولے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاوے تو خیانت کرے اور جب وہ وعدہ کرے تو دھوکہ کرے۔

وجہ دلالت | اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی پہچان

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۸ سنن نسائی ص ۲۱۸ [2] ایضاً: وسائل الاثبات ص ۵۰۸۔
[3] تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۲۹۹ [4] مسلم ج ۱ ص ۵۶ نسائی ص ۱۰۴۔

ان تین باتوں کو قرار دیا جو حدیث میں مذکور ہیں اور یہی علامات ہی قرینہ کہلاتی ہیں جن کی بنا پر ہم مومن اور منافق میں تمیز کر سکیں گے۔

وھناك امثلة كثيرة جدا تدل على مشروعية القرائن فهذه الاحاديث الصحيحة كافية في استدلال على مشروعية الاثبات بالقرائن وانها حجة في القضاء [1]

ڈاکٹر المصطفیٰ زحیلی فرماتے ہیں: قرآن کی مشروعیت پر دلائل بہت ہیں۔ بس یہی صحیح احادیث قرآن کے اثبات حق کی مشروعیت پر کافی اور وافی اور شافی ہیں۔

[1] وسائل الاثبات ص ۵۰۹

(جاری)

موصولہ نئی کتابیں

۱ — علامہ بدر الدین عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام' مؤلف — شیخ صالح یوسف معتوق ترجمہ: مولانا عبد اللہ صاحب ناظم مدرسہ فلاح دارینؒ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔

۲ — کتاب اتباع السنۃ مؤلفہ: محمد اقبال کیلانی۔

۳ — امام احمد رضا خاں بریلویؒ نمبر: — مولانا کوثر نیازی

۴ — داستانِ حرم نمبر مولانا محمد عاصم اعظمی

۵ — عراقی صدر نے تحریک فلسطین اور دینی جماعتوں کو کیا دیا؟

۶ — گلدستۂ اذکار نمبر مولانا قمر الزماں صاحب الہ آباد

۷ — تحفۃ النساء نمبر ذبیح اللہ تسنیم

۸ — قرآن حکیم اور علم نباتات نمبر مولانا شہاب الدین ندوی

انشاء اللہ آئندہ ان کتابوں پر تبصرہ کرنے کی کوشش کی جائے گی، براہ کرم تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے روانہ کریں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

کی فضیلت اور معجزۂ نبوی ﷺ

از: حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: سَأَلَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ وَهُوَ فِي الشِّعْبِ هَلْ رَأَيْتَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْتُهُ إِلَى حَرِّ الْجَبَلِ وَعَلَيْهِ عَكَرٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَهَوَيْتُ إِلَيْهِ لِأَمْنَعَهُ فَرَأَيْتُكَ فَعَدَلْتُ إِلَيْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ. فَرَجَعْتُ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَأَجِدُهُ بَيْنَ نَفَرٍ سَبْعَةٍ صَرْعَى فَقُلْتُ لَهُ، ظَفِرَتْ يَمِينُكَ أَكُلَّ هٰؤُلَاءِ قَتَلْتَ؟

حضرت حارث بن صمہ انصاریؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ غزوۂ احد کے دن جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تھے آپؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے عبد الرحمٰن بن عوف کو دیکھا ہے؟" میں نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ! میں نے ان کو دیکھا ہے پہاڑ کے سیاہ پتھروں والے حصے کی طرف اور ان پر حملہ کر رہی تھی مشرکین کی ایک جماعت؛ تو میں نے ارادہ کیا اُن کے پاس جانے کا تاکہ میں ان کو بچاؤں کہ اسی وقت میری نگاہ آپ پر پڑی تو میں آپ کی طرف چلا آیا!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے فرشتے عبد الرحمٰن بن عوف کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں" (حارث کہتے ہیں کہ) حضورؐ سے یہ بات سننے کے بعد میں عبد الرحمٰن بن عوف کی طرف لوٹ آیا، تو میں نے اُن کو اس حال

قَالَ: أَمَّا هٰذَا الْأَزْطَاةُ بْنُ عَبْدِ شُرَحْبِيْلَ وَهٰذَانِ فَأَنَا قَتَلْتُهُمَا، وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَتَلَهُمْ مَنْ لَمْ أَرَهُ، قُلْتُ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـــــــــــ

(رواه ابن منده في مسنده والطبراني في المعجم الكبير وأبو نعيم في الحلية)

میں دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں اُن کے پاس تھیں تو میں نے اُن سے کہا، "کامیاب اور فتحیاب رہیں تمہارے ہاتھ! کیا ان سب کو تم نے قتل کیا ہے؟" انھوں نے کہا کہ یہ ارطاۃ بن عبد شرحبیل اور یہ دو، ان کو تو میں نے قتل کیا ہے، باقی یہ چار، میں نے نہیں دیکھا کہ ان کو کس نے قتل کیا۔" (ان کا یہ جواب سن کر) میں نے کہا کہ "صادق ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(روایت کیا اس کو ابن مندہ نے اپنے "مسند" میں، اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں اور ابو نعیم نے "حلیہ" میں)

تشریح: — حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غزوۂ احد کے بارے میں مختصراً کچھ ذکر کر دیا جائے۔

غزوۂ بدر جو رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں ہوا تھا، اس میں مسلمان صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے اور سامانِ جنگ نہ ہونے کے برابر تھا، کیونکہ مدینہ سے کسی باقاعدہ جنگ کے ارادہ سے چلے ہی نہ تھے، اس لئے جو سامانِ جنگ ساتھ لے سکتے تھے وہ بھی ساتھ نہیں تھا اور مکہ کے مشرکین کے لشکر کی تعداد تین گنی سے بھی زیادہ ایک ہزار تھی وہ جنگ ہی کے ارادہ سے پورے سامانِ جنگ سے لیس ہو کر آئے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی، مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں سے قتل ہو کر مشرکین مکہ میں سے ستر جہنم رسید ہوئے، جن میں ابوجہل اور اس جیسے کئی دوسرے قریشی سردار بھی تھے، اور ستر کو قیدی بنا لیا گیا ہے، باقی سب نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی — جنگ کے اس نتیجہ نے مکہ کے خاص کر ان مشرکوں میں جو جنگ میں شریک نہیں تھے مسلمانوں کے خلاف سخت غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دی اور انھوں نے طے کیا کہ ہمیں اس کا انتقام لینا ہے اور پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا ہے، چنانچہ پورے ایک سال تک ان لوگوں نے تیاری کی اور واقعۂ بدر کے ٹھیک ایک

سال بعد شوال ۳ھ میں تین ہزار کا لشکر ابو سفیان کی قیادت میں مسلمانوں کو ختم کر دینے کے ناپاک ارادہ کے ساتھ روانہ ہوا، اور منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ کے قریب پہونچ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاں نثار صحابہؓ کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے تشریف لائے، آپ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد صرف سات سو تھی ــــ مدینہ کی آبادی سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر اُحد پہاڑ ہے اس کے دامن میں ایک وسیع میدان ہے آپ نے وہیں صحابہ کے لشکر کو اس طرح صف آرا کیا کہ اُحد پہاڑ ان کی پشت پر تھا جس کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہیں کر سکے گا، لیکن پہاڑ میں ایک درہ ایسا تھا کہ دشمن اس درہ سے آکر پیچھے سے حملہ کر سکتا تھا، اس کے لئے آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت کو درہ کے قریب کی ایک پہاڑی پر متعین کیا، اور عبداللہ بن جبیرؓ کو (جو تیر اندازی میں خود بھی خاص مہارت رکھتے تھے) اس دستہ کا امیر مقرر فرمایا، اور ہدایت فرما دی کہ "وہ اسی جگہ رہیں" آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن لشکر اس درہ کی طرف سے آکر حملہ نہ کر سکے۔

جنگ شروع ہوئی، پہلے ہی مرحلہ میں مسلمان مجاہدین نے ایسے زور کا حملہ کیا کہ دشمن لشکر (جس کی تعداد چار گنا سے زیادہ تھی) کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا، یہاں تک کہ مجاہدین نے سمجھ لیا کہ جنگ ہماری فتح پر ختم ہو گئی، اور وہ دشمن کا چھوڑا ہوا مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ــــ درہ پر متعین کی ہوئی تیر اندازوں کی جماعت نے جب یہ حال دیکھا تو ان میں سے بھی بہت سے مال غنیمت کے لئے پہاڑی سے نیچے اتر کر میدان کی طرف آنے لگے، ان کے امیر عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو روکنا چاہا اور یاد دلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ "تم کو ہر حال میں یہیں رہنا ہے۔" انھوں نے کہا کہ یہ حکم تو اس وقت تک کے لئے تھا جب تک جنگ جاری ہو، مگر اب جبکہ جنگ ختم ہو گئی، اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، تو ہم یہاں کیوں رہیں، الغرض ان لوگوں نے اپنے امیر کی بات نہیں مانی اور پہاڑی سے نیچے اتر کر یہ بھی مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے، مگر دستہ کے امیر عبداللہ بن جبیر اور چند ساتھی حضورؐ کی ہدایت کے مطابق پہاڑی ہی پر رہے ــــ خالد بن ولید جو اس وقت

جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مشرکین کے ایک دستہ کو ساتھ لے کر اس درہ کی طرف سے آگئے عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے جو پہاڑی پر تھے روکنا چاہا لیکن وہ نہیں روک سکے اور سب کے سب شہید ہو گئے خالد بن ولید نے اپنے دستہ کے ساتھ درہ میں سے آکر پیچھے سے اچانک مسلمانوں پر ایسے وقت میں حملہ کر دیا جب لوگ غلطی سے جنگ ختم سمجھ چکے تھے اس حملے نے بہت سے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا اور وہ بجھر کر اور منتشر ہو کر اس حملہ کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ ان میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی متعدد جلیل القدر صحابۂ کرام شہید ہوئے حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید طور پر زخمی ہو گئے" (اس صورتحال کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے)۔
پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پانسہ پلٹا صحابۂ کرام جو منتشر ہو گئے تھے یہاں تک کہ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضورؐ بفضلہٖ تعالیٰ زندہ و سلامت ہیں پھر منظم ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پھر دشمن کو شکست دی۔ مندرجہ بالا حارث بن صمہؓ کی اس حدیث کا تعلق بظاہر اسی مرحلے سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا یہ حال منکشف کیا گیا کہ وہ مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں، اور اللہ کے فرشتے اُن کے ساتھ شریک جنگ ہیں، اور ان کی مدد کر رہے ہیں — آپؐ نے اِسی بنا پر حارث بن صمہؓ سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں دریافت کیا، اور انھوں نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا، ان کا جواب سن کر حضورؐ نے فرمایا: أَمَا إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ (معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتے ان کے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے ہیں) حضورؐ سے یہ سننے کے بعد حارث بن صمہؓ پھر وہاں پہونچے جہاں انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس حال میں دیکھا تھا کہ مشرکین کی ایک جماعت آن پر حملہ کر رہی تھی تو انھوں نے وہاں پہونچکر دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں پڑی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا ان سب کو تم نے ہی جہنم رسید کیا ہے؟ تو انھوں نے سات میں سے تین کے بارے میں کہا کہ" ان کو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں نے ہی قتل کیا ہے، باقی

چارے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ ان کو کس نے قتل کیا۔" ان کا یہ جواب سن کر حارث صحمہؓ کہا ٹھے کہ "صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ" مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ "عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ فرشتے جنگ کر رہے ہیں" اس کو میں نے آنکھوں سے دیکھ لیا، اور میرا ایمان تازہ ہو گیا۔

اس حدیث سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ وہ جنگ احد کے خاص آزمائشی وقت میں بھی استقامت کے ساتھ مشرکین سے جنگ کر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے جنگ میں ان کی مدد کر رہے تھے ـــــ بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے خاص فضائل میں سے ہے، نیز حضور صلی اللہ نے ان کے بارے میں جو فرمایا تھا کہ "فرشتے جنگ میں ان کی مدد کر رہے ہیں" یقیناً یہ حضور کا معجزہ تھا۔ (بشکریہ ماہنامہ الفرقان)

ناظرین الرشاد کی خدمت میں ایک ضروری گذارش

اکتوبر کے پرچے سے تمام ناظرین الرشاد کے نمبر خریداری بدل جائیں گے، براہ کرم نئے نمبر کو نوٹ کریں اور انھیں کے حوالے سے خط وکتابت کریں ورنہ جواب میں دشواری ہوگی، ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ جن لوگوں کے چندے ختم ہو گئے ہیں وہ روانہ کر دیں تاکہ سرخ نشان والی روایت ہمیں نہ دہرانی پڑے جس سے ہم اب تک بچتے رہے ہیں۔

(مرتب)

مسعود سعید الاعظمی

اسلام اور مسئلہ جنس

مسئلہ جنس انسان کے لئے ہر دور میں خصوصی توجہ اور اہمیت کا حامل رہا ہے، اربابِ حکومت، پیشوایانِ مذاہب اور اصحابِ علم و دانش نے ہمیشہ اس مسئلے کے حل کے لئے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش و کاوش کے مظاہرے کئے، اجتماعی سطح پر قوانین پاس ہوئے، تعزیرات کا نفاذ ہوا اور انفرادی طور پر بھی حکماء و فلاسفہ نے اپنے اپنے خیالات و افکار کا اظہار کیا، لیکن اس کا صحیح حل نکالنے میں کبھی وہ کامیابی کی منزل تک نہیں پہونچ سکے، اعتدال اور توازن سے جدا افراط اور تفریط کی راہ پر چلتے رہے، کبھی انھوں نے عورت کو شر کا مجموعہ، فساد کی جڑ، دامِ ابلیس اور جہنم کا دروازہ قرار دے کر اس سے اجتناب کی تاکید کی، یہاں تک کہ زن و شوہر کے جائز اور مشروع اختلاط کو بھی معیوب اور باعثِ فساد ٹھہرایا، یا پھر جنسی آزادی اور اباحت پسندی کے ذریعہ آوارگی اور بدکاری کا وہ ماحول پیدا کر دیا جو انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ بن گیا، اور جو قوم بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہوئی وہ تباہی کے گڑھے میں گر کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گئی، اور اگر کسی کی زبان پر اس کا نام آیا بھی تو فسانۂ عبرت بن کر۔

دورِ جدید کے اندر تہذیب و تمدن کی باگ ڈور یورپ نے سنبھالی گذشتہ دو صدیوں میں یورپ کے اندر مختلف صنعتی، ثقافتی اور معاشرتی انقلابات رونما ہوئے جن کا بڑا سبب مذہبی اقتدار اور مادہ پرستوں کے درمیان طویل کشمکش تھی، یہ انقلابات، مادی اصلاحات کے ساتھ بڑے پیمانے پر تباہی اور بربادی کا سامان بھی لائے کیونکہ ان کی اساس مادیت اور مذہب دشمنی تھی، بہت سے جدید نظریات، نت نئے فلسفے اور افکار وضع کئے گئے جنہوں نے اپنی خوشنمائیوں کے سبب بہت سی اقدار کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں، ان میں سب سے زیادہ خطرناک فرائڈ کے افکار تھے جو

دشمنی میں اپنی آخری حد کو پہونچ گئے تھے، فرائڈ کا تعلق ایک یہودی گھرانے سے تھا، جو یورپ میں کلیسا اور مسیحی اقتدار کا سب سے زیادہ مشق ستم بننے والے یہودی خاندان تھا، اس لئے فرائڈ کے دل میں دوہری آگ سلگ رہی تھی، اس نے اپنی پوری دماغی اور ذہنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے جاں بلب مسیحیت پر آخری اور بھرپور وار کیا اور مسیحی اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی، فرائڈ کا انسان کی فطری عفت وعصمت کو چھین لینے کے سلسلہ میں سب سے بڑا کارنامہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے جنسی آزادی کو جو نہایت تیزی سے یورپ کے اندر پھیل رہی تھی جدید فلسفہ کا خوشنما لباس پہنا کر اہل مغرب کے سامنے پیش کیا، یورپی عوام نے جو پہلے ہی سے اس انتظار میں بیٹھے تھے فرائڈ کے اچھوتے خیالات کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا، اس کے فلسفہ کی اخبارات اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ خوب تشہیر کی گئی اور اس طرح وہ دیکھتے ہی دیکھتے مغربی دنیا کا عظیم ہیرو بن گیا، یورپ کے تمدنی انتشار پر اس فلسفہ کے دور رس اثرات مرتب ہوئے، بدکاری، زناکاری اور بے حیائی کے ایسے مظاہر ہونما ہوئے کہ زمین تھرا اٹھی۔ لوگوں کے ذہن سے خیر وشر کی تمیز اٹھ گئی، مذہبی روایات اور اخلاقی اقدار بدترین طریقے سے پامال کی گئیں، انجام کار یہ آوارگی ان کی مکمل تباہی کا سبب بن گئی اور یورپ کا نظام تمدن تہ وبالا ہو گیا، یورپ وامریکہ کی جنسی آزادی پر فرائڈ کے فلسفہ کے اثرات کے بارے میں محمد قطب اپنی کتاب "الانسان بین الاسلام والمادیۃ" میں تحریر فرماتے ہیں:

> "یورپ اور امریکہ کی آزادی کامل کی تمام تحریکات مسئلہ جنس کے بارے میں فرائڈ ہی کے افکار سے متاثر ہیں، اور انہی مہلک اثرات کے نتیجے میں ننگی صحافت، عریاں فلمیں اور جنسی ادب وجود میں آئے" (ص ۹۸ اردو ترجمہ)

یورپ کی اس جنسی آزادی کے سبب وہاں کا اجتماعی نظام درہم برہم ہو گیا، معاشی آوارگی اور انتشار کا شکار ہو گئی اور ایسے امراض خبیثہ وجود میں آئے جو خطرناک حد تک ضرر رساں اور ہلاکت خیز تھے، اس کی زندہ مثال ایڈز جیسی مہلک وبا ہے جو ایک دہائی گذرنے کے بعد بھی ماہرین امراض کے لئے بدستور چیلنج بنی ہوئی ہے۔

ہے محض اتفاق کہیں یا قسمت کی ستم ظریفی کہ اسی دوران دنیا کو دو عظیم جنگوں کا سامنا کرنا پڑا،
جس میں بے شمار افراد لقمۂ اجل بن گئے جنگ عظیم کے اختتام نے فرائڈ کے افکار کو پھلنے
پھولنے کے از خود مواقع فراہم کردیئے، کارخانوں، تجارتی مراکز اور سرکاری دفتروں میں مردوں
کی کمی کے باعث عورتوں کا تقرر عمل میں آیا، دونوں صنفوں کا اختلاط، باہم نشست و برخاست
اور صبح و شام کے تصادم نے جلتے پر تیل کا کام کیا اور جنس کی آگ کو اور بھڑکا دیا،
مغرب والوں کو ننگا دیکھ کر اہل مشرق نے بھی اپنے کپڑے اتار دیئے دوسرے امور
کی طرح اس میدان میں بھی یورپ کی تقلید کرنے کی کوشش کی، اور ٹھیک اسی نقش قدم پر
چلنا چاہا جس راہ پر چل کر اہل مغرب نے خود اپنی تہذیب کا گلا گھونٹ دیا، مغربی عورت
کارخانوں، سرکاری دفاتر اور تجارتی منڈیوں میں پہونچی تو ہم نے بھی اپنی بہن بیٹیوں کو گھسیٹ
کر لانے کی کوشش کی، اگر وہ رقص گاہوں اور تھیٹروں کی زینت بنی تو ٹھیک یہی طرز عمل
ہم نے بھی اختیار کرنا چاہا، اگر وہ نیم عریاں اور بے لباس ہو کر گھر سے نکلی تو جذبۂ تقلید سے
سرشار ہو کر ہم نے بھی اپنی محرمات کو برہنہ کر دیا، اور نتیجہ کے طور پر زنا اور بدکاری کے زہریلے
جراثیم رفتہ رفتہ ہمارے معاشرہ میں بھی پھیلنے لگے، اور اس کی رفتار روز بروز تیز ہوتی جارہی ہے
اور خدانخواستہ اس وبا کی رفتار یونہی بڑھتی رہی تو اس کے اثرات آج نہیں تو کل رونما ہو کر رہیں گے
کیونکہ یہ قانون فطرت ہے کہ جس قوم کے اندر جنسی آوارگی، ہم جنسی اور زنا کی جیسی مہلک بیماریاں
وجود میں آئیں تو پھر ذلت و پستی کے لیے بھیانک غار میں وہ گری کہ پھر اٹھ نہیں سکی، یہ ایک
سبق ہے اور تاریخ اس سبق کو بار بار دہرا چکی ہے۔
بہر حال جنسی آزادی یا اباحت پسندی وہ نظریہ ہے جو نہ صرف اسلامی اصولوں سے
خلاف ہے بلکہ فطرت سے بھی متصادم ہے، اسلام نے افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر ایک
نہایت معتدل اور متوازن راہ نکالی ہے اسلام نے مسیحیت اور دیگر مذاہب کی رہبانیت
اور تجرد کے ذریعہ فطرت انسانی کو زبردستی کچلنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تجرد کی زندگی
اسلام کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے، اور دوسری طرف جنسی آزادی پر بھی سخت پہرہ
بٹھا دیا ہے کیونکہ یہ امراض خبیثہ اور اخلاقی زوال کا سبب بنتی ہے اور معاشرتی نظام کو خطرہ

لاحق ہو جاتا ہے۔ مرد وعورت کے اختلاط کے لئے چند شرائط اور اصول وضوابط متعین کر دئے ہیں۔ نکاح کو نہ صرف جائز بلکہ سنت وعبادت کا درجہ عطا کر کے ایک دائرہ کھینچ دیا گیا ہے۔ اس ازدواجی رشتے سے باہر ہو گا وہ ناجائز اور حرام ہو گا اور رشتہ ازدواج میں رہتے ہوئے اگر کسی کی خواہش پوری نہ ہو سکے تو قانون عدل ومساوات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے لئے تعدد ازدواج کو مشروع قرار دیا۔ اس قانون ازدواج کے ذریعہ اسلام نے نہ صرف جنسی خواہش کی تسکین کا سامان فراہم کیا ہے بلکہ اس سے جنسی قوت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور یہ قوت ایک صالح خاندانی اور تمدنی نظام کی نشوونما کے لئے صرف ہوتی ہے۔

زنا کا سدباب مرد وعورت کا اختلاط صرف جنسی خواہش کو مٹانے یا جذبات کی تسکین کے لئے نہیں ہے اسکلئے اسلامی شریعت میں زوجین کا تعلق محض جذباتی اور وقتی نہیں ہوتا، بلکہ ایک مستحکم اور اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے جس کا انقطاع ایک مبغوض اور ناپسندیدہ فعل ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ختم کیا جا سکتا ہے جب کہ حالات بد سے بدتر ہو جائیں اور اس کا باقی رہنا بجائے خود ایک اہم مسئلہ اور خاندانی نظام کے لئے باعث خطرہ بن جائے۔ ازدواجی زندگی کا ایک اہم مقصد نوع بشری کی بقاء و تحفظ ہے اور بشریت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک صالح اور صحتمند معاشرہ کا قیام عمل میں آئے، بہترین تمدنی نظام کے ذریعہ جس کی شیرازہ بندی کی گئی ہو اور جو شر وفساد کے تمام عناصر سے یکسر پاک ہو۔ زنا، فساد معاشرہ کے عوامل میں ایک اہم عنصر ہے کیونکہ اس سے تمدنی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، خاندان اور اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، بقاء نسل کو خطرہ لاحق ہوتا ہے، فاحشہ عورت معاشرہ کی پیشانی پر بدنما داغ بن جاتی ہے، اور حرامی بچہ سوسائٹی کی کوتاہی اور ستم ظرافی کا شکار ہو کر نفسیاتی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور بسا اوقات جرائم کے ارتکاب پر مجبور ہو جاتا ہے۔ زنا بظاہر چند افراد کا معاملہ ہے لیکن درحقیقت اس کے مضر اثرات پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس کی حرمت میں موقف بھی بہت سخت اپنایا ہے اور زنا کی تمام ترغیبات پر زبردست قدغن لگا دی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا" تم زنا کے قریب تک نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام اور بری راہ ہے۔"

اور ارشاد نبوی ہے "لَا یَزْنِی الزَّانِی حِینَ یَزْنِی وَهُوَ مُؤْمِنٌ" اس عمل قبیح سے باز رہنے کی تاکید اتنے سخت الفاظ میں اس وجہ سے کی گئی ہے کہ زنا ایک اخلاقی جرم ہوتا ہے جو ان اوصاف سے عاری ہوتا ہے جن سے ایک صاحب ایمان متصف ہوتا ہے اس کے قلب سے ایمان کا نور رخصت ہو جاتا ہے اور اس کا سینہ ظلمت و تاریکی کا گہوارہ بن جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان تمام عوامل کا سد باب کر دیا ہے جو زنا کے محرک بن سکیں غض بصر کا حکم، نامحرم عورت پر نظر ڈالنے کی ممانعت، فحش کے کام اور ہر اس فعل کی حرمت جو دل کے اندر ہیجان برپا کر سکے اسی قبیح جرم کے استیصال کے لئے کی گئی ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی بے پردگی، برہنگی، نیم عریانیت، بے ضرورت گھر سے نکلنے، چست لباس زیب تن کرنے، خوشبو وغیرہ کے استعمال اور اس طرح کی تمام چیزوں سے روک دیا گیا جو ہیجان انگیز اور دل و دماغ کے اندر انتشار پیدا کر سکے۔

ان تمام اصلاحات کے باوجود نفس کی تند و تیز اور طوفانی خواہش کے دباؤ میں اگر کوئی فرد اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھے تو پھر اس کی سزا بھی اتنی سخت ہے کہ دوسرے افراد کے لئے باعث عبرت بن جاتی ہے اور برسوں لوگوں کے دل خوفزدہ رہتے ہیں اور صرف اس کے بارے میں سوچ کر بھی ان کے دل دہل جاتے ہیں، لہٰذا زانی کی سزا اسلامی شریعت میں غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے تجویز کی گئی ہے لیکن اگر کوئی شادی شدہ بدقسمتی سے اس فعل بد کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس کی سزا اسلام میں رجم ہے۔

یہ ہے اسلام کی تعلیم اور اسلامی قانون اب خدا ہم اپنے عمل کا بھی جائزہ لیں اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہمارا دامن کس حد تک ان آلودگیوں میں ملوث ہو چکا ہے جن کو اسلام نے ناپاک و ناقابل نفرت قرار دیا ہے، اگر ہم دوسروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا کمزوری خود ہمارے اندر نہیں ہے؟ کیا ہم اپنا جڑ خود اپنے ہاتھوں سے کھوکھلی نہیں کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے خود اپنے نظام تمدن و اجتماع کو فرسودہ اور ناقابل عمل نہیں سمجھ لیا ہے؟ کیا مسلم قوم کی بیٹیاں بے پردہ، نیم عریاں اور

(بقیہ صفحہ ۱۵)

دین کے بنیادی مسائل یا فروعی؟

ماخوذ "البلاغ" کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں ایک دن علی الصباح نماز فجر کے وقت حضرت الاستاذ علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ جو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین تھے، کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب اداس اور غمگین سر پکڑے ہوئے رنج میں غرق خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، اس مغموم و محزون حالت میں جو میں نے دیکھا تو حیرت میں پڑ گیا، خیال ہوا کہ شاید کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ میں نے دبی زبان میں ہمت کرتے ہوئے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ مغموم لہجہ میں فرمایا! ہاں ٹھیک ہی ہے پھر ذرا سنبھلے فرمایا میاں مزاج کیا پوچھتے ہو۔ (افسوس) ساری عمر ضائع کردی۔ میں نے کہا حضرت آپ کی ساری عمر علم دین کی خدمت، دین کی اشاعت میں گذری ہے اگر آپ ہی کی عمر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

میرے اس استفسار پر حضرت نے فرمایا، ہماری عمر کا، ہمارے درس کی تقریروں کا، ہماری ساری کد و کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت ترجیح قائم کردیں۔ اپنے مذہب کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دیں۔ اسی میں ساری عمر بیت گئی کیا حاصل ہے اس کا، کیا نتیجہ اس سے نکلا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطا ثابت کردیں اور دوسرے کو خطا محتمل الصواب قرار دیدیں، اس کے آگے اور کیا نتیجہ ان تمام بحثوں اور تحقیقات کا جن میں ہم بات دن مصروف ہیں۔ زندگی کھپ گئی اسی میں پھر فرمایا: ارے میاں اس کا تو حشر میں بھی راز نہ کھلے گا، کون سا مسلک صواب (درست) تھا اور کون ساخطا۔

پھر فرمانے لگے: ارے میاں اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا بلکہ عالم برزخ میں قبر میں منکر نکیر بھی نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا، آمین بالجہر حق تھا یا بالسر حق تھا۔ وہاں تو بس مین سوال ہوگا۔

اللہ پاک اس اختلاف کے مسئلہ میں نہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو رسوا کرے گا نہ امام ابو حنیفہؒ کو نہ امام مالکؒ کو نہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو۔

پھر فرمایا:- اللہ پاک نے جن کو انعام علم دین کا دیا، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت حصہ کو لگا دیا، جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلا دیا، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گذریں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو اس امر میں رسوا نہ کرے گا۔ وہ میدان حشر میں کھڑا کرکے یہ نہیں پوچھے گا کہ امام ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعیؒ نے یہ نہیں ہوگا۔ تو جس کو نہ دنیا میں نکھرنا ہے نہ میدان حشر میں اسی کے پیچھے پڑکر افسوس ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی اور وہ مسائل جو کہ مابین متفق علیہ تھے۔ اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہم کو حکم ہمیں دیا گیا تھا، اس کو ہم چھوڑ بیٹھے اسی کی دعوت نہیں دی۔

وہ منکرات جن کے مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج وہی منکرات پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک بت پرستی چل رہی ہے، حلال و حرام کا امتیاز اُٹھ رہا ہے لیکن ہمارا حال ہے ہم لگے ہوئے ہیں فرعی بحثوں میں۔ اس لئے میں غمگین بیٹھا ہوں، محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔

خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے عہد میں امور انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے جن کا قرآن و حدیث میں صراحۃً ذکر نہ تھا تو صحابہ و تابعین کو قرآن و سنّت کے نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرتے ہوئے شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا عقل و ذہانت کی بنا پر ناگزیر تھا۔ پھر حضرات صحابہ کرام کے شاگرد حضرات کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے، ان میں سے ایک جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کرلیتی تھی۔ ۴

لیکن اس دور خیر القرون میں کہیں ایک واقعہ بھی ایسا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو فاسق کہتے ہوں، یا کسی کو کوئی مخالف فرقہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا کرنے سے رکتے ہوں، ان اختلاف آراء کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف

جنگ و جدل سب و شتم توہین و استہزاء یا فقرہ بازی کا تو ان مقدس زبانوں میں کوئی تصور ہی نہ ہوا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسیر مالٹا نے رہائی کے بعد علماء سے فرمایا: میں نے جیل کی تنہائیوں میں غور کیا پوری دنیائے اسلام دینی، دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہی ہے تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔

ایک ان کا قرآن پاک چھوڑنا، دوسرے آپس میں اختلاف اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے عزم لے کر آیا کہ قرآن کی تعلیمات اور اس پر عمل عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ آپ غور فرمائیں کیا آپ اس پر عمل کر رہے ہیں؟

اس دور کے بعض علماء فروعی اختلاف پر اکثر تقریریں کر کے یہ تاثر دیتے ہیں کہ دین اسلام میں کئی فرقے ہیں اور مسلمانوں میں شدید تعصب اور نفرت کی فضا پھیلاتے ہیں۔ حقیقت میں اسلام کے بنیادی احکام اور اصولوں پر کوئی بھی اختلاف نہیں ہے مسلمانوں میں موجودہ فرقہ بندی، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث توصرف ۸۰ اسی سال سے شروع ہوئی ہے۔ فرقہ داریت نے وحدت ملت کو زبردست نقصان پہونچایا ہے۔

پیران پیر سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے، آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور رفع یدین کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا بلند مرتبہ دیا کہ تمام مسالک کے اکابر ان سے عقیدت رکھتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ دین اسلام میں مسلک سے زیادہ تقویٰ، عبادت اور اعمال صالحہ کی اہمیت ہے۔

ادارہ | خواص کی مجلس ہو یا عوام کی ہر جگہ آپ کو اتحاد ملت کی بات سنائی دے گی مگر افسوس ہے کہ اتحاد کے بجائے دن بدن ہمارے اندر انتشار ہی بڑھتا جارہا ہے اتحاد کے لئے سب سے ضروری چیز ہے کہ اپنے کو چھوٹا اور دوسرے کو بڑا سمجھا جائے، ایک دوسرے کی خامیوں کے بجائے خوبیوں پر نظر رکھی جائے، اپنی بات، رائے اور مسلک کی خواہ مخواہ پچ نہ کی جائے، مگر ہمارے پورے معاشرہ کا حال اس کے بالکل برعکس ہے، کیتھولک عیسائیوں کے سب سے بڑے ذمہ دار پوپ پال ششم کا واقعہ ہمارے لئے قابل عبرت ہے، آج سے کئی برس پہلے ویٹیکن سٹی (اٹلی) میں ایک بار پوپ پال ششم نے پروٹسٹنٹ فرقے اور کیتھولک فرقے میں اتحاد کے لئے ایک میٹنگ بلائی تھی جس میں پوپ پال ششم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "دونوں فرقوں میں اتحاد کے لئے میں ہمیشہ کیلئے پوپ پال کے عہدہ کو ختم کردینا پڑے تو میں اس کے لئے تیار ہوں"۔ ۳

الرشاد کی ڈاک

محترمی و مکرمی جناب مولانا مدظلہ العالی   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ بصحت و عافیت ہوں۔

کافی دنوں سے آپ کی خدمت میں شرف بازیابی حاصل نہ کر سکا۔ اور الرشاد کے لئے کوئی مضمون بھی نہیں ارسال کر سکا۔ دراصل تعلیمی مصروفیات کا اسال کافی دباؤ تھا۔ اور گزشتہ ایک مہینہ سے سالانہ امتحان میں مصروفیت رہی جس سے ۲ ر ستمبر کو فارغ ہو رہا ہوں۔ انشاء اللہ اب کوتاہی نہیں ہوگی۔

فی الحال ایک تبصرہ ارسال کر رہا ہوں۔ اگر مناسب سمجھیں تو اسے شامل اشاعت کریں۔ کتاب میں ادارہ تحقیق سے جلد ہی بھجوا دوں گا۔

علی گڑھ سے مجلہ "آیات" آپ کی خدمت میں پابندی سے بھیجا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کے مفید اور قیمتی مشورے ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے اس کے تبادلے میں الرشاد اب تک موصول نہیں ہوا ہے۔ براہ کرم منیجر صاحب کو ہدایت کر دیں۔ ۸ — ۱۰ ر اکتوبر کو سرائے میر میں مولانا فراہی سیمنار ہو رہا ہے انشاء اللہ اس میں شرکت کروں گا۔ امید ہے اس موقع پر آپ سے بھی ملاقات ہوگی۔ اس کے لئے میں ایک مضمون "مولانا فراہی اور تفسیری روایات" لکھ رہا ہوں۔ ملاقات پر انشاء اللہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

دسمبر میں ایس آئی ایم کی کل ہند کانفرنس بمبئی میں ہو رہی ہے۔ اس میں انشاء اللہ آپ کی بھی شرکت ہوگی۔ اس لئے کہ غالباً اس کے ایک سیشن صدارت کیلئے ذمہ داران ایس آئی ایم نے آپ کا نام تجویز کیا ہے۔ انشاء اللہ اس موقع سے بھی آپ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوگا۔

الرشاد میرے پتے پر نہیں آ رہا ہے براہ کرم منیجر صاحب کو ہدایت کر دیجئے کہ وہ اوپر لکھے ہوئے پتے پر ارسال کر دیا کریں۔ والسلام، آپ کی پرخلوص دعاؤں کا طالب

(مولانا) محمد رضی الاسلام ندوی مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ۔

محترمی و مکرمی ——— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے ......دارالمالیت والترجمہ جامعۃ الرشاد کی جانب سے ادارہ علوم القرآن کی لائبریری کے لئے دس کتابیں (مطابق فہرست منسلک) ہدیۃً موصول ہوئیں - ادارہ اس عنایت کے لئے آپ کا بیحد ممنون ہے - امید کہ جامعۃ الرشاد اور ادارہ علوم القرآن کے مابین تعاون کا یہ نیک سلسلہ جاری رہے گا۔

تازہ الرشاد آج ہی موصول ہوا ہے۔ شعبۂ اسلامیات کی لائبریری کو بھی مل گیا ہے میں شعبۂ اسلامیات کی لائبریری کے لئے الرشاد جاری کرانے کے لئے سنہ ۹۰ء وسنہ ۹۱ء دونوں سال کا بل لیکر آیا تھا، یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ سنہ ۹۰ء کے بل کی ادائگی کے لئے اس سال کے تمام شمارے بھی متعلقہ آفس کو بھیجنا ضروری ہے۔ میں نے اس کے لئے الرشاد کی ذاتی کاپیاں دے دی ہیں، اس لئے جناب شکیل احمد صاحب سے کہہ دیں گے کہ سنہ ۹۰ء کے تمام شمارے یا جو بھی مہیا ہوں میرے نام بھیج دیں گے تاکہ میری فائل مکمل ہو جائے، ساتھ ہی فروری سنہ ۹۱ء کا شمارہ جس میں میرا مضمون شائع ہوا تھا بھیج دیں تو عنایت ہوگی،

برادر مکرم ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب اور پروفیسر کبیر احمد جائسی صاحب کی جانب سے سلام قبول فرمائیں .....امید کہ دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں گے۔

والسلام طالب دعا

جناب ڈاکٹر ظفر الاسلام علی گڑھ

محترمی و مکرمی السلام علیکم

عرصہ کے بعد حاضری کا شرف حاصل کر رہا ہوں، کثرت مشاغل کی وجہ سے اس مدت میں آپ کے دل و دماغ سے میرا خاکہ بھی مٹ چکا ہوگا لیکن خط پانے کے بعد شاید یاد آجائے۔

آج سے چند سال قبل آپ کی خدمت کا موقع ملا تھا لیکن بدقسمتی اور ذہنی عوارض کی وجہ سے زیادہ دنوں آپ کے علوم و فیوض سے بہرہ مند نہ ہو سکا - اس کے بعد

یکے بعد دیگرے آپ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور علمی مشاغل کے بارے میں گفتگو بھی ہوتیں لیکن ان سب کا فائدہ میں اسی وقت اٹھاتا جب اپنی صحت و تندرستی سے مطمئن ہوتا۔ اوجود کو اس قابل سمجھتا کہ اب اس میدان میں اترنے سے کوئی داعی خلل نہ واقع ہوگا۔

ضروری بات یہ ہے کہ میرے خالہ زاد بھائی مولوی مسعود سعید الاعظمی سلمۂ جو کہ فاضل دیوبند اور اسوقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربک لٹریچر میں ریسرچ کی کوشش میں ہیں۔ ایک مضمون اسلام اور مسئلہ جنس تیار کیا ہے، مضمون کی افادیت، ہمہ گیریت کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے الرشاد میں شائع کرانے کا مشورہ دیا۔ جہاں مجھے امید ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی اور ایک بزرگ، قدرداں اور نئی عمر کے رمز شناس عالم کی سرپرستی بھی حاصل ہوگی۔ وہ اس پر بجد خوش ہوئے اور رابطہ کے لئے مجھے ہی تجویز کیا۔ چونکہ آپ سے دیرینہ تعلق خاطر تھا اس لئے میں اسی روز ان کا مضمون بحوالۂ خط آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔

اب اس ہونہار کی حوصلہ افزائی اور روشن مستقبل کے لئے آپ سے بصد التماس گذارش ہے کہ اس کی ترتیب و تصحیح کے بعد شائع کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اسے یہیں سے ایک نیا موڑ ملے اور آنے والی نسلوں کے لئے جہاں سے پیغام حق و صداقت سنا سکے۔

کثرت مشاغل کی وجہ سے غالباً میرا نام نہ یاد ہو اس لئے تحریر کر دیتا ہوں۔

(مولانا) جمیل احمد اعظمی حفید حبیب الرحمٰن الاعظمی

فاضل دیوبند دارالعلوم ندوہ

محترم مولانا صاحب سلام مسنون!

کشمیر کے جنگجو اور دوسرے افراد جو آزادی کی آواز اٹھاتے ہیں، انہیں راہ پر لانا مدبر سیاست دانوں کا کام تو ہے ہی، ساتھ ہی کل کے سیدھے سادھے کشمیریوں کو آج دہشت اور وحشت گرد بعید خونخوار، بے رحم اور شقی بنا کر پیش کرنے والے پریس میڈیا کے دوسرے ذرائع کو بھی کنٹرول میں رکھکر صحیح اور حقیقی خبریں دینے پر مجبور کرنا بھی مرکزی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ آج جو بھی کشمیر میں ہونے لگا ہے اس کے ڈانڈے

کشمیریوں کی معاشی زبوں حالی سے ہی ملتے ہیں۔ علاقائی طور پر کشمیر میں روزگار کے ذرائع کا فقدان ان نوجوانوں کو آواز اٹھانے پر کہیں مجبور تو نہیں کر گیا۔ ... اس امر کی طرف مرکزی حکومت کو توجہ دینی چاہئے۔

سوویت یونین کے واقعات، سوچ، فکر اور صحیح قدم اٹھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہند کو سالم و مضبوط رکھنے کے لئے برابری کا ماحول بنانا ضروری ہے ہم ہندوستان کے شہریوں، سیاست دانوں اور جنگ و حرب کے ماہرین کو سوچنا چاہئے کہ انصاف کی مانگ کرنے والے صحیح اشارے دیتے ہیں یا غلط اگر اشارے صحیح ہوں تو پھر جنوب و شمال میں پائے جانے والے تضادات، ترقی و تنزلی کے اسباب پر غور کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔ بیشک آپ نے اس پر قلم اٹھایا ہے مگر یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے، افسوس ہے کہ علماء و خواص اس پر کیوں خاموش ہیں۔ والسلام (جناب) ابو عاصم حسن نانپاڑہ بہرائچ

مخدومنا المکرم! ____________ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کئی دن سے آپ کو عریضہ لکھنے کے لئے سوچ رہا تھا آج اس کی نوبت آئی، اس کا محرک یہ ہوا کہ مولانا شہاب الدین ندوی نے ہندوستان میں ایک "شریعت ہاؤس کی ضرورت" کے نام سے ایک پمفلٹ لکھا ہے، اس میں کئی باتیں اچھی نہیں لگیں، ایک شریعت ہاؤس کا لفظ اچھا نہیں لگا، انھوں نے شریعت کو بھی، کشمیر ہاؤس بھوپال ہاؤس اور خلافت ہاؤس کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ انھوں نے اپنے پروگرام کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اب تک فقہ و شریعت پر کوئی کام ہوا ہی نہیں ہے، ان کا جملہ ملاحظہ کیجئے "جہاں تک فقہی و شرعی مسائل کا تعلق ہے اس پر بہت کم کام ہوا ہے"۔ آپ کو خوش کرنے کے لئے نہیں مگر واقعہ کے طور پر اظہار کر رہا ہوں کہ فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر موضوعی اعتبار سے آج سے تیس چالیس برس پہلے آپ نے اس وقت لکھنا شروع کیا جب پورے ہندوستان میں سناٹا تھا، مفتی حضرات انفرادی فتوے تو ضرور دے رہے تھے مگر موضوع بنا کر کسی مسئلہ پر لکھنے والے خال خال تھے۔ آج تو بہت سے لوگ فقہی موضوعات پر خامہ فرسائی کرنے لگے ہیں مگر چند سال پہلے اجتہاد اور تبدیلی احکام، اسلامی قانون اجرت، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، مسئلہ کفاءت اور فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین، فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل جیسے موضوعات پر کس نے قلم اٹھایا تھا؟

کاش یہ لوگ اپنے بزرگوں کے کاموں کے اعتراف کے ساتھ اپنے کاموں کو آگے بڑھاتے، آپ حیدرآباد تشریف لائے تھے مگر خواہش کے باوجود نیاز حاصل نہ کر سکا۔

(جناب؛ محمد اکرم صاحب)

نئی کتابیں

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

مولف: مولانا سید جلال الدین عمری
ناشر: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

طبع اول آفسیٹ سنہ ۱۹۹۰ء صفحات ۱۷۶ ــــ قیمت ۲۵ روپئے

خدمت خلق کا موضوع ایسا ہے جو عام مسلمانوں کے ذہنوں میں پوری طرح واضح نہیں ہے۔ اور اس کے تعلق سے مسلم معاشرہ افراط و تفریط کا شکار رہتا ہے۔ بعض لوگ تعلق باللہ پر اتنا زور دیتے ہیں کہ دوسرے انسانوں کے حقوق سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اس کے برخلاف بعض دوسرے لوگ رفاہی کاموں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور انسانوں کے کام آتے ہیں لیکن خدا سے ان کا تعلق بہت کمزور ہوتا ہے۔ ضرورت تھی کہ اسلام میں خدمت خلق کا صحیح تصور واضح کیا جائے۔ اور بتلایا جائے کہ اسلامی نظام میں خدمتِ خلق کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟ زیر تبصرہ کتاب نے اس ضرورت کو بخوبی پورا کر دیا ہے۔

اس کتاب کے مصنف مولانا سید جلال الدین صاحب عمری علمی دنیا میں جانی پہچانی شخصیت کے مالک ہیں۔ جماعت اسلامی ہند کے نائب امیر برائے تربیت، ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کے سکریٹری اور سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہنامہ زندگی نو دہلی کے مدیر ہیں۔ اسلامی معاشرت آپ کا پسندیدہ موضوع ہے۔ عورت اسلامی معاشرہ میں، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، عورت اور اسلام، مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں، بچے اور اسلام، انسان اور اس کے مسائل، اسلام اور مشکلاتِ حیات آپ کی چند اہم تصانیف ہیں۔

یوں تو اس موضوع پر متعدد کتابچے شائع ہو چکے ہیں۔ مگر اس موضوع پر سب سے اہم محترم مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی کا ایک بہت ہی جامع اور مؤثر رسالہ "عبادت و خدمت"

کے نام سے مکتبہ الرشاد سے شائع ہوچکا ہے جس کا انگریزی ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔ اس لئے مصنف کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "اس قدر اہم موضوع پر کوئی مستقل تصنیف ہماری زبان میں نہیں ہے۔ (صہ۱) مولانا ندوی کا رسالہ "عبادت و خدمت" آج سے بیس برس پہلے شائع ہوچکا ہے جس میں کتاب و سنت اور تاریخی واقعات کی روشنی میں اس کے سارے پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے اور خدمت کی ساری صورتوں کی نشاندہی کردی گئی ہے

کتاب کی ابتدا میں مصنف نے موضوع کا تعارف کرایا ہے۔ پھر بتلایا ہے کہ عبادت کی مختلف شکلیں انسانوں کی خدمت کو مستلزم ہیں۔

آخر میں مصنف نے خدمت خلق کے سلسلہ میں پائے جانے والے چند غلط تصورات کا بھی ازالہ کیا ہے۔ اور بطور خاتمہ یہ ذکر کیا ہے کہ خدمت کے ساتھ اخلاص بھی ضروری ہے ورنہ شہرت و ریا کے جذبہ سے کیا ہوا عمل رائیگاں چلا جاتا ہے۔

کتاب کی پروف ریڈنگ کا اگرچہ خاصا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً بہیمیت کے بجائے بہیمت (صہ۱۲) ناگہانی کے بجائے ناگہائی (صہ۵۶) کفایت کے بجائے کفالت (صہ۲) تشویق کے بجائے تشوق (صہ۱۱) مذکور ہے۔ عربی عبارتوں میں بھی بعض غلطیاں ہیں جیسے مکانی کو مکانی (صہ۵) ینقذ کو ینقذ (صہ۷۶) ھذہ کو ھذا (صہ۸۵) لکھا گیا ہے۔ صہ۸۵ پر مذکور ایک حدیث میں "لا یفتن" لکھا ہوا ہے حالانکہ صحیح لا یفطن ہے جبکہ یہی حدیث صہ۵۴ پر صحیح لکھی ہے۔ صہ۱۱۹ پر مذکور حدیث یمیط الاذی عن الطریق" میں "عن" چھوٹ گیا ہے صہ۱۶۴ پر مذکور آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ رہ گیا ہے۔ اسی طرح صہ۴۰) اور صہ۶۲ پر مذکور احادیث کے بعض حصے چھوٹ گئے ہیں جبکہ ان کا ترجمہ موجود ہے۔ صہ۵۲ اور صہ۹۶ پر مذکور ایک حدیث لیس المسکین الذی یطوف علی الناس تردہ اللقمۃ واللقمتان والتمرۃ تان کا ترجمہ مصنف نے یہ کیا ہے "... جسے تم دو ایک لقمے یا دو ایک چھوہارے دے دیتے ہو" صحیح ترجمہ یہ ہوگا "جو دو ایک لقمہ یا دو ایک چھوہارے پا کر لوٹ جاتا ہے"۔

کتاب مفید ہے اور مطالعہ کے لائق ہے۔ محمد رضی الاسلام ندوی علی گڑھ

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت [illegible]

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے، پورے سٹ کی قیمت [illegible]

(۳) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف [illegible]

۴۔ خطبۂ نکاح جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف [illegible] ہے،

(۵) مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت [illegible] ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے، قیمت صرف [illegible] ہے۔ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی تنو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف عـہ

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے ان کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اسمیں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدابخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ قرآن پاک میں آیت رجم نماز اور خشوع، تواضع، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی، اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے۔ قیمت عـہ

یہ آخری کتابچہ اور ریاض الحدیث کے نام سے حدیث کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ قیمت ۲۰ روپے

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الیٰ شاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم | کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد اللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصے میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور زندہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہوگئی ہے اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ۵۵ دوم ۶۵

۲۔ اسلامی قانون اجرت | اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ تبع تابعین | اس کتاب میں انیس اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت : ۳۵

۴ــ اہل کتاب صحابہؓ و تابعین | اس کتاب میں ان تمام صحابہ، صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں۔ قیمت [illegible]

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵ــ اجتہاد اور تبدیلی احکام | اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت: چالیس روپے

۶ــ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین | عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک بڑی جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت: ۲۹/-

۷ــ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات | اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: ۶۵/-

۸ــ فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل | ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے، قیمت: ۳۰/-

---

☐ شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد، ڈنگروا، اعظم گڑھ

1-2

NOV.
1991

ماہنامہ

جامعة

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

...التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ مدونپ...

M.ALI.MAU

تھوڑے سے بادام
اور
زیادہ سے زیادہ فائدے!

وہ کیسے! — بہت آسانی سے!

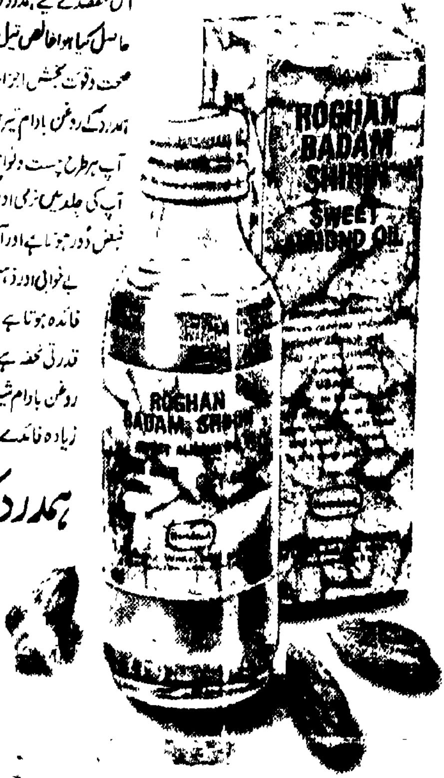
اس مقصد کے لیے ہمدرد کا روغن بادام شیریں لیجیے۔ یہ اعلیٰ معیار کے میٹھے باداموں سے حاصل کیا ہوا خالص تیل ہے۔ جو وٹامنز، معدنیات اور دیگر بہت سے صحت و قوت بخش اجزاء سے بھرپور ہے۔

ہمدرد کے روغن بادام شیریں کے استعمال سے آپ ہر طرح چست و توانا نظر آئیں گے۔

آپ کی جلد میں نرمی اور چمک پیدا ہوگی اور آنتوں میں تراوٹ رہے گی، جس سے قبض دور ہو جاتا ہے اور آپ کے خون میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھنے نہیں پاتی۔

بے خوابی اور ذہنی تناؤ دور کرنے کے لیے سر پر اس کی مالش سے بہت جلد فائدہ ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے بھی ہمدرد کا روغن بادام شیریں ایک بیش بہا قدرتی تحفہ ہے۔

روغن بادام شیریں کے صرف چند قطروں کی شکل میں بادام کے زیادہ سے زیادہ فائدے حاصل کیجیے۔



ہمدرد کا

روغن بادام شیریں

خوبیوں میں بے مثال

ہمدرد — ہر گھر کا جانا پہچانا نام

سالانہ چندہ غیر ممالک سے پندرہ ڈالر امریکی 15/= $	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ ہندوستان سے 45/= خصوصی معاون 100/= قیمت فی پرچہ 5/=

شمارہ ۳۹ | نومبر سنہ ۱۹۹۱ء۔ مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۲ھ | جلد ۱۸

فہرست مضامین

۱۔ رشحات	مرتب	۲
۲۔ قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ	جناب عبدالجبار احمد حسین شرارہ	
۳۔ اسلامی قانون میں قرائن کی حجیت	مولانا مبشر احمد صاحب لاہور	
۴۔ آہ! بزم علم معرفت کی پُرسوز آواز خاموش ہوگئی	مرتب	
۵۔ خنزیر کا گوشت	ماخوذ "الرسالہ"	
۶۔ باب الاستفسار والجواب	مولانا رضوان الدین صاحب	
۷۔ نئی کتابیں	مرتب	

مجلس ادارت

- مجیب اللہ ندوی (مرتب)
- ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی (علیگ)
- ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، مقیم ابوظبی
- بدر جمال اعظمی

منیجر توسیع واشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

کتابت:۔ خورشید اکرم خان

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

اس وقت ہندوستان میں وہی سیاسی صورتحال پیدا ہو رہی ہے جو نہرو رپورٹ اور وردھا تعلیمی اسکیم کے بعد ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیان پیدا ہوگئی تھی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں دوری پیدا ہونی شروع ہوئی اور اس کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں پاکستان کا ریزولیشن پاس کیا سرسید مرحوم نے ۱۸۶۷ء نے جب اردو کے مقابلہ میں ہندوؤں کی طرف سے ہندی رسم الخط کی مہم چلائی گئی تھی کہا تھا کہ "جوں جوں ہندو قوم تعلیم یافتہ ہوتی جائے گی اسمیں تعصب بڑھتا ہی جائے گا" (موج کوثر) ان کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف آج پوری ہوگئی ہے اس وقت تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ایک بڑے طبقہ کی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ وہ بہت سے فرضی تصورات کا شکار ہوکر ایک انتقامی جذبہ کے ساتھ (خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ) مذبوحی حرکتیں کر رہا ہے پھر بھی اسے تسکین نہیں ہو رہی ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ اسوقت اس صورتحال کے پیدا کرنے میں کانگریسی حکومت اور ٹنڈن اور چرن سنگھ وغیرہ جیسے فرقہ پرست سیاسی لیڈروں کا ہاتھ رہا ہے۔ چرن سنگھ ایک بار دارالمصنفین آئے، اور وہاں بیٹھ کر بے حیائی سے کہا کہ آپ لوگ اردو کو لئے کیا پیٹ رہے ہیں ہندی میں کام کیجئے، مسلم پرسنل لا کو مجروح کرنے اور اردو زبان کو ملک بدر کرنے کا کام اس کانگریسی حکومت کے دور میں شروع ہوا جب راجندر پرشاد، جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے سیکولر لوگ صدر، وزیر اعظم اور وزیر تعلیم تھے۔ اس سے پہلے کئی بار عرض کیا جاچکا ہے کہ جن سنگھ کا قیام شیاما پرشاد مکرجی کے ذریعہ ہوا، جو جواہر لال کی کیبنٹ میں وزیر تھے، وشو ہندو پریشد کے پہلے صدر اور ہاں کرن سنگھ تھے جو اندرا گاندھی کی کیبنٹ میں وزیر تھے۔ درمیان میں ایک بار جنتا حکومت ڈھائی سال رہی اور پھر ایک سال وی۔ پی۔ سنگھ کی جنتا دل برسراقتدار رہی، اس میں بھی سیاسی مفاد کی خاطر فرقہ پرست طاقتوں کو پورے طور پر مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی۔

بہرحال یہ بات ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ بابری مسجد اور مسلمانوں کے

دوسرے دینی اور تہذیبی آثار کو مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں ان کو تاریخ سے سبق لینا چاہئے کہ روس میں لینن اور اسٹالن اور ان کے جانشینوں نے بھی ۶۰ برس تک یہی کوشش کی مگر وہ مسلمانوں کا نام و نشان تو نہ مٹا سکے البتہ اس وقت روس میں لینن اور اسٹالن کے ہمالیہ نما مجسمے البتہ گرائے جا رہے ہیں مسلمان ڈرا اور نہیں ہیں کہ انھیں آپ اچھوت بنا کر سمندر کے کنارے دھکیل دیں گے اور نہ وہ بدھسٹوں کی طرح کسی کمزور عقیدے پر کھڑے ہیں جنہیں آپ نے ملک بدر کر دیا تھا مسلمان اپنی تمام داخلی خرابیوں کے باوجود اس خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات ہے وہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک کی ابدیت کا قائل ہے جو دنیا کے لئے سراپا رحمت ہے، اس لئے فرقہ پرست طاقتیں اپنی مذہبی ہرکتوں سے انشاء اللہ انھیں مٹا تو نہ سکیں گی البتہ ان کو اس بات کی خبر لینی چاہئے کہ وہ ملک کو تقسیم کی طرف تو نہیں لے جا رہی ہیں؟ ملک کے سرحدی صوبوں کی بے چینی اس کا واضح اشارہ دے رہی ہے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے ہمارے علماء کرام مدارس و مکاتب کی ذمہ داریوں کے ساتھ ملی مسائل سے بھی نبرد آزما ہونے میں پیش پیش رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہی طبقہ ہے جس نے آزادی کی جدوجہد میں ہراول دستہ بن کر بھرپور حصہ لینے کے باوجود اس کے فائدوں کے سمیٹنے میں پیچھے رہا، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جب پدم بھوشن کا اعزاز دینے کی کوشش کی گئی تو اسے انہوں نے اپنے دینی مرتبہ سے کمتر چیز سمجھ کر ٹھکرا دیا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کو ہندوستان کی حکومت کی طرف سے ایوارڈ ملا تو انھوں نے یہ کہکر واپس کر دیا کہ ہمارے خاندان کی روایت کے خلاف ہے آج علماء کا طبقہ اس روش سے دور ہوتا جا رہا ہے کل ہمارے اسلاف اعزازات کو واپس کر رہے تھے اور آج ہم اس کے لئے اپنے وقار و ضمیر کا سودا کرنے پر آمادہ ہیں، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کو جس وقت جہانگیر نے گوالیار جیل میں ڈال دیا تھا اس وقت وہ اپنے صاحبزادے خواجہ معصومؒ کو خط لکھتے ہیں کہ ؎

"تم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے علاوہ کسی چیز کی طلب مت کرو حتی کہ تم میری رہائی کی طلب بھی نہ کرو۔ غیروں سے عزت و جاہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے۔"

ایک دوسرے خط میں انہوں نے لکھا کہ "ہندوؤں سے ہمارا عقیدہ اور عمل میں اتحاد نہیں ہو سکتا البتہ ایک اچھے پڑوسی جیسا معاملہ ضرور رکھنا چاہئے۔"

یہ بات انھوں نے اس وقت لکھی تھی جب سلطنت مغلیہ کے ہوتے ہوئے ہندوؤں نے کئی مسجدیں گرادی تھیں اور بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ کاش ہمارے طبقۂ علماء کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی کہ عزت و دولت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے ہم اسے انسانوں سے طلب کرنے کے بجائے خدا کے دین کی نصرت اور ملت کی پاسبانی کے ذریعہ طلب کرتے تو نہ صرف اس سے ان کے وقار میں اضافہ ہوتا بلکہ اس سے عوام کو بھی صحیح راستہ ملتا اور مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں میں ملی مسائل بازیچۂ اطفال نہ بنتے۔

یہ سب باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اگر ہم اپنے سارے امتیازات مٹا بھی دیں جب بھی اگر آپ اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہے ہیں یا مسلمان جیسا ہمارا نام ہے تو ہمارے ساتھ فرقہ پرست ذہنیت رکھنے والوں کا طرز عمل انتقامی انداز اور نفرت ہی کا رہے گا اس لئے ہم کو اس امید پر کہ اس سے ان کی فرقہ پرستی میں کمی آجائے گی اپنے امتیاز کو چھوڑنا نادانی ہوگی۔ قرآن پاک نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے یہ اعلان کر دیا تھا کہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (بقرہ) یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے مذہب کو عملاً نہ مان لیں۔

یہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشرکین کو بھی اس میں شامل کر لیں جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (مائدہ) تم مسلمانوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود کو اور مشرکین کو پاؤ گے۔

ان کے ساتھ ایک اچھے پڑوسی اور ہمسایہ کا معاملہ ہمیں ضرور رکھنا چاہیئے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہیئے مگر ان کی خوشنودی یا تھوڑے سے دنیاوی نفع کے لئے اپنے دینی اور تہذیبی امتیازات کو چھوڑنے کا نہیں بلکہ اس میں لچک پیدا کرنے کا تصور بھی ذہن سے نکال دینا چاہیئے۔ یہی کلام الٰہی کا منشاء اور پوری اسلامی تاریخ کا تجربہ ہے۔

آزادی سے پہلے ۳۰ ـــــ ۳۵ فیصد مسلمان سرکاری نوکریوں میں تھا مگر اس کا فائدہ بہت محدود طبقہ کو پہونچا، عام مسلمان نے بہت کم اس سے فائدہ اٹھایا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کو نوکریوں سے بے دخل کیا گیا اور دوسری معاشی دقتیں بھی پیدا کی گئیں مگر آزادی کے بعد پہلے کے مقابلہ میں زیادہ عوامی خوشحالی آئی اور ان کے اندر معاشی حیثیت سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا جذبہ زیادہ پیدا ہوا۔ اس لئے تھوڑے سے اعزاز اور تھوڑی سی معاشی خوشحالی کے لئے اپنی اسلامی خصوصیات کو خیر آباد کر دینا کوئی عقلمندی نہیں کہی جا سکتی یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے سب سے مضبوط وعدہ کیا ہے وہ رزق ہی ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۝ (یونس) — زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر نہ ہو۔

اور اسی رزق کے لئے جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھی ہے ہم اپنی دینی حیثیت اپنی عزت، اپنا وقار و ضمیر سب داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح دوسری چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے وہ عزت و ذلت ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۝ (فاطر) — جو عزت چاہتا ہے ساری عزت اللہ اللہ کے پاس ہے۔

مومن کو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران) — اے اللہ تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔

مگر اسی کے لئے ہم اپنا سب کچھ نثار کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور پھر بھی حقیقی عزت نصیب نہیں ہوتی، غرض کہنے کی یہ ہے کہ اس وقت جو مسائل ہمارے سامنے درپیش ہیں ہم کو اپنی داخلی دینی و اخلاقی کمزوریوں کو دور کر کے اور اپنی صفوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا کر کے ایک طرف ان سے نبرد آزما ہونے کی پوری جد و جہد بھی کرنی چاہئے اور ساتھ ہی ایک مثبت پروگرام کے تحت ہمیں زندگی کے ہر میدان میں اپنے بل بوتے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور غیروں پر بھروسہ کرنا بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔

چیتے کا جگر چاہیے شاہین کا تجسس ۔ دنیا نہیں مردانِ جفاکش کیلئے تنگ

عبدالجبار احمد حسین شراؤ کی ایک عربی کتاب

قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ

محمد اقبال انصاری ندوی، بدر جمال اعظمی

(نویں اور آخری قسط)

شاید بعض لوگوں کو یہاں یہ اشکال لاحق ہو کہ اگر حروف مقطعات اسالیب بلاغت کی ایک منفرد کڑی ہیں۔ یا حروف استفتاح ہیں، تو کیوں آنے والے ادوار میں ان حروف کا استعمال نہیں ہوا اور ادبار عرب نے ان کا اقتباس نہیں کیا اور نہ ہی عربی زبان میں ان کے استعمال کا رواج ہوا جیسا کہ دوسرے اسالیب قرآن کا استعمال ہم دیکھتے ہیں۔

اس اشکال کے درج ذیل جواب ہو سکتے ہیں :

(۱) قرآن کریم کے ہر اسلوب کا لازماً اقتباس نہیں کیا گیا خصوصیت سے بات تو سب کو معلوم ہے کہ مطلق شکل میں قرآنی اسلوب کو قبول عام حاصل نہ ہوا بلکہ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کہ بعض اہل زبان کی جانب سے باقاعدہ اس کی مخالفت ہوئی ہے۔

(۲) ادیبوں اور مصنفوں نے حروف مقطعات سے اپنی نگارشوں کا افتتاح کرنا کبھی نہیں سمجھا ہے کیونکہ وہ انھیں قرآن مجید کی خصوصیت سمجھتے ہیں۔ اسی لئے کوئی ادیب بھی حروف مقطعات کو اسلوب بلاغت کی کڑی کے طور پر یا حروف ا[ستفتاح] کے طور پر استعمال کرنے کے حق میں نظر نہیں آتا۔

حروف مقطعات کے فواتح ہونے کی چھٹی دلیل

ان بہت ساری روایتوں میں سے جنہیں مفسرین نے ذکر کیا ہے کوئی ایک روایت کی بھی سند[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تلاوتِ قرآن کی فضیلت[2] کے سلسلے میں روایتیں آئی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ہماری بحث سے خارج ہیں، اور نہ ہی صحابہ کرام ؓ ہی سے کوئی ایسی روایت منقول ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی حروف مقطعات کے سلسلے میں یا ان کی مراد کو واضح کرنے کے متعلق سوال کیا ہو، حالانکہ وہ قرآن کی آیتوں کو سمجھنے کا حد درجہ اہتمام کرتے تھے خصوصاً مبہم اور غیر واضح جگہوں کو ——— بالکل واضح ہے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ نے حروف مقطعات کی مراد صحابہ کرام ؓ کو بتلانے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی انھوں نے اس کے متعلق آپ سے کوئی سوال کیا، کیونکہ :-

أ۔ حروف مقطعات پر کسی عمل یا عقیدے کا انحصار نہیں، کیونکہ مکلفین سے خطاب کے دوران[4] کہیں یہ حروف نہیں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح کہیں بھی نہیں فرمایا کہ :——

"یا ایہا الناس الٓمٓ ......" یا " یا ایہا المومنون طسٓمٓ ....." وغیرہ

اسی لئے حروف مقطعات کے متعلق صحابہ ؓ میں سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔

1۔ ملاحظہ ہو جامع البیان/۱: ۹۳ اور اس کے بعد کے صفحات، اور فتح القدیر/۱: ۲۰، نیز ملاحظہ ہو فتح البیان/۱: ۵۶

2۔ سنن ترمذی/۴: ۲۴۸۔ امام ترمذیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا تو اس کے بدلے میں اسے ایک نیکی ملے گی، اور ہر نیکی اپنے سے دس گنا کی جائے گی، میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے ... الخ، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب بتایا ہے۔

3۔ مقدمۃ فی اصول التفسیر/ص ۹۶، ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ ہم میں سے کوئی جب دس آیتیں سیکھ لیتا تو ان سے آگے نہ بڑھتا حتی کہ ان کے معانی سمجھ لے اور ان پر عمل کرنے لگے۔ نیز ملاحظہ ہو اتقان/۲: ۱۷۶

4۔ ترجیح اسالیب القرآن/صنعانی/ ۱۴۶

ب۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے علاوہ جن نفوس نے بھی حروف مقطعات کو سنا ان پر واضح ہو گیا کہ یہ قرآن کریم کے خصوصی اسلوب اور نظم میں تفرد کے سلسلے کی چیز ہے، وہ پورے وثوق سے ایسا ہی سمجھتے تھے، اگر یہ حروف طلسم یا رموز ہوتے تو صحابہ ضرور ان سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے۔ اسی طرح اگر یہ حروف غیر معروف اور مبہم ہوتے یا جن میں طعن و تشنیع کی گنجائش ہوتی تو معاندین اسلام ہرگز مباحثے سے باز نہ آتے تھے، اہل کتاب اور دوسرے دشمنانِ اسلام نے قرآن کریم کی بعض آیتوں اور اس میں وارد بعض خبروں کے سلسلے میں بہت سی غلط افواہیں پھیلانے کی کوشش بھی کی ہے، نیز اپنے موہوم تعارض، تناقض یا خلل کے سلسلے میں متعدد اشکالات کا ذکر کیا ہے جن کے دندان شکن جوابات علمائے اسلام کی طرف سے دیئے گئے،[1] اور ان کے خیالات کا نقص و بطلان کیا جا چکا ہے۔

لیکن ان میں سے کسی نے بھی حروف مقطعات کے سلسلے میں کسی طرح کا بھی اعتراض نہیں کیا، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حروف مقطعات میں کسی نوعیت کا کوئی ابہام یا خطاء نہیں ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے کہا ہے کہ اگر عرب نہ جانتے کہ حروف مقطعات کے معروف و متداول معنی ہیں تو سب سے پہلے وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے، بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ان پر "حم فصلت" اور "ص" وغیرہ کی تلاوت کی گئی اور انھوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ انھوں نے قرآن مجید کی بلاغت و فصاحت کو صراحۃً تسلیم کیا ہے،[2] حالانکہ انھیں ایسی آیتوں کی شدید جستجو رہتی تھی جن میں ان کے خیال کے مطابق کوئی غلطی ہو، معلوم ہوا کہ حروف مقطعات کا معاملہ ان کے نزدیک جانا پہچانا تھا جس میں کسی انکار یا اعتراض

---

[1] ملاحظہ ہو بحار الانوار/ محمد باقر مجلسی/ کتاب القرآن ج ۹۲، مطبوعہ طہران، نیز درۃ التنزیل و غرۃ التاویل/ خطیب اسکافی، انھوں نے آیات قرآنی پر تمام وارد اور ممکن الورود اشکالات کو پیش کرکے ان کے نہایت مناسب جوابات دیئے ہیں۔ [2] الاتقان/ ۲: ۱۱

کی کوئی گنجائش تھی۔

فی الجملہ اگر حروف مقطعات مذکورہ بالا طریقے پر صاف اور واضح نہ ہوتے تو زمانۂ نبوی میں مومنین اور کافرین دونوں ہی کے لئے بحث و تحقیق کا موضوع ہوتے، اور اس سلسلے کی کوئی بات ہم تک ضرور پہنچتی۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے، جس پر ڈاکٹر رمضان عبدالتواب[1] نے حروف مقطعات کی بحث ختم کی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف مقطعات کے رموز کو بیان فرمایا ہو، لیکن وہ حدیثیں ضائع ہو گئی ہوں اور ہم تک نہ پہونچ سکی ہوں، ان کے حاملین مختلف جنگوں میں شہید ہو گئے ہوں اور انھیں اپنے بعد والوں تک ان روایات کو پہنچانے کا موقع نہ ملا ہو، اس لئے یہ رموز بغیر کسی معقول تفسیر کے پڑے رہ گئے ہوں؟

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ: ایسا نا ممکن ہے کہ ایسی تمام روایات یکسر ضائع ہو جائیں۔ اور شاید وہ روایات جسے قمی[2] لائے ہیں اور اس کی اسناد حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے، یہی وہ بیان ہے جو ان روایات کے سلسلے میں آیا ہے، اس بیان کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کی اسناد مجاہد بن جبر اور حسن بصری کی طرف کی گئی ہے، جیسا کہ ہم اسے نقل کر چکے ہیں، پھر یہ مسئلہ ایسے لوگوں کی طرف منتقل ہوا جنہوں نے اس میں خوب عقلی گھوڑے دوڑائے اور کلام کا سلسلہ دراز کیا، جس کے نتیجے میں مسئلہ اور بھی مبہم اور مغلق ہوتا چلا گیا۔

شاید بعض ذہنوں میں ایک سوال یہ بھی اٹھے، جسے ہم پیچھے ذکر بھی کر چکے ہیں کہ کیوں قرآن کریم کی صرف کی سورتیں حروف مقطعات سے شروع کی گئیں، مدنی سورتوں میں سے صرف دو کی ابتدا ان حروف سے ہوئی، باقی سب آغاز... خالی ہیں۔

---

[1] حول فواتح بعض سور القرآن / ص ۱۸۲

[2] البرهان فی تفسیر القرآن / البحرانی / ۱ / ۳۴

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہم اس بات کی طرف اشارہ کردیں کہ اکثر مفسرین نے اس اختصاص کی وجہ بیان کردی ہے۔ اور اس موقع پر مباحثے کے بعد ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ عام مفسرین کی بیان کردہ وجہ اختصاص ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

مکی سورتوں میں کثرت سے حروف مقطعات آنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ مکہ میں قرآن کا چیلنج بیان و بلاغت کے پہلو سے تھا،[1] اور قرآن کریم نے اہل مکہ کو مقابلے کی دعوت دی اور ان سے مطالبہ کیا کہ قرآن کے مثل کوئی ایک سورۃ اگر ان کے بس میں ہو تو پیش کریں، کیونکہ وہ اعلیٰ فنی امکان اور تعبیری قوت کے مالک تھے۔ انھیں فکری اور قانونی میدان میں قرآن سے مقابلے کی دعوت دینا فضول تھا، کیونکہ وہ بنیادی طور پر اس سے ناآشنا تھے وہ تو صرف بیان و بلاغت کے مرد میدان تھے۔ نیز چونکہ حروف مقطعات بلاغی اور اسلوبی امتیاز کی ایک منفرد کڑی ہے ـــ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ـــ اس لئے مناسب ہوا کہ مکی سورتوں میں انھیں بار بار مختلف انداز سے پیش کیا جائے تاکہ ذہن نشین ہو جائے کہ قرآن کریم عام اور معروف کلام سے ایک الگ اور منفرد کلام ہے۔[2]

رہا دو مدنی سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات کا آنا تو اس کی وجہ روایت[3] کی زبانی سنیئے :-

"اہل کتاب سے ایک ایسی کتاب کا وعدہ کیا گیا تھا جس کی بعض سورتیں حروف

---

[1] ملاحظہ ہو "ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن / تحقیق ڈاکٹر محمد زغلول سلام و محمد خلف اللہ نیز اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ / مصطفیٰ صادق رافعی ص ۶۹ اور اس کے بعد کے صفحات اور "الاعجاز فی دراسات السابقین" عبدالکریم خطیب / دوسرا ایڈیشن / الکتاب الاول [2] ملاحظہ ہو "الوجیز فی علوم القرآن / السید داؤد العطار۔ [3] ملاحظہ ہو "البرہان فی تفسیر القرآن / ۱ : ۶۴ اور اسکے بعد کے صفحات نیز "التبیان / ۱ : ۵۱ : علامہ طوسی نے آیت "الٓمٓ ذالک الکتاب"... کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کی زبانی یہود سے کیا گیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل کتاب قرآن کریم کو اس طرح واضح طور پہ پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

مقطعات سے شروع ہوں گی، چونکہ اہل کتاب خصوصیت کے ساتھ مدینے میں رہتے تھے اس لئے ان کی رعایت کرتے ہوئے دو مدنی سورتوں کا بھی افتتاح حروف مقطعات سے کیا گیا ہے۔"

اس امر کی توجیہ ایک اور ڈھنگ سے بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اگرچہ مدینے میں مخالفت کی نوعیت بدل چکی تھی لیکن دو مدنی سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کرنے کا مطلب بلاغی اعتبار سے استمرارِ تحدی کا اعلان ہے۔

بات تقریبًا پوری ہو چکی ہے، اور ہم مطمئن ہو چکے ہیں کہ حروف مقطعات فواتح ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا افتتاح کیا ہے اور جن میں امتیاز و تفرد ہے یعنی عربوں کے معروف آغاز کلام سے الگ طرز ہے، اتنی بات طے ہو جانے کے بعد ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ یہ سوال اٹھائیں اور کہیں کہ "اگر ہم حروف مقطعات کو فواتح مان ہی لیں جن سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بعض سورتوں کا آغاز کیا ہے، تو کیا ایسا کسی معقول حکمت کے تحت ہوا؟ اور قرآن کریم ان حروف کو متعدد صیغوں کے ساتھ اس کثرت سے لایا کہ جس نے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ لوگ حیرانی واضطراب میں مبتلا ہوئے، یہ سب کچھ صرف قرآن کریم کا تفرد و امتیاز ہی ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا یا اس کا اور بھی کوئی مقصد تھا۔ نیز یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ اگر ایسا کرنا روا ہے تو ہر غریب یا بے معنی لفظ سے ابتدا کرنا جائز ہونا چاہئے تاکہ معروف اسلوب سے خروج محقق ہو جائے۔

ان اشکالات کے جواب یہ ہیں:

۱۔ حروف مقطعات سے ابتدا کرنا انھیں شکلوں میں سے ایک شکل ہے جنہیں امام سیوطی[1] نے دس قسموں میں محصور کیا ہے، اور پھر کہا ہے کہ ابتدا کرنے کے یہ سارے طریقے مثلاً تحمیدات، حروف مقطعات اور ندا وغیرہ، نہایت خوبصورت، بلیغ اور مکمل طور سے آئے ہیں۔

---

[1] الاتقان ۲/: ۱۰۶ ملخصاً

۲۔ جن صیغوں کے ساتھ یہ فواتح آئے ہیں وہ ۱۴ صیغوں میں منحصر ہیں جس طرح یہ بقیہ انواع[1] ابتداء مثلاً: تسبیح، تحمید اور نداء وغیرہ کے ساتھ متوازن و موافق ہیں۔

۳۔ جب یہ حروف الگ الگ پڑھے جائیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عربی حروف تہجی ہیں، اور یہ عربوں ہی کے حروف کی جنس سے ہیں، ان میں ایک حرف بھی غریب نہیں ہے، یہاں مکمل غریب لفظ سے یا بے معنی کلام سے ابتداء کرنے کا جواز فرض کر لینے کا کوئی موقع نہ تھا، کیوں کہ حروف مقطعات سے ابتدا کرنے میں عربوں کے معروف طریقے کی مخالفت صرف اسی پہلو میں منحصر ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

۴۔ ہم پُرزور آواز کے ساتھ کہتے ہیں کہ حروف مقطعات صرف فواتح ہیں، کیوں کہ حروف ہی سے کلمے کی تشکیل ہوتی ہے، اور یہی کلمے دلوں میں وہ کچھ پیدا کرنے کے باعث ہیں جن کے دل حامل ہو سکتے ہیں، اور یہی کلمے قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابوں کی بنیاد ہیں، جیسا کہ اخفش[2] نے ذکر کیا ہے، اور یہی حروف مالک[3] بن نبی کے بقول "بے شک ہر نامہ و پیام کو روح تک پہنچانے کا آلہ ہیں، لہٰذا یہی تمام معلومات کے حامل اور رمز ہیں، قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس کے موضوع کو "ذکر" کے ساتھ خاص کرتی ہے، اور مسلمانوں کے ضمیر میں پہلے ہی دن سے کلمۂ "اقراء" کی قدر و قیمت نقش علی الحجر کر دیتی ہے"۔

یہ سب باتیں حرف کو مذکورہ اہمیت کا حامل بناتی ہیں، اسی لئے تو اس کے ذریعے کلمات الٰہی اور اس کی آیات بینات کی ابتدا ہوتی ہے۔

عظیم جدوجہد اور کثیر تتبع کے بعد ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد ہم اپنا یہ علمی اور تحقیقی سفر ختم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری کوشش کو اس پیچیدہ

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

---

[1] ایضاً [2] ملاحظہ ہو مجمع البیان /۱: ۲۰، اخفش سے نقل کیا ہے۔ [3] انتاج المستشرقین واثرہ فی الفکر الاسلامی الحدیث / مالک بن نبی / ص ۴۳، مطبوعہ دار الارشاد بیروت۔

اسلامی قانون میں قرائن کی حجیت

قسط نمبر ۲ ——— مولانا مبشر احمد صاحب جامعہ مدنیہ لاہور

مانعین کے دلائل جو ائمہ قرائن کو حجت نہیں مانتے وہ اپنے قول کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں :

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم لو کنت راجما احدا بغیر بینۃ لرجمت فلانۃ الخ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر میں کسی کو بغیر گواہوں کے سنگسار کرتا تو فلانی عورت کو سنگسار کرتا مگر چونکہ اس کی گفتگو اور حالت اور اس پر داخل ہونے والوں کے بارے میں شک پیدا ہو چکا ہے اس لئے میں اس پر حد جاری نہیں کرتا[۱]

وجہ دلالت دیکھو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر حد جاری نہیں فرمائی باوجودیکہ وقوع زنا کی علامات موجود تھیں ، تو اگر قرائن اور علامات حجت ہوتیں تو آپ ضرور بالضرور اس عورت پر حد رجم جاری فرماتے۔

جواب نمبر ۱ اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے جوانکے قائلین نے کہا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اس عورت پر اس لئے حد جاری

---

[۱] وسائل الاثبات ص ۵۰۹ [۲] ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۵ ، نیل الاوطار ج ۷

نہ فرمائی کہ اس کا جرم قرائن قطعیہ سے ثابت نہ ہوا تھا اور قرائن میں شبہ پیدا ہو گیا تھا
وَالْحُدُودُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ۔ اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

جواب نمبر ۲ فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہوا ہے کہ یہ واقعہ لعان کا ہے نہ کہ زناکاری کا۔ اور لعان کی صورت میں حد جاری نہیں ہوتی۔ [۱]

الزامی جواب نمبر ۳ خود اسی حدیث میں صراحت ہے لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ۔ کہ میں کسی کو بغیر بیّنہ۔ اور ثبوت کے حد جاری نہیں کرتا۔ وَالْقَرَائِنُ بَيِّنَةٌ اور قرائن تو بیّنہ ہوتے ہیں یعنی قرائن تو اقوی ثبوت ہوتے ہیں یہاں چونکہ قرائن موجود ہی نہیں ہیں تو حد جاری کیسے کی جاتی۔ معلوم ہوا یہی حدیث تمہارے خلاف حجت ہے یہ حدیث ہمارے قول کی تائید کرتی ہے نہ کہ تمہارے قول کی۔

جواب نمبر ۴ چونکہ اس واقعہ میں قرائن ضعیف تھے اور قرائن ضعیفہ سے حد کا حکم ثابت نہیں ہوتا اس لئے حد جاری نہ کی گئی ہے

دلیل دوم قرائن کی بنیاد ظن و تخمین پر ہوتی ہے اور ظن دلیل نہیں بن سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا [۲] — اور بیشک گمان حق بات میں مفید نہیں ہوتا۔

اور ارشاد نبوی ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ [۴] — اپنے آپ کو ظن و گمان سے بچاؤ کیونکہ ظن بڑا جھوٹ ہے۔

---

[۱] فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۸ [۲] الاصول القضائیہ ص ۱۸۵۔
[۳] سورۃ النجم الآیہ ۲۸ [۴] بخاری ج ۲ ص ۸۹۴ مسلم ج ۲ ص ۱۱۸۔

جواب نمبر۱ ظن کی دو قسمیں ہیں:
۱۔ قوی۔ ۲۔ ضعیف۔ جس ظن سے منع کیا گیا ہے وہ ظن ضعیف ہے۔

جواب نمبر۲

ان الظن المنهی عنه وهو الظن فی العقائد والعقیدة لا تثبت بالظن بالاتفاق او المراد بالظن الوارد فی وهو النهی عن سوء الظن۔

جس ظن سے منع کیا گیا ہے وہ عقائد میں ہے اور عقیدہ ظنی باتوں سے ثابت نہیں ہوتا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں ہے:
وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ نساء آیت ۱۵۷۔
کہ ان کے پاس علم نہیں وہ صرف ظن اور گمان پر چلتے ہیں۔

نیز حدیث شریف میں جس ظن سے نہی وارد ہوئی ہے وہ بُرا ظن ہے یعنی کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کرو۔

جواب نمبر۳ عِز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

إن النهی فی الایة لیس عن کل الظن و انما النهی عن بعضه۔

آیت میں ہر ظن سے منع نہیں کیا گیا بلکہ بعض ان ظنوں سے منع کیا گیا ہے۔ جن پر عقلاً ونقلاً عمل محال ہو[۱]

راجح قول

یبدو من عرض الادلة ترجیح القول الاول لصحتها وقوتها فی اثبات

ڈاکٹر مصطفیٰ الزحیلی فرماتے ہیں ان دو قولوں میں سے قول اول زیادہ راجح ہے قرائن کی مشروعیت وحجیت کے بارے میں اور قرائن وسائل اثبات میں سے

---

[۱] وسائل الاثبات ص ۵۱۱ قواعد الاحکام ص ۶۶

مشروعية القرائن الخ — ایک دلیل شرعیہ ہے فقہ کی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں ہے اور نہ ہی کسی فقیہہ نے اس کو بعید سمجھا ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے علامہ عز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرائن صراحۃ النص کے قائم مقام ہوتے ہیں تخصیص عموم میں اور تقیید مطلق میں۔[۱]

مشروعیت قرائن کی حکمت

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھئے کہ شریعت اسلامی نے جس قدر حقوق انسانی کی حفاظت کی اتنی کسی قانون میں نہیں ہے ہر اس راہ اور سوراخ کو بند کیا ہے جہاں سے ذرہ برابر بھی ظلم و تعدی کے داخل ہونے کا امکان تھا تو اب اگر ہم قرائن سے استنباط اور ان پر اعتماد کی اجازت نہ دیں تو پھر بہت سے ایسے حیلے تلاش کر لئے جائیں گے جن سے حقوق العباد کو غصب کیا جا سکے گا۔ اور ظالم کو اپنی برات کی راہ مل جائیگی۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعیٰ علیہ حلف اٹھائے لیکن بعض اوقات مدعی کو پورا وثوق ہوتا ہے کہ یہ میرا حق ہے مگر وہ گواہ قائم کرنے سے عاجز ہوتا ہے یا گواہ مدعیٰ علیہ کے صاحب اثر شخصیت ہونے کی وجہ سے مرعوب ہو کر گواہی سے انکاری ہو جاتے ہیں اور مدعیٰ علیہ کے قلب سے خوف خدا نکل چکا ہوتا ہے تو وہ جھوٹی قسم کھانے پر تیار ہو جاتا ہے تاکہ اس مال کو ہڑپ کر سکے اور قرائن و علامات سے مدعیٰ علیہ کا کذب و دروغ واضح ہو رہا ہوتا ہے تو اب قاضی و جج اسلام کے عادلانہ نظام و قانون کی موجودگی میں ظالم کو ظلم کرنے کی کیسے اجازت دے گا جب کہ وہ سمجھ چکا ہو کہ حق مدعی کا ہے مدعیٰ علیہ صریح جھوٹا ہے اب اگر قاضی ظالم کی کذب بیانی پر اس کے حق میں فیصلہ فرما دیتا ہے تو روح اسلامی نکل جائے گی اور حقوق انسانی کبھی بھی

۱۔ وسائل الاثبات ص ۵۱۲

محفوظ نہیں رہیں گے ظالموں اور غاصبوں کا ہمیشہ یہ وطیرہ بن جائے گا کہ جس کا مال چاہیں گے جھوٹی قسموں سے بٹورتے رہیں گے۔

آپ اگر قضا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور قاضی شریح و ایاس وقاضی کعب بن سوار وغیرہ کے ایسے بہت سے فیصلے ملیں جو قرائن کی بنیاد پر کئے گئے ہیں۔ یہ تو اس خیر القرون کے فیصلے ہیں جبکہ لوگوں کے اندر خوف خداوندی اور فکر آخرت پایا جاتا تھا اب جبکہ حالات بہت بدل چکے ہیں حُبّ مال وحُبّ جاہ انسان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے حرص وطمع ولالچ ہر انسان کی جبلت بن چکی ہے لوگ حلال وحرام جائز وناجائز حق وباطل کی تمیز بالکل نہیں کرتے تو یہ کیسے باور کیا جائے گا کہ مدعی اور مدعی علیہ بالکل سچے ہیں لہذا ان سے حلف لے کر قطعی فیصلہ کر دیا جاوے نہیں نہیں بلکہ ایسے حالات میں جج پر لازمی ہوگا کہ واقعے کی مکمل چھان بین کرے اور حدود متنازعہ کا بچشم خود معائنہ کرے قرائن وعلامات دیکھے اور اس کے بعد بغیر جانبداری کے حکم نافذ کرے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو۔

قرائن کا حکم

قرائن کا حکم مختلف ہوتا ہے۔ جیسا قرینہ ہوگا ویسا حکم ہوگا۔ اگر قرینہ قوی ہے اور شارع نے اس پر نص وارد کی ہے تو قاضی پر اس کے مطابق حکم کرنا ہوتا ہے مثلاً جب قاضی کے پاس کسی مرد اور عورت کے درمیان عقد زواج ثابت ہو جائے لیکن خاوند بچے کی ولدیت سے انکاری ہو تو قاضی جج اس کی بات کو نہیں سنے گا بلکہ بچے کے ثبوت نسب کا فیصلہ کرے گا اور اس بچے کو اس کا وارث قرار دے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے وَاِنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ وللعاهر الحجر۔ "یعنی بچہ صاحب بستر کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔" اسی طرح اگر عورت انکاری ہے اور کہتی ہے بچہ زنا کا ہے تو اس کی بات بھی قبول نہ کی جائے گی اور نسب خاوند کا ہی ثابت رہے گا۔ کیونکہ غیر شرعی مخالطت سے حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا بلکہ غیر شرعی مخالطت (زنا) کے مرتکب کو سزا دی جاتی ہے تو اس فیصلے میں قرینہ شرعیہ منصوصہ فراشِ صحیحہ ہے۔ اگر ہم فراش صحیحہ کو تسلیم نہ کریں تو ثبوت نسب کا دوسرا کوئی وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے۔ ہاں۔

لعان کی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے۔ اور لعان سے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔ "گئے تھے نماز بخشوانے اور روزے گلے پڑے" والی مثال صادق آجائے گی۔ کہ میاں بیوی کے درمیان تفریق بھی ہو جائے گی اور نفی ولد بھی ہو جائے گی لہذا وہی پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کہ فراش صحیحہ کو قرینہ تسلیم کرکے ثبوت نسب کا فیصلہ کریں۔[1]

دوسری مثال ایک شخص کسی خالی گھر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں چھری یا تلوار ہے اور وہ تلوار خون کے ساتھ لت پت ہے جب اس گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک شخص قتل شدہ پڑا ہے تو اب ان قرائن کے مطابق یہی فیصلہ کیا جاوے گا کہ اس کا قاتل یہی شخص ہے اور اس سے قصاص لیا جاوے اگرچہ وہ شخص حلف بھی اٹھا دے کہ میں قاتل نہیں ہوں تب بھی اسی کو قاتل گردانا جائے گا۔ یہ احناف کا قول ہے بعض دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ اس صورت میں اہل محلہ پر قسامت یعنی دیت کا فیصلہ کیا جاوے گا

تیسری مثال شادی کی رات ایک عورت کو دکر دولہا کے بستر پر آئی اور اس عورت پر علامات دولہن بھی موجود ہیں تو یہ اس بات کا قرینہ ہوگا کہ وہ اس کی عورت (بیوی) ہے لہذا اس سے وطی جائز ہوگی۔

یہ تو تھیں قرائن شرعیہ و فقہیہ کی چند مثالیں:

قرائن قضائیہ کی مثالیں قرائن قضائیہ وہ ہوتے ہیں جن کو قاضی استنباط کرتا ہے اور دونوں دعویداروں میں سے جو اس کے غالب گمان میں سچا اور صحیح ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہے بعض اوقات حلف لے کر اور بعض اوقات بغیر حلف کے جب تک اس کے خلاف کوئی اقوی ثبوت موجود نہ ہو اس وقت تک انہیں قرائن قضائیہ کو ترجیح دی جائے گی۔

مثال نمبرا بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں

---

[1] وسائل الاثبات ص ۵۱۶

حضرت داود علیہ السلام کے پاس اپنے بیٹے کا جھگڑا لے کر پیش ہوئیں انہوں نے اپنا واقعہ یوں سنایا کہ ہم دونوں نے اپنے اپنے بیٹوں کو ایک جگہ پر لٹایا اور ہم کسی کام کے لئے دور چلی گئیں تو بھیڑیا آیا اور ایک لڑکے کو اٹھا کر لے گیا۔ اب ہمارا جھگڑا ہوا ہے کہ یہ کہتی ہے کہ تیرے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا اور یہ میرا بیٹا ہے اور میں کہتی ہوں تیرا لڑکا ہے آپ فیصلہ فرمائیے حضرت داؤد نے دونوں کی باتیں سن کر بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو پھر وہ وہاں سے حضرت سلیمان بن داؤد کے پاس فیصلہ لے گئیں اور ان کو اپنا قصہ سنایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا چھری لاؤ میں تمہارے درمیان اس کو دو ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیتا ہوں۔ تو چھوٹی نے کہا اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے آپ ایسا نہ کریں بلکہ یہ لڑکا اسی بڑی کو ہی دے دیں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

وجہ دلالت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارادہ بھی دو ٹکڑے کرنے کا نہ تھا بلکہ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان دونوں میں سے کس کو بچے پر شفقت آتی ہے تو جب دیکھا کہ بڑی اس کے دو لخت کرنے پر راضی ہوگئی ہے تو اس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کا دعویٰ جھوٹا ہے اور محبت بھی جھوٹی ہے اور چھوٹی کا اس کے ٹکڑے کرنے سے انکار اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی حقیقی ماں ہے اور ماں ہی ہمیشہ اپنے بچے پر اتنی مہربان ہوتی ہے تو اس کی یہ عاطفت اور محبت اس بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہی ہے تو سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

تو اس واقعہ میں حضرت سلیمانؑ نے جب دیکھا کہ دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں تو آپ نے کسی سے حلف نہیں لیا بلکہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا۔ جس کی تائید خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ارشاد خداوندی ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا ہم نے اس چیز کا اور ساری چیزوں کو سلیمان کو بتا دیا تھا اور

اٰتَیۡنَا حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا۔ [1] ہم نے اُسے بادشاہت اور علم بخشا تھا۔

دوسری مثال دو آدمیوں نے ایک مکان میں جھگڑا کیا اور کسی کے پاس گواہ یا تحریری ثبوت نہیں ہے تو قاضی اس شخص کے حق میں فیصلہ کرے گا جس کا قبضہ ہے۔ قبضہ باعتبار ظاہر کے ملک کا قرینہ ہوتا ہے۔

تیسری مثال حکام اور حکومت کے کارندوں کے پاس بہترین اور عمدہ محلات کا ہونا اور ان کے پاس دولت کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے رشوت لی ہوگی یا بیت المال میں خیانت کی ہوگی تو جب تک وہ اپنی آمدنی کے ذرائع کا ثبوت پیش نہ کریں گے ان کی جملہ املاک بھی ضبط کرلی جائے گی اور ان کو معزول بھی کر دیا جاوے گا۔ جیسے کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ [2]

خلاصہ خلاصہ یہ ہوا کہ قرائن قضائیہ کا درجہ ترجیحات اولیہ کا درجہ ہوتا ہے۔ اس کے خلاف اگر کوئی اقوی قرینہ یا راجح مل جائے تو وہ فیصلہ باطل ہوجاتا ہے کیونکہ قرائن احتیاطی وسیلہ ہیں قاضی قرائن کی طرف اسی وقت محتاج ہوتا ہے جب اس کے سامنے کوئی مضبوط دلائل اور راجح ثبوت پیش نہ کئے جاویں، بلکہ بعض اوقات تو قرائن اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ دلیل شرعی کو بھی باطل کر دیتے ہیں مثلاً ایک شخص فقیر اور مفلس ہے اس کے پاس اپنے بچوں کی روٹی کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں وہ ایک شخص پر دعویٰ کر دیتا ہے کہ میں نے اس کو دو لاکھ روپیہ قرض دیا ہے اور اس کے ثبوت میں دو گواہ یا قسم پیش کر دیتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہ کیا جاوے گا۔ کیونکہ قرض دینے کے لئے تو دولت مند ہونا ضروری ہے تو اس کی حالت اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہے۔ لہٰذا دعویٰ خارج کر دیا جاوے گا۔

۲۔ کوئی شخص اپنے دعویٰ میں کسی قریبی رشتہ دار کو گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے تو اس گواہی کو رد کر دیا جاوے گا کیونکہ قرابت محبت کی علامت ہے تو اس گواہ پر تہمت

(باقی: صفحہ ۳۵ پر)

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۲ مسلم شرح نووی ج ۲ ص ۷۸ [2] وسائل الاثبات ص ۴۸۸ (بقیہ صفحہ ...)

آہ! بزمِ علم ومعرفت کی پُرسوز آواز خاموش ہوگئی

از: مجیب اللہ ندوی

ناظرین الرشاد تک یہ اندوہناک خبر پہونچ چکی ہوگی کہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۹۱ء مطابق یکم ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ کو بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ عزیزوں، رشتہ داروں اور ہزاروں عقیدت کیشوں کو نالاں وگریاں چھوڑ کر اس دارفانی سے رخصت ہوکر اعلیٰ علیین میں مسند نشین ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت خاص میں جگہ عنایت کرے اور ان کے فیض روحانی کو تاقیامت باقی رکھے۔ آمین

مولانا کی ذات گرامی بزم اہل دل کے لئے ایک ایسی شمع فروزاں تھی جس کی ضوفشانی سے قلب کی ظلمت تارتار ہوجاتی تھی ان کی ذات ایک ایسی وادیٔ محبت تھی جسمیں پہونچ کر آدمی دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتا تھا ان کی ذات ایک مجمع البحرین نہیں بلکہ مجمع البحور تھی جہاں ہر فکرو خیال کے علماء صلحاء اور عوام وخواص اس شمعِ علم ومعرفت کے گرد جمع ہوجایا کرتے تھے اور کسی کو اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی تواضع وخاکساری کے الفاظ ہم سب بولتے ہیں اور دوسروں سے بھی اپنے لئے یہی چاہتے ہیں مگر مولانا کی ذات واقعی تواضع وخاکساری کا پیکر تھی اور اس میں چھوٹے بڑے کسی کی تمیز نہیں تھی تصوف میں سب سے زیادہ زور حب جاہ کو دل ودماغ سے نکالنے اور اپنے کو فنا کرنے اور مٹانے پر دیا جاتا ہے اور یہ الفاظ آج بھی دنیائے تصوف میں بکثرت بولے جاتے ہیں مگر اس کے مصداق کی تلاش ذرا مشکل نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ مگر بلا مبالغہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مولانا نہ صرف اس کے مصداق تھے

بلکہ ان الفاظ کے ظاہری و معنوی دونوں اعتبار سے عملی نمونہ اور سراپا تھے۔ پھر سراپا ودد محبت اور تواضع و خاکساری ہوتے ہوئے اتباع سنت کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں پاتا تھا اور اس میں کسی کی ملامت اور ناخوشی کی پرواہ بالکل نہیں کرتے تھے اور ان کا جذبہ اتباع سنت صرف حقوق اللہ ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی حد درجہ اہتمام فرماتے تھے بلکہ اس کے لئے بسا اوقات اپنے اوپر سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کر لیتے تھے مگر کسی انسان کی دلشکنی کرنا جانتے ہی نہ تھے قرآن پاک میں جو لفظ "ابرار" آیا ہے اس کی تفسیر حسن بصری رحمۃ اللہ نے یہ فرمائی ہے الذین یوذون الذر ولا یرضون الشر وہ لوگ چیونٹی تک کو تکلیف نہیں دیتے اور برائی سے کبھی راضی نہیں ہوتے وہ اس کے مصداق تھے۔

مولانا حسامی صاحب مرحوم ایک بڑے خانوادے کے فرد ایک خانقاہ کے سجادہ نشین اور فارسی اور اردو کے بڑے پرگو شاعر تھے وہ ایک ہی ملاقات میں ایسے گرویدہ ہوئے کہ لوازم خانقاہی سے دست بردار ہو گئے اور مولانا کی شان میں فارسی اور اردو میں بہت سی نظمیں کہیں ان کی نظم کا ایک شعر یہ ہے:۔

خطا مجھ سے ہوئی سرزد ندامت تیرے چہرے پر ❊ مجھے یہ احترامِ آدمیت کم نظر آیا

ایک بار ایک رشتہ کی خاتون پانی برستے میں دعا کے لئے آئیں مولانا کی آنکھ لگ گئی تھی ان کے صاحبزادے نے ان خاتون سے کہدیا کہ ابا سو رہے ہیں وہ چلی گئیں ان کی نیند کھلی تو پوچھا کوئی آیا تو نہیں تھا تو بتایا گیا کہ فلاں خاتون دعا کے لئے آئی تھیں فرمایا جگا کیوں نہیں دیا وہ بے چاری پانی برستے میں آئی تھیں، پھر اسی وقت چھتری لی اور برستے پانی میں ان کے گھر جا کر دعا کیا اور پھر واپس آئے اور فرمایا کہ میں نہ جاتا تو قلب متاثر رہتا،

اس طرح کے سیکڑوں واقعات ان کی زندگی میں پیش آتے رہتے تھے اس کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ پچاس برس سے الہ آباد میں آمد ورفت تھی مگر یہاں اپنا کوئی ٹھکانہ نہیں بنایا ایک مدت تک ایک عقیدت کیش کے مکان صابری منزل میں رہے اور پھر ڈاکٹر ابرار حق کے مکان کے ایک کمرہ میں قیام کرتے رہے جب ڈاکٹر صاحب نے اپنا نیا مکان بنایا تو

اس میں ایک حصہ مولانا کے لئے خاص کر دیا جس سے ان کو کچھ راحت ملی یہاں اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ڈاکٹر ابرار صاحب نے نہ صرف احترام سے رکھا بلکہ اپنے تعلق کا پورا حق ادا کر دیا۔ یہی حال آبائی گھر کا تھا کہ جس صورت میں وراثتہ ملا تھا اس میں بھی بہت کم ہی اضافہ ہو سکا' حالانکہ ان کے ایسے ایسے عقیدت کیش تھے کہ ایک اشارہ میں سب کچھ ہو سکتا تھا' وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس نہ مدرسہ ہے اور نہ خانقاہ جہاں جی چاہا بیٹھ گیا یا لوگوں نے جہاں دینی فائدے کے لئے بٹھا دیا وہاں بیٹھ گیا میں تو آزاد آدمی ہوں۔ مولانا مختار احمد صاحب نے یہ شعر مولانا ہی کے لئے کہا تھا ؎

جائداد و زر زمین میراث کچھ چھوڑا نہیں ⁂ عصر حاضر میں بھی تھا ان کا یہ زہد بوذری

یہ شعر تو بہت بار سنا اور پڑھا تھا مگر حقیقت میں اس کا مصداق راقم الحروف نے انہیں کو پایا۔

در کفِ جام شریعت در کفِ سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

ان کی مجلس میں باتیں وہی سب ہوتی تھیں جو ہم سب کرتے ہیں' انسان کی طبعی عادات واطوار کی جھلکیاں وہاں بھی وہی نظر آتی تھیں جو عام انسانوں کا خاصہ ہیں مگر ان کی سادہ سادہ باتیں اور بے تکلف اداؤں میں ایک ایسی سحر انگیزی دکھائی دیتی تھی جس سے روح کیف ولذت سے سرشار ہو جاتی اور دل کی دنیا میں ایک عجیب ہلچل محسوس ہونے لگتی تھی اور بصارت میں کچھ دیر کے لئے بصیرت کی روشنی معلوم ہونے لگتی تھی وہ خود فرما گئے ہیں ؎

عجب عالم ہوا اللہ اکبر اہل محفل کا ⁂ حدیثِ عشق کی احمد نے جب بھی شرح فرمائی

میری صورت دیکھ کر مت کھائیے ہرگز فریب ⁂ ہیں بہاریں سینکڑوں پنہاں دلِ برباد میں

بحمد للہ پچاس برس کے اندر موجودہ اور غائب تمام قابل ذکر صلحاء و علماء کی مجلس

میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور سب انداز تعلیم و تربیت میں افادیت کا کوئی نہ کوئی مفید پہلو نظر آیا مگر ہم لوگوں کی تعلیم و تربیت مادی ماحول میں ہوئی ہے جس میں زیادہ دکھ رکھاؤ اور اندازِ مشیخیت کو پسند نہیں کیا جاتا اس لحاظ سے مولانا کی ذات ایک نمونہ تھی، ان کے یہاں نہ تو بہت زیادہ خانقاہی آداب تھے اور نہ کوئی رکھ رکھاؤ بلکہ ان کی ہر مجلس کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا ان کی زندگی ہر لمحہ ہر نکتہ داں ہی کے لئے صلائے عام نہیں تھا بلکہ عام سے عام آدمی بھی ان کے دریائے فیض سے فائدہ اٹھاتا رہتا تھا حتی کہ شدید علالت میں بھی یہ سلسلۂ فیض بند نہیں ہوا اور نہ کبھی زبان پر حرف شکایت آیا اور نہ اسے انھوں نے بڑا کام سمجھا وہ اپنے اس شعر کے خود مصداق تھے۔

یہ فیضانِ محبت ہے یہ احسانِ محبت ہے ٭ سراپا داستاں ہوتے ہوئے بے داستاں رہنا

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حاضری کے وقت غیر معمولی مسرت کا اظہار نہ فرمایا ہو اور رخصت کرتے وقت یہ شعر نہ پڑھا ہو۔

تیرا آنا میرے احساس میں جانِ مسرت ہے ٭ مگر جانا ستم ہے غم ہے حسرت ہے قیامت ہے۔

جب یہ سوچتا ہوں کہ اب باپ کے مانند ۲۰ برس سے بچوں کی طرح دلجوئی اور پیار کرنے والا نہیں رہا تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور قلب کی حرکت پر ایک سکتہ سا طاری ہونے لگتا ہے انتہائی افسوس ہے کہ برادرم مولانا قمر الزماں صاحب کی انتہائی کوشش کے باوجود فون کی خرابی کی وجہ سے بروقت اطلاع نہ ہو سکی اور تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہو سکا جس کا قلق شاید زندگی بھر رہے، جب کئی دن بعد مزار مقدس پر حاضری ہوئی تو محسوس ہوا کہ ہر طرف نور بکھرا ہوا ہے اور فیضانِ محبت اب بھی جاری ہے وہ بیدل رام پوری کا یہ شعر برابر پڑھا کرتے تھے ؎

بیدل خستہ کو پاؤ گے کہاں ٭ سن لو اسکی یہ کہانی چند روز

میں مولانا کی زندگی میں ان کے تخلص کے ساتھ اسے یوں پڑھتا ؎

احمد خستہ کو پاؤ گے کہاں ٭ سن لو اسکی یہ کہانی چند روز

اب یہ شعر حسرت و یاس کے ساتھ بار بار زبان پر آتا ہے۔

اپنے بے شمار مشاغل کی وجہ سے ادھر چند برس سے حاضری میں کمی ہوگئی تھی
مگر کیا مجال کہ خط بھیجکر یا جانے والوں سے خیریت نہ دریافت فرماتے ہوں ان کے خط
میں حاضر خدمت ہونے کا کوئی اشارہ نہیں ہوتا تھا مگر شرمندگی کی ایسی کیفیت طاری
ہوتی تھی کہ حاضری کے بغیر سکون نہیں ہوتا تھا جاتے ہی فرماتے تمہارا انتظار تھا خوب
ہوا آگئے غایت محبت میں جاتے ہی یہ سننا پسند نہیں فرماتے تھے کہ آج یا کل واپسی
ہے بلکہ جب یہ عرض کر دیتا کہ حضرت رکوں گا تو پھر انبساط کی عجیب کیفیت طاری ہوجاتی
"الرشاد" کا بڑے اہتمام سے مطالعہ کرتے اور بڑے اچھے انداز سے تحسین فرماتے
جو میرے لئے بڑی سعادت ہے،

راقم الحروف نے مولانا کے ملفوظات کو "اہل دل کی باتیں" کے نام سے بہت پہلے
شائع کر دیا تھا اب اس کے نسخے ختم ہوگئے ہیں انشاء اللہ اس میں مزید اضافہ کے
ساتھ دوبارہ شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے۔

راقم الحروف نے "اہل دل کی باتیں" کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا کچھ حصہ
ہدیۂ ناظرین ہے۔

واعظانِ خوش بیاں کی شعلہ فشاں تقریروں اہل طرب کی بزم ہائے رنگین نوا کی
شوخیوں، شاعرانِ خوش نوا کی لن ترانیوں، درس وتدریس کی پرشور مجلسوں اور زبان وقلم کی
تیز دستیوں کی کمی نہ کبھی رہی ہے اور نہ اب ہے۔ مگر ان میں قلب وروح کو سامان
کیف ولذت کتنا ملتا ہے اور اس ظاہری آب ورنگ کی تہہ میں محرمانِ حقیقت کو
جمال ازل کی ضو فشانیاں کتنی نصیب ہوتی ہیں یہ محل نظر ہے۔ عشق ومحبت کی وہ پرسوز آواز
جو آنکھوں کو اشکبار اور دلوں کو بے قرار کر دے اور ضمیر میں انفعال وندامت کی وہ کیفیت
پیدا کر دے کہ آدمی دامِ ہوس کو تار تار کر دینے پر آمادہ ہو جائے، یہ جنس کمیاب بلکہ نایاب
ان ظاہر سامانیوں میں نہیں ملے گی۔ اسے اگر تلاش کرنا ہے تو کسی محرمِ اسرار کے خمخانۂ محبت
سے بادۂ معرفت کے چند گھونٹ پینے کی کوشش کرنی ہوگی، مولانا ہی کا شعر ہے ؎

جامِ الفت کیوں ملے کیوں کر ملے کیسے ملے
آہ! جاتے ہی نہیں جب جانب میخانہ ہم

نہ پائیں گے کبھی اہلِ جنوں کی شانِ یکتائی ٭ کریں اہلِ خرد تا عمر چاہے خامہ فرسائی

حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ اس خمخانۂ محبت تک کن واسطوں سے پہنچے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

ہندوستان میں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری مسلمانوں کی سیاسی زوال کی علامت رہی ہے۔ مگر اسی دورِ زوال میں اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی دینی شخصیتیں پیدا کر دیں جنہوں نے ایمان و یقین کی ایسی شمعیں روشن کیں کہ ان کی ضوفشانیوں سے سیاسی زوال کی تاریکیاں بھی قدرے دور ہوئیں اور بہت سے مردہ دلوں میں حرارت و زندگی آئی۔ اور نفرت و حقارت سے بھرے ہوئے دل محبت و اخوت سے لذت آشنا ہوئے۔ ہندوستان میں انہی شخصیتوں میں ایک حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی ذات گرامی بھی تھی۔ جنہوں نے دو تہائی صدی تک گنج مراد آباد کے ایک گوشے بیٹھکر اس شمعِ یقین کو روشن کیا جو مجددی، نقش بندی بزرگوں سے بطور امانت انھیں ملی تھی۔ اور نہ جانے کتنے ظلمت کدۂ قلب و روح کی تاریکیاں اس سے دور ہوئیں

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآباد کے ایک ممتاز خلیفہ حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو ایک صاحب دل اور صاحب حال بزرگ ہونے کے ساتھ علم و فضل کے لحاظ سے بھی علامۂ زماں تھے۔ ۱۴ برس تک مصر و شام میں رہ کر علم و فضل حاصل کیا تھا۔ عربی زبان پر پوری قدرت تھی اور پوری بخاری شریف ان کے نوک زباں تھی، انہی حضرت شاہ بدر علی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے ممتاز مجاز بیعت و خلافت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ حضرت شاہ بدر علیؒ صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت آپ کی کتنی اولاد ہیں؟ انھوں نے فرمایا "میری مادی اولاد تو کوئی ہیں مگر روحانی اولاد صرف ایک مولوی محمد احمدؒ ہیں" حضرت مولانا پرتاپ گڈھی کی ذات بابرکات سے اس دور میں مجددی، نقشبندی سلسلہ کی شمعِ یقین و معرفت کی تابانی اور ضوفشانی قائم تھی، جس سے اب ہم ظاہری لحاظ سے محروم ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی معنوی تابانی ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

مولانا بعض طبعی اعذار کی وجہ سے ایک مدت بیار رہنے لگے تھے اور فذانہ ہونے کے برابر تھی، ایسا اوقات ایک بسکٹ اور ایک پیالی چائے پر کئی کئی دن گذر جاتے تھے، پانی مطلق نہیں پیتے تھے یا بہت کم پیتے تھے جس کی وجہ سے آنتیں خشک ہوگئی تھیں مگر روزمرہ کے معمولات میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا تھا، نماز با جماعت کی پابندی رمضان المبارک کے روزے اور نوافل و اذکار کا اہتمام اسی طرح کرتے جس طرح صحت کی حالت میں کرتے تھے۔ اسی طرح آنے والوں کے ساتھ شفقت و محبت اور حسب مرتبہ ضیافت میں بھی کوئی فرق نہیں آیا اور پھر ضیافت خادموں پر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ براہ راست اس میں حصہ لیتے تھے ناشتہ کے وقت ہر آنے والوں کو جس محبت سے اپنے دست خاص سے پاپے اور چائے تقسیم فرماتے اس کی لذت وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان کے دست شفقت سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا ہے، انتقال سے ایک ہی ہفتہ پہلے عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا اور صحت کی امید لے کر واپس ہوا تھا، مگر عام صحت کو دیکھتے ہوئے دل دھڑک بھی رہا تھا، چنانچہ یہی ہوا کہ وقت موعود آگیا اور ان کا جسم مبارک ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا اور وہ اپنے مولی کے جوار رحمت میں سایہ فگن ہوگئے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ انھیں جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے فیض باطنی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین

مولانا کی مادی یادگاریں ان کے تین صاحبزادے مولوی اشتیاق احمد صاحب، حافظ قاری مشتاق احمد صاحب اور ارشاد احمد صاحب اور تین صاحبزادیاں ہیں مگر زندہ معنوی یادگاریں بے شمار ہیں جو پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں خاص طور پر ان کی مرتبہ کردہ یا ان کے حکم سے مرتبہ کردہ نصف درجن سے زیادہ کتابیں، مواعظ اور ملفوظات کے مجموعے موجود ہیں، جن کو پڑھکر آج بھی ایمان میں تازگی، قلب میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اتباع سنت کا جذبہ صادق اور آخرت طلبی کا پرشور احساس بیدار ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اس کی پوری تفصیل بعد میں شائع کی جائے گی مولانا نے جن لوگوں کو اجازت بیعت و صحبت دی ہے ان کے نام مولانا نے اپنی زندگی ہی میں

محترم مولانا قمر الزماں صاحب کو لکھا دیئے تھے جس نے ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب قاری مشتاق احمد صاحب شجرۂ نسبت وبیعت کے ساتھ جلد ہی شائع کر رہے ہیں ،

مولانا کی شاعری

مولانا شاعر تھے مگر ان کی شاعری روایتی شاعری نہیں تھی بلکہ واردات دل تھی خواجہ میر درد نے اپنی شاعری کے بارے میں کہا تھا ۔

ہر وقت ہے واردات دل پر ٭ آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے ؟

میر حسن نے خواجہ میر درد کی شاعری کے بارے میں کہا تھا ۔

شاعری دون مرتبۂ اوست ٭ شاعری ان کے مرتبے سے کمتر چیز تھی

یہی بات مولانا کی شاعری کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ شاعری سے ان کے مرتبۂ بلند کا پتہ نہیں لگایا جا سکتا مگر " دون مرتبہ اوست" ہوتے ہوئے بھی ان کی شاعری فنی اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی شاعری تھی ان کی شاعری میں کسی شعلہ بیاں کی شرر باری تو نہیں دکھائی دے گی مگر ان کے سادہ اور پر کار اشعار میں دنیائے قلب وروح کے لئے کوثر و تسنیم کی تر دستیاں ضرور ملیں گی جہیں زبان وقلم کا وہ شور وغوغا تو نہیں سنائی دے گا جو عام طور پر حال کی شاعری میں سنائی دیتا ہے ۔ مگر اس میں بادۂ عشق و محبت کی سرمستی اور گرمی ضرور ملے گی علامہ شبلی نے شعر کے بارے میں کہا تھا ۔

شعر گر دامنِ دل می نہ کشد بانگ خراست

نغمہ گر نیست دل آشوب بغوغا ماند

آپ مولانا کا کلام پڑھیں گے تو ان کے ایک ایک شعر میں دامنِ دل کے لئے کشش اور جذبِ دل کی کیفیت ملے گی اور مولانا جب اپنے اشعار خود نغمہ سے پڑھتے تھے تو سننے والوں کے لئے وہ واقعی دل سوز اور دل آشوب ثابت ہوتے تھے ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر کلام خواہ نثر ہو یا نظم اگر اس سے روح میں کوئی اہتزاز قلب میں کوئی گداز اور جمال ازلی سے کوئی محبت پیدا نہ ہو اور عشق و محبت جو انسانی فطرت کا خاصہ ہے اس کی کوئی تپش دل و دماغ کو محسوس نہ ہو تو وہ واقعی غوغائے زاغ

وزن معانی رنگ خوب ہے۔

فارسی اور اردو شاعری میں عام طور پر جام و سبو۔ ساغر و پیمانہ، بادۂ و مینا، گل و بلبل اور صبا و صرصر، شمع و پروانہ اور اس طرح کے بے شمار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ الفاظ مولانا نے بھی استعمال کئے ہیں مگر انھوں نے ان مجازی الفاظ کو حقیقتِ منتظر کا جامہ دے کر ان کے معانی کو عرش سے ثریا تک پہونچا دیا ہے اور عارفانہ شاعری کا لطیف جامہ پہنا کر ان کے ذریعہ سلوک و معرفت کی نہ جانے کتنی منزلیں طے کرا دی ہیں۔

اسی طرح فراقِ محبوب میں نالہ و شیون، شکوہ و گلہ، غم و اندوہ۔ یاس و حسرت کا اظہار فارسی اور اردو شاعری کا مرغوب ترین مضمون ہے اور انہیں چیزوں کے ذکر سے اس کا پورا تانا بانا تیار ہوا ہے مگر مولانا نے ان الفاظ کو جو عارفانہ رفعت عطا کر دی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

اسی طرح درد و محبت اور ہجر و وصال کے جذبات کا اظہار اردو شاعری کا ایک پامال مضمون ہے، مولانا نے بھی اپنی شاعری میں درد و محبت کے اور ہجر و وصال کے مضامین سو سو طرح باندھے ہیں مگر اپنے پاکیزہ اور لطیف اندازِ بیان سے عام صوفیا کی طرح ان الفاظ کو نیا قالب دے دیا ہے۔

یہاں ان کے دیوان "عرفانِ محبت" سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ اوپر جو بات عرض کی گئی ہے اس میں کوئی مبالغہ اور بے جا مدح سرائی نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ ناظرین کو لکھنے والے کے قلم کی نارسائی کا احساس ہو۔

قیامت ہے ترا نزدیک رہ کر دور ہو جانا
نظر کے سامنے رہتے ہوئے مستور ہو جانا

اسے ناداں نہ سمجھے گا یہ اسرارِ محبت ہیں
کبھی رنجور ہو جانا کبھی مسرور ہو جانا

بجز اس کے کہوں کیا تیری نظروں کی کرامت ہے
کسی کا مئے نہ پینا اور پھر مخمور ہو جانا

جو ہیں اہلِ محبت بس وہی اس کو سمجھتے ہیں
کسی کا دیکھ لینا درد کا کافور ہو جانا

اگر اندوہ و غم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے
مبارک عاشقوں کے واسطے رنجور ہو جانا

قیامت ہے ترے عاشق کا مجبورِ بیاں رہنا
زباں رکھتے ہوئے بھی افّ اللہ بے زباں رہنا

خرد اس راز سے واقف نہیں ہے حضرتِ ناصح
محبت ہی سکھاتی ہے عیاں بن کر نہاں رہنا

یہی ضبطِ محبت ہے یہی شرطِ محبت ہے — تڑپنا رات دن اور پھر بھی بے آہ و فغاں رہنا
یہ معراجِ محبت ہے یہ اعجازِ محبت ہے — ہزاروں زخم کھا کر مسکرانا شادماں رہنا
یہ عرفانِ محبت ہے یہ برہانِ محبت ہے — کہ سلطانِ جہاں ہو کر بھی بے نام و نشاں رہنا
تمسخا جامِ محبت کا یہ اک ادنیٰ کرشمہ ہے — سردارِ عاشقوں کا مست ہو کر نغمہ خواں رہنا
جو خوش قسمت ہیں ان کو ہی ملا کرتی ہے یہ دولت — بہ فیضِ عشق صحرا میں بھی بن کر گلستاں رہنا

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریمِ دل کا احمدؔ اپنے ہر دم پاسباں رہنا

جس پہ ان کا کرم نہیں ہوتا — حاملِ درد و غم نہیں ہوتا
کیا ادھر اب نگاہِ لطف نہیں — درد کیوں بیش و کم نہیں ہوتا
ان کے عاشق کا ان کے در کے سوا — سر کہیں اور خم نہیں ہوتا
جب تک ان کا کرم نہ ہو احمدؔ — غم کا سامان بہم نہیں ہوتا

نہیں ہوتا برہم نظامِ محبت — یہ برکت تری انتظامِ محبت
پلایا ہے ساقی نے جامِ محبت — رہیں گے نہ اب تشنہ کامِ محبت
پیا صبح کو جس نے جامِ محبت — نہ پھر پوچھئے اس کی شامِ محبت
فدا جان و دل سب بنامِ محبت — یہ ہے دوستو! احترامِ محبت
عجب دل کا عالم ہے اللہ اکبر — سنا جب سے میں نے پیامِ محبت
کسی کی نگاہِ کرم کی بدولت — ہے احمدؔ بھی اب شادکامِ محبت

جو ہو نہ سکا تابعِ فرمانِ محبت — ممکن نہیں دیکھے وہ گلستانِ محبت
ہاتھوں میں ہے ہر وقت ہی دامانِ محبت — کچھ اور ہی عالم میں ہیں خاصانِ محبت
رونا کبھی، ہنسنا کبھی، جلنا کبھی، بجھنا — الوانِ محبت ہیں یہ الوانِ محبت
ہر دم یہاں آتی ہیں بہاروں پہ بہاریں — صد رشکِ گلستاں ہے گلستانِ محبت
واللہ ترے فیض سے بارانِ محبت — ہے آج بھی سرسبز گلستانِ محبت
بہ فیض ترا شمعِ شبستانِ محبت — پُر نور ہوا عالمِ امکانِ محبت

بھولے ہیں نہ بھولیں گے کسی حال میں ہرگز — ہر وقت نگاہوں میں ہے پیمانِ محبت
ہر وقت یہاں ہیں تیرے جلوں کی بہاریں — فردوس کہیں یا اسے زندانِ محبت
انھیں سے ہے روشن جہانِ محبت — جو قسمت سے ہیں کشتگانِ محبت
کوئی ان سے پوچھے تو شانِ محبت — جو ہیں کوہِ آتش فشانِ محبت
ہمہ وقت خنداں ہمہ وقت رقصاں — مکین محبت مکانِ محبت
کبھی فرش پر ہیں کبھی عرش پر ہیں — یہ شانِ محبت یہ آنِ محبت
ہے ہر وقت اک کیف و مستی کا عالم — جہاں سے الگ ہے جہانِ محبت
محبت سمجھتے ہیں ہم جس کو احمدؔ
حقیقت میں وہ ہے گمانِ محبت

جسے بھی سنایا بیانِ محبت — وہی ہو گیا شادمانِ محبت
نہ پوچھو ہوا کیا میرے دل کا عالم — نظر آیا جب آستانِ محبت
ادھر ہی ہوا میں بھی احمدؔ روانہ — چلا جس طرف کاروانِ محبت
رہا ہوش اپنا نہ غیروں کا احمدؔ
سنی جب سے میں نے اذانِ محبت

ہجر میں ہے وصال کی لذت — نقص میں بھی کمال کی لذت
ہے محبت سے جو بھی بیگانہ — جانے کیا وہ ملال کی لذت
ہو گئی تیز عشق کی پرواز — قال میں اب ہے حال کی لذت
جس نے چکھی نہیں وہ کیا جانے — ہے عجب انفعال کی لذت
عاصیوں نے بھی خوب ہی لوٹی — رحمت ذوالجلال کی لذت
ان کے ذکر لطیف کے آگے — گرد ہے کیف و حال کی لذت
مست رکھتی ہے رات دن احمدؔ
مجھ کو ان کے خیال کی لذت

بادۂ عشق سے ہے دل مخمور — پھر نظر آئے کیوں نہ جلوۂ طور

ہجر میں بھی وصال کا عالم　　ہو کے مہجور بھی نہیں مہجور
عشق کا معجزہ اسے کہئے　　دور ہو کر بھی میں نہیں ہوں دور
آ گئے آ گئے تصور میں　　دل کا عالم مرے ہوا پر نور
عشق کے فیض سے بحمد اللہ　　ہجر میں پا رہے ہیں کیفِ حضور
احمدِ خستہ جاں مبارک ہو
تو بھی پینے لگا ہے جامِ طہور

جب تک کہ نہ پامال ہو جذبات کا عالم　　چھایا ہی ہوا رہتا ہے آفات کا عالم
دیکھا نہیں جس نے کبھی سمجھے گا بھلا کیا　　اُس کوچہ محبوب کے دن رات کا عالم
قربان وہ کر دیتا ہے جنت کی بہاریں　　پاتا ہے جو قسمت سے مناجات کا عالم
بس اہلِ محبت کو نظر آتا ہے احمد　　خاکِ درِ محبوب کے ذرات کا عالم

ہر وقت ہی رہتا ہے مدارات کا عالم　　کیا پوچھتے ہو ان کی عنایات کا عالم
غائب ہوا جاتا ہے حجابات کا عالم　　مشہود لگا ہونے مغیبات کا عالم
محسوس لگا ہونے کہ دل عرش بریں ہے　　اللہ رے یہ اُن کی ملاقات کا عالم
دیکھا نہیں جب سے تجھے اے نورِ مجسم　　آنکھوں میں رہا کرتا ہے برسات کا عالم
فیضانِ محبت ہے جو آتا ہے نظر آج　　اک بندۂ عاصی میں کرامات کا عالم
کہنے کی نہیں بات یہ کہتا ہوں مگر خیر
پھرتا ہے نگاہوں میں محالات کا عالم

اب رفتہ رفتہ ہوش میں کچھ آ رہے ہیں ہم　　محفل سے ان کی روتے ہوئے جا رہے ہیں ہم
جب آ رہے تھے دل کا تھا عالم ہی اور کچھ　　عالم ہی دل کا اور ہے جب جا رہے ہیں ہم
محفل میں آج سازِ محبت کو چھیڑ کر　　جو اہلِ عشق ہیں انھیں تڑپا رہے ہیں ہم
ہر چیز کو نگاہِ محبت سے دیکھ کر　　طوفانِ بحرِ عشق میں اب لا رہے ہیں ہم
یہ راز وہ ہے جس کو سمجھتے ہیں اہلِ عشق　　کچھ کھو رہے ہیں شوق سے کچھ پا رہے ہیں ہم
احمد تجھے نہ جانا، نہ سمجھا تمام عمر
گو ساتھ جا رہے ہیں ترے آ رہے ہیں ہم

اب کہیں پہونچے نہ تجھ سے اُن کو غم ——— اے مرے اشکِ ندامت اب تو تھم
رکھ رہا ہے ضبط سے باہر قدم ——— عشقِ ناداں کا نہ کھل جائے بھرم
بھول جاؤں ان کو، یہ ممکن نہیں ——— یاد آتے ہیں وہ مجھ کو دم بدم

بھول بیٹھے اللہ اللہ مشربِ رندانہ ہم ——— اپنے ہاتھوں توڑ بیٹھے ساغر و پیمانہ ہم
جا رہے ہیں شوق سے اب جانبِ میخانہ ہم ——— مست ہو کر کہہ رہے ہیں ہو گئے فرزانہ ہم
جامِ الفت کیوں ملے کیونکر ملے کیسے ملے ——— آہ جاتے ہی نہیں جب جانبِ میخانہ ہم

جو دل پر ہم اُن کا کرم دیکھتے ہیں ——— تو ہم دل کو رشکِ ارم دیکھتے ہیں
کرم دیکھتے ہیں ستم دیکھتے ہیں ——— محبت کے ساماں بہم دیکھتے ہیں
خوشی دیکھتے ہیں نہ غم دیکھتے ہیں ——— ہم ان کی نگاہِ کرم دیکھتے ہیں
کبھی دل میں سوزِ عجم دیکھتے ہیں ——— کبھی دل کو سازِ حرم دیکھتے ہیں
جہاں ان کے نقشِ قدم دیکھتے ہیں ——— وہیں ہم بہارِ ارم دیکھتے ہیں
ہے کیا بات، نام اُن کا آتے ہی لب پہ ——— ہم احمد تیری آنکھ نم دیکھتے ہیں

اس راز کی کسی کو بھی مطلق خبر نہیں ——— دل رو رہا ہے میرا، مگر آنکھ تر نہیں
ہم ہیں مریضِ عشق، نہ ہوگی ہمیں شفا ——— تدبیر کوئی بس میں ترے چارہ گر نہیں
سننا ہے آپ کو تو سنیں شوق سے جناب ——— یہ داستانِ عشق، مگر مختصر نہیں
اتنا تو ہوش ہے کہ مرے سامنے ہیں وہ ——— اس کے سوا مجھے کسی شے کی خبر نہیں
احمد کسی کے عشق کے میں دیوانہ ہو گیا ——— وہ بے خبر بھی ہو کے مگر بے خبر نہیں

ہیں صادق آپ گر اے دوست اقرارِ محبت میں ——— طلب خود کر لئے جائیں گے دربارِ محبت میں
لٹا دیتا ہے جنت کی بہاریں شوق سے عاشق ——— مزا کچھ اس طرح پاتا ہے گلزارِ محبت میں
محبت تیری یہ برکت، محبت تجھ پہ صد رحمت ——— نہیں پندار دیکھا میں سرشارِ محبت میں
نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا ——— جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں
خدا کا فضل ہے ورنہ میں اس قابل نہ تھا احمد ——— کہ میں نے آگ جو بھر دی ہے اشعارِ محبت میں

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں ——— اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
کچھ ہوتا مرا، ذلت و خواری کا سبب ہے ——— یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

آئے گا سمجھ میں نہ کسی اہلِ خرد کی — یہ عشق کا ہے راز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
فیضانِ محبت سے ہے مبارک ہو مبارک — اب دل نہیں ناساز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
احمد ترا ہر نغمہ ہے پیغامِ محبت — دل کش ہے یہ آواز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

غافل تو ایک دن نہ کہیں شرمسار ہو — گل تو سمجھ رہا ہے جسے وہ نہ خار ہو
ناداں سمجھ سے کام لے کھاتا ہے کیوں فریب — سمجھا جسے خزاں، نہ کہیں وہ بہار ہو
عرفاں کا جام اس کو ہی ملتا ہے دوستو! — ساقی کی ہر ادا پہ جو دل سے نثار ہو
میخوار بس وہی ہے، وہی رند باصفا — آنکھوں میں جامِ عشق کا جس کی خمار ہو
جس کو ملی ہے عشق کی دولت نئے نصیب — صحرا بھی اس کے حق میں نہ کیوں لالہ زار ہو؟
بڑھ کر تو کر دے دیدۂ و دل اپنا فرشِ راہ — احمد! وہ آ رہے ہیں ذرا ہوشیار ہو

نہیں جو شمعِ محبت کے ہائے پروانے — خدا کی شان وہ آئے ہیں مجھ کو سمجھانے
سکوں کی جان ہے واللہ تیری محفل میں — چلے عبث ہیں گلستاں میں دل کو بہلانے
کمال یہ ہے کہ آواز تک نہیں آتی — وفورِ شوق میں یوں جل رہے ہیں پروانے
کریں گے خاک وہ رندی سمجھ چکا ہوں میں — جو ایک گھونٹ ہی پی کر لگے ہیں اترانے
نثارِ جانِ حزیں کر دے شوق سے احمد — کھڑا ہے کون ذرا دیکھ تیرے سرہانے

جو اسرارِ محبت جانتے ہیں تیرے دیوانے — قیامت تک سمجھ سکتے نہیں وہ راز فرزانے
وہی دستور میخانے کا ہے، یا اور کچھ ساقی — اسی طرزِ کہن سے اب بھی کیا ملتے ہیں پیمانے

نظر کو اپنی جو ان کی نظر بنا نہ سکے — لطیف جلوے نگاہوں میں اس کی آ نہ سکے
سرور و کیف کا عالم نہ پوچھئے اس سے — جو آستانِ محبت سے سر اٹھا نہ سکے
بھٹک کے منزلِ جاناں سے دور جا پہنچے — جو جوشِ عشق میں جذبات کو دبا نہ سکے
وہی مقامِ محبت ہے حضرت احمد — جہاں کوئی بھی سوا ان کے یاد آ نہ سکے

اجڑے ہوئے دل کو مرے آباد کریں گے — برباد محبت کو نہ برباد کریں گے
توبہ! اپنے غیروں پہ وہ بیداد کریں گے — اپنا جسے سمجھیں گے، اسے یاد کریں گے
مانا، نہ سہی آج تو کل یاد کریں گے — ناشادِ محبت کو مگر شاد کریں گے
ہم آہ و فغاں اور نہ فریاد کریں گے — ان کے کرمِ خاص کو بس یاد کریں گے
آنے لگے گلشن کے مزے ہم کو قفس میں — شکوہ نہ کبھی ہم ترا صیاد کریں گے

[illegible] ۱۹۵۵ [illegible]

خنزیر کا گوشت

ماخوذ:۔ "الرسالہ" ماہ نومبر ۱۹۹۱ء

خنزیر کا گوشت کھانا اسلام میں حرام ہے۔ حوالہ کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں: البقرہ ۱۷۳، المائدہ ۳، الانعام ۱۴۵، النحل ۱۱۵۔ موجودہ زمانہ کے عیسائی حضرات اگرچہ خنزیر کا گوشت عملاً استعمال کر رہے ہیں۔ مگر مذہبی حکم کے اعتبار سے ان کے یہاں بھی خنزیر کا گوشت ممنوعہ غذاؤں میں سے ہے۔ بائبل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں:۔

اور سور کو کیوں کہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ اور ان کی لاشوں کو نہ چھونا۔ وہ تمہارے لئے ناپاک ہیں (احبار ۱۱: ۷)

اور سور تمہارے لئے اس سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوئے ہیں۔ پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ تم نہ تو ان کا گوشت کھانا اور نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگانا (استثناء ۱۴: ۸)

حلال جانور گویا قدرت کے زندہ کارخانے ہیں۔ وہ انسان کے لئے پروٹینی خوراک فراہم کرنے کا قیمتی ذریعہ ہیں۔ یہ حیوانات غیر غذا (non-food) کو غذا (food) میں تبدیل کرتے ہیں۔

بکری گھاس کھاتی ہے اور اس کو دودھ اور گوشت میں تبدیل کرتی ہے۔ چڑیاں کیڑے مکوڑے کھاتی ہیں اور ان کو گوشت میں تبدیل کرتی ہیں۔ مچھلیاں پانی کے معمولی جانور کھاتی ہیں اور ان کو قیمتی سفید گوشت میں تبدیل کرتی ہیں۔

مگر خنزیر کے اندر یہ صلاحیت نہیں۔ خنزیر نہ گھاس کھاتا ہے اور نہ کیڑے کوڑے۔
اس کی خوراک گندگی ہے۔ اس کا گوشت گندگی سے بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خنزیر کے
کھانے کا اثر آدمی کے مزاج پر پڑتا ہے اور اس کا اخلاق بگڑ جاتا ہے۔
خنزیر بیماری کا سبب بھی ہے۔ کیوں کہ اپنی گندی خوراک کی وجہ سے وہ اکثر بہت
سی متعدی اور جراثیمی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے:

Pigs are subject to many infectious and parasitic diseases (10/1202)

موجودہ زمانہ میں خنزیر کو سائنٹفک فارموں میں رکھا جاتا ہے اور اس کو گندی خوراک
سے بچا کر دوسری خوراک کھلائی جاتی ہے۔ مگر واضح ہو کہ یہ دوسری خوراک "غیر غذا" نہیں
ہوتی بلکہ خود غذا ہوتی ہے۔ یعنی جو خوراک آدمی کھاتا ہے عین وہی خوراک نام نہاد
سائنٹفک فارموں میں خنزیر کو کھلائی جاتی ہے۔ گویا خنزیر غذا کو غذا میں تبدیل کرتا ہے،
جبکہ حلال جانوروں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ غیر غذا کو غذا میں تبدیل کرتے ہیں۔
خنزیر گھاس یا کیڑے کوڑے نہیں کھاتا۔ وہ غلّہ کھا کر اس کو گوشت میں تبدیل کرتا ہے۔
مگر یہاں بھی اس کا معاملہ دوسرے غذائی حیوانات سے مختلف ہے۔ اس کا تبدیل کیا ہوا
گوشت زیادہ تر چربی ہوتا ہے۔ اس کا بہت کم حصہ گوشت کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

فطرت کی خلاف ورزی

خنزیر کا لفظ اکثر زبانوں میں برا مفہوم رکھتا ہے۔
اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ خنزیر عام طور پر گندگی
کھاتا ہے۔ اس بنا پر اس کے نام کے ساتھ گندگی کا تصوّر وابستہ ہو گیا۔ انگریزی
میں کہتے ہیں: Pig turns man into a pig
یعنی سور (کا گوشت) آدمی کو بھی سور بنا دیتا ہے۔ ویبسٹر ڈکشنری میں لفظ پگ
کا چوتھا مفہوم حسب ذیل الفاظ میں لکھا ہوا ہے۔

A person regarded as acting or looking like a pig a greedy or a filthy person (colloq)

یعنی سور جیسا آدمی لالچی اور گندہ آدمی۔ فرانسیسی میں خنزیر کو کوشوں (cauchon)

کہتے ہیں۔ یہ لفظ فرانسیسی زبان میں پگ سے بھی زیادہ برے معنی رکھتا ہے۔

خنزیر کو گندہ خوراک سے بچانے کے لئے موجودہ زمانہ میں اعلیٰ قسم کے بڑے بڑے فارم بنائے گئے ہیں۔ پگ کیپنگ (Pig - Keeping) اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ پگ فارموں میں ان کے لیے خاص طور پر صاف ستھری غذاؤں کا انتظام کیا جاتا ہے اور دوسری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔

تاہم خنزیر کے فارم مغربی دنیا میں اب تنقید کا موضوع بن رہے ہیں۔ لندن کے اخبار گارجین (۲۹ مئی ۱۹۸۳) میں دو کالم کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے — کیا خنزیر ختم ہونے والے ہیں۔

Are Pigs doomed ?

مضمون نگار Ralph Whitlock نے دکھایا ہے کہ مغرب میں خنزیر کے جدید فارم اب دن بدن ناقابل برداشت ہوتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ خنزیر مضمون نگار کے الفاظ میں انسان کا مدمقابل (Competitor) ہے یعنی وہ وہی خوراک کھاتا ہے جو انسان کھاتا ہے۔ خنزیر نہ گھاس کھاتا ہے اور نہ گوشت۔ اس کو غلہ کی بنی ہوئی چیزیں (ڈبل روٹی وغیرہ) کھلانی پڑتی ہیں۔ مزید یہ کہ خنزیر بہت پیٹو جانور ہے۔ وہ غیر معمولی طور پر زیادہ غذا کھاتا ہے۔ چند خنزیر اگر کسی بیکری میں داخل ہو جائیں تو وہ وہاں کی تمام ڈبل روٹی اور پنیر کھا کر ختم کر دیں گے۔

موجودہ زمانہ میں خنزیر کی خوراک میں کفایت کی خاص کوشش کی جا رہی ہے۔ خنزیر کے فارموں میں کمپیوٹر کے ذریعہ ان کی خوراک پر کنٹرول کیا جاتا ہے تاکہ وہ ضرورت سے زیادہ نہ کھا سکیں۔ مگر ان ساری کوششوں کے بعد بھی خنزیر کا یہ حال ہے کہ اس کے لاشہ میں ایک پونڈ کا اضافہ کرنے کے لئے اس کو ۵ پونڈ خوراک کھلانی پڑتی ہے:

مضمون نگار کے الفاظ میں یہ خنزیر کی بنیادی کمزوری (Fundamental weakness) ہے۔ بکری اور گائے گھاس کو گوشت کی میں تبدیل کرتے ہیں۔ گویا جس چیز کو انسانی معدہ براہ راست ہضم نہیں کر سکتا اس کو خود کھا کر دودھ اور گوشت کی صورت دیتے ہیں اور

ہمارے لئے کھانے کے قابل بناتے ہیں۔ مگر خنزیر کے اندر یہ صلاحیت نہیں۔ وہ خود انسان کی غذا (ڈبل روٹی وغیرہ) کھاتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ۵ پونڈ انسانی غذا کھا کر صرف ایک پونڈ گوشت انسان کو واپس کرتا ہے۔ خنزیر صرف یہ کرتا ہے کہ سستی خوراک کو مہنگی خوراک بنا دے:

The pig can only translate a cheap food into an expensive one

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانہ کا سب سے بڑا مسئلہ آبادی کا انفجار ہے۔ حتی کہ وہ ایٹمی جنگ سے بھی زیادہ بڑا خطرہ ہے۔

The population explosion is a far greater threat than that of nuclear war.

زمین پر انسانی آبادی ہندسی نسبت (Geometrical Progression) سے بڑھ رہی ہے۔ ماہرین کے اندازہ کے مطابق ۲۰۱۵ میں دنیا کی موجودہ آبادی دگنا ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں خنزیر کا مستقبل، مضمون نگار کے نزدیک، اکیسویں صدی میں یہ نظر آتا ہے کہ ان کی بہت تھوڑی تعداد کو چھاچھ اور ٹکڑوں کی خوراک مل سکے گی۔ اور بقیہ تمام خنزیر غذائی اشیاء کی قلت کے سبب دوبارہ گندگی کھانے والے جانور (scavenger) بن کر رہ جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ خنزیر یا تو گندگی کھاتا ہے یا انسانی خوراک۔ خنزیر کو خدا نے اس لئے بنایا تھا کہ وہ گندگی کو اپنی خوراک بنا کر "صفائی کرم چاری" کا کام انجام دے۔ مگر انسان نے اس کو اپنی خوراک بنا لیا اور اس کی خاطر جدید طرز کے بڑے بڑے فارم بنائے۔ قدرت کے انتظام میں یہ مداخلت صرف اس قیمت پر ہوئی کہ انسان اپنی خوراک کا زیادہ حصہ اس کو کھلا کر اس سے اپنے لئے کم خوراک حاصل کرے۔

خدا نے اپنی دنیا میں جو نظام قائم کیا ہے، وہ صد درجہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں مختلف پہلوؤں کی مجموعی رعایت پائی جاتی ہے۔ یہ نظام اتنا کامل ہے کہ ایک جزء میں کوئی فرق کیا جائے تو دوسرے تمام اجزاء میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔

ایسی حالت میں انسان کے لئے واحد درست طریقہ یہ ہے کہ وہ قدرت کے نظام میں دخل اندازی سے بچے، وہ اس کی مکمل پیروی کرے۔ اگر آدمی نے قدرت کے اس نظام کو بدلنے کی کوشش کی تو وہ صرف اس قیمت پر ہوگا کہ اس کے بعد ماحول میں ایسی خرابی پیدا ہوجائے جس پر قابو پانا اس کے لئے ناممکن ہو۔

اخلاق پر اثر جانوروں کا گوشت سادہ طور پر محض ایک خوراک نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ اخلاقیات سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ بکری کا گوشت کھانے سے بکری والی صفات بنتی ہیں اور بھیڑیا کا گوشت کھانے سے بھیڑیا والی صفات۔ اسی طرح خنزیر کا گوشت بھی آدمی کے اندر مخصوص اخلاقی صفت پیدا کرتا ہے۔ یہ صفت انسانی زندگی کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ اس لئے اس کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

اس معاملہ کو سمجھنے کے لئے ایک تقابلی مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خنزیر کا گوشت زیادہ تر مغربی قوموں میں کھایا جاتا ہے۔ مشرقی قوموں میں بحیثیت خوراک اس کا رواج ناقابل ذکر حد تک کم ہے۔ مغربی قوموں میں خنزیر کی حیثیت ایک عام غذا کی ہے۔ اس کے برعکس مشرقی قوموں کی عام غذا غلہ، سبزی اور دودھ جیسی چیزیں ہیں۔ مشرق کی جن قوموں (مثلاً مسلمان) میں گوشت کھایا جاتا ہے۔ وہ صرف حلال گوشت ہے جس میں خنزیر کا گوشت شامل نہیں۔

اب دونوں قوموں کا اخلاقی حیثیت سے تقابل کیجئے۔ مشرقی قوموں میں مذہب اور روحانی علوم کا ارتقاء ہوا۔ دوسری طرف مغربی قوموں میں ایسے علوم کا ارتقاء نہ ہو سکا۔ ان کے درمیان زیادہ تر ٹیکنیکل علوم کو ترقی حاصل ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلال غذا آدمی کے اندر ذوق لطیف پیدا کرتی ہے اور حرام غذا ذوق کثیف پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

اسی طرح قدیم زمانہ میں زیادہ تر مشرقی قوموں کو سیاسی اور فوجی غلبہ حاصل تھا۔ موجودہ زمانہ میں غلبہ کی حیثیت زیادہ تر مغربی قوموں کو حاصل ہوگئی ہے۔ گہرائی کے ساتھ

دیکھئے تو مشرقی قوموں کے غلبہ کا زمانہ نسبتاً زیادہ پرامن نظر آئے گا۔ مشرقی قوموں نے کبھی اس بے رحمانہ درندگی کا ثبوت نہیں دیا جس کا نمونہ موجودہ مغربی قوموں میں دکھائی دیتا ہے۔

مغربی قوموں نے تاریخ کی سب سے زیادہ بھیانک لڑائیاں چھیڑی ہیں۔ انھوں نے مہلک ہتھیاروں کو پہلی بار انڈسٹری کی حیثیت دے دی۔ آج یہ لوگ عالمی سطح پر قوموں کو صرف اس لئے لڑاتے ہیں تاکہ یہ قومیں بھاری قیمت پر ان سے ہتھیار خریدیں اور ان کی وار انڈسٹری کامیابی کے ساتھ چلتی رہے۔ وغیرہ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلال غذا آدمی کے اندر پرامن نفسیات پیدا کرتی ہے، اور حرام غذا آدمی کے اندر تشدد کی نفسیات پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

بقیہ : اسلامی قانون میں ....

آئے گی کہ اس نے محض رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے اپنے قریبی رشتہ دار کے حق میں گواہی دی ہے، اس لئے ایسے دعوی کو بھی خارج کر دیا جاوے گا۔ اس کی سماعت نہیں کی جاوے گی۔

تو آپ نے دیکھ لیا کہ ان صورتوں میں دلیل شرعی موجود ہونے کے باوجود قرائن کو ترجیح دی گئی ہے۔[1]

ان مجبوریوں کی وجہ سے قرائن کے ساتھ فیصلوں کو درست فیصلہ کہا گیا ہے اور اس کو نافذ کرنا عین صواب بتایا گیا ہے۔

بقیہ : حروف مقطعات ....

مسئلے کے معقول حل کا ذریعہ بنا دے، اگر ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہیں تو اسی کی توفیق و ہدایت سے اور اگر ہم سے لغزش ہوئی تو ہمارے لئے یہی بس ہے کہ ہم نے اس مسئلے کو سمجھنے میں اپنی پوری توانائی صرف کر دی۔

مؤلف

بصرہ ـــــ ۱۹۷۹ء

باب الاستفسار والجواب

سجدۂ سہو ائمہ اربعہ کے نزدیک

مخدوم ومکرم! السلام علیکم:

میں جاننا چاہتا ہوں کہ سجدۂ سہو کے اسباب کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مسالک کی تفصیل کیا ہے۔ خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

عبدالحمید — دربھنگہ

مولانا رضوان الدین صاحب، استاذ حدیث وفقہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فرض اور واجب دو الگ الگ مستقل چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں کا استعمال ایک ہی معنی میں ہوتا ہے۔ البتہ حج کے باب میں یہ دونوں حضرات بھی اس قدر فرق کرتے ہیں کہ فرض کے ترک سے حج باطل ہوجاتا ہے، اور واجب کے ترک سے دم واجب ہوتا ہے۔

اسی بنا پر ان دونوں حضرات کے نزدیک افعال نماز میں واجبات کا کوئی خانہ نہیں، بلکہ وہ اعمال جو نماز میں مشروع ہیں ان کی صرف تین قسمیں ہیں، فرائض، سنن، مستحبات۔ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق اعمال مشروعہ فی الصلوۃ کی فرائض وارکان کے علاوہ دو قسمیں ہیں، اول سنن دوم فضائل یا مستحبات۔ پھر سنن کی دو قسم ہے۔ سنن مؤکدہ، سنن غیر مؤکدہ امام شافعیؒ نے بھی ارکان صلوۃ کے علاوہ کچھ سنن اور مستحبات کا ذکر کیا ہے، اور پھر سنن کی دو قسمیں اس طرح کی ہیں سنن الابعاض، سنن ھیئات۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک فرائض وارکان کے بعد کچھ چیزیں واجبات کی قبیل سے بھی ہیں۔ البتہ ان کی تعیین میں ان دونوں حضرات کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔

اسباب سجود السہو

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک حسب ذیل صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

(۱) کوئی واجب ترک ہوجائے (۲) کسی واجب میں تقدیم ہوجائے یا کیفیت بدل جائے۔

(۳) کسی واجب کے ادا کرنے میں تاخیر ہوجائے (۴) کسی فرض کے ادا کرنے میں تاخیر ہوجائے۔ (۵) فرض میں زیادتی ہوجائے۔ ان تمام صورتوں میں اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔

● (۲) مالکیہ کے مسلک میں درج ذیل چیزوں کی وجہ سے سجدہ سہو کیا جاتا ہے۔

اول: سنن موکدہ (جو آٹھ ہیں) میں سے کوئی سنت ترک کردینا یا اس کے متروک ہونے کا شک پایا جانا۔

دوم: کوئی ایسی فعلی زیادتی جو افعال صلوٰۃ کی جنس سے نہ ہو۔ جیسے سہواً اکل خفیف و مشی خفیف وغیرہ

سوم: ارکان صلوٰۃ میں سے کسی رکن کی زیادتی مثلاً رکوع وسجود کا تکرار یا رکعت کا اضافہ وغیرہ۔

چہارم: کوئی ایسی قولی زیادتی کردہ قول نماز کے فرائض میں سے ہو۔ مثلاً تکرار فاتحہ سہواً۔ اگر یہ قولِ زائد از قبیلِ فرائض نہ ہو تو سجدہ کی ضرورت نہیں۔ جیسے رباعی فرض کی آخیر دو رکعتوں میں سورہ پڑھ دینا۔

پنجم: مذکورہ زیادتیوں میں سے کسی زیادتی کا شک ہوجانا۔ مثلاً اگر یہ شک ہوجائے کہ تین رکعت ہوئی یا چار۔ تو ایسی صورت میں اقل پر (یعنی تین پر) بنا کرے اور سجدہ سہو کرے۔

● (۳) شافعیہ کے نزدیک اسباب سجدہ سہو چھ چیزیں ہیں۔

اول: سنن ابعاض میں سے کسی سنت کا ترک۔ خواہ یہ ترک سہواً ہو یا عمداً۔ عمداً کی صورت میں سجدہ سہو سے انجبار میں اختلاف ہے مگر قول اصح یہی ہے کہ اس کی بھی تلافی سجدہ سہو سے ہوجاوے گی۔

دوم: نماز کے اندر کسی شئی زائد کے پائے جانے کا شک۔ مثلاً عدد رکعات میں شک ہوجائے تو یقینی (یعنی اقل) پر بنا کرے اور سجدہ سہو کرے۔

سوم: سہواً کوئی ایسا عمل کرنا جس کا قصداً کرنا مبطل صلوٰۃ ہو۔ مثلاً قومہ اور جلسہ کو متعلقہ ذکر سے بقدر فاتحہ طویل کرنا۔ یا سہواً کلام قلیل کا پایا جانا۔

چہارم: رکن قولی غیر مبطل کو یا کسی سنت قولی کو اس کے محل سے منتقل کردینا جیسے سورۂ فاتحہ کا کل یا اکثر حصہ قعدہ میں دہرانا۔ یا رکوع میں سورہ کی تلاوت کرنا۔

البتہ اگر دعا قنوت اس کے محل سے نقل کرکے حالت اعتدال میں پڑھ دی تو سجدہ سہو کافی نہیں کیونکہ یہ غیر مبطل نہیں بلکہ مبطل ہے۔

پنجم: سنن الابعاض میں سے معین یا مبہم طور پر کسی سنت کے چھوٹ جانے کا شبہ ہو۔ مثلاً ترک قنوت کا شبہ ہو یا یہ شبہ ہو کہ دعائے قنوت اور درود شریف میں سے کوئی ایک چیز چھوٹ گئی ہے۔

ششم: ایسے امام کی اقتدا کرنا جس کی نماز میں مقتدی کے مسلک کے مطابق سجدہ سہو کا کوئی سبب موجود ہو۔ جیسے کسی شافعی المسلک نے کسی ایسے امام کی اقتدا کی جس نے نماز فجر میں دعائے قنوت چھوڑ دی۔ تو مقتدی کو چاہئے کہ امام کے سلام کے بعد سجدہ سہو کرلے۔

● (۴۰) حنابلہ سجدۂ سہو کے اسباب تین بتلاتے ہیں۔

اول: نماز میں کسی امر زائد کا سہواً پایا جانا۔ پھر اس زیادتی کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ فعلی زیادتی۔ جیسے رکوع، قیام، قعود وغیرہ کو مکرر کردینا۔

۲۔ غیر محل میں قولی زیادتی۔ جیسے تشہد کے ساتھ سورۂ فاتحہ یا فاتحہ کے ساتھ تشہد پڑھ دینا ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں سجدہ کرنا واجب ہے اور دوسری صورت میں سجدہ مندوب ہے۔

دوم: سہواً نقص فی الصلوٰۃ، یعنی واجبات نماز میں سے کسی واجب کو واجب جانتے ہوئے قصداً ترک کردے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر بھول یا جہل کی وجہ سے ایسا ہو تو سجدہ واجب ہوگا اور نماز مکمل ہو جاوے گی۔ رکوع، سجدہ، قرأت فاتحہ وغیرہ میں سے (یعنی ارکان نماز میں سے) اگر کچھ چھوٹ جائے تو جب یاد آئے فوراً اس کو ادا کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

سوم: شک فی الصلوٰۃ۔ یعنی عدد رکعات یا کسی رکن کے کرنے نہ کرنے میں شک۔ اگر کسی واجب کے ترک میں اس قسم کا شبہ پیدا ہو جائے تو اس سجدۂ سہو کی کوئی ضرورت نہیں۔

نوٹ: اسباب مذکورۂ ثلاثہ میں سے اگر کوئی سبب نماز کے افعال میں متحقق ہو اور قصداً ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور اگر سہواً ہو تو سجدہ سہو سے نماز درست ہو جائے گی۔ (بقیہ صفحہ ۴۶)

نئی کتابیں

علامہ بدرالدین عینی اور علم حدیث میں ان کا مقام

از مولانا عبداللہ صاحب رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات صفحات ۱۹۲ کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۲۵ روپئے، ناشر: مکتبہ سعدیہ ترکیسر — سورت — گجرات

بخاری شریف کی یوں بیشمار شرحیں لکھی گئی ہیں مگر ان میں چار حضرات بہت زیادہ ممتاز شمار ہوتے ہیں ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور علامہ بدرالدین عینی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، حافظ ابن حجر کی حیات اور ان کے علمی کارناموں پر کئی کتابیں عربی زبان میں لکھی جاچکی ہیں البتہ علامہ عینی پر اب تک کوئی مفصل کتاب سامنے نہیں آئی تھی ایک عرب نوجوان شیخ صالح یوسف معتوق نے اپنے ایم اے کے مقالہ کیلئے یہی موضوع منتخب کیا تھا اور "بدرالدین عینی واثرہ فی الحدیث" کے عنوان سے انہوں نے اپنا قیمتی مقالہ پیش کیا جسے نظر ثانی کے بعد جامعہ ام القریٰ نے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔

یہ مقالہ ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے محترم مولانا عبداللہ صاحب نے اسے اردو کا صاف شفاف جامہ پہنا دیا کتاب میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں اور ہر باب میں کئی کئی فصلیں ہیں مقدمہ میں علامہ عینی کے عہد کی سیاسی و علمی سرگرمیوں کا ذکر ہے پھر باب اول کی فصل اول ان کے حالات زندگی اور تعلیم و تربیت پر مشتمل ہے اور فصل ثانی میں علامہ عینی کی مطبوعہ اور مخطوطہ تصنیفات کے ناموں کی تفصیل ہے فصل ثالث میں ان کے اساتذہ و شیوخ کا ذکر ہے اور فصل رابعہ میں معاصرین سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے، باب ثانی میں دو فصلیں ہیں فصل اول میں ان کی تصانیف پر تفصیلی گفتگو ہے خاص طور پر ان کی شرح بخاری کی خصوصیات اور فتح الباری کے مقابلہ میں اس کے امتیازات پر روشنی ڈالی گئی ہے البتہ یہ بحث کہ عینی کی شرح فتح الباری سے ماخوذ ہے ذرا تشنہ محسوس ہوئی۔

بہرحال کتاب مواد اور اسلوب بیان دونوں کے اعتبار سے ہر طرح قابل قدر ہے مولانا عبداللہ صاحب نے اس کا ترجمہ کرکے ایک مفید علمی کام انجام دیا ہے اور وہ اہل علم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں بہتر ہوتا کہ آئندہ ایڈیشن میں جسے انہوں نے ترجمہ میں چھوڑ دیئے ہیں اسے بھی شامل کر لیتے۔

جدید تاجیکی شعراء

از: کبیر احمد جائسی، صفحات ۲۴۰، کتابت و طباعت عمدہ،

ناشر :- ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قیمت درج نہیں۔

کبیر احمد جائسی صاحب کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو فارسی اور اس سے ملتی جلتی زبانوں کے رمز شناس مانے جاتے ہیں۔ تاجیکستان گو روس کا حصہ شمار ہوتا ہے مگر تاجیکی زبان فارسی ہی کا چربہ ہے گو روسی زبان کے اثرات بھی اسمیں محسوس ہوتے ہیں۔

کبیر احمد جائسی صاحب نے اس زبان کے کچھ ممتاز شاعروں مرزا تورسن زادہ۔ میر سید میر شکر حبیب یوسفی سمرقندی، عبدالسلام دیہاتی، محی الدین امین زادہ باقی رقم زادہ کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ گو ان شعرائے کے تمام کلام تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی مگر پھر بھی جتنا کلام میسر آیا ہے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ شعراء زیادہ تر کمیونسٹ انقلاب کے بعد کی پیداوار ہیں اسلئے ان کی شاعری پر اس کے بھرپور اثرات ہیں۔ ان کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں۔

"سوشلسٹ حقیقت نگاری کا نظریہ اپنانے کے بعد ۱۹۲۹ء تک تاجیکستان میں جو ادب منظر عام پر آیا اس کے سارے نمونے ہماری دسترس میں نہیں ہیں اس عہد کے ادب کے بارے میں ہماری معلومات کا ذریعہ صرف ایک چیک ناقد یرژی بیچکا کا وہ طول وطویل مقالہ ہے جو یان ریپکا کی کتاب "تاریخ ادبیات فارسی" کے ایک باب کے طور پر مذکورہ کتاب میں شامل ہے یرژی بیچکا کی تحریر کے علاوہ فارسی یا انگریزی میں ایسی کوئی تحریر ہماری نظر سے نہیں گذری جسمیں انقلاب بخارا کے بعد کے ادب یعنی سودیتی تاجیکی ادب کا جائزہ لیا گیا ہو اس لئے ہم یرژی بیچکا کی تحریر پر اعتبار کرتے ہوئے انہیں کے پیش کردہ نکات کی روشنی میں سودیتی تاجیکی ادبیات کے عہد زیر بحث کے خصائص پر ایک طائرانہ نظر ڈال رہے ہیں"

بہرحال اس کتاب کے ذریعہ کبیر احمد جائسی صاحب نے اردو زبان کے ذخیرہ میں ایک اچھا علمی اضافہ کیا ہے۔

بقیہ :- باب الاستفسار والجواب

اور اگر ان اسباب میں کوئی ایک سبب نماز کے اقوال[1] میں پایا جائے تو خواہ عمداً پایا جائے خواہ سہواً دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو سے نماز مکمل ہو جائے گی[2]۔

---

[1] یعنی دعائیں اور تسبیحات وغیرہ نماز میں پڑھی جاتی ہیں ۔

[2] ماخوذ از الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۴۴۳ و روضۃ الطالبین للنووی ج ۱ ص ۳۱۰ و المغنی ج ۲ ص ۲ و مقدمہ ابن رشد ص ۱۹۵

نئے موصولہ کتابیں

۱ سیرت خاتم النبیین ازا مولانا ڈاکٹر ماجد علی خاں صاحب، جامعہ ملیہ دہلی

۲ کتابیات فراہی ازا ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب علی گڑھ

۳ عقیدہ اہل سنت والجماعت ازا شیخ محمد بن صالح بن عثیمین ترجمہ سعید احمد ابن مولانا قمر الزماں صاحب

۴ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد ازا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

۵ خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت " " " " " " " "

۶ طرائف مقتطفات من کتابات ... ...

الاستاد وحید الدین خاں ازا عبد الرزاق اللطیفی دہلی

۷ رمضان اور جدید مسائل ازا مولانا محمد شعیب صاحب مفتاحی بنگلور

۸ رحم مادر میں کیا ہے؟ " " " " " " " "

۹ دعائے سری و جہری پر محققانہ نظر " " " " " " " "

۱۰ جدید علم کلام ازا مولانا شہاب الدین ندوی بنگلور

محترم مرتب الرشاد مدظلہٗ کی وہ کتابیں جو دار التالیف الترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) **اہل دل کی باتیں** یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی مدظلہٗ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۵۰/ ر

(۲) **اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم** اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۶/۱۰

(۳) **قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت** اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵۰/

۴۔ **خطبۂ نکاح** جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۱۰/ ہے،

(۵) **مسئلہ کفاءت** شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵۰/ ہے۔

(۶) **جہیز کی شرعی حیثیت** اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵۰/ ہے۔ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو نہایت پُر اثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی شخصوں کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف ۱۰ر

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرہ کار اور اس میں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافے کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک کی آیات رحم، نماز اور خشوع، تواضع، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے۔ قیمت ۵۰ر

یہ آخری کتابچہ اور ریاض الحدیث کے نام سے حدیث کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے قیمت ۲۰ روپے

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد، رشاد نگر، اعظم گڑھ

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم | کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد للہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہوکر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کردیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کردیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑگئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کردیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہوسکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہوگئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کردی گئی ہے یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ۵۵/- دوم ۶۵/-

۲۔ اسلامی قانون اجرت | اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ: تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی، ۱۱۰۰۰۶

۳۔ تبع تابعین | اس کتاب میں انیس ۱۹ اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے جس میں امام ابویوسفؒ امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت: ۲۵/-

۴۔ اہل کتاب صحابہؓ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے ۹۳ صحابہ، صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور بعد مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں، قیمت ۱۵؍

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔

قیمت: چالیس روپے

۶۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔

قیمت: ۲۵؍

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: ۱۵؍

۸۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی ہے، قیمت: ۲۰؍

□ شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد شاہ نگر اعظم گڑھ

جامعۃ الرشاد
ایک نظر میں

محترم حضرات!

جامعۃ الرشاد محض ایک عربی درسگاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے۔ یہاں دینی علوم کی معیاری تعلیم کے ساتھ بقدر ضرورت جدید علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بے بہرہ نہیں رہتے۔ گویا یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہے، اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ یہ ادارہ بہت سے ملی کاموں کا بھی مرکز ہے نہ صرف ضلع بلکہ مشرقی اضلاع میں اس وقت جتنے ملی کام ہو رہے ہیں ان کا مرکز یہی ہے۔

تعلیم و تربیت

(۱) صرف و نحو اور عربی ادب و انشاء پر شروع سے زور دیا جاتا ہے تاکہ طلباء کو عربی تقریر و تحریر پر پوری قدرت ہو جائے۔

(۲) فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر کی معیاری تعلیم تیسرے درجہ تک جاری رہتی ہے۔ یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ تعلق پیدا کرنے کے لئے عربی درجات سے پہلے ابتدائی تین سالوں میں ہر طالب علم کو سورۂ حجرات سے ختم قرآن تک مع تجوید حفظ کرنا ضروری ہے (۴) جامعۃ الرشاد کا نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم و تربیت اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے تفصیل کے لئے مقاصد، خصوصیات اور نصاب تعلیم اور "جامعۃ الرشاد اکابر کی نظر میں" والے کتابچوں کا مطالعہ کریں۔

(۵) معیاری تعلیم کے ساتھ بچوں میں زیادہ سے زیادہ علم دین کا ذوق، عمل کا جذبہ، اسلامی اخلاق و کردار، ایمان و یقین کی کیفیت اور دعوتِ دین اور اتباع سنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ

DEC.
1991

ماہنامہ

جامعۃ

الرشاد

مرتبہ

مجیب اللہ ندوی

...لیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد - اعظم گڈھ یوپی

سالانہ چندہ غیر ممالک سے پندرہ ڈالر امریکی 15/= $	جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ ہندوستان سے =/45 خصوصی معاون =/100 قیمت فی پرچہ =/5
شمارہ ۴	دسمبر ۱۹۹۱ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ	جلد ۱۸

فہرست مضامین

۱. رشحات	مرتب	۲
۲. عاقلہ کا نظام دورِ حاضرہ میں	جناب ڈاکٹر عبدالمالک صاحب لاہور	۹
۳. پارلیمنٹ اور اجتہاد	" ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب پاکستان	۲۵
۴. حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	ماخوذ از ماہنامہ "دارالسلام"	۳۷
۵. اقدامِ امت کانفرنس	مرتب	۳۹
۶. استدراک	"	۴۱
۷. الرشاد کی ڈاک	"	۴۶

مجلسِ ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشحات

۲۳،۲۴ر نومبر ۱۹۸۶ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان اور خصوصی مدعوین کا جلسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے انصاری ایڈوٹوریم ہال میں ہوا جس میں تقریباً ملک کے ہر صوبے کے نمائندے شریک تھے اس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو پہلے سے بورڈ کے صدر تھے کا دوبارہ صدارت کے لئے انتخاب ہوا اور ساتھ ہی ۴۱ رافراد پر مشتمل نئی مجلس عاملہ منتخب ہوئی، ۲۴ر کو مغرب بعد اردو پارک جامع مسجد میں اس کی طرف سے جلسۂ عام کا پروگرام ہوا جو بہت کامیاب رہا۔

شروع سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے جلسوں اور کاموں کے روح رواں مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ ہوا کرتے تھے، یہ بورڈ کا پہلا اجلاس عام تھا جس میں مولانا رحمانی اس کے درمیان موجود نہیں تھے۔ ان کی کمی شدت سے محسوس کی گئی اس کمی کو بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا نظام الدین صاحب اور سکریٹری ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب قریشی اور قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمی نے پورا کرنے کی کوشش کی اور حقیقت تو یہ ہے کہ بورڈ کی دو دن کی پوری کارروائی کے روح رواں قاضی مجاہدالاسلام صاحب ہی تھے، مسائل اور تجویزوں میں جو الجھاؤ پیدا ہوئے ان سب کو انہوں نے بڑے سنجیدہ انداز میں شرکاء کو سمجھانے، سلجھانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ قاضی صاحب بورڈ کے ابتدائے قیام ہی سے اس کے تاسیسی ممبر رہے ہیں مگر انہوں نے اب تک اس کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا، مگر احساس ذمہ داری کے جذبہ کے تحت جلسہ کی کارروائی ہو یا پورے ملک میں دورے کا پروگرام اس میں انہوں نے ہمیشہ نمایاں حصہ لیا یہ جذبہ ہم سب کے لئے قابل تقلید ہے ورنہ عام طور پر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم عہدہ کا اعزاز تو ضرور چاہتے ہیں مگر عہدہ لے کر بھی اس کی ذمہ داریوں سے بہت کم عہدہ برا ہو پاتے ہیں۔

۲۳ر کو ۹½ بجے صبح مجلس عاملہ کے اجلاس کے بعد ۱۱½ بجے سے افتتاحی اجلاس شروع ہوا جو

۲ بجے دن تک چلتا رہا۔ اس کے بعد دوسرا اجلاس مغرب بعد شروع ہوا جو تقریباً ۹ بجے ختم ہوا۔
۲۴ کو ۹½ بجے سے نئی مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا پھر ۱۲ بجے سے ارکان اور مدعوین کا مشترک جلسہ ہوا جسمیں تعزیت کی تجویزوں کے بعد دو اہم تجویزیں پاس ہوئیں ایک بابری مسجد کے سلسلہ میں دوسری اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں۔

بابری مسجد کی تجویز سید احمد ہاشمی صاحب نے پیش کی اور تائید معروف شیعہ عالم کلب صادق صاحب نے کی۔ تائید میں کلب صادق صاحب نے جو چند حسین جملے کہے اس سے پورے مجمع پر تاثر کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگئی اور پھر یہ کہہ کر کہ زندوں کے ساتھ تو جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو ہو ہی رہا ہے اب تو ہمارے مردوں کے قبرستان بھی اکھاڑے جا رہے ہیں، پھر برمحل یہ شعر پڑھا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ۔۔۔ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

تو مجمع پر ایک وجد سا طاری ہوگیا۔

دوسری اہم تجویز اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں پاس ہوئی اس کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انتہائی جدوجہد اور پتہ ماری چاہتا ہے یہ صرف تجویزوں کے پاس کرنے یا جلسہ میں تقریر کر دینے سے پورا نہیں ہو سکتا اس کے لئے ضرورت ہے کہ ایک ایک شہر ایک ایک محلہ ایک ایک بستی میں پہونچا جائے اور دین کے تقاضے کے ساتھ ہندوستان کے حالات کا احساس دلا کر ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ شادی بیاہ میں فضول خرچیاں اور غلط رسم ورواج بند کر دیں، دولت کو اللہ کی امانت سمجھیں، بارات پر پابندی عائد کریں، اپنے معاشرتی اور معاملاتی مقدمات اپنی پنچائت سے طے کریں، طلاق وغیرہ کی بے اصولیاں ختم کی جائیں، وغیرہ وغیرہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں بٹھائی جائے کہ اپنے لڑکے اور لڑکی سے سب کو محبت ہوتی ہے آپ ان کے ساتھ زندگی بھر سلوک کرتے رہیں ان کے نام سے کوئی رقم جمع کر دیں مگر بڑی بڑی بارات لیجانے، بے ضرورت روشنی اور جہیز کے بڑے بڑے مطالبوں اور اس کے لینے دینے کی فضول خرچیوں کو یکسر موقوف کر دیں، اس کی وجہ سے معاشرہ میں

کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ اسلام جس طرح کی سادہ معاشرتی زندگی چاہتا ہے یہ اس کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ کے حضور ہم سے اس کی باز پرس ہوگی زندگی کے دوسرے کاموں کی طرح شادی بیاہ کے لئے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنت اور صحابۂ کرام ہمارے لئے اسوہ چھوڑ گئے ہیں، اس کو اپنا شعار نہ بنا کر ہم ہندو معاشرے کے رسم و رواج کو شعار بنائے ہوئے ہیں۔

دوسرے اس سے غریب ماں باپ کے بچے اور بچیوں کی شادی میں دقت پیدا ہوتی ہے جب ایک مالدار گھر کی کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو دسیوں خاندان اور پڑوس کی غریب لڑکیاں تنہائی میں آنسو بہاتی ہیں اور ماں باپ اپنی مجبوری کا دل میں جانکاہ نوحہ پڑھتے ہیں۔

تیسرے ملت کے بہت سے اہم کام اس کی وجہ سے نظر انداز ہو جاتے ہیں اور بہت سے دینی کام اس کی وجہ سے موخر ہو جاتے ہیں، حتی کہ کتنے لوگ اس کی وجہ سے زکوٰۃ اور حج کے فرض کی ادائیگی سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ چوتھے مسلم اور غیر مسلم معاشرہ میں جو فرق ہے اس کو اپنے طرز عمل سے ظاہر کرنے کی جو دینی و اخلاقی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اس کو نظر انداز کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی اس مسئولیت کو برابر بڑھا رہے ہیں کہ ہم نے اسلام کی غلط نمائندگی کی غیر مسلم معاشرہ اس کی وجہ سے بڑی بے چینی محسوس کر رہا ہے

مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مشترکہ پلیٹ فارم ہے اس کی طرف سے اس اہم کام کی تحریک یقیناً نیک فال ثابت ہوگی بشرطیکہ یہ کام گہرے دینی احساس کے ساتھ انجام دیا جائے، اسے کسی سیاست گردی اور وجاہت طلبی کا ذریعہ نہ بنا دیا جائے۔ یہ کام اس لئے بھی انتہائی ضروری ہے کہ اگر ہمارا معاشرہ اس پر عمل نہ کرے تو پورے مسلم پرسنل لا کو قانونی حیثیت مل بھی جائے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا جیسا کہ فوجداری دفعہ ۱۲۵ میں ترمیم ہونے کے باوجود مسلمان آج بھی دفعہ ۱۲۵ کے تحت سیکڑوں مقدمے کچہریوں میں داخل کئے ہوئے ہیں۔

---

۲۴ نومبر کو جامع مسجد کے سامنے اردو پارک میں جو جلسۂ عام ہوا وہ کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے امتیازی جلسہ تھا یعنی اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی اور تقریریں بھی بڑی پر اثر ہوئیں، خاص طور پر محترم صدر کے خطبہ کے بعد محترم قاضی مجاہد الاسلام کی اتحاد ملت پر جو تقریر ہوئی اسی موضوع کو سارے مقررین نے اپنایا،

قاضی صاحب نے قرآن پاک کی یہ آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہدایت ہم کو کفار کے بتوں اور بزرگوں کے بارے میں دی گئی ہے مگر افسوس ہے کہ آج یہ بات ہم کو مسلمانوں سے کہنی پڑتی ہے اس تقریر اور آیت کی تشریح سے کلب صادق صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ میں ملک کے باہر اور اندر کے شیعہ علمار سے یہ فتویٰ منگاؤں گا کہ کسی دوسرے کے بزرگوں کو برا بھلا نہ کہا جائے ظاہر ہے کہ یہ بڑی خوش آئند بات ہوگی۔

اس سے پہلے ستمبر میں جو مجلس عاملہ کا جلسہ ہوا تھا اس میں راقم الحروف نے اصلاح معاشرہ کے ساتھ دو مزید باتیں عرض کی تھیں ایک یہ کہ مسلم پرسنل لار بورڈ جیسے اہم ادارہ کا دلی میں ایک آفس ہونا چاہیے دوسرے یہ تجویز بار بار ذمہ داروں کے سامنے رکھی گئی کہ آزادی کے بعد جس جس حیثیت سے مسلم پرسنل لا مجروح ہوا ہے اس کی ایک فہرست بنالی جائے اور ایک ایک مسئلہ پر احتجاج کرنے کے بجائے پورے مسلم پرسنل لا کو محفوظ کرنے کا ہم کو مطالبہ کرنا چاہیئے۔ بحمداللہ پہلی بات کے بارے میں بورڈ نے طے کرلیا ہے کہ اس کا ایک وسیع آفس قائم کیا جائے گا، خدا کرے دوسری بات بھی عملی صورت اختیار کرلے یہ بھی انتہائی ضروری ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کی میٹنگ سے ایک دن پہلے کچھ علمار نے اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے ایک میٹنگ بلائی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہو رہی ہے اس کی روشنی میں شرعی نقطۂ نظر سے ہندوستان کی حیثیت دار الحرب قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں، یہ میٹنگ صلاح الدین اویسی صاحب کے مکان اشوک روڈ پر بلائی گئی تھی جس میں مرادآباد بستی اور اعظم گڑھ کے علمار شریک ہوئے، علمار کے علاوہ اعظم خاں، برق صاحب اور ظفریاب جیلانی صاحبان بھی شریک تھے بحث و مباحثہ کے بعد تین عالموں مولانا اویس صاحب نائب ناظم مدرسہ اشرفیہ مبارکپور، مولانا انیس احمد صاحب اور راقم الحروف پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی گئی جو مشورے سے ایک فتویٰ مرتب کرے گی اور اسے سارے ہندوستان کے علمار کو بھیجا

جائے گا، یہ بات تو طے ہے کہ ابھی ہندوستان پر دارالحرب کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ انگریزوں کے زمانہ میں ہمارے اکثر علماء نے جو اسے دارالامن قرار دیا تھا، مگر آزادی کے بعد مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو پر جس طرح ہندو فرقہ پرست ایڈمنسٹریشن ڈاکے ڈال رہا ہے اس کے بعد اسے اب دارالامن بھی قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں: امید ہے کہ دس دسمبر کو اس پر کوئی آخری فیصلہ کیا جاسکے۔

یوپی گورنمنٹ بجٹ سیشن سے پہلے یہ بل لانے کی فکر میں ہے کہ ایک سے زائد شادی کرنے والوں کو گورنمنٹ کی ساری مراعات سے محروم کردیا جائے اس بل پر "نوبھارت ٹائمس" نے جو اداریہ لکھا ہے وہ ہمارے لئے بہت قابل غور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

> بی جے پی گورنمنٹ کو بابری مسجد کو گرا کر مندر تعمیر کرنے کے سلسلہ میں جو ناکامی ہوئی ہے اس کی شرمندگی مٹانے کے لئے وہ ایک سے زیادہ شادی کرنے پر پابندی کا بل لانا چاہتی ہے، حالانکہ دو شادیاں کرنے والوں کی تعداد دس پانچ ہزار سے زیادہ نہیں ہے جنہیں ۷۰ فیصد ہندو ہیں مگر وہ بل اس لئے لارہی ہے کہ مسلمان اس پر شور مچائیں گے کہ یہ شریعت کے خلاف ہے، اس طرح وہ ہندوؤں میں اپنی مقبولیت کو یہ کہہ کر بڑھا سکے گی کہ ہم نے اسلامی شریعت کو پامال کرنے کا ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔

یہ بل اگر آتا ہے تو مسلمانوں کو اس کی مخالفت تو بہرحال کرنی ہے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ہے کہ بی جے پی اس سے وہ سیاسی فائدہ نہ اٹھا سکے جس کی طرف ایک ہندو جرنلسٹ نے اشارہ کیا ہے۔ (۲۵ر نومبر ۱۹۹۱ء)

آزادی کے بعد یوں تو ہر ہندو مسلم فساد اپنے پچھلے ہونے والے فساد کو توڑتا رہا ہے، مگر بنارس کا حالیہ فساد ہندو مسلم فساد نہیں تھا بلکہ یہ مسلمانوں کے خلاف پولیس ایکشن تھا جسمیں کرفیو لگا کر تلاشی کے نام پر ظلم وجور کی کوئی ایسی صورت باقی نہیں چھوڑی گئی جسے روا نہ رکھا گیا ہو، ڈیڑھ سو مکانوں کے تالے اور دکانیں توڑے گئے اور کئی سو معصوم آدمیوں کے ہاتھ پیر توڑ ڈالے گئے اور ان پر مختلف دفعات لگا کر گرفتار بھی کیا گیا اور اکثر

انیس احمد جیسے شریف و مقبول شہری اور دوسرے مسلمانوں کو جس بے دردی سے شہید کیا گیا وہ آزادی کے بعد کی تاریخ کا بھیانک ترین واقعہ ہے اور بنارس کے نالائق ایڈمنسٹریشن نے ڈاکٹر انیس کی بے گور کفن نعش کو خاندان والوں کو نہ دے کر زبردستی خاندانی قبرستان کے بجائے بجرڈیہہ کے قبرستان میں دفن کر کے اپنی درندگی کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ کبھی بھلایا نہ جائے گا" ان واقعات کو سن کر آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔!!

اللّٰھمّ اشکو بثی وحزنی الیک ہ

اللہ تعالیٰ زیادہ دنوں تک ظلم کو برداشت نہیں کرتا وہ اس کا انتقام کبھی بڑے پیمانہ پر ضرور لے گا اور چھوٹے پیمانہ پر لیتا بھی رہتا ہے لیکن دل و دماغ پر شرک کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں اس کی وجہ سے ظالم اس کا احساس نہیں کر پا رہے ہیں۔

حکومت اور اس کے ایڈمنسٹریشن کا طرز عمل تو ہمیشہ یہی رہا ہے اور آئندہ حالات اس سے بھی زیادہ سنگین ہو سکتے ہیں مگر سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ عام مسلمانوں کے دل و دماغ میں انسانی بھائی چارہ کی کوئی بات تو آتی ہی نہیں مگر یہ بات بھی ان کے ذہن میں بالکل نہیں آتی کہ یہ واقعات ہر جگہ اور ہر آن پیش آ سکتے ہیں کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس وقت بنارس میں مسلمانوں کے خلاف ظلم و جور کا یہ بازار گرم تھا اسی وقت ہمارے ضلع میں مسلمانوں کے شادی بیاہ کی ساری فضول خرچیاں بلکہ رنگ رلیاں جاری تھیں ایک ایک بارات میں سو سے لے کر تین تین چار چار سو باراتی شریک ہو رہے تھے اور وہ سب کچھ ہو رہا تھا جو اس وقت ہندو معاشرہ میں ہوتا ہے۔ ہمارے ضلع میں مسلمانوں کے اندر اس وقت سنگاپور، ملیشیا اور عرب ملکوں میں پہونچ جانے کی وجہ سے یا کاروباری پھیلاؤ کی وجہ سے جو تھوڑی سی خوشحالی آئی ہے۔ اس کی بہت زیادہ پائیدار بنیادیں نہیں ہیں۔ مگر ہم چند ہزار اور چند لاکھ میں بے قابو ہو جاتے ہیں ابھی چند مہینے پہلے خلیج کی جنگ کے نتیجہ میں بے شمار لوگوں کو دن میں تارے نظر آنے لگے تھے اور آج بھی ضلع کے بیشتر حصہ کی کاروباری حالت خراب ہونے کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں اس سے پہلے برما کے انقلاب کے وقت یہ ہو چکا ہے

کہ لاکھوں سے کھیلنے والے دانے دانے کے محتاج ہوگئے مگر ہیں اس کا کوئی احساس نہیں ہے، اس وقت معاشرہ کے افراد کے اوپر کسی کی کوئی گرفت باقی نہیں رہ گئی ہے، ان پر گرفت دو تین طریقوں سے ہو سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ وہ موجود نہیں ہے اس لئے جس کا جو جی چاہتا ہے وہ کر ڈالتا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں خود دینی احساس پیدا ہو جائے دوسرے یہ کہ اس وقت پورے ہندستان میں مسلمانوں کے لئے دن بدن جو حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں اس کا احساس پیدا ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ ان پر معاشرہ کا اجتماعی دباؤ ہو جیسا کہ غازیپور کے کسار کے علاقہ کے مسلمانوں نے ۱۰ گاؤں کے اندر شادی بیاہ اور معاشرہ کی دوسری خرابیوں کے سلسلہ میں پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور ماشاء اللہ وہ کامیاب بھی ہیں، اسی طرح جن برادریوں میں اب بھی برادری کی گرفت باقی ہے وہ کچھ اصلاحات کر رہی ہیں، ضرورت ہے کہ اس دائرہ کو اور زیادہ وسیع کیا جائے بلکہ اس کے لئے مہم چلائی جائے۔ مسلم پرسنل لا کی تجویز میں علماء سے یہ اپیل کی گئی ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ میں اس کی کوشش کریں اور جہاں شادی بیاہ میں غیر شرعی بات دیکھیں وہاں نہ شریک ہوں اور نہ نکاح پڑھائیں، بلکہ اپنی بیزاری کا برملا اظہار کریں مسرفانہ کاموں میں علماء کی شرکت نے عوام و خواص اور مالداروں کو اور زیادہ جری بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان باتوں کو لوگوں کے دلوں میں اتار دے۔ آمین۔

ایک طرف ہم اصلاح معاشرہ کی بات کر رہے ہیں دوسری طرف ایک دینی جماعت کی طرف سے ویڈیو فلم اور ٹی وی پر کیسٹ دکھانے کی نہ صرف پوری ہمت افزائی کی جا رہی ہے جس میں محرم اور نامحرم سب کی تمیز اٹھا دی گئی ہے بلکہ ان حضرات نے فتویٰ کا منصب سنبھال کر علی الاعلان فتویٰ دینا بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف جانے کی بدترین مثال ہے۔

عاقلہ کا نظام دورِ حاضرہ میں

جناب ڈاکٹر عبد المالک عرفانی

امام غزالی کہتے ہیں کہ مقاصد شرع پانچ ہیں، لوگوں کے دین کی حفاظت، ان کے نفوس، عقول نسلوں اور اموال کی حفاظت۔ (المستصفیٰ : جلد ا صفحہ ۲۸۶) نفوس کے تحفظ کے لیے قانون قصاص وضع کیا گیا ہے۔ قانونِ قصاص اسلام کے ان تصورات میں شامل ہے، جو معاشرے کے متعدد پہلوؤں تک وسعت پذیر ہیں۔

اسلامی شریعت اس لحاظ سے تمام نظام ہائے قوانین میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں قتل کے مجرم کو سزا دینا ہی کافی تصور نہیں کیا گیا، مقتول کے ورثاء کو جو مالی اور جذباتی دھچکا لگتا ہے، اس کی تلافی کی بھی ایک حد تک کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ قتل کے معاملے میں مقتول کے وارثوں کو قصاص لینے پر اصرار کرنے یا بدل صلح وصول کر کے معاف کرنے یا مکمل طور پر معاف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اگر کسی وجہ سے قصاص نہ لیا جا سکتا ہو تو مجرم ایک خطیر رقم بطور دیت ادا کرے گا۔

اگر مجرم نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا، بلکہ محض ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے ایسا طریقہ یا آلہ استعمال کیا جس سے عموماً انسان مرتا نہیں، لیکن مضروب مر گیا (اسے قتل شبہ عمد کہتے ہیں)، یا غلطی سے مجرم کے ہاتھوں (قتل بالخطاء) یا اس کے ذریعے ان جانے میں کوئی قتل ہو گیا (قتل بالسبب)، تو مقتول کے وارثوں کو دیت کی رقم ادا کی جائے۔ چونکہ مجرم نے قتل بالارادہ اور مجرمانہ قصد سے نہیں کیا، اس لئے اس کی عاقلہ سے یہ رقم وصول کی جائے گی۔

ہمارے ملک میں جدید نظام قانون، خصوصاً انگریزی کے قانون عامہ (کامن لاء) کے

تصورات ہمارے قانون دانوں کے ذہنوں پر سوار ہیں اس لئے عاقلہ کا تصور اول تو ان کے پلے ہی نہیں پڑتا، اور اگر اسے بادل نخواستہ قبول کریں تو عاقلہ کی روح (اسپرٹ) کو پیش نظر رکھے بغیر اس کی تفاصیل طے کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے جس امر کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دیت بنیادی طور پر نہ تو سزا ہے اور نہ ہی معاوضہ ہے، بلکہ اس کے عناصر ترکیبی میں سزا اور معاوضہ دونوں شامل ہیں۔

پاکستان کے مخصوص ماحول میں نفاذ اسلام کے عمل میں سب سے بڑی الجھن اور مشکل یہ درپیش ہے کہ جو علماء اسلامی قانون کے ماہر ہیں وہ جدید قانون سے ناواقف ہیں اور جو لوگ جدید قانون کے ماہر ہیں وہ اسلامی قانون سے ناواقف ہیں۔ نفاذِ اسلام کے سلسلے میں وضع قوانین کا کام انہی دونوں کے ذریعہ انجام پا رہا ہے جو لوگ دونوں نظام ہائے قانون سے واقف ہیں، انہیں قانون سازی کے عمل میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے جو اسلامی قوانین وضع کئے جاتے ہیں، ان میں کچھ تصورات اسلامی قانون کے اور کچھ تصورات جدید قانون کے شامل کر لئے جاتے ہیں۔ دونوں کو ہم آہنگ نہیں کیا جاتا، اس لئے اس کے نتائج وہ نہیں نکلتے جو اسلامی قانون کے نفاذ سے متوقع ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ نتائج نکلتے ہیں جو جدید قانون کا خاصہ ہیں۔ حدود قوانین کے ساتھ بھی یہی ہوا اور اب قصاص و دیت کے قانون کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔

جس طرح ہمارے علماء نے چند ایک عقود (جو کتب فقہ میں مندرج ہیں) کے تصورات ذہن میں بٹھا رکھے ہیں اور عہد جدید کے ہر نئے معاہدے کو ان عقود کے خانوں میں فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب فٹ نہیں ہوتے تو ناجائز قرار دیتے ہیں (مثلاً بیمہ محدود ذمہ داری کے ادارے، بنک میں جمع شدہ رقوم، چیک اور متعدد تجارتی معاہدات) ایسے ہی جدید قانون دان جدید قانون کے تصورات کے زاویۂ نگاہ سے اسلامی قانون کے تصورات کو جانچتے ہیں۔ وہ سزا اور معاوضہ کو دو مختلف تصورات سمجھتے ہیں، سزا کو فوجداری قانون اور معاوضہ کو دیوانی قانون کا لازمی جزو تصور کرتے ہیں۔ اس تصور کے ساتھ جب وہ دیت پر غور کرتے ہیں تو اسے صرف سزا یا صرف معاوضہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ حال ہی میں تعزیرات پاکستان میں ترمیم کرتے ہوئے قصاص اور دیت کو اس میں شامل کیا گیا تو واضح طور پر دفعہ ۳۰ تعزیرات پاکستان میں دیت اور ارش کو سزاؤں میں شامل کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ جب دیت اور ارش سزائیں ہیں تو ان کی وصولی مجرم سے ہی ہوگی، عاقلہ (جو مجرم نہیں یعنی اس کے ارکان نے قتل زیر سماعت کا ارتکاب نہیں کیا ہوتا) سے وصول نہیں ہوگی۔ لہذا دیت اور ارش کی تعریف میں اسے مجرم سے واجب الوصول قرار دیا گیا۔ یہ امر اسلامی تصور کے خلاف تھا۔ جب ڈرائیوروں نے ملک گیر ہڑتال کی تو دیت اور ارش کی تعریف سے "مجرم سے واجب الوصول" کے الفاظ نکال دیے گئے لیکن عاقلہ کا تصور پھر بھی قانون میں شامل نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ تصور جدید ماہرین قانون کے ذہنوں میں بیٹھے ہوئے تصورات کے مطابق نہیں۔ قرون اولیٰ میں عاقلہ کا رائج نظام اپنی اس شکل میں آج کل قابل عمل نہیں اور عاقلہ کے اس تصور کی بنیاد پر اس کے بدل کی ترویج پر کوئی تحقیق کرنے کے بجائے اسے قانون کے ڈھانچے میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔

عاقلہ کے نظام پر غور کرنے سے پہلے دیت کے تصور پر ایک نظر ڈالنا بہتر ہوگا۔ اسلامی نظام قانون درحقیقت اسلامی نظام حیات کا جزو لاینفک ہے اور اسلام کے نظام معیشت، نظام معاشرت، نظام سیاست اور اس کے دیگر شعبوں سے یوں منسلک ہے کہ اسے ان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم دیت کے تصور کی وضاحت حسب ذیل طور پر کی جا سکتی ہے۔

دیت اسلام کے نظام انفاق کا ایک جزو ہے

اسلام کے نظام انفاق میں حصہ لینے والے اور اس سے مستفید ہونے والے مختلف صورتوں اور حیثیتوں میں شرکت کرتے ہیں۔ ایک بنیادی اصول کے طور پر قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ ہر صاحب مال کے مال میں ضرورت مندوں اور محروم افراد کا حق موجود ہوتا ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ — اور ان کے اموال میں ضرورت مند

لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۔ (الذاریات:۱۹) اور محروم کا حق ہے ۔

وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ (اور ان لوگوں کے اموال میں ضرورت مند

لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (المعارج:۲۴) اور محروم کا معلوم حق ہے)

یہ حق مختلف صورتوں میں ادا اور وصول کیا جاتا ہے ۔ اس کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے :

(ا) رضاکارانہ : مثلاً صدقہ و خیرات ، ہمسایوں سے مالی حسنِ سلوک ، عقیقہ ، ولیمہ ، ہبہ ، وصیت ۔

(ب) نیم جبری طور پر : مثلاً بعض گناہوں کے اثرات دور کرنے کے لئے کفارہ کے طور پر ضرورت مندوں کو کھانا کپڑا وغیرہ کی فراہمی ، اقربا کے لئے نفقہ ، ملازمین کے ساتھ مالی حسنِ سلوک ۔

(ج) جبری طور پر : مثلاً محصول کے طور پر جیسے زکوٰۃ اور ہنگامی محصول ، قانونی فرض کے طور پر بیوی کا نفقہ اور بچوں کا نفقہ ، سزا کے حوالے سے معاوضہ کی ادائیگی جیسے دیت کی ادائیگی میں بطور عاقلہ شرکت یا کسی قسم کے ضرر پہنچانے کا مالی معاوضہ ۔

نظامِ انفاق کی مختلف صورتوں کا تجزیہ ایک دوسرے انداز سے بھی کیا جا سکتا ہے :

(ا) سزا کے طور پر : مثلاً کفارات ، قتل عمد نا قابلِ قصاص میں صرف مجرم سے دیت کی وصولی ۔

(ب) معاوضہ کے طور پر : مثلاً قتل شبہ عمد ، قتل خطا اور قتل بالسبب میں دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں عاقلہ میں شرکت ۔ غرم ضمان ، ہبہ بالعوض ۔

(ج) امداد کے طور پر : قرض ، عاریت ، کفالہ ۔

(د) قانونی فرض کے طور پر : بیوی بچوں کا نفقہ ۔

اسلام کے نظامِ انفاق کے مندرجہ بالا تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عاقلہ سے دیت کی وصولی اور مقتول کے وارثوں کو اس کی ادائیگی دراصل اسلام کے نظامِ انفاق کا ایک حصہ ہے ۔ اسلامی نظامِ انفاق دراصل اللہ کا وہ طریق کار ہے جس کے ذریعے اس نے ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو مختلف انداز سے پورا کیا ہے اور عاقلہ کے افراد اس نظام کا ایک حصہ ہیں ۔ جس طرح زکوٰۃ کی جبری وصولی سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ

صاحب نصاب پر کوئی غیر عادلانہ جرمانہ عائد کیا جا رہا ہے اسی طرح عاقلہ کے افراد پر قتل خطا وغیرہ کی دیت کی ادائیگی میں جبری شرکت سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر کوئی غیر عادلانہ جرمانہ عائد کیا جا رہا ہے۔

دیت نظام قصاص کا بھی ایک جزو ہے

تصور کی حد تک نظام قصاص کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں انسانی جسم کو نقصان پہنچانے والے تمام جرائم شامل ہیں۔ قصاص کا عمل وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ سختی کے ساتھ مؤثر ہے۔ ایک طرف کسی انسانی جسم کو پہنچنے والے ہر نقصان کو کسی نہ کسی شکل میں پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے دوسری طرف ایسا نقصان پہنچانے والے یا ایسا نقصان پہنچنے کا سبب بننے والے ہر فرد کا کڑا محاسبہ کیا جاتا ہے اور اس سے قصاص لیا جاتا ہے یا قصاص کا بدل وصول کیا جاتا ہے انسانی جان اور جسم کے احترام کا تقاضا ہے کہ متاثرہ فرد کی کسی نہ کسی صورت میں دادرسی کی جائے۔ چنانچہ یہ دادرسی درج ذیل صورتوں میں مہیا کی جاتی ہے[1]

(ا) قتل عمد اور جرح عمد کی صورت میں۔

۱۔ قصاص

۲۔ اگر کسی وجہ سے قصاص ناقابل نفاذ ہو تو دیت واجب الادا ہوگی اور یہ دیت صرف مجرم سے وصول کی جائے گی۔ مجرم کی عاقلہ بری الذمہ ہوگی۔ (جرح عمد کی صورت میں جو دیت واجب الادا ہوگی اسے ارش کہتے ہیں) جرح عمد کی بعض ہلکی صورتوں میں ارش واجب الادا ہوگا۔

(ب) قتل اور جرح کی دیگر صورتوں میں۔

۱۔ قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ دیت واجب الادا ہوگی۔

۲۔ قتل کی صورت میں اور جرح کی سنگین صورتوں میں دیت یا ارش عاقلہ ادا کرے گی۔

---

[1] قصاص اور دیت کی مختلف صورتوں کے بارے میں تفاصیل فقہ کی کتب میں بالوضاحت موجود ہیں۔ یہاں قصاص ودیت کے اسباب وعلل پر ایک خاص انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے

جرح کی بعض صورتوں میں ارش عاقلہ ادا نہیں کرے گی بلکہ مجرم خود ادا کرے گا۔

نظامِ قصاص کے درج بالا تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیت اس کا ایک جزہے گویا دیت ایک طرف اسلام کے نظامِ انفاق کا جز ہے اور دوسری طرف اسلام کے نظامِ قصاص کا ایک جز ہے۔ اس طرح اسلام معیشت، معاشرت اور تعزیراتی مقاصد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی جان کا احترام دوہرے طریقے سے برقرار رکھتا ہے۔ یعنی ایک طرف تو مقتول کی جان کا قصاص یا اس کا بدل لے کر اس کے احترام کا مظاہرہ کرتا ہے، دوسری طرف دیت کی صورت میں قاتل یا اس کی عاقلہ سے جان کا بدل لے کر اسے (یعنی قاتل کو) موت سے بچاتا ہے۔ انسانی جان کے احترام کی یہ ایک ایسی اعلیٰ صورت ہے جس کی مثال کسی دوسرے نظامِ قانون میں نہیں ملتی۔

دیت کے مقاصد

۱۔ انسانی جان کا احترام (مقتول اور قاتل دونوں کا احترام)

۲۔ مقتول کے وارثوں کی مالی امداد، کیونکہ وہ مقتول کی طرف سے حاصل ہونے والی ممکنہ آمدنی سے محروم ہو گئے۔

۳۔ قاتل کی بے احتیاطی یا لاپرواہی کا منطقی انجام۔

۴۔ افرادِ معاشرہ اور خود قاتل کے لئے ذریعۂ عبرت۔ ۵۔ سزا

۶۔ عاقلہ کے ذریعے دیت کی ادائیگی سے باہمی تعاون، تکافل اور تناصر کو فروغ دینا۔

عاقلہ کیا ہے؟

قتل شبہ عمد، قتل خطا اور قتل بالسبب کے علاوہ جرح خطا کی سنگین صورتوں میں دیت یا ارش (جو بھی صورت ہو) عاقلہ کی طرف سے واجب الادا ہوگی۔ لیکن عاقلہ کی طرف سے دیت ادا کرنے کے حکم کی قطعیت کے باوجود عاقلہ کے تعین کا مسئلہ حالات زمانہ پر منحصر ہے۔

عقل کے معنی باندھنے کے ہیں۔ وہ لوگ جو مجرم سے قرابت یا کسی اور رشتے میں بندھے ہوں عاقلہ کہلاتے ہیں۔

اسلام سے پیشتر عرب کے سیاسی نظام میں ہر قبیلہ ایک سیاسی وحدت شمار ہوتا تھا۔ اس وجہ سے قبائلی عصبیت انتہائی صورت میں موجود تھی۔ اس صورت میں ہر قبیلہ دیگر قبائل کے مقابلے میں عاقلہ شمار ہوتا اور قبیلے کے اندر ہر قاتل کے مرد اقرباء اس کی عاقلہ تصوّر ہوتے تھے۔ عہد نبوی میں یہ صورت برقرار رہی۔ اگر کسی شخص کی کوئی عاقلہ نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے (یعنی ریاست کی طرف سے) دیت ادا کرتے، گویا ایسی صورت میں ریاست عاقلہ ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ہر فوجی یونٹ (یعنی اہل دیوان) کو بھی عاقلہ شمار کیا۔ فقہا نے عاقلہ میں جن افراد کو شمار کیا، انہیں یوں بیان کیا جاسکتا ہے[1]

۱۔ باپ کی طرف سے مرد رشتہ دار
۲۔ اہل دیوان یعنی کوئی قانونی، عدالتی، فوجی ادارہ
۳۔ کوئی یونین، جمعیت، ایسوسی ایشن، تنظیم، کمپنی
۴۔ اہل عقد جن کے ساتھ مدد کا معاہدہ ہو چکا ہو (مثلاً کسی تنظیم یا شخص کے ساتھ معاہدہ)
۵۔ کوئی اور فرد یا ادارہ جو عرف کے تحت مدد و نصرت مہیا کرتا ہو۔

عاقلہ کو عموماً اہل نصرت کہا جاتا ہے اور عاقلہ کی تعریف میں ایسے افراد کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جن سے مدد کی توقع ہو سکتی ہے۔

عاقلہ کی ذمہ داری

ایک شرعی قاعدہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا (لا تزر وازرۃ وزر اخری: قرآن کریم) قتل شبہ عمد، قتل خطا اور قتل بالسبب کی صورت میں دیت کی ادائیگی مجرم کے بجائے عاقلہ کی طرف سے ہو گی اور مجرم محض اپنی عاقلہ کا ایک رکن ہو گا۔ بعض علما کا خیال ہے کہ عاقلہ کی ذمہ داری اس شرعی اصول میں استثنا ہے، جو انفرادی مشکل کو آسان بنانے کے لئے استحسان کے نقطۂ نظر سے پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ اکیلا مجرم دیت ادا نہیں کر سکتا اور اگر وہ ادا نہیں کر سکے گا تو مقتول کے ورثاء کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر یہ استثنا نہ رکھا جائے تو صرف

---

[1] الہدایہ کتاب المعاقل، تشریع الجنائی الاسلامی (اردو ترجمہ) از عبد القادر عودہ

دولت مند ہی پر ہی دیت کا نفاذ ہو سکے گا اور مقتول کے ورثا کو اسی وقت دیت ملے گی جب مجرم دولت مند ہو۔

لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ قتل شبہ عمد میں ضرب پہنچانے کی حد تک دیدہ دلیری (جو بعد میں قتل پر منتج ہو جاتی ہے اگرچہ قتل کا ارادہ موجود نہیں ہوتا) اور قتل خطاء اور قتل بالسبب میں لاپرواہی اور بے احتیاطی (جس کی عدم موجودگی میں قتل خطا عموماً واقع نہیں ہوتا) اسی وقت ظہور میں آتی ہے جب مجرم کو اپنی برادری یا مددگاروں سے مدد کی توقع ہو اور انہی حالات میں اس کی پرورش ہوئی ہو۔ عبدالقادر عودہ اپنی مشہور کتاب تشریع الجنائی الاسلامی میں کہتے ہیں۔

عاقلہ پر دیت کا بار جرائم خطاء یا شبہ عمد (جو خود خطاء ہی کے ساتھ ملحق ہے) میں آیا کرتا ہے اور جرائم خطاء کی اساس اہمال اور عدم احتیاط ہے اور یہ دونوں باتیں رہنمائی کی کمی اور بری تربیت کے اثرات ہیں۔ اس لئے فرد کی تربیت اور رہنمائی کے بارے میں وہ لوگ مسئول ہوں گے جن کا مجرم سے خونی رشتہ ہوگا۔ جیسا کہ فرد اپنے اہل خاندان سے اثرات لیتا اور تمام امور میں ان کے مشابہ ہوتا، اس سے لاپرواہی اور عدم احتیاط کو بالآخر معاشرے کی میراث تصور کیا جائے گا، اس لئے ضروری ہوا کہ پہلے مجرم کی دیت عاقلہ برداشت کرے اور اگر عاقلہ عاجز ہو تو معاشرہ دیت برداشت کرے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لاپرواہی اور عدم احتیاط عزت و قوت کے شعور کا نتیجہ ہے اور یہ شعور خاندان اور وہ معاشرے کے اتصال سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ جن لوگوں کا خاندان نہیں ہوتا وہ خاندان والوں سے زیادہ محتاط اور چوکنا ہوتے ہیں اور جن لوگوں کا خاندان چھوٹا ہوتا ہے وہ ان لوگوں سے زیادہ چوکس ہوتے ہیں جن کا خاندان بڑا ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خاندان اور معاشرہ نتیجہ خطاء کو انگیز کریں کیونکہ وہی اس خطاء کی لاپرواہی اور عدم احتیاط کے اولین مصدر ہیں۔" (تشریع الجنائی الاسلامی اردو ترجمہ اسلام کا فوجداری قانون جلد دوم ص ۱۰۰)

مصری پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی کے وضع کردہ مشروع قانون العقوبات کے ان حصوں کا ترجمہ جو قصاص و دیت سے متعلق ہیں، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے شائع کیا ہے" اس کے صفحہ ۱۲۳ — ۱۲۴ پر خصوصی کمیٹی نے کہا ہے۔

"عاقلہ جن جرائم کی دیت کو ادا کرتا ہے وہ عموماً خطاء کے جرائم ہوتے ہیں جن کی بنیاد غفلت اور عدم احتیاط ہوتی ہے۔ ان دونوں برائیوں کا سبب عام طور پر بُری تربیت اور غلط پرورش ہوتی ہے جس کی براہِ راست ذمہ داری قریبی رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے، جو مجرم سے خون کے رشتے میں بندھے ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک خاندان کی عادات اس کے افراد میں منتقل ہوتی ہیں اور ہر شخص اپنے دوسرے رشتہ داروں کی مشابہت اپناتا ہے۔ اس لئے غفلت اور بے احتیاطی عام طور پر خاندان سے وراثت میں ملتی ہے اور خاندان اپنے ماحول اور گروہ سے متاثر ہوتا ہے، لہٰذا غفلت اور بے احتیاطی آخر کار انسان کو اپنے گروہ سے وراثت میں ملتی ہے۔ اس لئے دیت کا ادا کرنا ابتدائی طور پر مجرم کی عاقلہ کے ذمہ ہے، کیونکہ یہ اس کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد جماعت پر، کیونکہ یہ ایسی غلطی ہے جسے اُٹھانے سے عاقلہ قاصر ہے۔

یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غفلت اور بے احتیاطی اس شعور اور احساس کا نتیجہ ہے کہ میں طاقتور اور با اثر ہوں (میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے) لہٰذا یہ شعور بھی خاندان اور گروہ سے وابستگی کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ ہے کہ جس کا کوئی خاندان اور برادری نہیں ہوتی وہ زیادہ محتاط ہوتا ہے اور جس کا خاندان اور برادری ہوتی ہے وہ اس کے مقابلے میں کم محتاط رہتا ہے۔ اس طرح جن لوگوں کا کسی اقلیت سے تعلق ہوتا ہے وہ ان لوگوں کی بہ نسبت احتیاط کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں جن کا تعلق اکثریت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ٹھہرا کہ عاقلہ یا گروہ یا برادری اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے میں شریک ہوں، کیونکہ وہی اس غفلت اور بے احتیاطی کے اولین سبب بنے ہیں۔"

(مسودہ قانون قصاص و دیت، ص ۱۲۳ — ۱۲۴)

عبدالرحمٰن الجزیری اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں کہتے ہیں ۔

" عاقلہ کو خاص طور پر دیت میں شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قاتل نے جراحت

رسائی کے ارتکاب میں ہچکچاہٹ اور توقف نہیں کیا جس کا سبب طاقت کا زعم تھا اور طاقت کا یہ زعم حامیوں کی بدولت ہوتا ہے اور مجرم کے حامی اس کے عاقلہ ہی ہوسکتے ہیں۔ بریں جہت وہ بھی مجرم کی نگہداشت اور اس کی نگرانی نہ رکھنے کے قصوروار ہیں۔ لہذا خاص طور پر انھیں ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔"

(کتاب الفقہ (اردو ترجمہ) ج ۵، ص ۱۹۱، مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے اپنی کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد ۶ میں استاذ ابوزہرہ اور شیخ محمود شلتوت کے حوالہ سے کہا ہے کہ مجرم سے ایسے افعال صادر نہیں ہوتے اگر اسے خاندان کی طرف سے مدد اور اس کی قوت پر اعتماد نہ ہو، اس لئے عاقلہ کے تمام افراد پر دیت واجب الادا کی گئی (صفحہ ۳۲۵)

زمانہ حال کے ان مسلمان فقہاء کے ارشادات سے ان فقہاء عظام سلف کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے، جس میں عاقلہ کی تعبیر "اہل نصرت" (جہاں سے مدد کی توقع ہو) سے کی گئی۔

عاقلہ کے مختلف افراد پر کس قدر رقم کی ذمہ داری ڈالی جائے؟ اس سلسلے میں مسودہ قصاص و دیت (مصری پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی کا تیار کردہ) کا کہنا ہے۔

" عاقلہ کو ایسی تکلیف نہ دی جائے جس سے وہ کنگال ہی ہوکر رہ جائیں اور مالی مشقت میں مبتلا ہوجائیں، کیونکہ ان پر دیت کی ادائیگی بغیر کسی جرم وزیادتی کے انسانی ہمدردی کی بناء پر لازم کی گئی ہے تاکہ مجرم کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ لہذا مجرم کا بوجھ اس طرح کم نہیں کیا جائے گا کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف ہو اور اسے اپنی استطاعت سے زیادہ بوجھ اٹھانے پر مجبور کیا جائے۔ اگر کسی پر اپنی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالنا جائز ہوتا تو پھر خود مجرم اس کا زیادہ مستحق تھا جس نے جرم کا ارتکاب کیا اور یہ سزا اسی کے فعل کی وجہ سے ہے جب اس کے حق میں یہ سختی جائز نہیں ہے تو دوسرے جن کا اس کے جرم سے کوئی تعلق ہی نہیں ان پر بے جا سختی اور تکلیف ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔"

اس بات میں کہ عاقلہ کا ہر فرد دیت کا کتنا حصہ ادا کرے فقہا کا اختلاف ہے امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ عدالت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ہر فرد پر دیت کا اسی قدر حصہ فرض کرے جس کی ادائیگی بغیر تکلیف کے سہولت سے ہوسکے

امام مالکؒ کی (دوسری) رائے کے مطابق ہر شخص پر ایک دینار فرض کیا جائے۔ امام احمدؒ کی (دوسری) رائے ہے کہ ہر مالدار پر آدھا مثقال فرض کیا جائے اور متوسط درجے کے مال دار پر ایک چوتھائی مثقال۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس معاملے میں مالدار اور متوسط الحال دونوں برابر ہیں اور دونوں میں سے کسی سے تین یا چار درہم سے زیادہ نہ لیا جائے۔" (ص ۱۲۱)

اگر عاقلہ کے افراد تھوڑے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کرنے سے دیت کی رقم کی ادائیگی مشکل ہوگی۔ زیادہ قابل عمل اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ یہ معاملہ عدالت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ عاقلہ کے ہر فرد پر دیت کا اسی قدر حصہ واجب الادا قرار دے جو اس کی مالی استطاعت کے مطابق ہو۔

عہدِ حاضر میں عاقلہ کا تعین

عاقلہ کے تصور کی بنیاد اس امر پر ہے کہ ہر انسان کی مددگار برادری ہوتی ہے جو ضرورت کے وقت اس کی مدد کرتی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آج کل ایسی برادری موجود نہیں۔ عبدالقادر عودہ کہتے ہیں۔

"سوال یہ ہے کہ آج کے دور میں نظام عاقلہ کو دوبارہ استوار کیا جا سکتا ہے؟ ہر چند کہ اس نظام میں عدالت و انصاف اور مجرم و مجنی علیہم کے درمیان مساوات قائم ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ دورِ جدید میں اس نظام کا قیام ممکن نہیں کیونکہ اس کی اساس نظامِ خاندان کا وجود ہے جو آج کل شاذ و نادر ہی موجود ہے...... اس لیے اب ان دو راہوں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں جن کو فقہاء کرام پہلے ہی اختیار کر چکے ہیں، وہ یہ کہ یا تو پوری دیت کا بار مجرم پر ڈالا جائے یا پھر بیت المال سے ادائیگی کی جائے۔

مجرم پر تمام دیت کا بار رکھنے سے اکثر ایسا ہوگا کہ مجنی علیہ کا خون رائیگاں جائے گا (یعنی مجرم دیت ادا نہیں کر سکے گا) کیونکہ عموماً مجرم غریب ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ صورتِ حال شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے اور یہ شریعت کے جانوں کے تحفظ اور حفاظت کے مقصد کو پورا نہیں کرتی اور پھر اس صورت میں انصاف اور مساوات کا فقدان ہے۔

اور اگر دوسری رائے کے مطابق دیت بیت المال سے ادا کرائی جائے تو اس میں ملکی خزانہ کو گرانبار کرنا پڑے گا مگر عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو جائیں گے، جانوں کو تحفظ ملے گا اور مقاصدِ شریعت مکمل ہوں گے۔ اس لئے خزانے کی گرانباری کا خوف عدل و انصاف کے حصول اور مقاصدِ شریعت کی تکمیل میں حارج نہ ہونا چاہیے، بلکہ حکومت اگر چاہے تو اس قسم کے معاوضوں کی ادائیگی کے لئے کوئی ٹیکس لگا سکتی ہے اور بعض تاوانوں (جرمانوں) کو اس مقصد کے لئے مخصوص کر سکتی ہے۔" (تشریع الجنائی الاسلامی، ترجمہ اردو ج ۲ ص ۲۰۰)

مسودہ قصاص و دیت میں مصری پارلیمنٹ کی خصوصی کمیٹی کی رائے یہ ہے۔

" اگر قاتل کا عاقلہ نہ ہو یا عاقلہ ہو لیکن اس کے سب لوگ نادار ہوں یا ان کی تعداد اتنی کم ہو کہ وہ پوری دیت ادا نہ کر سکیں تو اس صورتحال میں دو رائیں ہیں۔

پہلی رائے یہ ہے کہ بیت المال عاقلہ کے قائم مقام شمار ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کسی کا عاقلہ بالکل نہ ہو یا ہو لیکن اس کے ارکان سب نادار ہوں تو پھر پوری دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ رائے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ دیت قاتل کے مال ہی سے ادا کرنا واجب ہے، کیونکہ وہی اصل ہے اور وہی قاتل ہونے کی وجہ سے دیت کا ذمہ دار ہے۔ عاقلہ کے لوگ صرف آپس میں مدد و تعاون کرتے ہیں اور قاتل کے بوجھ کو کم کرتے ہیں۔ البتہ اگر عاقلہ نہ ہو تو پھر یہ ذمہ داری اصل کی طرف لوٹ جائے گی۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔ امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی قول ہے۔"

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی کہتے ہیں:

"خاندانی نظام زائل ہوگیا ہے۔ بیت المال کا نظام تبدیل ہوگیا ہے۔ نظام اجتماعی اس نظام سے مختلف ہوگیا ہے۔ جو اس وقت کے عرب میں تھا۔ ایک قبیلے کے مقابلے میں دوسرے قبیلے کی عصبیت ختم ہوگئی ہے اور اب ہر معاملے میں ہر شخص خود اپنے اوپر اعتماد کرتا ہے اور قبیلہ پر انحصار نہیں کرتا۔

اگر قتل خطا یا شبہ العمد کی دیت واجب ہوجائے تو ہمارے زمانے میں یہ صرف مجرم پر واجب الادا ہوگی۔ حنفیہ نے اس کے بارے میں وضاحت کی ہے۔ یہ ابوبکر الاصم اور خوارج کی رائے کے مطابق ہے جو دیت قاتل پر واجب کرتے تھے نہ کہ عاقلہ پر۔ وہ یہ نقطہ نظر آیات و احادیث میں مذکور افعال کی انفرادی اور شخصی ذمہ داری سے اخذ کرتے تھے۔ یہی رائے ان لوگوں نے اختیار کی ہے جنہوں نے محض مجرم پر ہی دیت کو واجب الادا کیا ہے، جبکہ اس کی کوئی عاقلہ نہ ہو اور بیت المال بھی نہ ہو"۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶ ص ۳۲۶)

اسی نوعیت کی رائے صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے:

" ابو حنیفہؒ سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ دیت مجرم کے مال سے ادا کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیت اصل میں قاتل پر واجب ہوتی ہے کیونکہ دیت اصل میں قاتل پر واجب ہوتی ہے کیونکہ دیت تلف شدہ جان کا بدلہ ہے اور قاتل نے یہ جان تلف کی ہے۔ عاقلہ دیت کا بار اس لئے اٹھاتی ہے کہ مجرم کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ پس اگر عاقلہ نہ ہو تو حکم اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

(الہدایہ، کتاب المعاقل)

انتہائی احترام کے ساتھ ان بزرگ علماء سے اختلاف کرتے ہوئے ہم یہ عرض کریں گے کہ قتل عمد اور قتل شبہ عمد و خطا وغیرہ یعنی اور قتل کی دیگر اقسام کے مجرموں کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا۔ انصاف (خصوصاً اسلامی انصاف) کے تقاضوں کو مجروح کرتا ہے۔ اگر قتل عمد (یعنی قتل بالارادہ) میں قصاص ناقابلِ نفاذ ہو تو دیت مجرم ادا کرتا ہے۔ اور اگر عہد حاضر میں قتل خطا کی صورت میں بھی دیت مجرم پر ہی ڈالی جائے تو گویا قتل عمد اور قتلِ خطا دونوں

میں ایک ہی سزا دی گئی، جبکہ قتل شبہ عمد قتل خطا اور قتل بالسبب میں قتل کا ارادہ موجود نہیں ہوتا لہذا زیادہ سے زیادہ لاپرواہی اور بے احتیاطی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ لاپرواہی اور بے احتیاطی کو قتل با ارادہ کے برابر قرار دینا سخت بے انصافی ہے۔ قصاص ودیت کے نظام میں عاقلہ کا تصور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام کے اجماع اور فقہاء کرام کے اجماع سے اتنے تواتر، اصرار اور کثرت کے ساتھ ثابت ہے کہ اس تصور کو ترک کرنا قصاص ودیت کے نظام کے ایک بڑے حصے کو سبوتاژ کرنا ہے۔ اسلام کے نظام انفاق کا ایک بڑا جزو اور عاقلہ کے تصور کی حکمتیں اور اس کے خوشگوار نتائج سب غائب ہو جائیں گے اور قصاص ودیت کا قانون واضح ناکامی کا شکار ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ عاقلہ کا تصور ہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلام کے قانون قصاص ودیت کو دیگر قوانین سے ممتاز بناتا ہے اور اب تو مغربی اقوام بھی عاقلہ کی بعض صورتوں کو اختیار کر رہی ہیں۔ عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں۔

"بعض ممالک یورپ مثلاً جرمنی، اٹلی اور یوگوسلاویہ نے اس نظریہ (یعنی عاقلہ) کو اپنا لیا ہے اور انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک فنڈ مخصوص کر دیا ہے، جسے تاوان فنڈ کہا جاتا ہے۔ اس میں ان جرمانوں کو جمع کیا جاتا ہے جو عدالتیں عائد کرتی ہیں۔ اس فنڈ کی آمدنی ان مجرموں کے تاوان کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے مخصوص ہے جن کے اموال تاوان ادا کرنے کے لئے ناکافی ہوں۔

بعض مغربی ممالک نے نظام عاقلہ کا جو جزو اپنایا ہے وہ ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے ہے۔ جو شریعت کے پیش نظر ہیں۔ اب اگر یورپ میں یہ نظام اس صورت میں قائم ہو سکتا ہے تو یہ درحقیقت ہمارا اپنا نظام ہے جو ہمارے درمیان بھی قائم قائم ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے اپنے حالات کے مطابق مقاصد شریعت بروئے کار آسکیں۔" (تشریع الجنائی الاسلامی ترجمہ اردو ج ۲ پیرا ۲۷۲)

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم تحقیق اور غور وفکر سے عاقلہ کے تعین کی کوئی جدید قابل عمل صورت نکالیں نہ کہ سرے سے اس کو ترک کر کے قانون قصاص ودیت کو بے انصافیوں غیر مساوی

سلوک اور مشکلات سے ناقابل عمل بنا دیں۔

عاقلہ کو ہم کسی بھی قسم کی کوئی مددگار برادری تصور کرسکتے ہیں۔ اگر خاندانی نظام اور قبائلی عصبیت اور بیت المال کی وہ صورت باقی نہیں رہی جو قرون اولیٰ میں تھی تو ہم اس کی کوئی ایسی صورت وضع کرسکتے ہیں جو موجودہ دور میں قابل عمل ہو اور وہ یہ ہے کہ عاقلہ کو ہم ایک مستقل ادارے کی شکل دے دیں، جسمیں باہمی تکافل و تناصر کی روح موجود ہو۔

آج کے دور میں عاقلہ

آج کے دور میں عاقلہ کی قابل عمل صورت یہ ہے کہ سرکاری یا نیم سرکاری سطح پر ایک عاقلہ فنڈ قائم کیا جائے، جسمیں درج ذیل افراد اور ادارے ایک مخصوص رقم جمع کراتے رہیں :

۱۔ تمام سرکاری، نیم سرکاری یا پرائیویٹ (نجی) ادارے جو کسی قسم کی گاڑیاں رکھتے ہوں۔

۲۔ تمام سرکاری، نیم سرکاری اور نجی ادارے جو اس قسم کی مشینیں رکھتے ہوں جنکے ذریعے انسان زخمی ہو سکتا ہے۔

۳۔ تمام سرکاری، نیم سرکاری و نجی ادارے جو ایسا کام کرتے ہیں، جس سے انسانی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہو، مثلاً بجلی، گیس، پٹرول وغیرہ کا کام کرنے والے ادارے۔

۴۔ مندرجہ بالا تمام اداروں کے ملازمین جو گاڑیاں یا مشینیں چلاتے ہوں یا یہ خطرناک کام کرتے ہوں یا ان کاموں کی نگرانی کرتے ہوں، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

۵۔ ہر قسم کی گاڑیوں کے مالکان، ڈرائیور اور ان کی تنظیمیں (یونین وغیرہ)

۶۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی قسم کی گاڑی کو چلانے کا عارضی یا مستقل لائسنس حاصل کرے۔

۷۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی قسم کی گاڑیوں کو مرمت کرنے کی ورکشاپ چلائے۔

۸۔ ہر وہ شخص جو کسی بھی ایسی قسم کے شکار کا لائسنس حاصل کرے جس میں کوئی انسان زخمی ہو سکتا ہو۔

۹۔ بحری جہاز اور ہوائی جہاز کے مالکان اور پائلٹ و کیپٹن وغیرہ۔

۱۰۔ اس میں ڈاکٹروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان لاپرواہی اور بے احتیاطی بھی قتل خطا کا موجب بن سکتی ہے۔

جب کبھی کوئی قتل خطا، قتل شبہ عمد یا قتل بالسبب واقع ہو اس عاقلہ فنڈ سے دو تہائی دیت

ادا کی جائے گی اور ایک تہائی مجرم خود ادا کرے گا۔ اگر عدالت یہ فیصلہ کرے کہ مجرم بالکل بے قصور تھا یعنی اس سے خطا بھی نہیں ہوئی (مثلاً کوئی ڈرائیور اپنی غلطی سے کسی صحیح طور پہ چلنے والی گاڑی کو ٹکر مار دے جس سے غلطی کرنے والا ڈرائیور مر جائے تو صحیح طور پر چلنے والی گاڑی کا ڈرائیور بالکل بے قصور ہوگا)، تو پوری دیت عاقلہ فنڈ سے دی جائے گی۔ قتل شبہ عمد میں مجرم چونکہ قصداً زخم لگاتا ہے، اس لئے اس میں تین چوتھائی یا کم از کم نصف دیت مجرم پہ ڈالی جائے گی۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ عموماً قتل شبہ عمد کے مجرم یا اس کے کسی مددگار وغیرہ کی طرف سے عاقلہ فنڈ میں کچھ جمع نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں مجرم اوپر مذکور افراد میں شامل نہیں ہوتا۔ اگر عدالت اس امر کو قابل عمل اور ضروری تصور کرے تو قاتل شبہ عمد کے بعض قریبی اقربا یا اس کے کسی اہل عقد (مثلاً بیمہ کمپنی) کو عاقلہ کا جزو قرار دے کر اس سے دیت کا کچھ حصہ یا پوری دیت وصول کر سکتی ہے، مثلاً آج کل کے حالات میں دولت مند گھرانوں کے آوارہ لڑکے یا کسی اعلیٰ سیاسی یا غیر سیاسی (مثلاً ایم این اے یا جاگیردار یا مالدار شخص) شخص کے کارکن کسی کو قتل یا زخمی کر دیں۔

اس قسم کے عاقلہ فنڈ کو توسیع دے کر طبی امداد اور بے روزگاری الاؤنس کی فراہمی کو اس میں شامل کیا جائے تو ملک کے تمام باروزگار افراد سے چندہ لیا جا سکتا ہے۔

اس قسم کے عاقلہ فنڈ سے اسلامی نظام انفاق کی برکات حاصل کی جا سکتی ہیں اور قانون قصاص و دیت پوری کامیابی سے کام کر سکتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ علماء کرام بھی عاقلہ کے شرعی احکام کے پیش نظر ایسے عاقلہ فنڈ کی تائید کریں گے۔ اس عاقلہ فنڈ میں عاقلہ کی خصوصیات بھی موجود ہیں اور اس سے وہی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو نظام عاقلہ سے نکلتے ہیں۔ جدید عہد کے تقاضوں اور حالات کو بھی عاقلہ فنڈ میں پیش نظر رکھنا ممکن ہوگا۔

پارلیمنٹ اور اجتہاد

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

دورِ حاضر میں پارلیمنٹ (PARLIAMENT) کو مجلس منتظمہ کے ساتھ ساتھ ملک کی مقننہ قانون ساز (LAW MAKER LEGISLATOR) ادارے کی حیثیت بھی حاصل ہے، اپنی اس حیثیت میں ملک کی "پارلیمنٹ" آزادانہ طور پر قانون سازی کرتی ہے۔ ہر طرح کے قواعد وضوابط تشکیل دیتی ہے اور سابقہ قوانین میں نظر ثانی اور اصلاح وترمیم کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اس میدان میں پارلیمنٹ کو اعلیٰ ترین قانون سازی کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں جس کے لئے اکثر اوقات اسے "اجتہاد" کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً ہمارے ملک کی پارلیمنٹ کو مقننہ ہونے کے ناطے، "اجتہاد" کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

اس عنوان پر کچھ عرض کرنے سے قبل مناسب ہوگا کہ ہم پہلے "اجتہاد کی تاریخ اس کی حقیقت واصلیت پر گفتگو کرکے یہ تعین کرلیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے یہ تعین اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ بحث انتہائی اہم اور نازک ہے اور مفہوم ومعنی میں ذرا سی تبدیلی بھی فیصلہ کن اثر ڈالتی ہے۔

۱۔ اجتہاد

اجتہاد (DILIGENCE) کا مادہ جہد (ج ہ د) ہے جس کے معنی کوشش، محنت اور سعی کرنے کے ہیں یوں اجتہاد کے معنی ہوئے :

استفراغ الوسع فی تحصیل امر — کسی قابل مشقت وکلفت کام کے انجام

من الامور مستلزم للكلفة والمشقة ولهذا يقال اجتهد في حمل الحجر ولا يقال اجتهد في حمل الخردلة[1]	دینے میں مقدور بھر کوشش کرنا اسی لئے اس مادے کا استعمال پتھر اٹھانے میں ہوتا ہے "رائی" اٹھانے میں نہیں۔

جبکہ اصطلاحاً اجتہاد کی تعریف یہ ہے:

بذل المجهود في طلب المقصود من جهة الاستدلال[2]	کسی مقصد کو پانے کے لئے "استدلال" کے پہلو سے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا۔

علامہ محمد علی التھانوی۔ اس کی یہ تعریف فرماتے ہیں:

استفراغ الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعي[3]	ظن (گمان) کے درجے میں کسی شی کے حکم شرعی کو تلاش کرنے کے لئے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا۔

اس طرح گویا اس بات پر تمام فقہا متفق ہیں کہ "اجتہاد" تب بنتا ہے جب "مجتہد" خالی الذہن ہو کر کسی معاملے کے شرعی حکم کو دریافت کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش اور ہمت صرف کرے۔ اور تمام ممکنہ ذرائع معلومات سے استفادہ کرکے اس کے حکم تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ پھر علامہ الجرجانی نے جو "جہت استدلال" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے ان کی غرض وغایت یہ ہے کہ مجتہد کی مجتہدانہ کاوشوں کا مرکز توجہ "استدلال" اور "مراجع استدلال" ہونے چاہئیں، نہ کہ اس کے اخذ کردہ نتیجے کی موشگافیاں۔ اسی طرح شیخ محمد علی التھانوی نے جو "لتحصیل ظن" (ظن کے درجے میں حکم) کا جملہ بڑھایا ہے، لہذا اگر اس سے بہتر کوئی دلیل مل جائے جس کے نتیجے میں اس حکم کو تبدیل کرنا پڑے۔ تو نہ تو مجتہد کو اس کے قبول کرنے میں تردد سے کام لینا چاہیے اور نہ ہی، اس کے کسی مقلد و متبع

---

[1] محمد علی التہانوی: کشاف اصطلاحات الفنون، ۱: ۱۹۸۔

[2] الجرجانی: التعریفات، ص ۵ [3] التھانوی: کشاف، ۱: ۱۹۸

کو اس سے بچکچانا چاہیئے۔ کیونکہ بہرحال اجتہاد سے اخذ کردہ نتیجہ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور آخر تک اس میں تبدیلی کی گنجائش رہتی ہے۔

اجتہاد کا دائرۂ کار

اس وضاحت سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ نہ تو قرآن و سنت اور اجماع امت کے مقابلے میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور نہ اجتہاد سے حاصل کردہ حکم۔ قرآن و سنت کی طرح قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ بات تو متعین ہو گئی کہ کوئی بھی ادارہ بشمول پارلیمنٹ قرآن و سنت اور" اجماعِ امت" کے مقابلے میں اجتہاد نہیں کر سکتا اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ قطعی اور یقینی طور پر باطل و مردود ہوگا۔ اجتہاد کے جواز پر قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ قرآن مجید اور اجتہاد

قرآن مجید میں باصراحت تو کسی جگہ بھی" اجتہاد" کرنے کا حکم مذکور نہیں ہے، البتہ چند مقامات پر قرآنی آیات کے فحوائے کلام یعنی بین السطور سے اس کی اجازت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ [۱]	اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے۔

مفسرین کرام نے اس سے اجتہاد کا جواز ثابت کیا ہے، اسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ	اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے، تو وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر وہ اسے اپنے پیغمبر اور سرداروں

---

[۱] العنکبوت: ۶۹ [۲] النساء ۸۳

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ[1] — کے پاس لے جاتے تو تحقیق کرنے والے (یا استنباط کرنے والے) اس کی تحقیق کر لیتے۔

اس آیت میں گو لفظ "استنباط" استعمال ہوا ہے مگر چونکہ اجتہاد اور استنباط دونوں کا دائرہ کار قریب قریب ہے۔ اس لئے گویا یہاں یہ بات کہی گئی ہے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے رؤساء کے پاس لانا چاہئے۔ تاکہ وہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ اسی مفہوم کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ آیت وسیع مفہوم رکھتی ہے اور اس سے ایک طرف تو اجتہاد و استنباط کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ اور دوسری جانب یہ آیت مبارکہ عوام الناس کے لئے "وجوب تقلید" کی تاکید پر مشتمل ہے، اس لئے کہ جب دنیوی معاملات میں انھیں از خود فیصلہ کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ تو دینی معاملات میں تو، بدرجہ اولیٰ یہ ممانعت مؤثر ثابت ہوگی۔ کیونکہ "دینی معاملات" میں جتنے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر دنیوی معاملات میں حزم و احتیاط اگر اس سے دس گنا کم بھی ہو، تو کام چل جاتا۔ اسی طرح امام شافعی نے اپنی کتاب "الرسالہ" کی فصل اجتہاد[2] میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۴۵ سے جواز اجتہاد پر استدلال کیا ہے، جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ[3]

اور اگر تو ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئے تو بھی وہ تمہارے قبلے کی پیروی نہ کریں گے اور تم بھی ان کے قبلے کی پیروی نہ کرو گے اور نہ ہی ان میں سے بعض بعض کے قبلے کی پیروی کریں گے۔

امام شافعیؒ نے "اجتہاد" اور "رائے" کو باہم "مترادف" قرار دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک مجتہد وہ شخص ہے جو "ماخذ فقہ" پر نظر ڈال کر کسی بھی معاملے میں اپنی ذاتی رائے قائم کرے۔[4] امام شافعیؒ کی اس وقیع رائے سے "حنفی علماء" کے متعلق کئے جانے والے

---

[1] الرسالہ۔ مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۱۲ھ، ص ۱۲۷ [2] البقرہ۔ ۱۴۵ [3] الرسالہ، مذکور

اس پروپیگنڈے کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ جو ان کے لقب "اصحاب الرائے" کی بنیاد پر کیا جاتا۔ اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ "ائمہ احناف" کے متعلق ابتدائی صدیوں میں بکثرت استعمال کیا جانے والا مذکورہ لفظ ان کی تنقیص و مذمت نہیں کرتا۔ بلکہ یہ تو ان ائمہ کی شان دوبالا کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ حنفی فقہاء "اصحاب الاجتہاد" یا "مجتہد عصر تھے، جو ان ائمہ کی صفت کمال تو ہے، صفت ذم و مذمت نہیں۔

۲۔ احادیث اور اجتہاد

قرآن مجید کے بعد جب ہم ذخیرۂ احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں قدم قدم پہ اجتہاد کی اہمیت و ضرورت اور اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات حسب ذیل ہیں:

ا۔ حدیث معاذ

حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ انھیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "یمن" کا گورنر بنا کر بھیجا، تو ان سے پوچھا:

کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ قال اجتھد برأیی ولا آلو[1]	جب تیرے سامنے کوئی معاملہ پیش ہوگا، تو کیسے فیصلہ کرے گا، عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر اس مسئلے کا ذکر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملا تو پھر؟ عرض کیا۔ پھر میں اس کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر تجھے اس بارے میں قرآن مجید اور سنت رسول میں بھی اس کا ذکر نہ ملا، تو کیا کرے گا عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا

---

[1] ابوداود: الجامع السنن، ۴: ۱۸۔ ۱۹: حدیث ۳۵۹۳ ــ ۳۵۹۲: الترمذی: الجامع السنن، حدیث ۱۳۲۷، کتاب الاحکام۔

اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن و سنت کی روح کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس کے لئے اپنی پوری کوشش کرنا عین منشائے اسلام ہے۔

ب۔ حدیث عمرو بن العاص

مشہور صحابئ رسول اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجرانِ واذا حکم فاجتهد فاخطأ فلهٔ اجرٌ له	جب کسی معاملے میں کسی حاکم نے فیصلہ کیا بشرطیکہ اس نے اس میں خوب اجتہاد کیا ہو، تو اگر اس کا فیصلہ درست ہوا، تو اسے دوہرا ثواب ملے گا (ایک صحیح فیصلہ کرنے کا اور دوسرا اجتہاد کرنے کا) اور اگر اس نے اجتہاد کے باوجود غلطی کی تو اسے ایک اجر ملے گا (اجتہاد کرنے کا)

ج۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ :۔

اجتهد وا فکلٌ میسر لما خُلِقَ لهٗ	تم اجتہاد کرو، اس لئے کہ انسان کو وہ شئی مل کر رہتی ہے، جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہو۔

۳۔ تعامل صحابہ

ا۔ عمل صدیق اکبرؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا؛ اسی لئے مروی ہے کہ جب انہیں کسی مسئلے کا قرآن مجید اور احادیث میں واضح حکم نہ ملتا، تو وہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور جب کسی رائے پر تمام صحابہؓ متفق ہو جاتے، تو اسی رائے پر عمل کیا جاتا؛ اور یہ بھی روایت

---

[1] البخاری، کتاب الاعتصام، ۱/۱۳۲۔ [2] مسلم، کتاب الاقضیہ، ۳: ۱۳۴۲۔ حدیث ۱۷۱۶

ہے کہ وہ ذاتی اجتہاد کے بعد فرمایا کرتے تھے: یہ میری رائے ہے، اگر درست ہو، تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو، تو میری طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں:

ب۔ عمل عمر فاروقؓ :

اسی طرح حضرت عمرؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ جب کسی مسئلے کا حکم صریحًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہوتا تھا۔ تو آپ صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے اور جو کچھ کہا جاتا اس کو بحث و تمحیص کے بعد قبول کر لیتے۔ اور جب تک ہر ایک قسم کا شبہ دور ہو کر ان کو کامل اطمینان نہیں ہو جاتا، اس وقت تک وہ بحث و مناظرے کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ اسی لئے ان کے فیصلوں اور فتووں کو اہل علم کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اسی بنا پر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا، تو ابراہیم نخعیؒ نے، (جو امام ابوحنیفہؒ کے استاذ الاستاذ) ہیں کہا کہ آج علم کے ۹/۱۰ حصے دنیا سے اٹھ گئے[1]

حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد

اسی طرح مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت شریحؒ کو کوفے کا قاضی مقرر کیا، تو ان سے فرمایا:

"اللہ کی کتاب میں غور کرنا اور اگر تجھے اس میں حکم مل جائے، تو کسی سے دریافت نہ کرنا اور اس میں نہ ملے، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کرنا اور اگر سنت میں نہ ملے تو اپنی رائے پر عمل کرنا۔"

ان تمام حوالہ جات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں مختلف مسائل و معاملات کے حل کے لئے "اجتہاد" کی ضرورت و اہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے ذریعے مسائل و معاملات کے حل پر زور دیا گیا ہے۔

۴۔ اجماع امت

پھر اسی پر امت کا اجماع بھی ہے کیونکہ فقہی مسائل کے لئے "اجتہاد" کا ادارہ قرن اول

---

[1] شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ ۱: ۶۱۶۔ (اردو ترجمہ)

ہی میں معرض وجود میں آگیا تھا چنانچہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی عدم موجودگی میں "اجتہاد" واستقراء سے کام لیا کرتے تھے اور آپ نے متعدد احکام ومسائل کا اسی ذریعے سے استخراج فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ [1] — بیشک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر (نشانات) میں سے ہیں۔

اس سے آپ نے یہ حکم استنباط کیا کہ حج و عمرہ میں سعی کی ابتدا صفا سے کی جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

ابدؤا بما بدأ اللّٰہ تعالیٰ بہ۔ — اسی سے آغاز کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز کیا ہے۔

یا سورج اور چاند گرہن کے وقت نماز ادا کرنا، یا وقت عذر استقبال قبلہ کی فرضیت کا ساقط ہونا وغیرہ، کہ ان مسائل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اجتہاد سے کام لیا ہے[2]۔

عہد نبوی کی طرح عہد خلفائے راشدین میں بھی وسیع پیمانے پر "اس ذریعے" سے کام لیا گیا ہے، چنانچہ ہمیں اس عہد کے مجتہدین کی فہرست میں اکثر صحابہ کرام کے اسمائے گرامی ملتے ہیں جن میں خلفائے راشدین عشرۂ مبشرہ، عبادلہ ثلٰثہ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو ذر الغفاریؓ اور اسی طرح کے دیگر اکابر صحابہ شامل ہیں

صحابہ کرامؓ سے یہ علم تابعین کے سینوں میں منتقل ہوا اور ان کے بعد تبع تابعین اس کے وارث بنے۔ جن میں بطور خاص ائمۂ اربعہ: امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا نام قابل ذکر ہے، جنہوں نے خصوصی طور پر اس شعبے کو ترقی دی اور تمام عصری مسائل کا حل اس کے ذریعے تلاش کر کے امت کے سامنے پیش کیا۔

ان ائمہ کرام میں سے امام ابو حنیفہؒ کا ذکر خصوصی توجہ کا مقتضی ہے۔ کیونکہ ان کے طرز عمل کو

---

[1] البقرہ ــــ ۱۵۸ [2] حجۃ اللہ البالغہ، ۱: ۵۲۳، ۵۳۲

"پارلیمنٹ" میں اجتہاد کے لئے ایک مثال بنایا جا سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے سوانح نگار ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ نے جس طریق سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا تھا وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا، اس لئے انہوں نے اتنے بڑے اور اہم کام کو محض اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا، اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص منتخب کئے اور ان کی ایک مجلس بنائی۔ الطحاوی نے ان میں سے تیرہ کے نام دیے ہیں۔ جن میں امام ابویوسف اور امام زفر نمایاں شخصیتیں تھیں۔ اس طرح گویا فقہ کا ایک ایسا ادارۂ علمی تشکیل پذیر ہو گیا۔ جس نے امام ابوحنیفہ کی سرکردگی میں تیس برس تک کام کیا" امام اعظم کی زندگی ہی میں اس مجلس کے فتاویٰ نے حسن قبول حاصل کر لیا تھا۔ جیسے جیسے یہ فتاویٰ تیار ہوتے جاتے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں پھیلتے جاتے تھے[1]۔

چنانچہ صاحب "قلائد عقود العقیلین" نے "کتاب الصیانۃ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے اس طریقے سے جو مسائل مدوّن کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ۔ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔

اس مجلس میں مسائل کو باہمی تبادلۂ خیال اور پوری بحث و تمحیص کے بعد "مدوّن" کیا جاتا تھا، اور اس کے متعلق مجلس میں شریک ہر فرد کی رائے لی جاتی تھی۔ اس مجلس میں حدیث و سیرت کے ماہرین بھی تھے اور رائے و قیاس کے متبحرین بھی۔ اس طرح باہمی تبادلۂ خیال کے بعد جو رائے سامنے آتی تھی وہ ہر پہلو سے جامع اور مکمل ہوتی تھی۔ افسوس کہ اس طریق کار کو امام ابوحنیفہؒ کے بعد جاری نہ رکھا جا سکا، ورنہ شاید امت اس اختلال و انتشار تک نہ پہنچتی۔ جو ایسے ادارے کی عدم موجودگی میں پیدا ہوا اور اب تک جاری و ساری ہے۔

---

[1] J. Schacht مقالہ ابوحنیفہ، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لائیڈن؛ نیز اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱: بذیل مادہ (۱: ۷۴۴)

اس طرح "امت" نے بلااتفاق اجتہاد کے ذریعے اپنے جملہ مسائل و معاملات کا حل تلاش کیا اور وقت کے تقاضوں کی تکمیل فرمائی۔ اگر اسلام میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی، یا اجتہاد کا یہ عمل جاری نہ ہوتا، تو امتِ مسلمہ کو اپنے صدیوں کے سفر میں جن مصائب و مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کا تصور ہی سوہان روح ہے۔

۵۔ اقوال ائمہ کرام

ائمہ کرام کے ذاتی عمل، زندگی بھر کی شبانہ روز محنت اور بے پناہ علمی کاوشوں کے علاوہ جن کی داد نہ دینا، بہت بڑی کوتاہی ہے۔ ان کے اقوال سے بھی "اجتہاد" کی ضرورت واہمیت کا اثبات ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں :

لایحل لاحد ان یقول بقولنا حتّٰی یعلم من این قلنا

کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول کی پیروی کرے، جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے یہ موقف کس بنا پر اختیار کیا ہے۔

جبکہ امام مالک کا قول ہے :

انما انا بشر اخطی واصیب انظروفی رائی کلما وافق الکتاب والسنة فخذو بہ وما لم یوافق الکتاب والسنة فاترکوہ۔

میں بھی ایک انسان ہوں، غلط فیصلہ بھی دے سکتا ہوں اور صحیح بھی، لہٰذا تم میری رائے پر غور کیا کرو پس جو رائے کتاب و سنت کے مطابق ہو اسے اختیار کرو اور جو رائے قرآن وسنت کے خلاف ہو، اسے چھوڑ دو۔

چنانچہ اسی بنا پر امام مالکؒ نے مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ لوگوں کو مالکی مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دے۔

اسی طرح امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ :

ما قلت وکان النبی

اگر میرا کوئی قول فرمان نبوی کے خلاف ہو، تو

علیہ وسلم قد قال بخلاف قولی فما صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ ولا تقلدونی و اذا صح خبر یخالف مذھبی فاتبعوہ واعلموا انہ مذھبی۔

اس وقت میری تقلید نہ کرو اور اگر کوئی ایسی صحیح حدیث مل جائے، جو میرے قول کی مخالف ہو، تو میرا قول چھوڑ کر اسی کی تقلید کرو اور جان لو کہ وہی میرا مسلک ہے۔

علیٰ ہذا القیاس امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

لا تقلدونی ولا مالکاً ولا الشافعی ولا الثوری وخذوا من حیث اخذوا[1]

تم نہ میری تقلید کرو، نہ امام مالک امام شافعی اور امام الثوری کی۔ بلکہ انہیں ماخذوں کو پیش نظر رکھو، جو ان ائمہ کے پیش نظر تھے۔

پھر جس طرح ابتداءً مجتہد کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق رہتا ہے، اسی طرح بعد میں بھی وہ اپنی رائے تبدیل کرنے کا مجاز تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری کو ایک خط میں تحریر فرمایا تھا:

جو فیصلہ تم نے آج کیا پھر تم نے اس فیصلے سے رجوع کرتے ہوئے اپنی صائب رائے سے صحیح فیصلہ کر لیا، تو اپنے سابق فیصلے کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرو، کیونکہ حق قائم دائم رہتا ہے اور کوئی شی اسے حق ہونے سے نہیں روک سکتی، لہٰذا حق کی طرف رجوع کرنا زیادہ عرصہ باطل پر رہنے سے بہتر ہے[2]

اس سے واضح ہوا کہ اجتہاد تسلسل سے جاری وساری رہنے والا ایک عمل ہے۔ یہ ہر دور اور ہر زمانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی کا کوئی باب بھی رقم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مجتہد اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، کوئی فیصلہ صادر کر دے تو اس کے باوجود اس مسئلے میں نہ تو خود اس کے لئے اجتہاد کا دروازہ بند ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے کسی شاگرد، مقلد اور متبع کے لئے اس مسئلے میں غور وفکر کرنے کی گنجائش اختتام کو پہنچتی ہے۔ لہٰذا "مجتہد فیہ" ایسے مسائل

---

[1] المحمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی، ص ۲۲۱-۲۲۲

[2] الماوردی: الاحکام السلطانیہ، ص ۶۸؛ ابن عبد ربہ: العقد الفرید ۱: ۸۶، وغیرہ

جن میں اجتہاد سے فیصلہ کیا گیا ہو) مسائل کے متعلق عوام و خواص میں جو تعصب و شدت پایا جاتا ہے جس نے امت مسلمہ پر جمود و سکوت کی کیفیت طاری کر دی ہے اس کی اسلام میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی، المحمصانی اپنی کتاب فلسفۃ التشریع الاسلامی میں لکھتے ہیں:

"مذکورہ بالا تمام دلائل سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ شرع میں اندھی تقلید جائز نہیں اور یہ کہ اجتہاد ہر اس شخص پر فرض ہے جو عالم ہو اور اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو۔ ان دلائل سے ایک اور مسئلے پر بھی روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ مجتہد کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی۔

اجتہاد کے واجب ہونے تقلید کے ممنوع ہونے سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ جب کسی مجتہد یا قاضی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے سابقہ فیصلے میں غلطی کی ہے تو اسے اپنے اس غلط فیصلے کی پابندی لازم نہیں۔"[۱]

تاہم جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے، اجتہاد کے لئے بہت سی شرائط ہیں اور اجتہاد کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اس لئے جہاں اس سلسلے کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہاں ان تقاضوں اور شرائط کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے جن کے بغیر "اجتہاد" اجتہاد کے بجائے زندقہ اور الحاد قرار پاتا ہے۔

بقیہ: استدراک

کا اعلان کر دے حالانکہ خالد بن ولید نے اصرار کیا کہ اس وقت کی حاصل شدہ بالادستی سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو پوری طرح کچل دیا جائے لیکن ابوسفیان نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور جنگ روک کر اپنے لشکر کو واپس لے کر چلے گئے۔ جس نوبت پر یہ احد کی جنگ ختم ہوئی اس کو کسی طرح بھی دشمن کی شکست نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی کتب مغازی میں جنگ احد کو باعتبار نتیجہ دشمن کی شکست کہا گیا ہے۔

امید کہ آنجناب بخیریت ہوں گے اور اسلامی فقہ اکیڈمی کے اگلے سیمینار کی جس کی میزبانی آپ نے قبول فرمائی ہے تیاریاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ سیمینار میں ان شاء اللہ شرف ملاقات حاصل ہوگا۔ آپ کی صحت اور سیمینار کی کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔ والسلام

سید امین الحسن رضوی (صاحب)

حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

ماخوذ از ماہنامہ "دارالسلام"

حضرت شیخ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے ان بزرگوں میں ہیں جن کا نام ہندوستان کے ہر طبقہ میں عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ اور خاص طور پر سکھ مذہب کے بانی گرو نانک گو ان سے دو صدی بعد پیدا ہوئے، مگر وہ ان کی تعلیمات سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے بہت سے اشعار انھوں نے گرو گرنتھ میں شامل کر لئے۔

عام طور پر صوفیاء نے اپنی تعلیمات میں توحید و آخرت کے تصور کے ساتھ سب سے زیادہ انسان دوستی، مہر و محبت اور خدمتِ خلق اور مساوات انسانی پر زور دیا ہے اور نہ صرف زبانی طور پر اس پر زور دیا ہے بلکہ اپنے طرز عمل سے بھی انھوں نے اس کا نمونہ پیش کیا جس کی وجہ سے وہ دوست دشمن سب کے نزدیک قابل قبول رہے اور ان کے حلقۂ ارادت میں مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ غیر مسلموں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل رہی جس کے اثرات اس فرقہ پرستی کے دور میں بھی ان کے مزاروں پر حاضری کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ایک بار کسی نے ایک قینچی تحفہ میں پیش کی فرمایا کہ "مجھے سوئی دو میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں" یہ جملہ ان کی انسان دوستی اور جذبۂ خدمت کی بہترین مثال ہے ان کے چند ملفوظات ملاحظہ ہوں۔

مِنْ اَعْقَلِ النَّاسِ تَارِكُ الذَّنْبِ	سب سے عقل مند وہ ہے جو گناہوں کو ترک کر دے
مِنْ اَكْيَسَ النَّاسِ اَلَّذِىْ لَا يَغْتَرُّ بِشَيْءٍ ٥	سب سے سمجھدار انسان وہ ہے جو کسی کو دھوکہ نہ دے۔

مِنْ اَغْنَی النَّاسِ اَلْقَانِعُ مِنْ — قناعت کرنے والا سب سے بڑا مالدار ہے۔
اَفْقَرُ النَّاسِ تَارِكُ الْقَنَاعَةِ — سب سے زیادہ محتاج وہ انسان ہے جس میں قناعت نہ ہو۔

فرماتے ہیں۔

اللّٰہُ یَسْتَحِیْ مِنَ الْعَبْدِ اَنْ یَرْفَعَ اِلَیْہِ یَدَیْہِ وَیَرُدُّھُمَا خَائِبِیْنَ — بندہ اپنی ضرورت کے لئے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے تو اللہ کو خالی ہاتھ لوٹاتے حیا آتی ہے۔

ارشاد ہوا۔

اگر ہست غم نیست، واگر نیست غم نیست — ہے تو غم نہیں، نہیں ہے تو فکر نہیں۔
کارِ گرم خود بسخنِ سردِ مرداں نباید گذاشت — لوگوں کی دل شکن باتوں کی وجہ سے اپنی سرگرمی چھوڑنی نہیں چاہئیے۔

اَلْاٰفَةُ فِی التَّدْبِیْرِ، وَالسَّلَامَةُ فِی التَّسْلِیْمِ۔ — تدبیر پر بھروسہ کرنے میں آفت ہے اور اللہ کے سپرد کرنے میں سلامتی ہے۔
اَلْعُلَمَاءُ اَشْرَفُ النَّاسِ وَالْفُقَرَاءُ اَشْرَفُ الْاَشْرَافِ — لوگوں میں سب سے افضل علماء ہیں اور افضلوں میں افضل درویش ہیں۔
اَرْذَلُ النَّاسِ مَنِ اشْتَغَلَ بِالْاَکْلِ وَاللِّبَاسِ — انتہائی ذلیل ہے جو صرف کھانے اور پہننے کے چکر میں لگا رہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ غیاث الدین بلبن کے نام میرے لئے ایک سفارشی خط تحریر فرمادیں۔ بابا فرید الدینؒ نے اس پر شیخ بدر الدین سے جو خط لکھوایا وہ علم و حکمت کا شاہکار ہے، لکھا

رَفَعْتُ قَضِیَّتَهُ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ اِلَیْكَ فَاِنْ اَعْطَیْتَهُ شَیْئًا فَالْمُعْطِیْ ھُوَ اللّٰہُ وَاَنْتَ الْمَشْکُوْرُ وَ اِنْ لَمْ تُعْطِهِ شَیْئًا فَالْمَانِعُ ھُوَ اللّٰہُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ۔ — میں اس شخص کا معاملہ اللہ کے سامنے اور پھر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اگر تم نے اس کی حاجت روائی کی تو اصل میں حاجت روا اللہ ہے اور تم شکر گذاری کے مستحق ہو اور اگر تم نے اس کی حاجت روائی نہ کی تو روکنے والا اللہ ہے اور تم معذور ہو۔

ہندوستان میں اسلام کی روشنی انہی قدسی صفات برگذیدہ حضرات کی وجہ سے پھیلی۔

(ماخوذ از ماہنامہ "دارالسلام")

اقدامِ اُمّت کانفرنس
کے بارے میں

راقم الحروف نے ایس۔ آئی۔ ایم کے نوجوانوں سے کئی ملاقاتوں کے بعد یہ محسوس کیا کہ ان کے اندر وسعت نظری کے ساتھ دین وملت کے کام کرنے کا شوق ہے اس لئے علماء کو ان کی ہمت افزائی کرنی چاہئے حالات کو دیکھکر جو احساسات اور جذبات ہمارے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور انھیں ہم عملی جامہ نہیں پہنا پاتے بحمد اللہ ان کے اندر ان کو عملی جامہ پہنانے کا پرشور مگر با ہوش جذبہ موجود ہے۔ راقم الحروف نے ان کی " اقدام امت" کانفرنس کے سلسلہ میں جو پیغام دیا تھا اس کو پاکر ایس۔ آئی۔ ایم کے ایک ذمہ دار نے جو خط بھیجا ہے اس سے آپ ان کے جذبات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہی ان کے عمومی جذبات ہیں جو کشاں کشاں بمبئی جانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ (مرتب)

مولانائے محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے بخیر وعافیت ہوں۔ آپ کا قیمتی پیغام ابھی موصول ہوا۔ جزاکم اللہ۔ فراہی سیمینار سے فارغ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ کی پرسوز گفتگو، اخلاص بے ریا اندازِ گفتگو نے بہت اثر ڈالا۔ آپ کے پاس اسلاف کی سادہ زندگی اور اعلیٰ فکر کی قدیم روایات کا حسین اظہار دیکھ کر دل سرشار ہو گیا اور محبت کی ایک عجیب جوت جگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے اور علماء کی نئی نسل کو سوز و خلش اور دردمندی کی وہ سعادت نصیب فرمائے جس سے آپ لوگ ساری عمر سراپا شوقِ جستجو بنے اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈتے رہے۔ محترم مولانا! اپنی پرسوز دعاؤں اور شب کی تنہائیوں میں ہمارے لئے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت کے لئے دعا فرمائیں۔ اپنے علم و بصیرت سے ہماری اور ہمارے جواں سال ہمسفروں کی ایسی کچھ رہنمائی کیجئے کہ ہم اپنے رب کو پالیں۔ اس

کی خوشنودی کے مستحق بن سکیں دنیا میں اس کی خاطر جئیں اور دنیا سے اس کے کلمہ کو سربلند کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے رخصت ہوں۔

ہم اپنے نفس کے تزکیہ کے لئے آپ جیسے صاحب علم و صاحب دل بزرگ سے تعاون کے خواستگار ہیں۔ ہم اپنے نفس کا ایسا تزکیہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی تمام الجھنوں کو نورِ الٰہی کی روشنی میں دیکھ سکیں اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں تمام پیچیدگیوں کو سلجھانے کی استعداد پیدا کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ نفس ہمیں دھوکہ نہ دے سکے اور متاعِ نورِ ایمان جیسی متاع ہم سے نہ چھین لے۔ ہم یہ اطمینان چاہتے ہیں کہ سمت سفر ہماری درست اور ٹوٹی پھوٹی کوشش اجرِ آخرت کی مستحق ہو سکیں۔ اصلاح حال اور تزکیۂ نفس کے اس پیچیدہ عمل میں آپ بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں اور ہم ہمیشہ اس کے لئے آرزومند رہیں گے۔

آپ نے جن خوشگوار توقعات کا اظہار فرمایا ہے دعا کیجئے ہم بعینہٖ اس کے مصداق بن سکیں۔ جس محبت اور قدر افزائی کے جذبہ سے آپ نے یہ سطریں تحریر فرمائی ہیں خدا ہی اس کا اجر دے سکتا ہے۔ ہم ممنون و سپاس گزار ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حوصلہ افزائی و خورد نوازی کی یہ بہترین مثال ہے۔ احباب بخیر ہیں اور آپ کی صحت و سلامتی کی دعا کے ساتھ سلام شوق و محبت پیش کرتے ہیں۔ امید ہے اپنی دعاؤں میں ہمیں فراموش نہیں کریں گے۔ والسلام

محتاجِ دعا ——— عبدالعزیز جامعہ نگر، نئی دہلی

بقیہ: "الرشاد" کی ڈاک ...

وعدہ کیا تھا۔ براہ کرم اسے آپ کے مجلہ میں شائع کرا کر عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ اسی طرح آپ نے "الافشاد" کی طرف بھی رہنمائی فرمائی تھی۔ اگر ممکن ہو تو کسی وقت اس کے باب "وقت" کا ترجمہ بھی کروا دیں ... عین نوازش ہوگی۔ میرا پتہ انگریزی میں پیچھے دے رہا ہوں مجلہ الرشاد کا چندہ تعاون کتنا ہے اور کس شکل میں بھیجنا ہوگا۔ براہ کرم مطلع فرمائیں۔ والسلام

(جناب) محمد یوسف صاحب، ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ایم

کیراف میسرز کوہ نور اسٹیل فرنیچر، بیہانڈ اردو پرائمری اسکول، بھلدار پورہ ناگپور

استدراک

محترم سید امین الحسن رضوی صاحب نے الرشاد کے جن تین مضمونوں پر استدراک کیا ہے وہ قابل غور ہیں اس لئے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔ موصوف کے اس استدراک کے شائع کرنے کا دلی میں میں نے ذکر کیا تو انہوں نے ازراہ تواضع کہا کہ اسے شائع کرکے میری روسیاہی نہ کریں پھر مجھے خط بھی لکھا مگر عام طور پر ہم "ہرش نیز بگو" کے تو عادی ہوگئے ہیں جس سے ایک خوشامد طلبی کا ذہن پیدا ہوتا ہے اس لئے "عیبش نیز بگو" والی سنجیدہ تحریریں بھی الرشاد کے صفحات میں شائع کردی جاتی ہیں تاکہ دل و دماغ کا توازن بگڑنے نہ پائے اور لکھنے والے کی روسیاسی نہیں بلکہ اسکی علمی راہ نمائی سے اپنی کم علمی کی روسیاہی کا احساس پیدا ہوسکے اور وہ دور ہوسکے۔ (مرتب)

مکرمی و محترمی! سلام و تحیات

'الرشاد' کے ماہ اکتوبر کے شمارہ میں شائع شدہ بعض مضامین کے بارہ میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔ 'قرآن پاک میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ' کی آٹھویں قسط شائع ہوئی ہے اسمیں صفحہ ۹ پر صاحب مضمون نے علامہ بحرانی کی ابن بابویہ سے مروی ایک روایت نقل کی ہے کہ "جب قریش اور یہود نے قرآن کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے جسے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالی نے فرمایا الٓمٓ ٥ ذالک الکتاب..." اس روایت کو تسلیم کرنے میں ایک اشکال یہ ہے کہ سورۃ بقر بالاتفاق مدنی سورۃ ہے (گو بعض مفسرین کرام کے بقول اس کی بالکل آخری چند آیات مکہ میں نازل ہوئی تھیں)۔ مدینہ میں قریش موجود

نہیں تھے اور یہاں آپ کا سابقہ صرف یہود و منافقین سے تھا۔ یہود کی طرف سے قرآن کے کھلا ہوا جادو ہونے کا اعتراض کتب تاریخ میں منقول نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ اتہام تو مکی دور نبوی میں قریش کرنے لگا یا تھا اور وہ بھی ابتدائی دور میں، جس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن ہی کے ذریعہ دے دیا تھا۔ مکی دور کے ختم ہونے کے کئی برس بعد جبکہ قریش سے کوئی ربط باقی نہ رہا تھا۔ ان کے (یعنی قریش و یہود دونوں کے) کئی برس پہلے کئے ہوئے اعتراض کا جواب دینے کا محل کیا تھا؟

صاحب مضمون نے اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "حروف مقطعات صرف فواتح ہیں...." صفحہ ۱۰، اور پھر اپنی رائے کی تائید میں "نقلی اور عقلی دلائل دیئے ہیں" وہاں بات کچھ گنجلک ہو گئی ہے۔ صاحب مضمون نے کہا ہے کہ "قرآن کی بعض سورتوں کا حروف مقطعات سے شروع ہونا اسالیب عرب سے بالکل مختلف ہے" اور "حروف مقطعات کے ذریعہ قرآن کریم ان کے مروجہ کلام سے ممتاز ہوتا ہے" (صفحہ ۱۱) جس کا مطلب یہ کہ حروف مقطعات کا استعمال اہل عرب میں مروج نہ تھا اور پہلے پہل قرآن نے اسے اختیار کیا اور یہ قرآن کے اسلوب کا منفرد امتیاز ہے لیکن آگے چل کر صفحہ ۱۲ پہ علامہ سیوطی کی یہ بات بھی اپنی رائے کی تائید میں نقل کی ہے کہ "حروف مقطعات شیریں، پُروقار، نازک اور سلیس الفاظ میں داخل ہیں جن سے ادبا، اپنے کلام کا آغاز کرنا چاہتے ہیں"۔ علامہ سیوطی کے اس بیان سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ حروف مقطعات کا استعمال عربوں کے لئے یکسر نامانوس نہیں تھا اور وہ اسے استعمال کرتے تھے۔ علامہ سیوطی کی یہ رائے صاحب مضمون کے اختیار کردہ موقف کے خلاف جاتی ہے۔

مفسرین قرآن میں سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے حروف مقطعات کے بارہ میں کم و بیش وہی خیال ظاہر کیا ہے جو صاحب مضمون عبدالجبار احمد حسین شراسہ صاحب نے ظاہر کیا ہے۔ تفسیر "تفہیم القرآن" کی جلد اول میں سورہ بقرہ کے آغاز میں آئے ہوئے حروف مقطعات الٓمّٓ کے تشریحی نوٹ میں مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے "....جس زمانے میں قرآن مجید نازل ہوا اس دور کے اسالیب بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا خطیب شعراء دونوں اس اسلوب سے کام لیتے تھے چنانچہ اب بھی ایام

جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں ان میں اس کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ آگے مولانا مرحوم نے ایک اچھی عقلی دلیل دی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "اس استعمالِ عام کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا اور کوئی سمجھتا ہو...... یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں جو تم بعض سورتوں کی ابتدا میں بولتے ہو۔ واقعہ بھی یہی کہ اس دور میں جو بھی اعتراضات مخالفین نے قرآن پر کئے وہ سب کتب سیر و تاریخ میں منقول ہیں لیکن ان میں حرف مقطعات کی ادبی بدعت یا بقول مولانا مودودیؒ ان "بے معنی حروف" کے داخل اور شامل تلاوت کئے جانے کے بارہ میں کوئی اعتراض ہمیں نہیں ملتا۔

اس سلسلہ میں یہ اظہار باعث دلچسپی ہوگا کہ میں نے مولانا مودودی مرحوم کی خدمت میں یہ عرض کی تھی کہ جہاں انھوں نے یہ بات لکھی کہ "اس دور کے اسالیب بیان میں اسی طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا....." وہاں اگر اسی دور کے کلام کی چند مثالیں اپنے اس بیان کی تائید میں نقل کر دیتے تو بات مکمل ہو جاتی اور تجویز پیش کی کہ آئندہ ایڈیشن میں وہ ایسی کچھ مثالیں نقل کر دیں۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ فی الحال میرے استفادے کے لئے مجھے ایسی کوئی مثال تحریر فرمادیں۔ جواب میں مولانا مرحوم نے اپنے مکتوب میں مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۵ء میں لکھا "..... تفہیم القرآن کے بارہ میں جو امور آپ نے نوٹ کئے ہیں ان کو میں نے محفوظ کر رکھا ہے اور انشاء اللہ ان پر غور کر کے جہاں اصلاح کی ضرورت ہوگی وہاں اصلاح کر دوں گا۔ اس تکلیف فرمائی کے لئے آپ کا شکر گذار ہوں۔ حروف مقطعات کی جو توجیہ میں نے کی ہے اس کی دو مثالیں مشہور امام لغت ابو اسحاق الزجاج نے دی ہے ......" اس کے بعد مولانا نے دو اشعار نقل کئے تھے جو دونوں حروف مقطعات پر ختم ہوتے تھے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ اصل خط ایک صاحب مجھ سے لے گئے اور واپس نہیں کیا اور اس کی قلمی نقل جو میرے پاس چھوڑی اسمیں خط کے باقی مضمون کی نقل تو ہے لیکن وہ اشعار نقل نہیں ہوئے ہیں۔ مولانا کے اس خط کے وصول ہونے کے بعد میں نے پھر مولانا مرحوم کو لکھا کہ آپ نے جو دو مثالیں نقل فرمائی ہیں وہ اشعار کی ہیں اور ان میں بھی حروف

مقطعات آخر میں آئے ہیں میں ممنون ہوں گا اگر آپ نثر کی کچھ مثالیں تحریر فرمادیں۔ اس کے جواب میں مولانا مودودیؒ نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۹ راکتوبر ۱۹۷۰ء میں تحریر فرمایا" حروف مقطعات کے متعلق میں نے جو دو مثالیں نقل کی ہیں وہ صرف یہ بتانے کے لئے نقل کی ہیں کہ اس قسم کے حروف کا استعمال قدیم اہل عرب میں معروف تھا۔ یہ خواہ اشعار ہوں یا خطبات میں خواہ آخر میں ہوں یا ابتداء میں اس طریق استعمال کا قدیم عرب میں پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اہل عرب میں اس طرح مجرد حروف کا استعمال رائج تھا۔ بیماری کی وجہ سے اس وقت خطبات عرب میں سے اس کی مثالیں تلاش کرنے سے معذور ہوں"۔

اس کے بعد کا مضمون ' اسلامی قانون میں قرائن کی حجیّت ' ہے اس میں صفحہ ۱۴ پر قرائن نصیہ کے ذیل میں مثال ۱ کے تحت سورہ یوسف کی آیت ۲۶، ۲۷ سے استدلال کیا گیا ہے اور اس کے آغاز میں لکھا ہے "کپڑے کا پھٹنا مباشرت اور صحبت پر قرینہ بنایا گیا ہے" یہ بیان محل نظر ہے اول تو یہ کہ وہاں معاملہ مباشرت اور صحبت کا تھا ہی نہیں۔ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام پر اس سے زبردستی مباشرت اور صحبت کا الزام نہیں لگایا تھا بلکہ صرف دست درازی کا الزام لگایا تھا۔ قرآن نے بھی جو کچھ اجمالاً ذکر کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ معاملہ اگر اسی وقت کی مباشرت وصحبت کا ہو، خواہ بالرضا طرفین ہی، تو اس کے واضح قرائن تو دوسرے ہوتے ہیں۔ اور اگر بالجبر کا ہو تو اس کے قرائن بھی بہت دوسرے اور مختلف ہوتے ہیں۔ کپڑے کا پھٹنا ان کے منجملہ صرف ایک ہے اور اس صورت میں کپڑے بھی طرفین کے پھٹتے ہیں نہ کہ صرف ایک کے۔

مزید یہ کہ ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے صاحب مضمون نے دونوں جگہ زلیخا اور یوسف لکھ دیا ہے جو قوسین میں بھی نہیں ہے جبکہ آیات متعلقہ میں ان دونوں کا نام نہیں ہے اور "زلیخا" کی حد تک تو کوئی معتبر روایت ایسی ہے ہی نہیں کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا نام تھا۔ ترجمہ کا صحیح انداز یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرت یوسف کا نام قوسین میں ہوتا چنانچہ آگے صفحہ ۲۵ پر جب دوبارہ یہ آیت نقل ہوئی ہے وہاں اس کے ترجمہ میں یہ احتیاط

موجود ہے کہ اس میں "زلیخا" کا نام نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا نام تو سین میں ہے۔
اسی صفحہ ۱۲ پر قرائن نصیہ کے ذیل میں مثال نمبر ۴، ۵ احادیث پر مبنی ہیں جو قرائن نصیہ کے ذیل میں نہیں آتیں لیکن انھیں قرائن نصیہ کے ذیل میں درج کیا گیا ہے پھر اس مثال نمبر ۵ (کنواری لڑکی کے خاموش رہنے کو اجازت نکاح کا قرینہ ماننا) کو آگے صفحہ ۲۶، ۲۷ پر "قرآن کی حجیت پر احادیث سے دلائل" کے عنوان کے تحت حدیث نقل کیا گیا ہے۔
اس کے بعد کا مضمون "حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور معجزہ نبوی" مولانا منظور احمد نعمانی صاحب کا ہے اس مضمون میں مولانا نے لکھا ہے " پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پانسہ پلٹا صحابہ کرام جو منتشر ہوگئے تھے ..... پھر منظم ہوگئے اور اللہ تعالیٰ غیبی مدد سے پھر دشمن کو شکست دی (صفحہ ۳۲) مولانا کے اس بیان میں دو باتیں خلاف واقعہ ہیں ایک تو صحابہ کرام کے پھر سے منظم ہوجانے کی بات اور دوسری دشمن کو شکست دینے کی بات۔ گفتگو میدان جنگ اور ہنگام جنگ کی ہورہی ہے، اس سیاق میں جب صحابہ کے منتشر ہوجانے کے بعد "پھر منظم ہوگئے" کہا جائے گا تو لازماً اس سے مراد صحابہ کا دوبارہ صف بند ہوجانا ہوگا جبکہ تاریخاً یہ درست نہیں ہے صحابہ کرام اس طرح منظم نہیں ہوئے تھے کہ اسے ان کی باضابطہ صف بندی کہا جاسکے بلکہ سوائے ان چند جاں نثاروں کے جو رسول اللہ کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھے باقی تمام صفیں ٹوٹ چکی تھیں اور جنگ کے ختم ہونے تک صحابہ منتشر حالت ہی میں تھے۔
دشمن کو شکست دینے کی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ لشکر قریش اول مرحلہ میں تو بے شک پسپا ہوا تھا اور مسلمانوں کی فتح یقینی نظر آرہی تھی لیکن بعد کو مسلمانوں کی غلطی اور خالد بن ولید کی تدبیر کی وجہ سے (جو اجمالاً مولانا نعمانی نے بیان فرمائی ہے) پانسہ پلٹا اور مسلمانوں پر لشکر قریش کا دباؤ پڑ گیا اور نتیجہ میں مسلمانوں کی بظاہر یقینی فتح ان کی یک گونہ ہزیمت میں تبدیل ہوگئی تھی اور اگر لشکر کفار کی طرف سے جنگ جاری رکھی جاتی تو بظاہر اسباب مسلمانوں کی ہی کامل شکست یقینی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو سفیان، سالار لشکر قریش کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس غیر فیصلہ کن نوبت پر یکطرفہ طور پر جنگ بندی

(بقیہ صفحہ ۳۶ پر)

الرشاد کی ڈاک

محترمی و مکرمی مدیر ماہنامہ جامعۃ الرشاد سلام مسنون

اللہ کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ تحریر کردہ احوال یہ ہے کہ اس ماہ کا شمارہ ذرا تاخیر سے ملا۔ رسالہ پاکر دل طول سار ہتا ہے بشمول تمام تر نگارشات لائق استفادہ و قابل صد تحسین ہیں خصوصاً قرآن پاک میں حروف مقطعات کا سلسلہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے علاوہ ازیں مسعود سعید الاعظمی صاحب کا مضمون "اسلام اور مسئلہ جنس" بہت مفید اور راہبیت کا حال ہے "البلاغ" سے ماخوذ "دین کے بنیادی مسائل یا فروعی" خاصہ کی چیز ہے جو حضرت شاہ صاحب کشمیری جیسے نیک بندوں کی بھی عالی شان ہوتی ہے" یہ سچ ہے فرقہ واریت نے وحدتِ ملت کو زبردست نقصان پہونچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اسلاف کے نقشِ قدم پر عمل پیرا ہونے کی سعادت بخشے۔

آپ کے عالمی مسلمانوں کے مسائل پر گہرے فکر کے باعث ہر ماہ تجزیہ تبصرہ بڑا جامع ہوتا ہے یقیناً آج ہم اسلامی شعار کو بھلا کر مغربی تہذیب و تمدن کے فریب میں آتے جارہے ہیں اور ہمارا معاشرہ دنیاوی آسائشوں کی جکڑ بندیوں میں مبتلا ہے۔ کوئی پریشانی آتی ہے تو ہم وقتی طور پر اس کا مداوا تو ڈھونڈتے ہیں، مگر اس کے تدارک کے لئے مسلسل اسباب تلاش نہیں کرتے ہیں۔

شادی و دیگر تقریبات میں اسراف بیجا کی ایک عام روش بنتی جارہی ہے وہیں دوسری جانب مفلوک الحال مسلمان شب و روز اس غم میں گھلا جاتا ہے کہ آیا وہ بھی یہ ذمہ داریاں کس طرح انجام دے اللہ رحم کرے ہمارے حالوں پر اور صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے۔ الحمد للہ اپنے شہر دھامپور اور اس کے اطراف و جوانب جہد مسلسل کے بعد حضرت قاری محمد قاسم صاحب کی ایماء پر "انجمن فلاح دارین" کے تحت ایک عرصہ سے شرعی عدالت کا نظم بحسن وخوبی انجام پارہا ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات فیصل ہوتے ہیں خاص کر میراث، نکاح، طلاق وغیرہ کے معاملات کو حل کر کے حقوق العباد کی ذمہ داریوں پر آمادہ کر کے اسلامی شعار اپنانے کی مسلمانوں میں رغبت دلائی جاتی ہے۔

یہ سب امور معتمد علماء حضرات کی سرپرستی میں انجام پاتے ہیں، بقول آپ کے ضرورت ہے آج ہر علاقہ میں ایسے ہی اداروں کے قیام کی جس سے قوم پیسہ فضول خرچ ہونے سے بچا پا سکے اور اس سے قوم کے ملی و رفاہی کاموں کو انجام دیا جا سکے۔ مخلص محمد راشد ندیم (صاحب) دھام پور، بجنور

محترم مولانا مجیب اللہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ آپ کے ماہنامہ "ارشاد" کا اپنا جو معیار ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں، حالات حاضرہ کے تناظر میں آپ کا اداریہ آج کل کے تمام دینی پرچوں کے اداریوں سے بالکل منفرد ہوتا ہے، اس کے ذریعہ آپ اپنی بات بانگ پکارے پہنچا ہی دیتے ہیں خواہ اس کا رُخ "اپنوں" کی طرف ہو خواہ "غیروں" کی طرف۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے اداریہ کا ایک ایک پیراگراف جھنجھوڑ دینے والا ہے، بالخصوص سعودی وزیر کا وہ جواب جو اس نے مغربی نامہ نگار کے سوال کرنے پر دیا تھا اس سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی کوششیں اور سازشیں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں، ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمہ جہتی تیاریوں کی ضرورت ہے۔

"دین کے بنیادی مسائل یا فروعی" کے عنوان سے جو مضمون "البلاغ" کراچی سے اخذ کیا گیا ہے وہ بھی انتہائی اہم ہے، پھر اس پر آپ کے ریمارک نے اس کو زیادہ پر اثر بنا دیا ہے، یہ مضمون ان تمام لوگوں کو فکر و عمل اور اصلاح حال کی دعوت دیتا ہے جو فروعی مسائل کے اختلاف میں اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں کھپا رہے ہیں۔ اور اسی کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سوچ سمجھ عطا فرمائے۔

نیازمند (جناب) عین الحق (صاحب) جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

محترمی مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ اعظم گڑھ میں قیام کے دوران آپ نے جس خلوص کا مظاہرہ کیا وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس زمانہ میں ایک طالب علم کی آپ نے جو مدد فرمائی وہ قابل قدر ہے۔ آپ سے ڈاکٹر مشیر الحق صاحب کی کتاب سیکولر ہندوستان اور مسلمان، میں ہندوستان کی شرعی حیثیت کے تعلق سے مزید گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن تنگی وقت کی وجہ سے صرف سرسری گفتگو ہی کر سکا۔ لیکن جس قدر بھی گفتگو ہی وہ قابل اطمینان رہی۔ آپ سے مل کر پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ کاش ہمارے علماء اسی طور پر طلباء کی رہنمائی کریں تو علم کی روشنی عالم کو منور کر دے گی۔

آپ نے السید السابق کی کتاب "فقہ السنۃ" کے بارے متعلق وقت کا ترجمہ کروا دینے کا

(بقیہ: صفحہ پر)

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت [illegible]

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے، پورے سٹ کی قیمت [illegible]

(۳) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف [illegible]

۴۔ خطبۂ نکاح جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف [illegible] ہے۔

(۵) مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہئے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت [illegible] ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف [illegible] ہے۔ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پُر سوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔

قیمت صرف ۱۰/-

۸۔ عبادت و خدمت اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ قیمت آٹھ پیسے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہو گئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اس میں اجتہاد کی حیثیت یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع، مسلمان بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی، اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے۔ قیمت ۵۰ پ

یہ آخری کتابچہ اور ریاض الحدیث کے نام سے حدیث کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ قیمت ۲۰/ روپے

شکیل احمد مہتمم کتب دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر، اعظم گڑھ

محترم مرتب الرشاد ظلہٗ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ **اسلامی فقہ حصہ اول و دوم** کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد اللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کردیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کردیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کردیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کردی گئی ہے، یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے، یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ۵۵ دوم ۶۵

۲۔ **اسلامی قانون اجرت** اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :- تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی، ۱۱۰۰۰۶

۳۔ **تبع تابعین** اس کتاب میں انیس ۱۹ اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے، جس میں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت : ۲۵

۴۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں، قیمت ۱۵ روپے

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت : چالیس روپے

۶۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت : ۲۵ روپے

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۸۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت : ۶۵ روپے

۸۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے، قیمت : ۳۰ روپے

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد، رشاد نگر، اعظم گڑھ

جامعۃ الرشاد
ایک نظر میں

محترم حضرات!

جامعۃ الرشاد محض ایک عربی درسگاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے۔ یہاں دینی علوم کی معیاری تعلیم کے ساتھ بقدر ضرورت جدید علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے یہاں سے فارغ ہونے والے طلبار ایک طرف علوم دینیہ میں مہارت رکھتے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم سے بھی بے بہرہ نہیں رہتے۔ گویا یہ ادارہ قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہے، اعلیٰ دینی تعلیم کے ساتھ یہ ادارہ بہت سے ملی کاموں کا بھی مرکز ہے نہ صرف ضلع بلکہ مشرقی اضلاع میں اس وقت جتنے ملی کام ہو رہے ہیں ان کا مرکز یہی ہے۔

تعلیم و تربیت

(۱) صرف و نحو اور عربی ادب و انشا پر شروع سے زور دیا جاتا ہے تاکہ طلبار کو عربی تقریر و تحریر پر پوری قدرت ہو جائے۔

(۲) فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث اور ترجمۂ قرآن پاک اور تفسیر کی معیاری تعلیم تیسرے درجہ تک جاری رہتی ہے، یونانی فلسفہ و منطق کی تعلیم بھی بقدر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کے لئے عربی درجات کے پہلے ابتدائی تین سالوں میں ہر طالب علم کو سورۂ حجرات سے ختم قرآن تک مع تجوید حفظ کرنا ضروری ہے (۴) جامعۃ الرشاد کا نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم و تربیت اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے تفصیل کے لئے "مقاصد، خصوصیات اور نصاب تعلیم" اور "جامعۃ الرشاد اکابر کی نظر میں" والے کتابچوں کا مطالعہ کریں۔

(۵) معیاری تعلیم کے ساتھ بچوں میں زیادہ سے زیادہ علم دین کا ذوق، عمل کا جذبہ، اسلامی اخلاق و کردار کی خوبی ایمان و یقین کی کیفیت اور دعوتِ دین اور اتباع سنت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اُن

Regd. No. Azm/N. . . 42/84 Phone : 222461
Regd. N. R. N. 34937/81

MONTHLY JAMEATUR RASHAD

AZAMGARH—276001 (U.P.) INDIA

Prin... Offset Press, Tanda-Faizabad